یہودیت عیسائیت اور اسلام

شیخ احمد دیدات

یہودیت، عیسائیت اور اسلام

پس منظر...... اہم معلومات...... سنسنی خیز حقائق...... اور تقابل

اس کتاب میں مشہور و معروف محقق، عظیم اسلامی سکالر، عالم تقابل ادیان شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ کی عالمی شہرت یافتہ کتاب "تقابل الادیان السماویہ" کا با محاورہ اردو ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے

مصنف

شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

مصباح اکرم

ترتیب و تحقیق

مفتی محمد وسیم اکرم القادری

عبد اللہ اکیڈمی
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

ہماری کتابیں، معیاری کتابیں
خوبصورت اور کم قیمت کتابیں

ناشر: مشتاق احمد
اہتمام: سلمان منیر

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

نام کتاب	—	یہودیت، عیسائیت اور اسلام
مصنف	—	شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ	—	مصباح اکرم
ترتیب جدید	—	علامہ مفتی محمد وسیم اکرم القادری
اشاعت	—	2010ء
مطبع	—	آر۔آر۔ پرنٹرز، لاہور
ڈیزائن	—	عاطف بٹ
کمپوزنگ	—	گل گرافکس
قیمت	—	روپے

استدعا

پروردگارِ عالم کے فضل، کرم اور مہربانی سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔ شکریہ۔ (ناشر)

انتساب

عمدۃ الاصفیاء، عظیم واعظ و مقرر، عالم تقابل ادیان۔ کتاب ہذا کے مؤلف

شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جنہوں نے جس بھی موضوع پر قلم اُٹھایا اس کا حق ادا کر دیا۔

فہرست

......☆☆☆......

عرض مترجم

ہماری تہذیب میں لاتعداد مذاہب اور اخلاقی نظام موجود ہیں۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام ایسے مذاہب ہیں جو کہ دنیا کے کونے کونے میں پائے جاتے ہیں۔ یہ تینوں مذاہب آفاقی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بنی نوع انسان نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ اپنی تخلیق کا مقصد جان سکے اور کائناتی اشیاء میں اپنا رتبہ متعین کر سکے۔ آرنلڈ ٹائن بی نے انسانیت کے مختلف ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اپنا تحقیقی کام دس جلدوں میں تصنیف کیا ہے اور وہ اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''مذہب تاریخ انسانی میں درمیان میں کھڑا نظر آتا ہے۔''

شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ کسی تعارف کے محتاج نہیں اور نہ ہی ان کی کتب کسی تعارف کی محتاج ہیں۔ ان کی تحریر انگریزی میں بھی وہی شگفتگی لیے ہوتی ہے جیسی شگفتگی ان کی مادری زبان عربی کی تحریر میں ہوتی ہے۔

چند ماہ پہلے شیخ احمد دیدات کی مشہور و معروف کتاب ''تقابل الادیان السماویہ'' پڑھنے کا موقعہ ملا۔ نام سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایک قابل قدر اور علمی کتاب ہے۔ جوں جوں کتاب پڑھتا جاتا دل کے دریچے کھلتے جاتے۔ میں مسلمان ہوں اور ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہوں۔ ہمارا گھرانہ ایک مذہبی گھرانہ ہے لیکن ایسے دلائل کبھی سننے پڑھنے میں نہ گزرے تھے جیسے اس کتاب میں پڑھنے کے لیے ملے۔ کتاب جب اختتام کو پہنچی تو میں اسلام کے صحیح تصور سے روشناس ہو چکا تھا۔ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ یہودیت اور عیسائیت کی تاریخ و عقائد کیا ہیں اور اسلام کو ان پر کیا برتری حاصل ہے۔

میرے دل میں خیال گزرا کہ کیوں نہ اس علم تقابل ادیان کی روشنی اپنے دوسرے اردو دان بھائیوں تک پہنچاؤں جو عربی سے نابلد ہیں۔ اسی دوران مشتاق بک کارنر کے مالک محمد سلمان صاحب سے اسی کتاب کے بارے میں بات ہوئی تو انہوں نے یہ کہہ کر میرے جوش و ولولے کو

اور زیادہ کر دیا:

"بھائی! دیر کس بات کی۔؟ آپ اس کتاب کا ضرور بالضرور ترجمہ کریں۔ ہم اشاعت کے لیے تیار ہیں۔"

اسی دوران شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ "مجلس الاسلام" کے سیکرٹری نشرو اشاعت شیخ محمد ولید عبدالرحمٰن القاضی کا ای میل میسر آ گیا۔ مجلس سے باقاعدہ اجازت کے بعد اس کتاب کا ترجمہ شروع کر دیا اور بالآخر میں چار ماہ کے قلیل عرصہ میں اسے اردو جامہ پہنانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ کہیں کوئی ابہام نہ رہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ کہیں کوئی ایسی بات نظر آئے تو اس سے درگزر کریں۔ واللہ! یہ کمی میری ہی طرف سے رہی ہو گی، مصنف قبلہ شیخ احمد دیدات اس سے بری الذمہ ہیں۔

شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ کی چند ایک مشہور و معروف کتب پر بھی کام شروع ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ! عنقریب وہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہوں گی۔ انشاء اللہ!

شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ عالم اسلام کے بلند پائے کے عالم تھے۔ آپ تقابل ادیان کے عالم و معلم تھے۔ آپ نے مصر میں "الحافظ" یونیورسٹی قائم کی ہے۔ آپ کی قائم کردہ مجلس الاسلام علماء پر مشتمل ہے۔ آپ نے کئی علماء یہود و نصاریٰ سے مناظرے کیے اور دین اسلام کی دیگر ادیان پر فوقیت کو واضح کیا۔ چند سال پہلے (2007 میں) آپ کا وصال ہوا اور آپ کو الحافظ یونیورسٹی کے اس کمرے میں دفن کیا گیا جو آپ نے عبادت کے لیے مخصوص فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

پیش لفظ

الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی خاتم النبین وعلیٰ جمیع الانبیاء و المرسلین

اما بعد:

الحمدللہ! ثم الحمدللہ! میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔! آج سے دس سال پہلے میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں مشہور تین آسمانی ادیان "یہودیت،عیسائیت اور اسلام" کا تقابل اہل جہاں کے سامنے بصورت کتاب پیش کروں گا۔ پھر کیا تھا کہ بس کام شروع کر دیا۔ دن رات، صبح وشام، اٹھتے بیٹھتے اور اہل علم کی محافل میں بس اسی کا تذکرہ ہوتا۔ حتی کہ ان دس سال کے خطبات جمعہ و عیدین میں بھی اسی موضوع پر تقاریر کیں۔ یہ موضوع دل میں رچ بس گیا کہ ہر وقت اسی کی گفتگو ہوتی اور اسی پر سوچتا۔ مطالعہ کا تو حال ہی نہ پوچھیں کہ دس سال پڑھا تو بس تینوں مذاہب کی کتب کو ہی۔

قارئین کرام! یہ کتاب میری دس سال کی سعی کا نچوڑ ہے۔ آج اس کتاب کا ابتدائیہ لکھتے ہوئے میری آنکھیں اشک بار ہیں۔ یہ آنسو اس نعمت کا تشکر ادا کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عدل وحق کے ساتھ تقابل کی توفیق مرحمت فرمائی۔

میرا دل چاہتا تھا کہ اس کا نام رکھو:

"دیگر ادیانِ سماویہ پر اسلام کی برتری"

لیکن میں نے سوچا کہ کہیں کوئی اس نام سے چڑ کھا کر اسے تقابل کے بجائے ذاتی رائے والی کتاب نہ سمجھے۔ اس لیے میں نے اس کتاب کا نام رکھا:

"تقابل الادیان السماویہ"

"آسمانی ادیان کا تقابل"

اس کتاب کو میں نے ایک مقدمہ اور چار حصوں میں منقسم کیا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

مقدمہ: مطالعہ تقابل، مذہب کا ارتقائی اور الہامی نظریہ اور مذاہب عالم کی تقسیم۔

حصہ نمبر 1: دین یہود اور اس کے متعلقات۔

حصہ نمبر 2: دین مسیح اور اس کے متعلقات۔

حصہ نمبر 3: دین اسلام اور اس کے متعلقات۔

حصہ نمبر 4: تینوں آسمانی ادیان کا تقابل۔

☆☆☆

مقدمۃ الکتاب

الجزء الاول:

مطالعۂ تقابلِ ادیان

دین اور اس کا مفہوم

دین اور مذہب میں فرق:

دین کی جمع ادیان ہے۔ عام گفتگو میں دین اور مذہب کے الفاظ ہم معنی الفاظ کے طور پر بولے جاتے ہیں۔ ''دین'' مذہب کے لئے اسلامی اصطلاح ہے اور یہ مذہب سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

دین کسے کہتے ہیں:

دین سے مراد جامع نظامِ زندگی اور کامل ضابطۂ حیات ہے۔ اس طرح دین ہماری پوری زندگی پر محیط ہے۔ اس میں تمام شعبہ ہائے زندگی، عقائد و عبادات، اخلاق معاشرت، معیشت اور سیاسی امور شامل ہیں۔ دین کا مقصد انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح ہے۔

انبیاء کا دین:

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی دین ''دینِ اسلام'' کے داعی تھے۔ دوسری اقوام نے اصل دین کو بگاڑ دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی بھیجے تا کہ اصلی ہدایت دوبارہ انسانوں تک پہنچائی جائے۔ یہ دین اپنی آخری اور تکمیلی شکل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اور آج بھی اپنی

اصل شکل میں موجود اور محفوظ ہے۔

”دین“ اطاعت وجزاء کا مجموعہ:

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تالیف ”مفردات“ لکھتے ہیں:

”الطاعة والجزاء“

”دین اطاعت اور جزاء ہے۔“

اس کی تائید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع بخاری میں بیان کی ہے۔صحیح بخاری میں ہے:

”اَلدِّيْنُ الْجَزَآءُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ“

”دین سے مراد اچھائی اور برائی کا بدلہ ہے۔“

قرآن مجید میں استعمال:

علاوہ ازیں قرآن مجید میں دین کا کلمہ غلبہ واستیلاء، اطاعت و بندگی، ضابطہ وطریقہ، نیز محاسبہ اور جزا وسزا کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔

دین کے اجزائے ترکیبی:

دین ایک کامل نظام زندگی کی نمائندگی کرتا ہے جس کے اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں:

1: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کا اقتدار اعلیٰ۔

2: اس حاکمیت الٰہی کی اطاعت وفرمانبرداری۔

3: ایک مکمل نظام میں فکر وعمل جو اس حاکمیت کے تابع ہو۔

4: جزاوسزا جو اس نظام کی اطاعت یا نافرمانی کے بدلہ میں دی جائے۔

خالص اسلامی اصطلاح:

اس طرح ”دین“ خالص قرآنی اور اسلامی اصطلاح ہے جو مذہب کی اصطلاح سے کہیں زیادہ وسیع اور جامع ہے۔الغرض دین سے مراد ایسا کامل اور جامع نظام زندگی ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرے،اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اور اس کے قواعد وضوابط کے مطابق زندگی بسر کرے۔نیز اس کی اطاعت پر عزت وسرفرازی اور انعام کا امیدوار ہو اور اس

کی اس نافرمانی پر ذلت و خواری اور سزا سے ڈرے۔ اقتدار اعلیٰ کا یہ مرتبہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اسلام ہی وہ دین ہے جو اس اقتدار کی اساس پر قائم ہے۔

اسلام ایک مکمل دین:

اسلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لئے درست طریقہ زندگی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"

(القرآن المجید، سورۃ المائدہ، آیت نمبر:3)

"آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور اسلام کو تمہارے لئے دین پسند کیا۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ"

(القرآن المجید، سورۃ آل عمران، آیت نمبر:99)

"بے شک اللہ کے نزدیک تو اصل دین "دین اسلام" ہے۔"

سورت آل عمران میں ارشاد ہے:

"وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ"

(القرآن المجید، سورۃ آل عمران، آیت نمبر:85)

"اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کی پیروی کرے گا اس سے وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔"

مطالعۂ تقابلِ اَدیان اور اس علم کی اہمیت

تقابل ادیان کی غرض:

تقابل ادیان سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں پائے جانے والے مشہور مذاہب اور معروف ادیان کی تعلیمات کا غیر متعصبانہ تقابل اور غیر جانبدارانہ موازنہ کیا جائے۔ نیز تمام مذاہب کی خوبیوں کا

کھلے دل سے اعتراف کیا جائے۔ تقابل ادیان سے مراد مختلف مذاہب کے بنیادی عقائد، عبادات اور رسوم کا ایسا ناقدانہ اور عادلانہ جائزہ ہے جس سے ہر ایک مذہب کی قدر و قیمت، خوبیاں اور خامیاں پوری طرح روشن ہو جائیں۔ مطالعہ تقابل ادیان کے دوران اگر کسی دین کی خوبی سامنے آتی ہے تو اسے بلا تکلف سراہا جائے۔ نیز اگر کوئی خامی ہے تو اسے دلیل اور برہان سے رد کیا جائے تا کہ حق تک رسائی ممکن ہو۔ دین اسلام کی فضیلت کو دلائل عقلیہ اور اس کی حقانیت کو تاریخی شواہد سے ثابت کیا جائے تا کہ نئی نسل اور تعلیم یافتہ طبقہ اس پر شعوری ایمان لائے، اسے شرح صدر سے قبول کرے اور نتیجتاً وہ اپنی زندگیوں میں مطلوبہ پسندیدہ تبدیلیاں لائے۔

تقابل مشکل ترین کام:

ادیان کا مطالعہ اور تقابل درحقیقت ایک بہت مشکل کام ہے۔ انسان جس عقیدے اور رائے پر ایمان رکھتا ہو اس کے مخالف عقائد و آراء کے ساتھ بہت کم انصاف کر سکتا ہے۔ یہ کمزوری انسانی طبائع میں بہت عام ہے مگر خصوصیت کے ساتھ مذہبی گروہوں میں تو اس نے تعصب و تنگ نظری کی بدترین شکل اختیار کر لی ہے۔

تقابل یا تنقید:

ایک مذہب کے پیرو جب دوسرے مذاہب پر تنقید کرتے ہیں تو ہمیشہ ان کے تاریک پہلو ہی تلاش کرتے ہیں اور روشن پہلو کو یا تو دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے یا اگر دیکھ بھی لیتے ہیں تو اسے دیدہ و دانستہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذہبی تنقید سے ان کا مدعا در اصل حق کی تلاش نہیں ہوتا بلکہ محض اس رائے کو جسے وہ تحقیق سے پہلے اختیار کر چکے ہیں درست ثابت کرنا ان کا مدعا ہوتا ہے۔ اس طریقہ سے تقابل ادیان کے تمام فوائد زائل ہو جاتے ہیں اور خود اس مذہب کو بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا جس کی تائید میں یہ گمراہ کن طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اگر تقابل مقصد حق کی تحقیق اور اس کے احقاق کے سوا کچھ اور نہیں ہے تو یقیناً اس مقصد کے حصول کا بھی یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے کہ آدمی پہلے سے دوسرے مذاہب کے متعلق ایک مخالفانہ رائے قائم کرے اور ان کا مطالعہ صرف اس نیت سے کرے کہ ان کی خوبیوں پر پردہ ڈالنا ہے اور ان کی برائیوں کو تلاش کر کے ان سے اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنی ہے۔ اس قسم کی بددیانتی اور

فریب کاری سے کسی مذہب کو نہ تو فی الحقیقت برتری کا اثبات ہوگا، نہ ایسی کامیابی کسی دین کے لئے باعث فخر ہو سکتی ہے اور نہ ہی نہ حق وصداقت کی نظر میں ایسے مذہب کو کوئی وقعت حاصل ہو سکتی ہے۔

اگر اس طرح دھوکا کھا کر کوئی شخص اس کی حقانیت کا معتقد ہو جائے تو یہ اعتقاد بالکل نا قابل اعتماد ہوگا کیونکہ اس کی بنیاد ہی غلط ہوگی۔ ان مفاسد سے احتراز کر کے تقابل ادیان کی بحث کو کسی صحیح نتیجہ پر پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے تقابل کے چند اصول طے کر لئے جائیں اور پھر ان کی سختی کے ساتھ پابندی کی جائے۔

تقابل ادیان کے چار اہم ترین اصول:

تقابل ادیان کے درج ذیل اصول ہونے چاہئیں:

1: ایک مذہب کی تعلیم کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب کی تعلیمات کو کلیۃً غلط ثابت کیا جائے۔

2: یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک مذہب میں حق وصداقت کے موجود ہونے سے دوسرے مذاہب میں اس کا عدم لازم آئے۔ حق ایک کلی حقیقت ہے جس کے افراد خواہ کہیں ہوں بہر حال اسی ایک کلی کے فرد رہتے ہیں۔ حال ومقام کے بدلنے سے ان کی حقیقت واصلیت نہیں بدلتی جو حق ہمارے مذہب میں پایا جاتا ہے اس کا دوسرے مذہب میں پایا جانا دونوں میں سے کسی مذہب کے نقص کی دلیل نہیں ہے کہ اس پر خواہ مخواہ پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے بلکہ دراصل وہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کسی ایک مشترک چشمہ حق سے ماخوذ ہیں جس کا فیض دونوں کے پاس محفوظ رہا ہے۔ پس حق کا جتنا اور جیسا فیضان جہاں کہیں بھی موجود ہے اس کا مستحق ہے کہ اس کی قدر کی جائے نہ کہ خواہ مخواہ کھینچ تان کر اسے بے قدر ثابت کرنے پر زور صرف کیا جائے۔

3: جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حق اس کے مذہب کے سوا کہیں اور موجود ہی نہیں ہے وہ دوسرے مذہب پر نہیں خود حق پر بھی ظلم کرتا ہے۔ حق وصداقت کی روشنی کم وبیش سب جگہ موجود ہے۔ البتہ ارباب تحقیق جب کسی ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی نگاہ میں وہ مذہب تجلیات حقیقت کا مظہر اتم ہوتا ہے۔ پس تقابل ادیان کے کسی متعلم کو بھی یہ پیشگی فیصلہ کر کے نہ بیٹھ جانا چاہئے کہ اس کے مرغوب مذہب کے سوا تمام مذاہب حق

کی روشنی سے خالی ہیں۔ اسے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کے سامنے حق اور باطل دونوں ملے جلے آئیں گے اور اس کا کام یہ ہوگا کہ اپنی عقل اور قوتِ تمیز سے کام لے کر حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھے اور ان کو ایک دوسرے سے غلط ملط نہ ہونے دے۔

4: مذہبی تحقیقات میں اس امر کا خاص اہتمام کرنا چاہیے کہ کسی مذہب کے متعصب مخالفین اور خالی متبعین دونوں کی تصنیفات کے مطالعہ سے پرہیز کیا جائے۔ ابتدائی تحقیقات میں اس قسم کے لوگوں کی تصنیفات کے مطالعہ سے ایک ناظر کبھی صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ زیرِ تحقیق مذہب کے اصلی چہرے کو دیکھنے سے پہلے ہی اس کے اصلی رنگ کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ اگر اس تحقیقات کو کسی صحیح نتیجہ پر پہنچانا ہو تو یہ ضروری ہے کہ کسی مذہب کو اس حیثیت سے نہ دیکھا جائے کہ دوسرے اس کو کس شکل میں دیکھتے ہیں بلکہ اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ وہ خود اپنے آپ کو کس شکل میں دکھاتا ہے۔ اس کے لئے حتی الامکان ہر مذہب کے مآخذِ اصلیہ کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اُن کو پڑھ کر خود اپنی عقل سے فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ مذہب کہاں تک صحیح اور کہاں تک غلط ہے۔ پھر جب آدمی خود ایک رائے قائم کر لے تو اس کے بعد دوسروں کی آراء و افکار کا مطالعہ کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اس وقت وہ حق و باطل میں بآسانی امتیاز کر سکے گا۔

مطالعۂ تقابلِ ادیان کے فوائد:

مطالعہ تقابلِ ادیان سے ہمارے مطالعہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں جن سے رواداری، تحمل اور مخالف نقطہ نظر کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ نیز پتہ چلتا ہے کہ مختلف مذاہب میں بعض مشترک تعلیمات پائی جاتی ہیں جو اَزلی اور اَبدی انسانی اقدار ہیں اور فی الحقیقت یہی صداقتیں اور اقدار پائیدار ہیں جو ہر زمانے اور مذہب میں موجود رہی ہیں۔ اس طرح ہم تقابلِ ادیان کے مطالعہ سے تمام مذاہب کی خوبیوں سے آشنا ہوتے ہیں اور عملاً انہیں اپنا سکتے ہیں جس سے بلند کرداری، فکری بلندی اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں مطالعۂ مذاہب سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ہادیانِ مذاہب عموماً عالی ہمت، راست گو، مستقل مزاج اور نسلِ انسانی کا بہترین گروہ تھا جو ہم سب کے لئے قابلِ فخر طبقہ ہے۔ اس کے برعکس ان کے مخالفین کینہ پرور، خود غرض، دنیا پرست، کم ہمت، بے صبرے اور گھٹیا کردار کے حامل تھے۔ لہٰذا ہمیں رذائلِ اخلاق سے پرہیز اور فضائلِ اخلاق کو اپنانا چاہیے۔

مطالعہ تقابل ادیان سے ہمیں حق و باطل کے مابین اس کشمکش کا پتہ چلتا ہے جو ازل سے خیر و شر اور انسان و شیطان میں برپا ہے۔ مطالعہ مذاہب ہمیں بتاتا ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک میں ہادیانِ برحق آتے رہے جو نوعِ انسانی کو خالقِ حقیقی کی عبادت کی طرف دعوت دیتے رہے لیکن انسانوں کی اکثریت ہمیشہ بے شمار باطل معبودوں اور فطری مناظر کے سامنے سجدہ ریز رہی ہے۔ اسی طرح ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دنیوی زندگی حق و باطل کی رزم گاہ ہے اور اس میں حق پرستوں کے لئے مخالفت، ابتلاء اور آزمائش لازمی ہے۔ نیز انسانوں کی اکثریت ہمیشہ حق پر نہیں ہوتی۔

مذاہب کی تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں نہ صرف اس زمانے یا علاقے کے لوگوں کی ثقافتی اور تمدنی حیثیت کے تعین میں مدد ملتی ہے بلکہ فی الحقیقت اس عہد کے انسان کی ذہنی، علمی اور فکری صلاحیتوں کا اندازہ لگانا مذہبی عقائد کی روشنی میں نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مذہبی عقائد کا تمدن اور تہذیب کے ساتھ تعلق بھی گہرا ہوتا جاتا ہے۔ پھر مختلف مذاہب کی عبادت گاہیں مختلف تہذیبوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔

تقابل ادیان سے نہ صرف ہماری دینی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ علم و استدلال کی نئی راہ کھلتی ہے۔ ہر مذہب کا اپنا فلسفہ اور علم الکلام ہوتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے درست اور نادرست خوب اور خوب تر کا فرق واضح ہوتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں، ہمارا دین بفضل تعالیٰ عقل و خرد کا دین ہے جو عقلی معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس طرح تقابل ادیان سے غیر شعوری ایمان کو شعوری اور عقائد کو مستحکم بنانے میں مدد ملتی ہے۔ نیز قوت استدلال میں اضافہ ہوتا ہے اور تنقیدی نظر کو جلا ملتی ہے۔ نیز تعصب و تنگ نظری کا خاتمہ ہوتا ہے۔

مذاہب عالم کے مطالعہ میں ہم ہادیانِ مذاہب کے کارناموں کا ذکر پڑھتے ہیں جو انہوں نے فلاحِ فرد اور فلاحِ انسانیت کے لئے انجام دیئے اور معلمانہ انداز سے روحانی، اخلاقی، سیاسی اور اجتماعی انقلاب برپا کرنے میں سخت مصائب اٹھائے۔ اس کے ساتھ ہی ہم گزشتہ اقوام کا کردار اور ان کے عروج و زوال کی داستانیں پڑھتے ہیں، جن کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جن اقوام نے نیکی اور بھلائی کی راہ اختیار کی انہوں نے فلاح و سعادت پائی اور جو قومیں ظلم، عدوان، بغاوت اور سرکشی کرتے ہوئے شیطان کی راہ پر چلیں وہ اپنی مادی قوت اور اقتصادی خوشحالی کے باوجود تباہی اور ہلاکت سے دوچار ہوئیں۔

مطالعہ مذاہب سے ہمیں موعظت و عبرت کے اسباق ملتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"اُنظُرُوا کَیفَ کَانَ عَاقِبَۃُ المُکَذِّبِینَ"

"دیکھو! جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔"

تقابل ادیان کے مطالعہ سے مختلف اقوام میں پھیلی ہوئی حکایات، روایات اور مذہبی کتب میں مذکور مواد میں جو غلط اجزاء شامل تھے ان میں رطب و یابس، صحیح و غلط کے امتیاز کا فرق واضح ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ پیروانِ مذہب اپنی خوش عقیدگی اور لاعلمی سے شعوری طور پر اپنے مذاہب میں ترمیم اور اضافے کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح مختلف مذاہب میں حقیقی اور افسانوی معلومات میں تمیز کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ الغرض مطالعہ تقابل ادیان متعدد فوائد کا حامل ہے۔

☆☆☆

الجزء الثانی:

مذہب ارتقاء اور الہام کی نظر میں

دو نظریئے

مذہب کے آغاز کے بارے میں دو نظریئے پائے جاتے ہیں۔ ایک ارتقائی نظریہ اور دوسرا الہامی نظریہ۔ ذیل میں ہم ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

ارتقائی نظریہ

ڈارون اور جولین ہکسلے:

ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے متاثر ہو کر مغربی محققین اور مستشرقین کی اکثریت نے مذہب کا ارتقائی نظریہ پیش کیا ہے۔ جدید ماہرین کو چونکہ ہر چیز میں ارتقاء کی کارفرمائی نظر آتی ہے لہٰذا انہوں نے یہ نظریہ بڑی شد و مد سے پیش کیا ہے۔

مذہب کے ارتقائی نظریہ کی رو سے انسان کی ابتداء جہالت اور گمراہی سے ہوئی۔ بعد ازیں اس نے بتدریج مشرکانہ خدا پرستی اپنالی۔ ان ارتقائی مراحل کی تفصیل میں کافی اختلاف ہے۔ مثلاً: بعض محققین کا خیال ہے کہ مذہب کی ابتداء اکابر پرستی سے ہوئی جب کہ دوسروں کی رائے میں ابتداء مظاہر پرستی سے ہوئی۔ ان کا خیال ہے کہ انسان نے ابتداء میں اپنی کم فہمی اور لاعلمی کی وجہ سے مظاہر فطرت کی پرستش شروع کر دی کیونکہ ابتدا میں اس کی زندگی و موت کا انحصار کافی حد تک ان پر تھا۔ مثلاً: سیلاب، طوفان، زلزلے اور آتش فشاں وغیرہ۔ لیکن جوں جوں اس کا علم بڑھتا گیا اور جہالت دور ہوتی گئی تو اس نے محسوس کیا کہ یہ مظاہر فطرت خدائی قوتیں نہیں رکھتے۔ ابتدا میں لوگوں نے ہر چیز کو دیوتا بنالیا لیکن علمی ترقی کے ساتھ ساتھ خداؤں کی تعداد میں کمی ہونے لگی حتیٰ کہ آخر میں صرف ایک خدا رہ گیا۔

جولین ہکسلے پہلا مغربی مفکر ہے جس نے ڈاروِن کے نظریہ ارتقاء کو مذاہب کی تاریخ پر چسپاں کیا۔ وہ لکھتا ہے:

"پہلے جادو پیدا ہوا پھر روحانی تصرفات نے اس کی جگہ لے لی۔ پھر دیوتاؤں کا عقیدہ اُبھرا بعدازیں خدا کا تصور آیا۔ اس طرح ارتقائی مراحل سے گزر کر مذہب اپنی آخری حد کو پہنچ چکا ہے۔"

مذہب کے ارتقائی نظریہ کے حامیوں نے انسان کے مذہبی ارتقاء کے درج ذیل مراحل بیان کئے ہیں۔ جن کی ہم قدرے تفصیل بیان کرتے ہیں۔

پری انی میزم:

پری انی میزم سے مراد مظاہر پرستی سے قبل کا دور ہے یعنی لامذہبیت۔ ماہرین کا خیال ہے کہ مذہبی لحاظ سے انسان کی ابتداء گمراہی اور جہالت سے ہوئی۔ جب انسان پیدا ہوا تو وہ مذہب کے تصور سے بالکل نا آشنا تھا۔ اسے مذہب اور مذہبی عبادات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ بالکل سادہ زندگی گزارتا تھا اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے سوا اس کے سامنے اور کوئی مقصد حیات نہ تھا۔

انی مزم:

دوسرا مرحلہ مظاہر پرستی تھا کہ جب انسان نے مختلف مظاہر فطرت کی پرستش شروع کر دی۔ اس کی ابتداء زمین کی پرستش سے شروع ہوئی۔ سوسائٹی کا اولین نظم اُمہاتی نظم تھا اور مرد کے مقابل عورت کو زیادہ فوقیت حاصل تھی۔ چونکہ زمین جس پر انسان رہائش پذیر تھا ایک ماں کی طرح اس کی پرورش کرتی تھی۔ لہٰذا اول زمین کی پرستش ہوئی اور دھرتی ماتا (Mother Land) کا تصور پیدا ہوا۔

بعدازاں جب سوسائٹی میں مرد کو فوقیت حاصل ہوئی تو ابوی نظام کو ترجیح دی جانے لگی۔ اسی لیے سورج اکثر مشرک قوموں کا دیوتا اور معبود رہا ہے اور اب بھی ہے۔ بھارت میں سوریہ دیوتا، مصر میں ہورس، ایرانیوں کے ہاں "ہور" یا "خور" سورج دیوتا کے مختلف نام تھے۔ سورج پرستی نے ستارہ پرستی کو بھی جنم دیا۔ جس سے علم نجوم کی بنیاد پڑی اور کائنات کی گردش کو سیاروں کی گردش سے منسلک کر دیا گیا حتی کہ قسمت کو لوگ آج بھی ستارہ کہتے ہیں۔ ستاروں میں سب سے زیادہ اہمیت "قطب ستارے" کو حاصل تھی کیونکہ وہ آسمان کا مرکز تھا اور سارے ستارے اس کے گرد

گردش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مصرقدیم کے دیوتا ہورس کا کہنا ہے:

"میں ہوں جو آسمان کے قطب پر صدر نشیں ہوں اور تمام خداؤں کی طاقتیں میری طاقتیں ہیں۔"

مختلف قوموں نے پہاڑوں کی بھی پرستش کی ہے اور ان کے تقدس اور پاکیزگی کے راگ الاپے ہیں۔ مثلاً: ہندوؤں میں کیلاش پربت جس کی طرف بارش اور زمین کی زرخیزی کو منسوب کیا جاتا ہے۔

آگ کے متعلق تو ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ زمانہ قدیم سے آتش پرستوں کی معبود رہی ہے اور ہندوستان میں آج بھی دوسرے دیوتاؤں کے ساتھ اگنی دیوتا بھی ویدوں کا معبود رہا ہے۔ قدیم ہند میں آریہ لوگ اگنی کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ پارسی قدیم زمانے سے آتش پرست رہے ہیں۔ یونان کے ہر بڑے شہر میں ایک بڑا آتش کدہ ہوتا تھا جہاں دن رات آگ روشن رہتی تھی۔

پانی کی پوجا کا تصور بھی قدیم ہے۔ آگ کے بعد پانی کی سب سے زیادہ پرستش کی گئی۔ مصر میں دریائے نیل کی پوجا ہوتی تھی۔ ہندوستان میں گنگا اور جمنا کے پانی کو مقدس خیال کیا جاتا تھا۔ نیز دریائے سرسوتی کی دیوی علوم وفنون کی سرپرست خیال کی جاتی تھی۔ دریاؤں کو خوش کرنے کے لئے انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی اور مصر میں ہر سال ایک دوشیزہ لڑکی کو دریائے نیل کی نذر کیا جاتا تھا۔

ہوا کو ویدک دور میں "وابو دیوتا" کا لقب دیا گیا اور قدیم ہند میں اس کی پوجا کی گئی۔

جنسی اعضاء بھی پوجے جاتے رہے ہیں جو انسانی گراوٹ کی انتہا ہے۔ ہندوؤں میں شنو کی پوجا مشہور ہے۔ ہندوستان کے علاوہ یونان، روم، مصر اور عراق بھی جنسی اعضاء کی پرستش کے مرکز رہے ہیں۔

ٹوٹم ازم:

مظاہر پرستی کے ساتھ ساتھ انسان نے بعض جانوروں کی بھی پرستش کی ہے مثلاً: یونان میں سانڈ، ایران میں گھوڑا، ہندوستان و مصر میں گائے کی پرستش ہوتی رہی ہے اور آج بھی ہندوستان میں تقدس سے گائے کو "گائے ماتا" کہا جاتا ہے۔ بلکہ ہندوؤں نے تو ہر ہر جانور کی پرستش کی ہے۔ جن میں بچھو، سانپ، کچھوا، ہاتھی اور حشرات الارض شامل ہیں۔ شمالی امریکہ میں حیوان پرستی

کوٹوٹم پرستی کہا جاتا ہے۔ قدیم چین اور جاپان میں بھی حیوان پرستی رائج رہی ہے۔

اکابر پرستی:

اس کے بعد کا دور اجداد پرستی یا اکابر پرستی کا دور کہلاتا ہے۔ اس کا سبب انسان کا یہ تجسس تھا کہ موت کیا چیز ہے؟ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے خیال کیا کہ شاید مرنے والوں کو وفات کے بعد اگلے جہان میں آرائش وزیبائش اور دوسری ضروریات زندگی کی ضرورت ہوتی ہوگی لہٰذا اس نے ضروریات زندگی کو بھی مردوں کے ساتھ دفن کرنا شروع کر دیا۔ پھر اسے خیال ہوا کہ اگر ہم نے مردوں کی چھوڑی ہوئی اشیاء کو استعمال کیا تو وہ کہیں ناراض ہو کر ہمیں نقصان نہ پہنچائیں۔ یہ خوف اور اعزاز کی محبت اکابر پرستی کا سبب بنی اور لوگوں نے اپنے اکابرین، بادشاہوں اور قبائلی سرداروں کے لئے مقدس اور خود ساختہ عبادات اور مراسم کا نظام قائم کیا۔ غرضیکہ دنیا کے ہر خطے میں کسی نہ کسی شکل میں اکابر پرستی کا رواج رہا ہے۔

فرضی دیوتاؤں کی پرستش:

پانچواں دور غیر مرئی اور خود ساختہ اور موہوم دیوتاؤں کا دور ہے۔ یونان، روم، مصر، ایران اور عراق میں کئی فرضی خدا اور موہوم دیوتا گھڑ لئے گئے اور ان کی پوجا ہونے لگی۔ عرب جاہلیت میں ایسے دیوتاؤں کی کمی نہ تھی۔ ان فرضی دیوتاؤں کو بعض صفات سے متصف کیا گیا اور بعض کو تو ہر لحاظ سے کامل معبود کا درجہ دیا گیا۔ اس لئے اس دور کو مغربی مفکرین توحید کا ناقص دور بھی کہتے ہیں۔

توحید الٰہی کا دور:

انسان مظاہر پرستی، اکابر پرستی اور شرک پرستی سے ہوتا ہوا آخر خالص توحید کی منزل تک پہنچتا ہے۔ اسلام نے توحید الٰہی کا کھرا، صاف ستھرا اور بے لاگ تصور پیش کیا ہے اور یہ انسانیت کی بلوغت کا اعلان ہے۔ بقول مولانا محمد علی جوہر مرحوم:

جب اپنی پوری جوانی پہ آ گئی دنیا
تو زندگی کے لئے آخری پیام آیا

مغربی مفکرین کے ارتقائی نظریئے کے مطابق انسان نے اپنی ابتداء جہالت، لاعلمی اور

گمراہی سے کی تھی۔ پھر انسان مختلف مراحل طے کرتا ہوا توحید خالص تک پہنچا تھا لیکن اب دنیا پر دہریت اور لامذہبیت کی طرف رواں دواں نظر آتی ہے۔ سوشلزم، کمیونزم اور نیچریت اس کی مختلف شکلیں ہیں۔ انسان آخر کار اپنی کم فہمی، کوتاہی اور کم عقلی کے باعث پھر عملاً جاہلیت کی طرف لوٹ آیا ہے، جہاں سے اس نے اپنے مذہبی سفر کا آغاز کیا تھا۔

مذہب کا الہامی نظریہ

روز اول سے حق شناسی:

الہامی اور ارتقائی دونوں نظریات آپس میں متصادم ہیں۔ مذہب کا الہامی نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کو جب اس دنیا میں بھیجا تو اول روز سے ہی ان کی تمام مادی ضروریات کی طرح ان کی روحانی ضروریات یعنی دینی ہدایت کا بھی سامان کیا۔

انسان اول معلم توحید الٰہی:

اس طرح انسان اول پوری طرح ہدایت یافتہ تھا۔ وہ نہ صرف توحید پرست تھا بلکہ توحید الٰہی کا پیغامبر تھا۔ اس نظریئے کی رو سے ابتدائے آفرینش سے انسان کا اصلی مذہب توحید رہا ہے۔ شرک اس وقت پیدا ہوا جب انسانی آبادی میں اضافہ اور پھیلاؤ ہوا اور انبیاء کی تعلیم دھندلی پڑ گئی۔

بعثت انبیاء:

انسانیت کو صراط مستقیم اور توحید خالص سکھانے کے لئے وقفے وقفے سے ہر زمانے اور ہر قوم کی طرف رسول بھیجے گئے۔

نظریۂ ارتقاء کا ابطال:

اس اعتبار سے توحید قدیم اور شرک جدید ہے۔ یہی بات ڈاروِن کے نظریہ ارتقاء کے ابطال کے لیے کافی ہے۔ تاریخ خود اس نظریئے کا ابطال کرتی ہے۔ مسیح علیہ السلام سے ڈھائی ہزار برس قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام خالص توحید کے پرستار تھے اور مسیح علیہ السلام سے دو ہزار برس بعد آج بھی نوع انسانی میں کروڑوں آدمی شرک کے پرستار ہیں۔

تین بڑے مذاہب:

اس وقت دنیا میں جو بڑے بڑے مذاہب عیسائیت، یہودیت اور اسلام پائے جاتے ہیں، ان کے داعی اللہ تعالیٰ کے رسول اور پیغمبر تھے۔ ان کی تعلیمات جزوی فرق سے خالص توحید پر مبنی تھیں۔ بعد ازاں عیسائیت اور یہودیت کے پیروکاروں نے اپنے مذاہب میں من مانی ترامیم اور تحریفات کر لیں۔

ارتقائی نظریہ کی بیخ کنی اور مغربی مفکرین:

علم اور انسان کی جدید تحقیق سے اکثر مغربی مفکرین بھی اب ارتقائی نظریہ کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور الہامی نظریہ کو ماننے لگے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر شمٹ نے اپنی کتاب The Origin and Growth of Religion میں لکھا ہے:

"علم شعوب وقبائل انسانی کے پورے میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب بالکل بے کار ہو گیا ہے۔ نشوونما کی کڑیوں کا وہ خوش نما سلسلہ جو ان مذاہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کیا تھا۔ اب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور نئے تاریخی رجحانوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہے۔ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کے ابتدائی تصور کی اعلیٰ ترین ہستی فی الحقیقت توحیدی اعتقاد کا خدائے واحد تھا اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا۔"

(The Origin and Growth of Religion، صفحہ 242)

بھولے بسرے نظریے:

الغرض ڈارون کا نظریۂ ارتقاء اب ایک بھولا بسرا نظریہ ہے اور مذاہب کے ارتقاء کے بارے میں جولین ہکسلے اور دیگر مغربی مفکرین کے نظریات بے وزن، بے سروپا اور بے حقیقت ہیں۔ جدید تحقیقات نے اس کا مکمل ابطال کر دیا ہے۔

☆☆☆

الجزء الثالث:

مذاہبِ عالم بنیادی اور نسلی تقسیم کی نظر میں

مذاہب کی بنیادی اقسام

بنیادی طور پر مذاہب کی دو اقسام ہیں:

1: سامی مذاہب

2: غیر سامی مذاہب

مذاہب کی نسلی تقسیم

نسلی بنیاد پر موجودہ عالمی مذاہب تین نسلی گروہوں میں منقسم ہیں:

1: سامی مذاہب

2: آریائی مذاہب

3: منگول مذاہب

ان نسلوں کی آبادی کے لحاظ سے وہ مختلف جغرافیائی خطوں میں پائے جاتے ہیں ان کی قدرے تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

سامی مذاہب:

ان میں اسلام، عیسائیت اور یہودیت داخل ہیں لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ ان مذاہب اور خصوصاً اسلام کا عقیدہ صرف سامی نسل کے لوگوں تک محدود رہا یا سامی نسل کی برتری پر مبنی ہے کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے:

"انما المومنون اخوة

(القرآن المجید، پارہ نمبر 27، سورۃ الحجرات)

"مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"لَيْسَ لِلْعَرَبِيْ فَضْلٌ" عَلَى الْعَجَمِيْ وَلَا لِعَجَمِيْ فَضْلٌ" عَلَى الْعَرَبِيْ كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ"

(الصحیح البخاری)

"کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

اسلام کی تعلیم سامی نسل کی تخصیص یا برتری کے بجائے اصول مساوات کی آئینہ دار ہے۔ ان مذاہب کے سامی النسل ہونے کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ اس کا آغاز سامی اقوام میں ہوا۔ ورنہ ایہ تینوں سامی مذاہب آج عالمگیر اور دنیا کے ہر براعظم میں پائے جاتے ہیں اور ان میں سے عیسائیت اور اسلام دنیا کے ہر حصے میں آج بھی زبردست سیاسی طاقت ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے دنیا پر حکمران ہیں۔اس طرح نسل انسانی کی تاریخ کے اہم اور بنیادی دور میں صرف سامی نسل ہی دنیا کی قیادت کرتی رہی ہے۔اس عالمی قیادت کے نیچے اتر کر بھی یہ بات نمایاں ہے کہ غیر سامی اقوام سامی اقوام کے برخلاف کبھی اپنے مرکز سے باہر نمایاں اور بااثر نہیں رہیں۔ مشرق وسطیٰ کے علاقے یا افریقہ، یورپ اور نئی دنیا کے کسی علاقے میں کبھی ان کی عملداری نہیں رہی۔

آریائی مذاہب:

ان مذاہب میں ہندومت، جین مت، زرتشی اور سکھ مت شامل ہیں۔بعض لوگ بدھ مذہب کو بھی آریائی سمجھتے ہیں لیکن یہ امر نزاعی ہے کیونکہ ساکھیا منی (گوتم بدھ) جس علاقہ کے رہنے والے تھے وہ تاریخی طور پر کبھی آریہ کا حصہ نہیں رہا اور نہ اس علاقے کے لوگ آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ وہ منگولی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔کیونکہ نیپال اور اس کا زیریں علاقہ سرحدی ہے۔اس لئے آریائی نسل اور تہذیب کے اثرات بھی اس سنگم میں پائے جاتے ہیں لیکن نسلی ،ثقافتی اور مذہبی حیثیت سے منگولی نسل اور چینی تہذیب وثقافت کے اثرات بھی آریائی نسل اور ہندوثقافت کے اثرات پر غالب ہیں۔محض اس ایک وجہ سے بدھ مذہب کے آریائی ہونے کی تردید ہوتی ہے لیکن اور بھی دیگر قومی قرائن اس کی تائید کرتے ہیں کہ بدھ مت آریائی نہیں بلکہ

منگولی ہے۔ چنانچہ بدھ مت کے موجودہ پیروؤں کی تعداد کا بیشتر حصہ منگولی نسل اور وطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ محض کوئی اتفاق نہیں کہ بدھ مت اپنی توسیع کے دور میں شمال میں بھوٹان، نیپال، تبت و چین اور مشرق میں جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک برما، سیام، جزیرہ نمائے ملایا اور انڈو چائنا میں پھیلا جو منگول نسل کے علاقے ہیں۔

منگولی مذاہب:

ان مذاہب میں کنفیوشی مت، تاؤ مت، اسلاف پرستی، شنتو مت اور اغلباً بدھ مت بھی داخل ہے۔ یہ سب کے سب مذاہب آریائی مذاہب ہی کی طرح بت پرستی کی ترقی یافتہ اشکال ہیں اور باہم ایک دوسرے کا تتمہ وضمیمہ ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کا مجموعہ عقائد موجودہ دور کے معاشرہ کی ہمہ جہتی اور مکمل ضروریات کا کفیل ہو سکے۔ دراصل یہ سارے منگول مذاہب ایک مشترکہ خاندان ہے جس کا ابوالعائلہ خاندان "کنفوشی مت" اور جس کا مرشد یا روحانی گرو "تاؤ مت" ہے۔

الہامی و غیر الہامی مذاہب

الہامی اور غیر الہامی میں فرق:

مذاہب عالم کو الہامی اور غیر الہامی میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ الہامی سے مراد وہ ادیان ہیں جو خدا، اس کے رسولوں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف غیر الہامی سے مراد وہ ہیں جو اپنی تعلیمات اور عقائد کو خدائے وحدہ لاشریک کی معین ہدایت کے تابع نہیں سمجھتے۔ الہامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام، جبکہ غیر الہامی میں بقیہ مذاہب آتے ہیں۔ الہامی مذاہب سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور غیر الہامی مذاہب کا سامی نسل سے کوئی تعلق نہیں۔

الہامی و غیر الہامی مذاہب کا تقابل:

1: الہامی مذاہب اصلاً ایک خدا کے تصور پر مبنی ہیں جبکہ غیر الہامی اس کے پابند نہیں۔ یہاں تک کہ بعض سرے سے خدا کے تصور سے بھی عاری ہیں۔

2: الہامی مذاہب پیغمبروں کے قائل ہیں، غیر الہامی نہیں۔

3: الہامی مذاہب کا اصل منبع وسرچشمہ ساوی ہیں، غیر الہامی مذاہب میں یہ ضروری نہیں۔

4: الہامی مذاہب سبھی مشرق وسطی کے ایک محدود خطے میں پیدا ہوئے لیکن غیر الہامی اس کے باہر پیدا ہوئے۔

5: الہامی مذاہب سامی اقوام کے تاریخی حلقہ اثر میں پیدا ہوئے لیکن باہر بھی پھیلے مگر غیر الہامی اس کے باہر پیدا ہوئے اور کبھی الہامی مذاہب کے دائرہ اثر میں شائع نہیں ہوئے۔

6: الہامی مذاہب اپنی تعلیمات یا عملی تاریخ کے باعث تبلیغی ہیں اور غیر الہامی اپنی اصلی تعلیمات کے مطابق تبلیغی نہیں۔

7: الہامی مذاہب کی تعلیمات معین اور واضح ہیں۔ لیکن غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات غیر معین اور لچکدار ہیں۔

8: الہامی مذاہب کی تعلیمات کلی ہیں اور اپنی اصل کی بنا پر دینی اور دنیوی زندگی پر کم و بیش حاوی ہیں، لیکن غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات جزوی ہیں یعنی یا تو صرف روحانی زندگی سے متعلق ہیں جیسے تاؤمت یا پھر دنیوی زندگی سے متعلق ہیں جیسے کنفیوشسی مت۔

تبلیغی اور غیر تبلیغی مذاہب

چھ بڑے مذاہب:

مذاہب کی اس اصولی تقسیم میں سر تھامس آرنلڈ اپنی کتاب ”دعوت اسلام“ میں لکھتے ہیں:

”پروفیسر میکس ملر نے مسیحی مشنوں کی دعا کے جلسے میں (جو دسمبر 1973ء میں ویسٹ منسٹر ابیی میں منعقد ہوا تھا) لیکچر دیا۔ جس میں انہوں نے کہا:

”دنیا کے چھ بڑے مذاہب تبلیغی اور غیر تبلیغی مذہبوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ قسم آخر میں یہودی، براہمنی اور زرتشتی مذاہب داخل ہیں۔ قسم اول میں بدھ مت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔“

نوٹ: یہ تقسیم قابل قبول نہیں کیونکہ اگر اس تقسیم کی بنیاد متعلقہ مذاہب کی تعلیمات ہیں تو یہ غلط ہے۔ بدھ مذہب اپنی تعلیمات اور عیسائیت انجیل کی تعلیمات کے مطابق تبلیغی نہیں۔

چنانچہ شواہد سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

عیسائیت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خود انجیل کی شہادت یہ ہے:

"عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش کے لئے آیا ہوں۔"

نیز اپنے حواریوں سے فرمایا:

"تم غیر قوموں کے پاس نہ جانا اور نہ سامریوں کے شہر میں داخل ہونا بلکہ پہلے بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی طرف جانا۔"

کنعان سے ایک عورت اپنی قوم کے لیے ہدایت طلب کرتی ہوئی مسیح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے تو آپ انکار کرتے اور فرماتے ہیں کہ "یہ ٹھیک نہیں کہ بچوں کی روٹی لے کر کتوں کے آگے ڈال دی جائے۔"

بدھ مت:

بدھ مت کی تعلیم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی بدھ مت تبلیغی نہ تھا۔ البتہ تیسری کونسل کے بعد مہاراجہ اشوک کے عہد میں جب بیرونی ممالک میں مشینری بھیجی گئی تو پھر اس نے عملاً تبلیغی مذہب کی حیثیت اختیار کر لی اور اسی لحاظ سے اس کو تبلیغی سمجھا جانے لگا۔

الغرض عیسائیت اور بدھ مت کی ابتدائی تاریخ کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مذاہب تبلیغی نہیں، لیکن اگر اس تقسیم کی بنیاد متعلقہ مذاہب کی تعلیم اور ابتدائی تاریخ کی بجائے پیروانِ مذاہب کا عملی رویہ ہے تو پھر دنیا کے تمام مذاہب آج کل کم و بیش تبلیغی ہو گئے ہیں۔

حصہ نمبر:۱

دینِ یہود

پس منظر، تعارف، بانی، کتاب، عقائد، اہم ترین معلومات اور حقائق

مذہب یہود کا ابتدائی تعارف

بنی اسرائیل اور یہودا

عہد نامہ عتیق کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام۔ آگے اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام عیسو اور دوسرے چھوٹے کا نام یعقوب تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ہی کا دوسرا نام اسرائیل (اللہ کا بندہ) تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل ہی بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے سب سے بڑے کا نام یہودا تھا اور سب سے چھوٹے کا نام بن یامین تھا۔ ملک فلسطین کے ایک حصے کا نام یہودیہ پڑ گیا۔ یہودا کا خاندان خوب پھلا پھولا۔ لفظ یہود و بنی اسرائیل ایک ہی نسل کے لئے استعمال ہونے لگے۔ بعد ازیں تمام اسرائیلی یہودی کہلانے لگے اور ان کا مذہب یہودیت مشہور ہو گیا۔

خالص توحیدی مذہب

یہودی مذہب کو عقیدۂ توحید کی ایک خالص صورت کہا جاتا ہے۔ یہودی مذہب عرصہ دراز سے ایک ایسی طاقت ہے جو انسان کی فکر اور کردار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ وہ مذہب ہے جس کی تلقین ابتداء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تھی۔ یہ دنیا کے موجودہ مذاہب میں سب سے قدیم مذہب ہے۔ کہا جاتا ہے:

> ”یہودی مذہب ان دو عظیم الشان مذاہب ”اسلام اور عیسائیت“ کا پیشرو ہے جو کرۂ ارض کے بیشتر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں اور جن پر یہودی مذہب کا بڑی حد تک دارومدار ہے۔“

ابراہیم اے نیومن کتاب:

"The Great Religions of the Modern World" کے صفحہ

نمبر 224 میں یہودیت پر اپنے مضمون میں لکھتا ہے:

"یہودیت ایک ایسا مذہب ہے جس پر ایک چھوٹی قوم (یہودی قوم) اعتقاد رکھتی ہے جو دوسری جنگ عظیم سے پہلے اپنی عددی ترقی کی انتہا پر تھی۔ ان کی تعداد ایک کروڑ ساٹھ لاکھ سے زیادہ نہ تھی اور اب گھٹ کر ایک کروڑ یا ایک کروڑ دس لاکھ ہو گئی ہے جو ایک مجنون ٹولی کا نتیجہ ہے جو اس مذہب اور یہودی قوم کا کامل صفایا کرنا چاہتی تھی۔"

دین یہود کی تعریف

1: انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجز اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار اپنے مقالہ کی جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 581 پر لکھتا ہے:

"یہودیت کی کوئی معین اور معروف تعریف کرنا مشکل ہے کیونکہ اس ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کم سے کم اور قطعی طور پر کس چیز کا اقرار ضروری ہے۔ تاہم یہودیت دو اصولوں پر مبنی ہے۔ خدا کی واحدانیت اور بنی اسرائیل کا پسندیدہ اور محبوب امت ہونا۔ یہودیت بت پرستی اور متعدد خداؤں کی پوجا (شرک) کو مسترد کرتی ہے۔ وہ ایک رب العالمین پر عقیدہ رکھتی ہے۔"

2: اسی طرح انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا کے مقالہ نگار کی رائے یہ ہے:

"یہودیت کی یوں تعریف کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو توحید خالص پر اعتقاد رکھتا اور اس عقیدہ کے زندگی پر عملی اثر کو تسلیم کرتا ہے۔"

(انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا، جلد نمبر 13، صفحہ نمبر 105)

3: انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"مذہب یہودیت عالم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اچھی جگہ ہے۔ انسان تکمیل ذات کا اہل اور اپنے ارادے کا مختار ہے۔ اس لئے وہ اپنے افعال کا جواب دہ ہے۔ وہ کسی درمیانی واسطے نیز بدی کی طاقت کا بھی منکر ہے۔ یہودی مذہب کہتا ہے کہ انسان آزاد ہے۔ وہ شیطان کا تابع نہیں اور زندگی کی مادی نعمتیں بذات خود بری نہیں۔ اس لئے دولت ایک نعمت بھی ہو سکتی ہے اور لعنت بھی۔ انسان خدا کی

صورت پر بنایا گیا ہے اس لئے وہ دیگر خدائی تخلیقات سے معزز اور محترم ہے۔ نیز اسی وجہ سے تمام انسان مثالی طور پر بھائی بھائی ہیں کیونکہ وہ ابتداء (ازل) میں متحد تھے، وہ ابد میں بھی باہم متحد ہو جائیں گے اور اسرائیل کی مدد سے آسمانی بادشاہت میں ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے۔ یہودی مذہب کا منصب یہ ہے کہ وہ سارے عالم میں امن اور مفاہمت پھیلائے۔ اگر چہ یہودی مذہب میں تبلیغ مذہب کا دروازہ کھلا ہوا ہے تاہم اس میں قربانی ذات کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس کے باعث وہ اب غیر تبلیغی مذہب ہو گیا اور دنیا کی اقلیت کا مذہب ہے۔"

(انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، جلد نمبر 13، صفحہ نمبر 105)

جامع ترین تعریف

الغرض یہودیت کی اساس انتہائی قدیم مذہبی عقائد پر ہے۔ موجودہ مذاہب میں سب سے پرانا مذہب یہی ہے۔ اس مذہب پر ایک چھوٹی سی قوم کا اعتقاد ہے جو اسی مناسبت سے یہودی کہلاتی ہے۔ یہودیت کی کوئی معین تعریف مشکل ہے کیونکہ اس مذہب کے کم سے کم عقائد کا تعین نہیں کیا جا سکتا جو یہودی بننے کے لئے ضروری ہیں۔ البتہ! یہودیت کی صحیح ترین تعریف یہ ہے:

"یہودیت وہ مذہب ہے جس میں ایک خدا پر ایمان کے ساتھ ساتھ ایک نسل کی برتری و عظمت کا عقیدہ بھی داخل دین ہے۔"

اس طرح اس مذہب کی بنیاد دو اصولوں پر ہے:

1: خدا کی واحدانیت۔
2: بنی اسرائیل کی فضیلت۔

تعلیمات کے دو ماخذ

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"یہودی مذہب کی تعلیمات اور قانون کے دو حصے ہیں:

1: تحریری قانون۔
2: زبانی قانون۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وادی سینا میں جس قانون کا الہام ہوا تھا اس کے احکامات پورے طور پر واضح نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ طور پر چالیس دن تک مقیم رہے اور اس حالت میں ان کو ہدایات ملتی رہیں جو تحریری (مکتوبی) قانون کی تشریح ہیں۔ یہ زبانی قانون کی تشریح ہیں اور ان کو وادی سینا میں موسیٰ علیہ السلام پر عطا شدہ قانون کہا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ زبانی قانون بعد کے مذہبی رہنماؤں کی من گھڑت باتیں ہیں اور کسی حد تک یہ قول صحیح ہے، کیونکہ واقعتاً زبانی قانون کا بڑا حصہ قدیم یہودی روایات ہیں، جن کا ایک حصہ بلاشبہ سامی یہودیوں نے سامی نسل کے مشترکہ رسوم وقانون سے حاصل کیا تھا۔"

(انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، جلد نمبر 13، صفحہ نمبر 166)

مذاہب کی تاریخ میں یہودیت کو خاص اہمیت اس لئے بھی حاصل ہے کہ یہی وہ قدیم ترین زندہ مذہب ہے جس کے ذریعے دنیا خدائے واحد سے آشنا ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی دین توحید اور دین حنیف کی تبلیغ کی۔ ختنہ کا رواج بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیا جو بعد ازاں یہودی مذہب کا شعار قرار پایا۔

☆☆☆

دین یہود کی ارتقائی منازل

آبائی وطن

بنی اسرائیل سامی الاصل تھے۔ ان کا اصلی وطن کیا تھا اس کے متعلق ماہرین میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثریت کا خیال یہ ہے کہ عراق ہی ان کا قدیم مسکن رہا ہوگا۔ اسرائیلیوں کے جد امجد بابل کے ایک شہر "اُر" کے رہنے والے تھے۔ مشہور مورخ ای ای کیلٹ کا کہنا ہے کہ اسرائیلیوں کے مصری آثار سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ یہودی فلسطین میں یوشع کی فتح سے پہلے بھی آباد تھے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہودی دریائے فرات کے ساحلی علاقے کے رہنے والے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد قدیم زمانے میں فرات کے اس پار رہتے تھے۔

مصر میں رہائش اور بادشاہت

دوسری ہزارویں قبل مسیح میں یہودی عراق سے شام اور فلسطین کے علاقوں میں پھیل گئے۔ انہوں نے بادیانہ (صحرائی) زندگی کو خیر باد کہہ کر یہاں سکونت اختیار کرلی۔ پھر یہ لوگ مصر بھی جا پہنچے۔ عہد نامہ عتیق سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر تشریف لے گئے۔ جہاں ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زیر اثر مصر میں اسرائیلی باقاعدہ طور پر آباد ہو گئے۔

یہاں انہیں مصری ثقافت سے واسطہ پڑا۔ انہوں نے گلہ بانی جوان کا آبائی پیشہ تھا ترک کردیا اور زراعت کو اپنا لیا۔ اٹھارویں صدی عیسوی قبل مسیح میں وہ مصر کے حکمران بن گئے۔

بادشاہت سے غلامی کا سفر

سولہویں صدی کے وسط تک عنانِ حکومت بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رہی۔ اس کے بعد وہ مصریوں کے غلام ہو گئے۔ اس زمانہ میں انہیں جور و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔

آزادی اور حصولِ حکومت

چودھویں صدی قبل مسیح کے اواخر میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں مصریوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں انہیں اپنی عیاریوں، بداعمالیوں اور ہٹ دھرمیوں کی وجہ سے کوئی کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ وہ ایک طویل عرصہ تک بادیہ پیمائی کرتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین حضرت یوشع علیہ السلام کی قیادت میں بنی اسرائیل فلسطین کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے ایک زبردست حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کے خصوصاً پہلے تین بادشاہوں "صالح، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان" کے زمانے میں اسرائیلیوں کا ڈنکا بجتا رہا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور دو حکومتوں کی بنیاد

حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں یروشلم کا مشہور ہیکل تیار ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل کا اتحاد ختم ہو گیا اور ان میں تشتت و انتشار نے راہ پالی۔ ان کی حکومت دو حصوں میں

بٹ گئی۔ شمالی حکومت جو اسرائیلی کہلاتی ہے۔ اس کا دارالسلطنت سماریہ تھا۔ دوسری حکومت جس کا پایہ تخت یروشلم بنا یہودا کے نام سے معرض وجود میں آ گئی۔

بخت نصر اور اسرائیلی

اول الذکر زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ 722 قبل مسیح میں آشوریوں نے اس کو اس طرح سے ختم کر دیا کہ آج اس کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ یروشلم کی حکومت البتہ ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ چلی۔ اس کو مشہور بابلی بادشاہ بخت نصر نے تباہ کر دیا۔ یہودیوں کی مقدس کتابیں اور ہیکل بھی تباہی سے نہ بچ سکے۔ بخت نصر اپنے ساتھ یہودیوں کو یروشلم سے بابل لے گیا۔ اس زمانے میں اسرائیلی مظالم کا تختہ مشق بنے رہے۔

بنی اسرائیل ایرانیوں، یونانیوں اور رومیوں کے زیر نگین

یروشلم کی تباہی کے سنتالیس سال بعد خود بابل ایرانیوں کے زیر نگیں آ گیا۔ جن کا رویہ یہودیوں کے ساتھ قدرے بہتر اور ہمدردانہ تھا۔ ایرانیوں نے انہیں یروشلم جانے کی اجازت دے دی۔ اسکندر اعظم کے زمانے تک ایرانی اقتدار قائم رہا۔ اس کے بعد اسرائیلی متعدد یونانی حکومتوں کے زیر نگین رہے۔ یونانیوں نے یہودی مذہب کو ختم کر دینے کی کوشش کی جس کا رد عمل اسرائیلیوں پر بہت شدید ہوا۔ انہوں نے یونانیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور نتیجتاً وہ ایک یہودی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس حکومت نے مذہب سے کوئی دلچسپی نہ لی جس کی وجہ سے عوام بہت جلد اس نئی حکومت سے بیزار ہو گئے اور انہوں نے اعلانیہ حکومت کی مخالفت کی۔ بغاوت کو کچلنے کے لئے یہودی حکومت نے رومیوں سے مدد مانگی۔ رومی مدد دینے کے بہانے فلسطین پر قابض ہو گئے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ رومیوں کا رویہ نہایت جابرانہ تھا۔ 70ء میں رومی حکمران ٹائٹس (Titus) نے یروشلم کو مسمار کر دیا۔ رومیوں کے قبضہ کے ساتھ ہی یہودیوں کی طویل غلامی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

پندرھویں صدی میں یہودیوں پر ہونے والے مظالم

پندرھویں صدی سے یہودیوں پر عیسائیوں کے مظالم نے شدت اختیار کر لی۔ بالخصوص اسپین اور پرتگال میں ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے۔ بے شمار یہودیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔

1492ء میں اسپین کے فرڈیننڈ اور اسابیلا (Isabella) نے حکم نافذ کیا کہ تمام اسپینی یہود عیسائیت قبول کرلیں ورنہ چار ماہ بعد انہیں جلاوطن کردیا جائے گا اور ان کا تمام قیمتی مال ضبط کرلیا جائے گا۔ ان میں سے اکثریت نے عیسائیت قبول کرلینے میں ہی عافیت سمجھی اور جو لوگ جلاوطنی پر آمادہ ہو گئے تو ان میں سے ایک بار پھر اکثریت راستے کی صعوبتوں کو برداشت نہ کرسکی اور موت کا شکار ہو گئی۔

اس کے تین سال بعد 1495ء میں پرتگال کے بادشاہ امانوں (Emanuel) نے بھی یہودیوں کو ملک بدر کرنے کا حکم جاری کردیا۔ چودہ سال تک بچوں کے لئے عیسائیت قبول کرنا لازمی قرار دیا۔ یہودیوں نے اس حکم کا زبردست مقابلہ کیا۔ ماؤں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بچوں کو کنوؤں میں پھینکنا گوارا کرلیا لیکن انہیں عیسائی بننے نہ دیا۔ فرانس میں البتہ یہودیوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک نہیں کیا گیا بلکہ نپولین نے ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا اور ان یہودیوں کی تنظیم بھی اس نے کی۔ دیگر ممالک میں جہاں پرتگال اور اسپین کی طرح بہیمانہ سلوک تو نہیں کیا گیا لیکن سماجی اور معاشی مقاطعہ سے ان یہودیوں کو دوچار ہونا پڑا۔

مخالفت الگ قومیت کی بقاء کا سبب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے علمبرداروں اور اسلام پر تلوار سے پھیلنے کا الزام لگانے والوں نے جو سلوک یہودیوں کے ساتھ روا رکھا اس سے یہودیوں کو من حیث القوم بہت فائدہ پہنچا کہ ان کی ایک جداگانہ حیثیت باقی رہی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہود دیگر اقوام میں خود بخود ضم ہو گئے ہوتے۔ جس طرح آسوریوں نے ساریہ کی حکومت ختم کرنے کے بعد یہودیوں کو اس طرح ملا لیا کہ ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔

تحریک زیونزم

عیسائیوں کے ظلم و ستم نے یہود کے دلوں میں حصول آزادی کی لگن ہمیشہ باقی رکھی۔ وہ اپنے اس طویل غلامی کے زمانے میں آزادی حاصل کرنے کے لئے برابر جدوجہد کرتے رہے۔ ان کی زبردست تحریک انیسویں صدی کے آخر میں شروع کی گئی جو زیونزم (Zionism) کہلاتی ہے۔ اس تحریک کا روح رواں ایک ویشی ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل (Dr. Twdore Herzl)

نامی ایک شخص تھا جس نے اپنی تصنیف "یہودی ریاست" (The Jewish State) کے ذریعے پوری دنیا کے یہودیوں میں جوش وخروش پیدا کر دیا۔

پہلی جنگ عظیم اور جرمنی کے مظالم

پہلی جنگ عظیم کے بعد یہودی پھر ظلم وستم کے نشانہ بنائے گئے اور ان کو جلاوطنی کی زندگی بسر کرنا پڑی۔ بالخصوص جرمنی سے ان کو بالکل نکال دیا گیا اور ان کو رہنے کے لئے زمین کا کوئی چپہ دستیاب نہ ہو سکا حتیٰ کہ وہ اپنے بحری جہازوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

ملک اسرائیل کا قیام

مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے یورپی طاقتوں نے سازش کے ذریعہ فلسطین پر اسرائیلی حکومت قائم کر دی۔ یہ واقعہ 1948ء کا ہے۔

☆☆☆

قدیم دین یہود

(یہود کے قدیم دیوتا مقدس کتب اور تاریخ کی روشنی میں)

بنی اسرائیل کی اقامت پذیری اور مشرکانہ عقائد

خانہ بدوشانہ زندگی:

یہودی عبرانی نسل کے علمبردار ہیں۔ ان کا تعلق عہد قدیم میں سامی اقوام سے تھا۔ تاریخ کے بعض عالم ان کا قدیم وطن عراق کو قرار دیتے ہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہودی قدیم زمانے سے ہی فلسطین میں آباد تھے۔ دو ہزار سال قبل مسیح وہ شام وفلسطین کے علاوہ مصر میں جا پہنچے۔ ان کی زندگی خانہ بدوشانہ تھی۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک گھومتے پھرتے تھے۔

بیشتر آبادی مصر میں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل ان کی بیشتر آبادی مصر میں ہی تھی۔ اسرائیلیوں

کے مصری آثار اس بات کے بھی شاہد ہیں کہ وہ ابتداءً دریائے فرات کے آس پاس آباد تھے۔ اس لحاظ سے مؤرخین کا یہ نظریہ بھی کسی حد تک درست ہے کہ یہودیوں کا اصل وطن دریائے فرات کا قرب وجوار تھا۔

مصری عقائد:

یہودی عبرانی نسل سے متعلق تھے۔ اس لئے یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہودیوں کے مذہبی عقائد اکثر و بیشتر عبرانی ہی تھے۔ ابتدا میں ان کا مذہب نہایت سادہ تھا۔ البتہ! عرصہ دراز تک مصر میں مقیم رہنے کی وجہ سے انہوں نے مصری عقائد کو اختیار کر لیا تھا۔

ابتدائی عبرانی نسل:

ابتدا میں عبرانی نسل مظاہر پرست تھی اور دنیا کے تمام قدیم مذاہب کی طرح یہ لوگ بھی مظاہر فطرت (چاند، سورج، ستارے اور پہاڑ وغیرہ) کی پوجا کیا کرتے تھے۔ انہی مظاہر نے رفتہ رفتہ بت پرستی کی صورت اختیار کر لی۔

کثرت پرستی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل یہودیوں کا مذہب کثرت پرستی پر مبنی تھا۔ وہ لاتعداد معبودوں کے پرستار تھے جنہیں تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1: خاندانی دیوتا۔ 2: حجر پرستی۔ 3: قومی دیوتا۔

خاندانی دیوتا

الگ الگ خاندان کا الگ الگ دیوتا:

ہر خاندان اپنا الگ دیوتا رکھتا تھا۔ یہ دیوتا مورتیوں کی صورت میں تھے جن کی جسامت عام طور پر اتنی ہوتی کہ نقل مکانی کی صورت میں انہیں ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جایا جا سکے۔

قبر پرستی:

یہودی قبر پرستی پر یقین رکھتے تھے، لیکن جب انہیں اس سلسلے میں مشکلات پیش آئیں تو

انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی ان ہی قبروں کو مورتیوں یا بتوں میں بدل لیا۔ اس طرح ہر خاندان کے الگ الگ دیوتا بن گئے۔ پھر خاندان کی خوشحالی کا دارومدار ان ہی دیوتاؤں کی خوشنودی پر سمجھا جانے لگا۔ ان بتوں کو "تراختم" کا نام دیا جاتا تھا۔ قومی زندگی میں ان بتوں کا کوئی دخل نہ تھا۔ خاندان کے سربراہ ان بتوں کے پروہت تھے۔ خاندان میں جب بھی کوئی مشکل آپڑتی تو ان پروہتوں سے اس مشکل کے حل کے لئے مشورے طلب کئے جاتے اور بتوں کے لئے قربانی کی جاتی۔

حجر پرستی

سامی اقوام اور حجر پرستی:

سامی اقوام میں حجر پرستی کا دستور شروع سے ہی رہا تھا۔ ان کے ہاں پتھر نہایت مقدس سمجھے جاتے تھے کیونکہ ان ہی پتھروں سے ان کے معبود تراشے جاتے۔ چنانچہ انبیائے بنی اسرائیل کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا آذر بھی بت تراش تھا۔

قربانیاں اور پتھر:

بتوں کے لئے جو قربانیاں دی جاتیں ان میں بھی پتھروں کا کردار بڑا اہم تھا۔ قربان گاہ کے لئے یہ پتھر نشان کا بھی کام دیتے اور قربانی سے پیشتر ایک پتھر ضرور کھڑا کیا جاتا۔ یہ پتھر جس مخصوص جگہ پر رکھے جاتے اسے "بیت ایل" کہا جاتا۔ "بیت ایل" درحقیقت عبادت گاہ تھی۔ جہاں اس قسم کی مذہبی رسوم انجام دی جاتی تھیں۔

پتھر پرست درخت پرست:

ان مقدس پتھروں کا تعلق کچھ مخصوص درختوں سے بھی تھا اور یوں اس دور کا مذہب شجر پرستی سے بھی متعلق تھا۔

قومی دیوتا

دو کنعانی دیوتا:

قدیم یہودیوں میں ان خاندانی دیوتاؤں، شجر پرستی اور حجر پرستی وغیرہ کے علاوہ کچھ قومی دیوتا

بھی تھے۔ ان کی تفصیل کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ اس لئے کہ جب یہودی توحید کی طرف مائل ہو گئے تو تمام دیوتاؤں کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا۔ البتہ! جب قدیم قوم یہود نے کنعان پر غلبہ پالیا تو کنعانیوں کے دو دیوتا ان کے مقابلہ میں شامل ہو گئے۔ یہ دیوتا بعل اور مولک نام رکھتے تھے۔

بعل دیوتا:

بعل کنعانیوں کے ہاں فنیقیوں کی طرف سے آیا تھا اور یہ ان کا اپنا دیوتا نہ تھا۔ ان کے ہاں بعل کی حیثیت زرخیزی کے دیوتا کی تھی۔ ہر شہر کا الگ بعل تھا۔ بعل کے علاوہ کچھ دیویاں بھی تھیں۔

مولک دیوتا:

بعل کے ساتھ دوسرا دیوتا مولک تھا جو بادشاہ یا فرمانروا کا مفہوم رکھتا تھا۔ اسرائیلیوں میں یہ دیوتا "اکادیول" سے آیا تھا۔ ان کے ہاں یہ آگ کا دیوتا تھا۔ یہ نام بھی بعل کی طرح ایک سے زیادہ معبودوں کے لئے مستعمل تھا۔ یہودی اس کے لیے انسانی قربانی دیتے تھے۔ بعد میں اس دیوتا کو یہوداہ میں مدغم کر دیا گیا۔

الشد وائی:

بعل اور مولک سے قدیم تر قدیم یہودیوں کا دیوتا "الشد وائی" تھا جس کے معنی "خدا کے قوی" کے ہیں۔ یہی دیوتا زمانہ مابعد میں "یہوداہ" کے نام سے موسوم ہوا۔ یہودی کتب کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں "الشد وائی" ہی خدائے واحد کا مترادف تھا اور وہی "یہوداہ" بھی تھا۔

یہوداہ بطور قومی دیوتا

یہوداہ اور زرتشتیوں کا اهورا:

لفظ یہوداہ کی لغوی تحقیق میں ماہرین نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ غالباً اس کا مادہ سنسکریت کا لفظ "اہ" ہے جس کے معنی "ہونے" کے ہیں اس لحاظ سے یہوداہ اور زرتشتیوں

کا ''اھورا'' (وہ جو ہے۔) ہم معنی الفاظ ہیں

قومی دیوتا کے لیے لفظ یہوداہ کا استعمال:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لفظ یہوداہ عبرانیوں نے اپنے قومی دیوتا کے لئے کب سے استعمال کرنا شروع کیا۔ کیلٹ کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں دو قول ہیں:

1: قدیم یہودی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہوداہ کی پرستش کے لئے ایک عبادت خانہ بنوایا اور مصر میں انہوں نے یہوداہ سے ملاقات بھی کی۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے متعلق بھی ان ہی روایات میں کہا گیا ہے کہ ان کے لئے یہوداہ نے رہوبوتھ (Rohoboth) میں جگہ بنائی۔ یہی نہیں بلکہ ان قدیم روایات میں تو یہاں تک دعویٰ کیا گیا ہے کہ بنی نوع انسان یہوداہ سے بہت قدیم زمانے سے متعارف ہے حتیٰ کہ انسان نے تیسری پشت ہی سے اپنے معبود کو اس نام سے پکارنا شروع کر دیا تھا۔

2: اس کے برخلاف دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب اپنے معبود کو الشد وائی کے نام سے پکارتے تھے اور وہ لوگ یہوداہ کے نام سے بالکل ناآشنا تھے۔ اس دعوے کی دلیل میں کتاب الخروج کی یہ دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں کہ خدا نے موسیٰ سے کہا:

''میں یہوداہ ہوں اور میں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے سامنے الشد وائی کی حیثیت سے نمودار ہوا لیکن یہوداہ کے نام سے وہ نہیں جانتے تھے۔''

حضرت موسیٰ اور یہوداہ:

مقدس کتب کے مطابق سب سے پہلے یہوداہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صحرائے عرب میں اپنا جلوہ دکھایا۔ ایک طبقہ کے نزدیک یہوداہ اصل میں مدائن کے اس قبیلے کا دیوتا تھا جس کے سردار حضرت شعیب تھے۔ جن کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ نے قبطی کے قتل کے بعد مدائن پہنچنے پر شادی کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہودیوں نے اس دیوتا کو اپنا لیا ہو یا کم از کم اپنے دیوتا کا نام بدل کر یہ نام رکھ لیا ہو۔

یہوداہ پرستی:

یہوداہ پرستی کو ہم توحید ناقص کا درجہ تو دے سکتے ہیں لیکن اسے توحید خالص نہیں کہہ سکتے،

کیونکہ یہودیوں میں اس کی حیثیت صرف ایک قومی دیوتا کی تھی۔ دیگر اقوام کی موجودگی سے یہود کو اس امر کا یقین تھا کہ یہوداہ کے علاوہ اور بھی دیوتا ہیں جو ان اقوام کے معبود ہیں۔ گویا کہ اسرائیلیوں کے نزدیک ان کا واحد معبود تو ضرور تھا لیکن اس کی فرمانروائی ساری دنیا پر مسلم نہ تھی۔ اس کی حیثیت بالکل ویسے ہی تھی جس طرح قوم آپ میں چیموش (Chemosh) کی اور ملکم (Milcom) کی تھی۔

یہ قومی دیوتا آسمان اور زمین کے خالق نہیں کہے جاتے تھے کیونکہ ابھی تک یہ قومیں ارتقاء کی اس منزل تک نہیں پہنچ سکی تھیں کہ وہ کائنات اور اس کی تخلیق پر غور و خوض کر سکیں۔

فتوحات کے دیوتا:

قومی دیوتاؤں کے متعلق ان قوموں کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کا دیوتا اپنے پرستار کو فتوحات سے نوازتا ہے اور دشمنوں کے حملوں سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ یہودی بھی اس بات کے معتقد تھے کہ ان کے قومی دیوتا یہوداہ نے انہیں کنعان کی حکومت عطاء کی اور انہیں دشمنوں سے محفوظ رکھا۔

یہوداہ مقامی دیوتاؤں کے مقابل:

کتاب السلاطین سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ دیگر ممالک میں یہوداہ کی حیثیت وہاں کے مقامی دیوتاؤں سے کم تھی۔ بنی اسرائیل جب کسی اور ملک میں جاتے تو انہیں وہاں کے دیوتاؤں کی عبادت پر مجبور کیا جاتا تھا۔ البتہ! اسرائیلیوں کے عقیدہ کے مطابق یہوداہ کو دوسرے معبودوں کے مقابلے میں زیادہ قوت اور طاقت حاصل تھی۔

یہوداہ ارتقاء کی منازل میں:

مختلف زمانوں میں یہوداہ کی صفات میں تبدیلی واقعہ ہوتی رہی۔ اس نے ارتقاء کی مختلف منزلیں طے کیں۔ ابتداء میں اس کی حیثیت محض زرخیزی اور بار آوری کے دیوتا کی سی تھی جس کے متعدد ثبوت بائبل سے ملتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے متعلق کتاب مقدس میں ہے:

"جب ایک طویل عرصے تک ان کی اولاد پیدا نہ ہوئی تو انہوں نے اس بات کی شکایت یہوداہ سے کی۔"

ترقی عمر اور زیادتی اولاد کی خاطر اس دیوتا کی طرف اسرائیلی رجوع کرتے تھے۔ والدین

اپنا پہلا بچہ یہوداہ کے نام پر قربان کرنے کی بھی منتیں مانگتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ بچے یہودا کے نام پر چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ یہوداہ کی یہ حیثیت اس زمانے میں تھی جبکہ اسرائیلی شام اور اس کے بعد مصر میں دشمنوں سے برسر پیکار تھے۔ ان حالات میں ان کی سب سے بڑی خواہش کثرت اولاد ہی ہوگی۔

متواتر جنگوں نے یہوداہ کی اہمیت میں اضافہ کر دیا۔ اب وہ محض زرخیزی کا دیوتا نہیں رہ گیا تھا بلکہ فتح و نصرت کا عطا کرنا بھی اس کے دائرہ اختیار میں داخل ہو گیا۔ دشمنوں سے جنگ کا آغاز کرنے سے پہلے اسرائیلی یہوداہ کے سامنے دست بدعا ہوتے اور فتح یابی کے لئے التجاء کرتے تھے۔ اس سے منتیں مانگتے اور مدعا بر آنے کی صورت میں قربانی دینے کا وعدہ کرتے تھے۔

یہوداہ کا حریف الوہم دیوتا:

ابتدا میں اسرائیلیوں میں یہوداہ کے علاوہ اور بھی دیوتا تھا۔ جن میں خاندانی دیوتا خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لیکن یہ خاندانی دیوتا کسی صورت میں بھی یہوداہ کے حریف اور مد مقابل نہیں سمجھے جاتے تھے۔ البتہ! بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک حریف الوہم تھا۔ جس کے لغوی معنی ہیں:

"وہ جس سے ڈرا جائے۔"

لیکن یہوداہ اپنے حسد کے بل بوتے پر تمام دیوتاؤں سے بالعموم اور الوہم سے بالخصوص سبقت لے گیا۔ وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے مقابلے پر کوئی اور دیوتا ہو۔ یہوداہ کی اسی صفت نے وحدت پرستی کی طرف اسرائیلیوں کو مائل کر دیا۔

شروع شروع میں یہوداہ کے پرستاروں اور الوہم کے پجاریوں کو زبردست کشمکش تھی، لیکن یہوداہ کے ماننے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اول اس لئے کہ اسرائیلیوں کے ہاں یہ دستور ہو گیا تھا کہ وہ اپنی پہلوٹی اولاد کو یہوداہ کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس لئے اس کے پجاریوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔

ہیکل سلیمانی اور یہوداہ:

الوہم کو مغلوب کرنے میں یہوداہ کو کامیابی ہوئی کیونکہ یہوداہ کی پرستش کے لئے بڑے بڑے عبادت خانے تعمیر ہوئے جن میں ہیکل سلیمانی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس طرح اسرئیلیوں میں صرف ایک دیوتا کی پرستش ہونے لگی اور یہوداہ ایک زندہ دیوتا بن گیا۔

یہوداہ کی صفات:

عبرانیوں کا خدائے واحد بن جانے کے باوجود یہوداہ انسانی صفات کا حامل سمجھا جاتا تھا حتی کہ انسانی صورت ہونے کا بھی عقیدہ تھا۔ ابتدا میں صرف وہ ایک پتھر تھا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ ایک چٹان بن گیا جو ایک بڑے صندوق میں حفاظت کے خیال سے رکھا جاتا تھا۔ ابتدا میں یہ صندوق شیلو میں تھا لیکن اہل یہود حضرت داؤدؑ کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اسے بیت المقدس میں لائے۔ اس وقت تک یہوداہ کی حیثیت جنگ میں کمانڈر کی سی تھی۔ وہ اپنے پیشوروں سے مکمل وفاداری کا خواہاں تھا۔ اس کے پرستار بھی تمام ضروریات کے لئے اسی کی طرف دست سوال بڑھاتے تھے۔

یہوداہ کی روح اور اس کے اثرات:

یہوداہ نہ تو قادر مطلق سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی اس کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ اسرائیلی اس زمانے میں صرف یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اس کی قوت اور اس کا علم دیگر انسانوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ وہ لوگوں کی دعائیں سنتا ہے اور ضرورت پڑنے پر ان کی مدد کے لئے آتا ہے۔ ہر غیر معمولی اور خلاف توقع شے میں یہوداہ کی موجودگی محسوس کی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی غیر معمولی کام انجام دیتا یا کوئی ایسی خلاف عقل بات کہہ دیتا جو آگے چل کر صحیح ثابت ہوتی تو اس کے متعلق لوگ یقین کر لیتے کہ اس میں یہوداہ کی روح جاگزیں ہو گئی ہے۔ حتی کہ جنون اور پاگل پن کو بھی اسی کا اثر بتلایا جاتا تھا۔ بعد میں ارواح کی تجسیم عمل میں آئی۔ جن میں سے کچھ تو فرشتے قرار پائے اور کچھ کو شیطان کا درجہ دے دیا گیا۔

مردے اور یہوداہ کے اختیارات:

اس زمانے میں یہوداہ کے اختیارات بہت محدود تھے۔ صرف زندوں پر ہی اس کی حکمرانی تھی اور ان ہی کو وہ فائدہ یا نقصان پہنچا سکتا تھا۔ مردے اس کے دائرۂ اختیار سے باہر تھے۔ job نے جب خود کو یہوداہ کے تیر سے بچانے کی کوشش کی تو اسے صرف موت ہی میں پناہ مل سکی اور وہ کہنے لگا:

"میں اس مٹی میں مل جاؤں گا اور یہوداہ تو مجھے تلاش کرے گا لیکن میں وہاں نہیں

ہوں گا۔"

اس سے زیادہ واضح ہزقیاہ نبی کا قول ہے۔ جب وہ اپنی دانست میں اس دنیا سے کوچ کرنے لگے۔ رہ رہ کر جو بات انہیں ستاتی تھی وہ یہ تھی کہ میں یہوداہ کو پھر نہ دیکھ سکوں گا کیونکہ وہ زندوں کی سرزمین میں رہتا ہے۔ جو لوگ قبر میں چلے جاتے ہیں وہ یہوداہ کی حقانیت سے واقف نہیں ہوتے۔

جنگل و بیابان اور یہوداہ:

اس کے علاوہ یہوداہ کے متعلق یہ بھی عقیدہ تھا کہ وہ صرف آبادیوں میں رہتا ہے۔ جنگل اور بیابان اس کے وجود سے خالی سمجھے جاتے تھے۔ سال میں ایک بار تہوار کے موقع پر کاہن اعلیٰ ایک جانور کے سر پر بیٹھتا۔ اس سے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ تمام بنی اسرائیل کے گناہ اس جانور کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ پھر اس جانور کو جنگل کی طرف ہانک دیا جاتا تا کہ تمام قوم کے گناہ یہوداہ کے روبرو نہ رہیں۔

صفاتی ارتقاء، یہودا بطور طوفانی دیوتا:

یہوداہ نے آگے چل کر اور ترقی کی اور وہ اپنے پرستاروں کے لئے فتح و نصرت کا دیوتا تو بن ہی چکا تھا، اسے طوفانی دیوتا بھی قرار دیا گیا جس سے وہ اسرائیلیوں کے دشمنوں کو زیر کرتا تھا۔ اپنے عابدوں کے لئے تو وہ انسان کی شکل میں نمودار ہوتا لیکن دشمنوں کے واسطے نہایت خوفناک روپ دھار لیتا۔ اس نظریہ کا اثر یہ ہوا کہ ابھی تک یہوداہ کی موجودگی ایک چٹان میں سمجھی جاتی تھی لیکن اب ہر بادل کے گرج میں بھی اس کا وجود مسلم ہو گیا۔

خالق آدم:

یہوداہ نے حضرت داؤد کے انتقال کے ایک صدی کے بعد اور بھی ترقی حاصل کی۔ اسے نئی نئی صفات سے متصف کیا جانے لگا۔ اگر چہ اس کی انسانی صفات برقرار رہیں، لیکن اب اسے آدم کا خالق کہا جانے لگا۔ خالق آدم کے عہدے پر فائز ہو جانے کے باوجود اس کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ یہوداہ شام کے وقت ہوا خوری کے لئے نکلتا ہے۔

یہوداہ اور انسانی صفات:

یہ عقیدہ اب بھی تھا کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو نہ صرف ہم رکابی کا شرف عطا کیا بلکہ حضرت موسیٰ سے ہم کلام بھی ہوا۔ نوح کی قربانی کی خوشبو سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے ابراہیم کی دعوت میں لذیذ اشیاء سے اپنے کام و دہن کو محفوظ کیا۔ یہوداہ کی تجسیم اس زمانے میں اس طرح کی جاتی تھی کہ وہ دن میں بادل کے ستون کی شکل میں اور رات میں آگ کے ستون کی صورت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آتا جاتا ہے، لیکن کسی کو مجال دید نہیں تھی۔

یہوداہ کو دیکھنا:

اسرائیلیوں کو اس بات کا عام یقین تھا کہ یہوداہ کو دیکھنے سے فوری موت واقع ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ نے فقط اس کی پیٹھ دیکھی تھی۔ صدیوں بعد عسیاہ کی نظر جب یہوداہ پر پڑی تو وہ بے اختیار چیخ اٹھے:

"اف! میں تو مرا میں نے فوجوں کے بادشاہ یہوداہ کو دیکھ لیا۔"

رہائشی ارتقاء:

یہودا کے ارتقائی منازل طے کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے مسکن میں بھی تبدیلی واقع ہوتی رہتی رہی۔ بہت شروع میں اس کا مسکن پہاڑ تھا۔ شاید اس لئے کہ پہاڑوں پر اکثر بادل چھائے رہتے تھے۔ جب بنی اسرائیل مصر سے نکل کر صحرائے سنائی میں پہنچے تو یہوداہ اور یہوداہ کا مسکن اسی صحرا کو قرار دیا گیا۔ اس چہل سالہ صحرا نوردی کے اختتام پر وہ کنعان فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہوداہ بھی سنائی سے منتقل ہو کر کنعان پہنچ گیا۔ کنعانیوں کے مجاہد جن پر اسرائیلی قابض ہو چکے تھے، یہودا کا مسکن قرار دیئے گئے۔

جب ہیکل سلیمانی کی تعمیر مکمل ہو گئی تو ہیکل یہودا کا ہیڈ کوارٹر بن گیا۔ اس کے بعد صندوق سکینہ جس میں ایک لمبا چٹان نما پتھر تھا اس کا مسکن سمجھا جانے لگا۔ اس صندوق کو بنی اسرائیل جنگوں میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور فتح و نصرت کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔

قدیم دین یہود کے بارے میں یہ ساری معلومات ان کی مقدس کتب کی لی گئی ہیں۔

☆☆☆

تعارف سیدنا موسیٰ علیہ السلام

(قرآن مجید اور مقدس کتب کی روشنی میں)

ذکر فی القرآن المجید

قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس کثرت اور تکرار سے بیان ہوا ہے کہ کسی اور قصے کو اس قدر بار بار ذکر نہیں کیا گیا۔ اس واقعہ کے بار بار ذکر کرنے کا مقصد غالباً یہ ہے کہ ان واقعات کے اندر بصائر و مواعظ کا نادر ذخیرہ جمع ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات بہت زیادہ مشابہ ہیں اور ان واقعات میں غلامی و آزادی، حق و باطل کی معرکہ آرائی، اذیت رسانی اور جور و جفا کے مقابلے میں صبر و استقامت اور انجام کار حق کی فتح کا ذکر ہے۔

قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر 35 سے زائد سورتوں اور 500 سے زیادہ آیات میں آیا ہے۔ خصوصی طور پر ان کا ذکر سورۃ البقرہ، سورۃ النساء، سورۃ المائدہ، سورۃ الانعام، سورۃ الاعرف، سورۃ الشعراء اور سورۃ القصص میں کیا گیا ہے۔

دو فرعون

اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں دو فرعون کا ذکر ہے۔ ایک وہ جس کے ہاں آپ نے پرورش پائی۔ دوسرا وہ جس کے ہاں آپ تبلیغ حق کے لئے پہنچے، بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا اور انجام کار وہ (فرعون) غرق ہوا۔

پہلا فرعون رعمیس ثانی تھا جس کا زمانہ حکومت 1300 قبل مسیح کا ہے۔ دوسرا فرعون منفتاح تھا جو باپ کی زندگی میں انتظام سلطنت میں اس کا شریک کار بن چکا تھا اور باپ کے مرنے کے بعد اس کا جانشین بنا۔

مصر میں سکونت

قرآن مجید کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر میں آمد اور خاندان یعقوب کی مصر میں آباد کاری سے بنو اسرائیل مصر میں ہی آباد ہو گئے اور یہیں پھولے پھلے۔

بائبل کا بیان اس ضمن میں یہ ہے:

"اور اسرائیل نے مصر کی زمین میں جشن کے ملک میں سکونت کی اور وہاں ملکیتیں رکھتے تھے اور بڑھے اور بہت زیادہ ہوئے اور یعقوب مصر کی زمین میں سترہ برس رہا۔"

(کتاب پیدائش، ۴۷،آیات ۲۷ اور ۲۸)

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک درمیانی صدیوں میں بنو اسرائیل مصر میں آباد رہے۔

ولادت ورضاعت موسیٰ

قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایک ایسے زمانے میں ہوئی جب فرعون بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کروا دیتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ ان کی پیدائش پر سخت بے چین تھیں۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ مادر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کچھ عرصہ تک چھپائے رکھا۔ بعد میں حکم خداوندی سے انہیں صندوق میں محفوظ کر کے دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دیا اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو بھی ساتھ کر دیا۔ تاکہ خداوند کی حفاظت کے وعدے پورے ہونے کے اسباب پر نگاہ رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِذْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا يُوْحٰۤى ۝ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ"

(القرآن المجید، سورۃ طٰہٰ، آیت نمبر 39-38)

"اور ہم نے (اے موسیٰ) تیری تیری والدہ کی طرف وحی کی کہ اسے تابوت میں ڈال کر سمندر میں ڈال دو۔ اسے میرا اور اس کا دشمن پکڑ لے گا۔"

صندوق تیرتے ہوئے شاہی محل کے کنارے آ لگتا ہے۔ فرعون کے گھر والوں نے جب صندوق کھولا تو ایک حسین وجمیل بچے کو پایا۔ فرعون کی بیوی نے بچے کے متعلق فرعون کے ارادۂ قتل کو بھانپ کر اسے زندہ رکھنے کی سفارش کی اور بیٹا بنا لینے کی درخواست کی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○"

(القرآن المجید، سورۃ القصص، آیت نمبر:9)

"اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو۔ قریب ہے کہ یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور وہ (قوم والے) بے خبر ہوں۔ ○"

بچے کے دودھ نہ پینے پر اخت موسیٰ علیہ السلام کی نشاندہی پر مادر موسیٰ علیہ السلام کو ہی رضاعت کی خدمت سپرد کی جاتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پرورش پا کر جوان ہوئے۔

موسیٰ نام

بائبل کا بیان ہے کہ جب لڑکا بڑھا تو اُسے فرعون کی بیٹی پاس لائی، وہ اس کا بیٹا ٹھہرا اور اس نے اس کا نام موسیٰ (موشے) رکھا اور کہا:

"میں نے اس کا نام موسیٰ اس لیے رکھا ہے کیونکہ میں نے اسے پانی سے نکالا۔"

قتل قبطی اور ہجرت مدین

قرآن حکیم میں سورۃ القصص میں اس امر کا اشارہ ملتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اسرائیلی اور غیر مصری ہونے کا علم ہو چکا تھا۔ چنانچہ ایک روز شہر کی گشت کرتے ہوئے انہوں نے ایک مصری کو دیکھا کہ وہ ایک اسرائیلی پر دست درازی کر رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصری کو ایک مکا رسید کیا جس سے مصری کا کام تمام ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر ندامت ہوئی۔ اگلے روز دیکھا کہ وہی اسرائیلی پھر فریاد کرتا

اور مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصری پر تو غصہ آتا ہی تھا اور وہ ادھر لپکے بھی لیکن ان کی زبان سے اسرائیلی کے لئے بھی ڈانٹ ڈپٹ کے یہ الفاظ نکل گئے:

"انك لغوى مبين"

"تم تو کھلے گمراہ ہو۔"

اسرائیلی نے سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام کہیں مجھے بھی نہ سزا دیدیں تو وہ فوری طور پر بول اٹھا:

"تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا۔؟"

اب راز فاش ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں چاہ مدین پر شیخ کبیر حضرت شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیاں ملتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام شیخ کبیر کی کئی برس خدمت کرنے کے بعد صفورہ سے شادی کر لیتے ہیں اور اپنی زوجہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں۔ جب وادی مقدس میں پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نبوت سے سرفراز فرماتا ہے اور مصر میں فرعون کو ایمان کی دعوت دینے کا حکم ہوتا ہے۔

مصر واپسی اور فرعون سے مناظرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اگرچہ قتل کی وجہ سے خائف ہیں لیکن ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام کو لے کر مصر میں دربار فرعون پہنچے۔ سورۃ اعراف اور سورۃ الشعراء میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جب دعوت توحید پیش کی اور بنی اسرائیل کی رہائی کے لئے کہا تو فرعون بڑا برہم ہوا، خانہ فرعون میں اُن کی پرورش پانے کا احسان جتانے لگا اور مصری کے قتل کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا:

"انفرادی احسان اور انفرادی جرم کی بناء پر پوری قوم کو غلام بنا رکھنا کہاں جائز ہے۔؟"

فرعون نے کہا کہ اپنے رب کا ذرا تعارف تو کراؤ۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی○"

(القرآن المجید، سورۃ طٰہٰ، آیت نمبر 50)

"ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اسے سیدھا کیا۔"

ثابت قدمی اور معجزات

فرعون نے اپنے شاہی دبدبے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مرعوب کرنے کی کوشش کی اور قید میں ڈالنے کی دھمکی دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا اور ید بیضا کے معجزات دکھائے۔ فرعون نے حیرت زدہ ہو کر اپنے درباریوں سے مشورہ کر کے ایک دن مقرر کیا۔ اس روز فرعونی جادوگروں نے جادو کے ذریعے سے اپنی لاٹھیوں کو سانپ ظاہر کیا۔ لیکن موسوی عصا انہیں اژدھا بن کر نگل گیا۔ جادوگر اس روشن معجزے کو دیکھ کر فرعون کے قہر کے باوجود نعمت ایمان سے مشرف ہوئے۔ فرعون نے تمام جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں سولی پر لٹکا دیا، لیکن جادوگر ایمان پر قائم رہے اور ایک سچے مومن کی طرح تمام آزمائشوں اور تکالیف کو صبر و استقامت سے سہہ گئے۔

دوبارہ آزمائش

اب فرعون نے اسرائیلی بچوں کے قتل اور ان کی بچیوں کو زندہ رکھنے کا دوبارہ اعلان کیا۔ اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور تبلیغ کے نتیجہ میں نوجوانوں کا ایک گروہ ایمان لے آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جملہ اسرائیلیوں کو بالعموم اور اہل ایمان کو بالخصوص صبر و استقامت کے ساتھ فرعون کے ظلم برداشت کرنے کی تلقین کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کا رویہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی اس کشمکش میں عام اسرائیلیوں کا طرز عمل کیا تھا اس کا اندازہ بائبل کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے۔ کتاب خروج میں ہے:

> ''جب وہ فرعون کے پاس نکلے آ رہے تھے تو ان کو موسیٰ اور ہارون ملاقات کے لئے راستے پر کھڑے ملے۔ تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے۔ تم نے ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھناؤنا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لئے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے۔''

(کتاب خروج، ۶: ۲۰۔۲۱)

تالمود میں ہے:

"ہماری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیئے نے بکری کو پکڑا اور چرواہے نے آ کر اُسے بچانے کی کوشش کی اور دونوں کی کشمکش میں بکری کے ٹکڑے اڑ گئے۔ پس اس طرح تمہاری اور فرعون کی کھینچ تان میں ہمارا کام تمام ہو کر رہے گا۔"

تبلیغی مشن کا آغاز

قرآن حکیم میں ہے:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے مومنوں کو حکم دیں کہ وہ مصر میں قبلہ رخ مکان تعمیر کریں اور نماز قائم کریں۔"

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تبلیغی مشن تسلسل کے ساتھ فروغ پذیر ہوتا رہا۔ سورۃ المومن میں ہے کہ فرعون نے درباریوں سے مشورے کئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا عزم کیا۔ ایک مردِ مومن نے گزشتہ اقوام وملل کا عبرتناک انجام بتاتے ہوئے ان لوگوں (فرعونیوں) کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

نو واضح ترین معجزات

اسی دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مختلف معجزات کا ظہور ہوتا رہا اور ید بیضا کے علاوہ حسب ذیل معجزات کا ذکر قرآن حکیم میں ملتا ہے:

"وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيَاتٍۭ بَيِّنٰتٍ"

(القرآن المجید، سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:101)

"اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح نو نشانیاں دیں۔"

وہ نشان مختلف آیات میں یہ ہیں:

1: قحط	2: پھلوں کی کمی	3: طوفان
4: ٹڈیاں	5: جوئیں	6: مینڈکیں
7: خون	8: عصا	9: ید بیضا

(القرآن المجید، سورۃ الاعراف، آیت نمبر 123 تا 130)

فرعون کی ممی

قرآن مجید کی صداقت پر یہ واضح دلیل ہے کہ اس بات کا پتہ دیا جس کا علم اس زمانے میں کسی کو نہ تھا۔ بائبل میں نہ اور کسی کتاب میں فرعون کی لاش کو دریا سے باہر پھینکنے کا ذکر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی سے خبر دی کہ فرعون کی لاش محفوظ ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا میں مضمون "ممی" کے تحت لکھا ہے:

"رعمیس ثانی کی لاش آج تک ان لاشوں میں محفوظ ہے جو مصالحے وغیرہ سے محفوظ کی جاتی ہیں۔

بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت

الختصر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلنے اور وادی سینا میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ قرآن حکیم کے بیان کردہ سارے واقعات معمولی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے تورات کے بیانات سے ملتے جلتے ہیں لیکن تورات میں ایک عجیب واقعہ مذکور ہے۔ چنانچہ کتاب الخروج میں ہے:

"اور آدھی رات کو خداوند نے ملک مصر کے سب پلوٹھوں کو ہلاک کر دیا۔ فرعون جو اپنے تخت پر بیٹھا تھا اس کے پلوٹھے سے لے کر وہ قیدی جو قید خانے میں تھا اس کے پلوٹھے تک، بلکہ چوپایوں کے پلوٹھوں کو بھی ہلاک کر دیا۔ فرعون اور اس کے سب نوکر اور سب مصری رات ہی کو اٹھ بیٹھے اور مصر میں بڑا کہرام مچا کیونکہ ایک بھی گھر ایسا نہ تھا جس میں کوئی نہ مرا ہو۔ تب اس (فرعون) نے رات ہی رات میں موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر کہا کہ تم بنی اسرائیل کو لے کر میری قوم میں سے نکل جاؤ، جیسا کہتے ہو جا کر خداوند کی عبادت کرو، اپنے کنبے کے مطابق اپنی بھیڑ بکریاں اور گائے بھینس اور بیل بھی لیتے جاؤ، میرے لئے بھی دعا کرو۔ مصری (بنی اسرائیل) بجد (بضد) ہونے لگے تا کہ ان کو ملک مصر سے جلد باہر نکالا جائے کیونکہ وہ سمجھے کہ ہم سب مر جائیں گے۔ سو ان لوگوں نے اپنے گوندھے گندھائے آٹے کو بغیر خمیر دیئے مکوں سمیت کپڑوں میں باندھ کر اپنے کندھوں پر رکھ لیا اور اسرائیل نے

موسیٰ کے کہنے پر یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے بھی مانگ لئے اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ جو کچھ انہوں نے مانگا انہوں نے دے دیا۔ سو انہوں نے مصر کو لوٹ لیا۔"

(کتاب الخروج، باب نمبر 12، آیات نمبر 29 تا 36)

طلب شرک

اب بنی اسرائیل کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ فرعون سے آزادی حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل نے وادی سینا میں پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک عجیب و غریب مطالبہ کر دیا۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ سینا کے بت کدوں میں پجاری بتوں کی پوجا کر رہے تھے، ان کو دیکھ کر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں بھی ایک ایسا معبود بنا دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈانٹا اور خدائے واحد کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

" وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝"

"اور جب بنی اسرائیل نے سمندر پار کر لیا تو وہ ایسی قوم سے گزرے جو اپنے بتوں کے سامنے جھکے تھے۔ انہوں نے موسیٰ سے کہا کہ ہمارے لیے بھی اس طرح کو خدا بنا دے۔ فرمایا تم تو جاہل قوم ہو۔ ۝"

(القرآن المجید، سورۃ الاعراف، آیت نمبر 138)

جہاد سے منہ موڑنا

قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فلسطین کی ایک بستی جو وادی سینا کے قریب تھی داخل ہونے اور اس پر قبضہ کرنے کو کہا لیکن قوم نے جواب دیا کہ پہلے آپ اور آپ کا رب ان سے جا کر لڑیں جب وہ جابر قوم مغلوب ہو جائے تو ہم داخل ہو جائیں گے۔ اس کی سزا کے طور پر ارشاد خداوندی کے مطابق بنی اسرائیل کو 40 سال میدان تیہ میں سرگرداں رہنا پڑا اور پھر نئی نسل کے جوان ہونے پر یوشع بن نون کی قیادت میں ارض مقدس

فتح ہو گئی۔ اس طرح بنی اسرائیل کا ایک دور ختم ہوا۔

انعامات اور احمقانہ مطالبہ

سورۂ بقرہ میں ہے کہ بنی اسرائیل کو جہاد کا حکم دیا گیا لیکن انہوں نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

"اے موسیٰ! تم جاؤ اور تمہارا خدا جائے! ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔"

اس نافرمانی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں میدان تیہ میں قید کر دیا۔ میدان تیہ میں چشموں کا جاری ہونا، من وسلویٰ اور بادلوں کا سایہ اور اس قسم کے کئی اور معجزات ظاہر ہوئے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک نیا مطالبہ کیا کہ عام کھانے کی چیزیں دی جائیں۔ من وسلویٰ کھا کھا کر ان کا جی بھر چکا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مطالبے کو احمقانہ قرار دیا۔ البتہ ان سے کہا گیا کہ اگر انہیں اس مطالبے پر اصرار ہے تو شہر میں سکونت اختیار کر لیں۔"

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر 61)

نزول تورات اور عہد و میثاق

اب وہ مقام آتا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وحی الٰہی کے اشارہ سے "طور" پر جاتے ہیں، عبادت الٰہی کے لئے چالیس روز اعتکاف کرتے ہیں، شرف ہمکلامی سے نوازے جاتے ہیں اور انہیں سورۂ اعراف کے مطابق تورات کی تختیاں عطاء کی جاتی ہیں۔ ان میں ہی میثاق خداوندی کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بنی اسرائیل بچھڑے کی پوجا کے مرتکب ہوتے ہیں۔

بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چالیس دن پہاڑ پر پڑا رہنا مذکور ہے۔ کتاب الخروج میں ہے:

"اور موسیٰ بدلی کے درمیان چلا گیا اور موسیٰ پہاڑ پر چڑھ گیا۔"

(بائبل، کتاب الخروج، آیت نمبر: ۲۴۔۱۸)

حضرت ہارون

قرآن حکیم کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو شرک سے منع کیا لیکن انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو کمزور پا کر ان کی نصیحت کی پروا نہ کی۔

لیکن بائبل میں نعوذ باللہ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف شرک کی نسبت کی گئی ہے۔ چنانچہ کتاب الخروج، باب نمبر 32، آیت نمبر 1 تا 6 میں ہے:

''اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی (کئی دن زیادہ ہو گئے) تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لئے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے چلے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ موسیٰ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا کیا ہو گیا؟ ہارون نے ان سے کہا کہ تمہاری بیویوں، لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے اتار اتار کر ان کو ہارون کے پاس لے آئے اور اس نے ان کے ہاتھوں سے لے کر ان کو ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنا دیا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی۔ اب وہ کہنے لگے کہ اے اسرائیل! یہی تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا۔ یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہو گی۔''

گویا کہ تورات جس نے حضرت ہارون کو ایک طرف خدا کا پیغمبر اور حضرت موسیٰ کا وزیر ظاہر کیا ہے دوسری طرف نہ صرف اسے مشرک اور بت پرست بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر انہیں شرک کا معلم اور بت پرستی کا مبلغ قرار دیا ہے۔ (لہٰذا ثابت ہوا کہ تورات میں تحریف ہوئی ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور سے واپسی پر جب انہیں سارے حالات کا علم ہوتا ہے تو بڑے غضبناک ہو جاتے ہیں۔ پوری قوم کے ساتھ ساتھ حضرت ہارون کو بھی ڈانٹ پلاتے ہیں۔

قرآن حکیم کے مطابق واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون کی داڑھی پکڑ کر کہتے ہیں:

''تو نے انہیں شرک سے کیوں منع نہیں کیا۔؟''

حضرت ہارون علیہ السلام کہتے ہیں:

"اے میرے پیارے بھائی! میں نے انہیں منع کیا لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی اور میرے قتل کا صلاح مشورہ کرنے لگے۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں تو ظالم لوگوں کے لیے مجھے مذاق نہ بنا۔"

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اور حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے دعا کرتے ہیں۔

خدا کو دیکھنے کا مطالبہ

سورۂ بقرہ آیت نمبر 55 میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم ایک عجیب مطالبہ کرتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تورات پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمجھایا لیکن وہ نہ مانے۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے ستر سرداروں کا انتخاب کر کے انہیں "طور" پر لے گئے۔ ان کو حجاب نور میں لے لیا گیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کو سنا۔ پھر جب نور ہٹ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سرداروں کے روبرو ہوئے۔ انہوں نے اپنا پہلا اصرار قائم رکھا کہ جب تک بے حجاب خدا کو نہ دیکھ لیں ہم ایمان نہ لائیں گے۔ اس احمقانہ اصرار پر غیرت الٰہیہ نے انہیں یہ سزا دی کہ ایک ہیبت ناک چمک، کڑک اور زلزلے نے ان کو آلیا اور جلا کر خاک کر دیا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی بخشی۔

کوہِ طور کا اٹھنا

سورۂ بقرہ اور اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں قوم کی بے راہ روی کا گلہ کیا۔ چنانچہ حکم خداوندی سے طور کا پہاڑ سائبان کی طرح بنی اسرائیل کے سروں پر چھا گیا تا کہ وہ اس خداوندی شان سے نصیحت پکڑتے ہوئے تورات کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔ لیکن بنی اسرائیل نے عارضی طور پر اقرار کر لیا اور عذاب کے ٹلنے کے بعد پھر صحرا نوردی شروع کر دی۔

موسیٰ علیہ السلام کی آخری وصیت

بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بنی اسرائیل کو آخری وصیت یہ ذکر کی گئی ہے:

"سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا کے ساتھ محبت رکھ۔ اور یہ باتیں جن کا حکم آج میں تجھے دیتا ہوں تیرے دل پر نقش رہیں اور تو ان کو اپنی اولاد کے ذہن نشین کرنا۔"

(بائبل، باب نمبر 6، آیت نمبر:74)

انبیاء بنی اسرائیل کی اصلاحات

شرک کی تلاش

قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کا تذکرہ کافی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ ان کی عظمت رفتہ اور بزرگی کے مقام بلند پر فائز ہونے کا بیان بھی ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی کج روی اور ناشکری کے باعث اس فضیلت سے جس طرح وہ محروم کیے گئے اس کی طرف اشارات بھی موجود ہیں۔ ان کی تاریخ کے شواہد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمیشہ یہ ایک محسوس معبود کی تلاش میں رہے جس کے نتیجے میں وہ کئی ہمسایہ اقوام کے دیوتاؤں کی پرستش کے مرتکب ہوئے۔ شرک بھی کیا اور بت پرستی بھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزاؤں اور آزمائشی سلسلوں میں سے بھی گزرے۔

انبیائے بنی اسرائیل کی تبلیغ اور قوم کا ردعمل

انبیاء کرام کی تکذیب، قتل اور اس کا انجام:

انبیاء اور رسولوں کی برگزیدہ ہستیاں ان کی اصلاح کی کوشش میں مصروف عمل رہیں، لیکن بنی اسرائیل کے قلوب اذہان انبیاء کرام کی مخالفت پر کمربستہ رہے۔ اس کے نتیجہ میں یہ قتل انبیاء کے بھی مرتکب ہوئے اور دنیاوی ذلت اور ناکامیوں کا سامنا کرتے رہے۔

بنی اسرائیل کے باعظمت نبی:

بنی اسرائیل کی تاریخ میں جن باعظمت انبیاء اور رسولوں کا تذکرہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ ان میں حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف آیات کی تفسیر کے ضمن میں بعض انبیاء کے نام روایات میں بیان کیے جاتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ اصلاحات

مقام موسیٰ:

تاریخ بنی اسرائیل کے ضمن میں جو مقام اور مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔

قوم کا اخلاقی انحطاط:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے یہ لوگ اخلاقی انحطاط، ذہنی پستی اور مذہبی عقائد کے بگاڑ کا شکار تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں دعوت توحید دی، شرک اور بت پرستی کے تمام مظاہر سے اجتناب کرنے کی تلقین کی، لیکن یہ عین اپنے نبی کی زندگی میں کئی مواقع پر واضح مخالفت کے مرتکب ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو خدا کا پرستار اور مطیع فرمان بنانا چاہتے تھے، لیکن یہ اکثر صراط مستقیم سے منحرف ہوتے رہے۔

فرعون سے نجات:

رعمیس ثانی کے دور ستم سے ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں نجات حاصل ہوئی۔ سورۂ طٰہٰ میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ○ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ○ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ○ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ "

(القرآن المجید، سورۂ طٰہٰ، آیت نمبر 77 تا 80)

"ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ اب میرے بندوں کو لے کر چل اور ان کے لئے سمندر میں راستہ بنا لے۔ تجھے کسی کے تعاقب کا ذرا خوف اور ڈر نہ لگے۔ پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کو لے کر پہنچا۔ پھر سمندر ان پر چھا گیا جیسا کہ چھا جانے کا حق ہے۔ اور گمراہ ہو گیا فرعون اور اسکی قوم اور انہوں نے ہدایت اختیار نہ کی۔ اے بنی

اسرائیل! تحقیق ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات بخشی۔"

اثرات غلامی اور محسوس خدا کی تلاش:

اس غلامی سے نجات کے باوجود ان کے اذہان کے بت کدے سے فرعون مصر کی غلامی کے اثرات نہ مٹ سکے۔ وہ کسی محسوس خدا کے آگے پیشانی جھکانے اور اس کے آستانے پر سجدہ ریز ہونے پر بیتاب نظر آتے تھے۔

بچھڑے کی پوجا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کوہ طور پر طلب فرمایا تو تیس شب و روز کی مدت طے فرمائی تا کہ شریعت عطا کی جائے۔ پھر اس میں دس دن کا اضافہ کر دیا گیا تو ان کے پیچھے بنی اسرائیل کی کج روی کا یہ عالم تھا کہ اپنے رسول کی عدم موجودگی میں سامری کی شیطانی حرکت کے بہکاوے میں آگئے اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ○"

(القرآن المجید، سورۃ الاعراف، آیت نمبر:148)

"اور بنا لیا موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی قوم کے لوگوں نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کا پتلا۔ جس میں سے آواز نکلتی تھی کیا۔ وہ یہ نہ دیکھتے تھے کہ نہ تو وہ ان سے بولتا ہے اور نہ ان کی کسی معاملے میں راہنمائی کرتا ہے۔ انہوں نے اسے معبود بنا لیا اور وہ ظالم تھے۔"

معافی اور عہد و پیمان کو از سر نو استوار کرنا:

فتنہ پرواز سامری کے مکر و فریب نے بت پرستی رائج کرنے اور توحید کے نظریے پر کاری ضرب لگانے کی جو سازش تیار کی تھی اس کے جال میں بنی اسرائیل کے بیشتر لوگ آگئے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس ہوئے تو صورتحال کو دیکھا۔ حکم خداوندی کے مطابق شرک کے ان مجرمین کو باہم قتل کی سزا سنائی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کے زیر اثر انہوں نے خدا

کے حضور توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے پیمانِ اطاعت کو از سرِ نو استوار کیا۔

من وسلویٰ کو ٹھکرانا:

جزیرہ نمائے سینا کے بیاباں علاقے میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر بادلوں کے سائے کیے رکھے۔ من وسلویٰ نازل کیا اور بے آب وگیاہ مقامات پر پانی کی فراہمی کا بندوبست کیا، لیکن انہوں نے کفرانِ نعمت کیا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذْ قُلْتُمْ يَـٰمُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَٰحِدٍ فَٱدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ ٱلْأَرْضُ مِنۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ ٱلَّذِى هُوَ أَدْنَىٰ بِٱلَّذِى هُوَ خَيْرٌ ٱهْبِطُوا۟ مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ ٱلذِّلَّةُ وَٱلْمَسْكَنَةُ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ ٱللَّهِ"

(القرآن المجید، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر: 61)

"(اے بنی اسرائیل) جب تم نے کہا: "اے موسیٰ! ہم ہرگز صبر نہیں کر سکتے ایک قسم کے کھانے پر، پس ہمارے لئے دعا کر کہ وہ زمین سے ہمارے لئے سبزیاں نکالے جیسے ساگ، گیہوں، لہسن اور مسور۔ فرمایا کہ کیا بہتر چیز کی جگہ ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو؟ شہر میں اتر جاؤ تم جو کچھ مانگتے ہو مل جائے گا۔ پس ان پر ذلت وخواری مسلط ہو گئی اور وہ خدا کے غضب میں گھر گئے۔"

بنی اسرائیل کو دنیاوی لذتیں اور آسائشیں اتنی مرغوب تھیں کہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے ان سے وقتی محرومی کو برداشت نہ کر سکے۔

گائے کو ذبح کرنا:

بنی اسرائیل میں ایک مال دار آدمی قتل ہو گیا۔ اس کے قاتل کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا۔ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی تو آپ نے اللہ کے حکم کے مطابق ان سے فرمایا کہ گائے ذبح کرو اور اس کا ایک ٹکرا مقتول کو مارو، اس طرح وہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کے بارے میں بتا دے گا۔ گائے کو ذبح کرنا ان کی توحید پرستی کا امتحان تھا۔ یہ گاؤ پرستی یا اس کی عظمت

وتقدیس کے کسی بھی درجے میں شریک نہ ہونے کے اظہار کے لئے ایک کڑی آزمائش تھی۔ انہوں نے بہت تاویلات کیں۔ بہانے تراشے، وضاحتیں طلب کیں اور پھر بے دلی کے ساتھ حکم خداوندی کی تکمیل ہوئی۔

حکم جہاد اور بنی اسرائیل کی نافرمانی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا تو کہنے لگے:

"وہاں تو بڑی طاقتور قوم آباد ہے کہ اے موسیٰ تو اور تیرا خدا جا کر لڑے ہم یہاں بیٹھے ہیں۔"

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 20 سے 26 تک اس واقعے کو بیان کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے چالیس سال تک یہ سرزمین ان پر حرام ٹھہرا دی اور یہ بھٹکتے پھرے۔ اس نافرمانی کی سزا ان کو بھگتنا پڑی۔

حضرت موسیٰ کی نصیحت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانے میں انہوں نے فلسطین کے علاقے کو فتح کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو نصیحت کی تھی، جس کی طرف اشارہ سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر 7 میں یوں کیا گیا ہے:

"وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ○"

"جب تمہارے رب نے بنی اسرائیل کو خبردار کیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔"

اس مضمون کے بارے میں اسفار خمسہ میں سے سفر استثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تقریر کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنی وفات سے پہلے کی تھی۔ ان کی یہ تقریر ان کے مشن کا خلاصہ قرار دی جا سکتی ہے۔

بائبل کے باب نمبر 6 میں ہے:

"سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خداوند ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل، اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند کے ساتھ محبت رکھ اور یہ باتیں

جن کا حکم میں آج تمہیں دیتا ہوں تیرے دل پر نقش رہیں اور تو ان کو اپنی اولاد کے ذہن نشین کرنا۔ گھر بیٹھے، راہ چلتے، لیٹتے اور اٹھتے ان کا ذکر کرنا۔"

بائبل کے باب نمبر 28 میں ہے:

"اگر تو خدا کی بات کو جانفشانی سے مان کر اس کے ان سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھے دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرے گا تو خداوند کی بات سنے گا تو یہ سب برکتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو ملیں گی۔ شہر میں بھی تو مبارک ہوگا اور کھیت میں بھی مبارک۔ خداوند تیرے دشمنوں کو جو تجھ پر حملہ کریں گے تیرے روبرو شکست دلائے گا۔ خداوند تیرے سب کاموں میں جنہیں تو ہاتھ ڈالے برکت کا حکم دے گا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سادہ الفاظ میں جن اخلاقی ضوابط اور عقائد کی تلقین کی اس تذکرہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 84-83 میں ان احکام کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○"

"اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا کہ کسی کی عبادت نہ کرو گے مگر اللہ کی۔ والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور مساکین کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور لوگوں سے اچھی بات کہو گے اور نماز کو قائم کرو گے اور زکوۃ کو ادا کرو گے۔ پھر تم میں سے سوائے چند کے اکثریت نے روگردانی کی اور تم اعراض کرنے والے ہی تھے اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا کہ باہم خونریزی نہ کرو گے اور اپنے لوگوں کو اپنے گھروں سے نہ نکالو گے۔ پھر ہم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے گواہ ہو۔"

کتاب اللہ میں تحریف

اخلاقی فساد:

بنی اسرائیل ان تعلیمات کے باوجود اکثر و بیشتر راہ حق سے بھٹکتے رہے۔ شریعت کو چونکہ صدق دل سے قبول نہ کر پائے تھے اس لئے رفتہ رفتہ اخلاقی فساد اور بگاڑ رونما ہوا۔

احبار ورہبان۔ کثرت سوال اور کتاب اللہ کے حکم کا کتمان:

ان کے احبار اور رہبان لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھا جاتے۔ کثرت سوال کا رجحان ان میں عام تھا۔ عام اور مطلق احکامات کو حد بندیوں سے مقید کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ روشن تعلیمات کو چھپاتے۔

کلام اللہ میں تحریف:

کلام اللہ کو سننے اور سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے بعد دانستہ اس میں تحریف کرتے اور اپنی خواہش کے مطابق تبدیلی کر کے یہ کہتے کہ یہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ تحریف کے اس سلسلے میں الفاظ کو ان کے صحیح موقع محل سے بدل ڈالتے۔ کتاب اللہ کو پڑھتے وقت زبان کے الٹ پھیر سے کام لیتے۔ غلط عبارت کو کتاب ہی کی عبارت ظاہر کرتے تھے۔

اعتقادی خرابیاں:

اعتقادی خرابی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات آخرت کے منکر ہو جاتے اور اگر اقرار کرتے بھی تو دعویٰ یہ تھا کہ آگ ہمیں چند گنتی کے دن ہی چھوئے گی۔ خود اپنے آپ کو ابناء اللہ اور اس کا محبوب خاندان تصور کرتے۔

حضرت سموئیل علیہ السلام

حضرت سموئیل بنی اسرائیل کے قاضی:

بنی اسرائیل ہمیشہ انبیاء کرام کے عزت واحترام میں گستاخی کے بار بار مرتکب ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت سموئیل علیہ السلام تمام عمران کے تنازعات کا تصفیہ کراتے رہے۔

طالوت کی بادشاہی:

بنی اسرائیل نے ان کی خدمات کا یہ صلہ دیا کہ ان سے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے حکم الٰہی کے مطابق طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کردیا، لیکن اس پر بھی معترض ہوئے۔ قرآن مجید میں ہے:

"وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝"

(القرآن المجید، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 248)

"ان کے نبی نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنایا ہے۔ وہ بولے یہ ہم پر بادشاہ بننے کا کیسے حقدار ہوگیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے تو ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو مالدار آدمی بھی نہیں ہے۔ ان کے نبی نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اسی کو منتخب کیا ہے۔ اس کو دماغی اور جسمانی صلاحیتیں زائد عطا کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے ملک سے نوازے۔ اللہ تو بڑی وسعت والا اور علم رکھنے والا ہے۔ ۝"

حضرت طالوت کی سرکردگی میں ان کو اپنے گمشدہ تبرکات اور الواح تورات پر مشتمل تابوت سکینہ مل گیا۔

تکبر اور لفظی تحریف:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت اللہ نے ان کو جو تلقین کی تھی کہ فلسطین کی سرزمین لے لو، لیکن جب یہ وہاں پہنچے تو ہدایت ربانی کو عین داخلے کے وقت فراموش کردیا۔ ان سے کہا گیا تھا کہ حطۃ (اے اللہ بخش دے) کہتے جانا اور شہر کے دروازے سے عاجزی کے ساتھ داخل ہونا، لیکن یہ عاجزی وانکساری کے بجائے اکڑتے ہوئے اور تسبیح وتحمید کرنے کی بجائے لفظی تحریف کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ شہر میں داخل ہوتے وقت انہوں نے حطۃ (اے اللہ بخش دے) کی بجائے حنطۃ (گندم چاہئے) کہا۔

خانہ جنگی اور بت پرستی:

ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ مفتوحہ علاقہ لے کر خود مختار ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے نہ صرف وہاں کے لوگوں کے شرک اور بت پرستی کے اثرات کو جذب کیا بلکہ قومی سطح پر تفرقہ اور انتشار میں بھی مبتلا ہوئے۔

حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام

اتحاد:

جب حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام برسراقتدار ہوئے تو بنی اسرائیل کی سلطنت تھوڑی مدت کے لئے متحد رہی۔

باہمی انتشار اور سلطنت کے ٹکڑے:

حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے بعد بنی اسرائیل پر دوبارہ دنیا پرستی کا غلبہ ہو گیا اور باہمی نفاق کی بدولت سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

حضرت الیاس والیسع

بداعمالیوں پر تنبیہ:

رقابت اور کشمکش کی اسی فضا میں حضرت الیاس اور الیسع نبی علیہما السلام نے ان کو تنبیہ کی اور ان کی بداخلاقیوں کا مداوا کرنے کی کوشش کی۔

حضرت الیاس کی اصلاحی کوششیں:

سورۃ الصافات کی آیات 123 سے 131 میں حضرت الیاس علیہ السلام کی اصلاحی کوششوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ○ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ

الْمُخْلَصِیْنَ o وَتَرَکْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ o سَلٰمٌ عَلٰی اِلْ یَاسِیْنَ o اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ o اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ o"

"بیشک الیاس مرسلین میں سے تھے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم تقویٰ کیوں نہیں اختیار کرتے۔؟ کیا تم بعل (بت) کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔؟ اللہ تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا بھی۔ پس انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ سو وہ پیش کئے جانے والے ہیں سزا کے لئے سوائے بندگان خدا کے جو مخلص ہیں۔ اور ہم نے ان کا ذکر بعد کی نسلوں میں بھی جاری رکھا۔ سلام ہے الیاس پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔"

نصیحت کا ردّ اور اس کا نتیجہ:

حضرت الیاس علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو سمجھانے کی کوشش کی کہ جس تنزل اور بربادی کی طرف یہ تیزی سے جا رہے تھے اس کا علاج کرنا چاہیے، لیکن ہر اصلاحی کوشش بیکار ثابت ہوئی۔ بالآخر آشوریوں کے ہاتھوں ان کی شمالی ریاست کا خاتمہ ہو گیا۔

عاموس اور یوشع نبی

اس ریاست کے خاتمے سے پہلے عاموس (Amos) نبی اور یوشع نبی (Hashea) نے اسرائیلیوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہا مگر ان کی ضد اور سرکشی میں مزید اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ آموس نبی کو اصلاحی سرگرمیوں سے رک جانے اور ریاست بدر ہونے پر مجبور کیا۔ چنانچہ نتیجہ آشوریوں کے ہاتھوں ذلت اور خواری کی صورت میں نکلا۔ سارگون نے نہ صرف ان کی سلطنت کا خاتمہ کیا بلکہ ہزاروں کو ہلاک اور باقیوں کو سلطنت کے مختلف حصوں میں منتشر کر دیا۔

یعیاہ اور یرمیاہ نبی

یرمیاہ نبی کی شرک سے بچنے کی تلقین:

جنوبی ریاست جوڈیا شرک وبت پرستی اور بداخلاقیوں کی طرف مائل تھی، لیکن ان کی رفتار سست تھی۔ یعیاہ اور یرمیاہ نبی نے ان کو بتدریج مشرک مذہب سے دور ہونے پر متنبہ کیا لیکن ان پر انبیاء کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔

یرمیاہ کی صدائیں اور تکالیف:

یرمیاہ نبی قوم کے اس زوال اور دگرگوں حالت پر روتے رہے اور کوچے کوچے ان کو ہدایت کے لیے پکارتے رہے:

"سنبھل جاؤ! ورنہ تمہارا انجام شمالی ریاست سے بھی بدتر ہوگا۔"

لیکن قوم کی طرف سے ان کو ذہنی اذیت کی صورت میں جواب ملا۔ قید کیے گئے، الزام لگایا کہ وہ قوم کے غدار ہیں اور بیرونی دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔

بخت نصر:

بنی اسرائیل کے لئے تباہی اپنی بدترین صورت میں بخت نصر کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئی۔ عظمت وشوکت چھنی اور اسیری کا زمانہ شروع ہوا۔ زبردستی اور محرومی کا دور کہ اس کے بعد جن اخلاقی اور اعتقادی پستیوں میں گرے کہ دوبارہ نہ اٹھ سکے۔ اکثریت میں اولوالعزمی اور بلند حوصلگی کی صفات عنقا ہو چکی تھیں۔

طلسم وجہالت اور حق پرست قلیل گروہ:

اس زمانہ میں بنی اسرائیل پر جہالت ان پر غالب ہو چکی تھی اور وہ طلسم اور عملیات کی تدابیر میں مادی شان وشوکت کے ساز وسامان ڈھونڈتے تھے، لیکن ایک قلیل گروہ ایسا بھی تھا جس نے توبہ کی طرف خود بھی توجہ مبذول کی اور دوسروں کو بھی ترغیب دی۔

حضرت عزیر علیہ السلام

تجدید دین:

اسیری بابل کے زمانے کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام نے تجدید دین کا کام شروع کیا۔ برائیوں سے دور رہنے کی تلقین کی اور قوانین شریعت کو پھر سے نافذ کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی مصلحانہ سرگرمیوں سے کوئی خاص فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔

یونانیوں کا دور حکومت:

جب ایرانیوں کا دور ختم ہوا تو یونانی چھا گئے اور یونانی تہذیب کے فروغ کے لئے سیاسی اور معاشی دباؤ سے کام لیا گیا۔ اس مداخلت نے ان کے اندر انتشار کو ایک مرتبہ پھر ہوا دی۔ اینٹی کوس چہارم نے جب 175 قبل مسیح میں زبردستی یہودی مذہب و معاشرت کی بیخ کنی کرنا چاہی تو ایسے کاری وار کیے گئے کہ یہ قومی لحاظ سے ختم ہو جائیں۔

ہیکل میں بت اور دیگر یہودی شعائر:

یہودی ہیکل میں زبردستی بت رکھوائے گئے۔ یہودیوں کو مشرکانہ قربانیوں کے شعار اپنانے پر مجبور کیا گیا۔ تورات کا نسخہ رکھنے والوں کے لئے سزائے موت تجویز کی گئی۔ بچوں کے ختنے اور سبت کے احکامات پر عمل کرنے والوں کے لئے بھی ایسی ہی سزا مقرر کی گئی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

آزاد دینی ریاست اور اس کا زوال:

اس دور میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دینی روح اور مذہب کے زیر اثر انہوں نے جوڑس مکابی کی سربراہی میں ایک آزاد دینی ریاست قائم کی، لیکن جلد ہی جوش و جذبے کی جگہ دنیا پرستی اور ظاہرداری نے لے لی۔ باہمی انتشار کا یہ عالم تھا کہ خود ان کے اپنے لوگوں میں سے رومی حکمرانوں کو فلسطین پر حملہ کرنے کی دعوت دینے والے موجود تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یونانیوں کی بجائے رومی برسر اقتدار ہو گئے، لیکن اس مفتوحہ علاقے میں یہودیوں کی ریاست نما اکائی موجود رہی۔ یہاں بھی رومی تہذیب کو فروغ اور رومی قیصر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے

ہاں مسابقت کی دوڑ شروع ہو گئی اور نتیجہ دینی واخلاقی تنزل ہی کی صورت میں نکلا۔

حضرت یحییٰ کی اصلاحات و تعلیمات:

اس دور میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ وہ گناہوں سے توبہ کی طرف مائل کرتے تھے۔ پتسمہ کی رسم اور اصطباغ میں غسل دے کر جسم اور روح کی پاکیزگی کی علامت انہوں نے مقرر کی تھی۔ یہودی روایات میں ان کا نام جون بپٹسٹ کے طور پر مشہور رہا۔ وہ بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے کوشش کرتے رہے۔ ان کو عبادت کی ادائیگی کی تلقین کرتے۔ ان کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کہتے تھے:

"میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوندی کی راہ کو سیدھا کرو۔"

حضرت یحییٰ کی شہادت:

ان کے عہد کے فرمانروا "ہیرڈ پاس" نے جو رومی تہذیب کے رنگ میں رنگا ہوا تھا ان کو قید کروا دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مقدس اور راست باز شخصیت کا سر تن سے اس لئے جدا کر دیا گیا کہ بادشاہ اپنی بہن سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ اور عیسیٰ کا زمانہ:

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے زمانہ نبوت میں کچھ وقت مشترک بھی ہے چونکہ روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ نے حضرت یحییٰ علیہما السلام سے بپتسمہ بھی لیا تھا۔ اس زمانہ میں یہودیوں کی حالت ہر طرف سے خراب تھی اور دو فرقے نمایاں طور پر فریسی اور صدوقی اپنی بگڑی ہوئی تعلیمات سمیت موجود تھے۔

فریسی:

فریسی قانون موسوی کی طرف مراجعت کے حامی تھے۔ معاشرتی لحاظ سے یونانیت نے عریانی و فحاشی اور ذہنی پراگندگی کے جو اثرات چھوڑے تھے یہ ان کے بہت خلاف تھے۔ یونانیوں

کے فلسفیانہ افکار کے علاوہ تالمود اور ہر قسم کے تشریحی لٹریچر کو سینے سے لگائے بیٹھے تھے۔ یونانی اور رومی اندازِ معاشرت کی مخالفت کرتے تھے۔ مذہب کے بارے میں تنگ نظری ان میں موجود تھی۔ مذاہب کے تمام تر دعوئی کے باوجود مذہب کی حقیقی روح اور سچے جذبات سے عاری تھے اور ظاہرداری انتہاء پر تھی۔ انہوں نے رسوم پرستی کی وجہ سے دین کی آسائشوں کو تنگیوں سے بدل دیا تھا۔ مذہب کو ایک گورکھ دھندا بنایا ہوا تھا۔ افراط اور غلو کا شکار تھے۔ پیر اور عالم بھی بنتے تھے لیکن مادی فوائد سے دست کش ہونا ان کے بس کی بات نہ تھی۔

صدوقی:

دوسرا دور صدوقیوں کا تھا جو امراء اور نوابوں کے طبقے سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ دینی پیشوائی کے بھی دعویدار تھے۔ ان پر نہ صرف یونانیت اپنے گہرے اثرات چھوڑ چکی تھی بلکہ رومیوں کے عقائد اور اثرات بھی غالب تھے۔ یہ اپنی مذہبی تعلیمات کی تاویل کرنے میں بہت ماہر تھے۔ اغیار سے متاثر ہو کر اپنی اقتداء اور روایات سے قطع تعلق کر لینا یا ان کی ہیت بدل ڈالنا ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ یہ ابن الوقتی کی کامیاب پالیسی کی وجہ سے بلند مناصب اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو جاتے تھے۔ مذہبی ادب میں سے تورات کو تسلیم کرتے تھے اور اکثر دینی ادب کو متروک سمجھتے تھے۔ یہ تجدد دین کی صحیح تعلیمات سے دور ہو چکے تھے، لیکن سیاست دنیوی کو کامیابی سے چلانا ان کا بنیادی مقصد بن چکا تھا۔ مادیت پرستی کا یہ حال تھا کہ معجزات کو ناممکن تصور کرتے تھے۔ روحانیت ان کے نزدیک کوئی معنی اور مفہوم نہیں رکھتی تھی، جو کچھ تھا وہ ان کی نگاہوں کے سامنے۔ محسوس اور محسوسات کی رغبت کی شاید وہ وجہ تھی جس کو دور کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزاتی پیدائش اور ان کو جو معجزات عطا کیے گئے، وہ بھی شاید اس لئے تھے کہ ان کی مذہبی حس کو بیدار کر سکے۔ اس ذریعے سے ان کو ایسا جھٹکا دینا مقصود الٰہی نظر آتا تھا کہ مادیت کا طلسم ٹوٹے اور ان کی نگاہیں اصل حقیقت کو دیکھ سکیں۔ صحیح و غلط اور حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ قدامت پرستی اور دوسری طرف تجدد پسندی نے ان کے عادات و اطوار کو مسخ کر رکھا تھا۔ افراط و تفریط کے مابین شریعت موسوی یا بعد میں آنے والے انبیاء کی مصلحانہ سرگرمیوں کے کوئی آثار باقی نظر نہ آتے تھے۔ کسی ہادی کی اتباع کرنا ان کو ناپسند تھا۔ چنانچہ حضرت یحیٰ علیہ السلام کی آواز خاموش کر دی گئی۔ ان کو اصلاحی سرگرمیوں سے فائدہ اٹھانے کی بجائے ان کی بابرکت وجود سے چھٹکارا

حاصل کیا گیا جو بنی اسرائیل کی بدبختی اور بے نصیبی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔انحطاط کے اسی دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے جو بنی اسرائیل میں ایک آخری حجت کی حیثیت رکھتے تھے۔

آمد حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

مادیت پرستی اور اخلاقی انحطاط کی شکار اس قوم کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاص معجزات عطا کئے۔سورۂ آل عمران میں ان کی بعثت سے متعلق یہ اشارہ دیا گیا ہے:

"وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ○ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ"

"اور اللہ تعالیٰ نے اسے (عیسیٰ علیہ السلام) کو کتاب وحکمت سکھائی اور تورات وانجیل بھی۔اور انہیں بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔(حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہوں۔"

(القرآن الجید،سورۃ آل عمران،آیت نمبر:49-48)

بشریت:

سورۂ الزخرف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وہ ایک بندے تھے جس پر ہم نے القامات کیے اور انہیں بنی اسرائیل کے لئے ایک نشان بنایا۔"

(القرآن الجید،سورۃ الزخرف،آیت نمبر 59)

اللہ کی عبادت:

حضرت عیسیٰ لوگوں کو اسی امر کی تلقین کرتے رہے:

"بیشک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔پس اس کی عبادت کرو۔یہی صراط مستقیم ہے۔"

(القرآن الکریم،آیت نمبر 61،سورۃ آل عمران)

جواز و عدم جواز کا سر چشمہ:

اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حلت و حرمت، جواز اور عدم جواز کے ضوابط کا سر چشمہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو قرار دیتے تھے، لیکن یہود نے ان کی مصلحانہ سرگرمیوں کو در خود اعتناء خیال نہ کیا۔ اخلاقی بے راہ روی بھی ویسی ہی رہی اور دین و شریعت سے انحراف کا بھی وہی عالم تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات و اصلاحات:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو گناہ، معصیت کے کاموں اور ریاکاری پر ٹوکتے رہے۔ راست بازی کی تلقین کرتے رہے، لیکن انہوں نے منفی رویہ ہی اختیار کیے رکھا۔ پیغام اور دعوت توحید کی مخالفت اس حد تک بڑھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن حکیم کی وضاحت کے مطابق آسمان پر اُٹھا لیا گیا۔ سرکشی کا وہ انتہائی مقام تھا جس کے بعد یہود کی آخری تباہی کے لمحات قریب سے قریب تر ہوتے گئے۔

ہلاکت و بربادی کے متعلق تنبیہ:

حضرت عیسیٰ نے اس ہلاکت و بربادی کے متعلق کئی مرتبہ تنبیہ کی۔ انجیل متی کے باب نمبر 23 میں ان کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

"اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتا اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتا ہے۔ کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو! تمہارا گھر تمہارے لئے ویران چھوڑے جاتا ہوں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا۔"

یروشلم کی تباہی اور ہیکل کا مسمار ہونا:

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ 70 عیسوی میں طیطس بادشاہ کے ہاتھوں آخری تباہی بربادی ظہور پذیر ہوئی۔ ان کی بغاوتوں کے رد عمل میں فوجی کاروائی کے ذریعے یروشلم پر قبضہ کر لیا گیا۔ لاکھوں لوگ تہ تیغ ہوئے، شہر یروشلم اور ہیکل مسمار کر دیا گیا جو پھر کبھی تعمیر نہ ہو سکا اور شہر اگر دوبارہ آباد بھی ہوا تو ایلیا کے نام سے موسوم کیا گیا۔

خلاصہ گفتگو

پیغمبرانہ اصلاحات سے فائدہ نہ اٹھانا اور اس کا نتیجہ:

اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی تاریخ کے ادوار میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی اصلاح کے لئے انبیاء اور رسول مبعوث کئے، لیکن یہ پیغمبرانہ اصلاحات سے صحیح معنوں میں استفادہ نہ کر سکے۔ نتیجہ ذلت و رسوائی اور خدا کے غضب کا شکار ہونے کی صورت میں نکلا۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 61 کا مضمون اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے:

"وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ o"

(القرآن الجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر 61)

"اور ان پر ذلت اور مسکنت تھوپ دی گئی اور وہ خدا کے غضب کے ساتھ لوٹے، اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کا بلاوجہ ناحق قتل کرتے تھے۔ نیز وہ نافرمان اور ظالم بھی تھے۔"

دین یہود کا مذہبی لٹریچر

بنیادی کتب

عہد نامہ اور تالمود:

یہود کا مقدس دینی ادب بنیادی طور پر دو کتابوں پر مشتمل ہے:

1: عہد نامہ قدیم(The old Testament)

2: تالمود(Talmud)

اکابر کی دستاویزات:

عہد نامہ قدیم اور تالمود کو یہودی حکماء ''صہیون کے پروٹوکال'' یعنی اکابر کی دستاویزات کہتے ہیں اور انہیں یہود اپنی فکری اور ملی تعمیر کے لئے اہم ماخذ خیال کرتے ہیں۔

بائبل مقدس

موجودہ بائبل کی تقسیم:

موجودہ بائبل جو آج ہمیں دستیاب ہے وہ عیسائیوں کی کتاب ہے جو دو عہد ناموں پر مشتمل ہے۔

1: عہد نامہ قدیم

2: عہد نامہ جدید(The New Testament)

لیکن اپنے نجات دہندے حضرت مسیح کی بشارتوں کو پیش کرنے کے لئے وہ عہد نامہ قدیم کو جو دراصل یہود کی کتاب ہے بائبل میں شامل کر لیتے ہیں۔

بائبل کا لفظ بائبل میں:

یہاں یہ ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ پوری بائبل میں لفظ ''بائبل'' کا کہیں ذکر نہیں ہوا۔ ایک مغربی محقق کے بقول یہ لفظ کوئی 1900ء میں پہلی بار انگریزی بائبل میں ظاہر ہوا۔ بائبل سے مراد مقدس کتب یا روحانی کتابیں لیا جاتا ہے:

"The word "Bible" is never used in the volume itself, in english its first appearance was in the 9th century"

یہود کی اصل کتاب:

بہر حال موجودہ بائبل میں عہد نامہ قدیم یا عہد نامہ عتیق یہود کی کتاب ہے۔

عہد نامہ قدیم اور تورات:

بعض حضرات غلطی سے عہد نامہ قدیم کو تورات کہہ دیتے ہیں حالانکہ یہ بات صریحاً غلط ہے کیونکہ تورات عہد قدیم کا ایک جزو ہے جو عہد قدیم کی پہلی پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔

خمسہ موسوی اور عہد نامہ قدیم کی کتب میں اختلاف:

عہد نامہ قدیم کا ایک جز ہے جس میں پانچ کتابیں ہیں۔ انہیں خمسہ موسوی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قدیم عہد میں مزید 34 کتابیں ہیں۔

یہاں اس امر کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عہد نامہ قدیم اگرچہ یہود اور عیسائی دونوں کے ہاں مقدس سمجھی جاتی ہے لیکن اس کی کتابوں کی تعداد میں بڑا واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہود کے ایک گروہ کے نزدیک خمسہ موسوی کے علاوہ اس میں صرف 34 کتابیں شامل ہیں جو کل 39 کتب ہوئیں۔ ان کتابوں کو اپوکریفہ (Apocoypha) یعنی خفیہ تحریریں کہتے ہیں۔ رومن کیتھولک کے ہاں یہی نسخہ مقبول ہے۔

پروٹسٹنٹ (Protestent) مکتب فکر کے عیسائیوں کا مقبول نسخہ ساٹھ زائد کتابوں پر مشتمل ہے۔

عہد نامہ قدیم

تین حصے:

عہد نامہ قدیم کو آسانی کے ساتھ ان تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1: تورات۔

2: انبیاء کی کتابیں (The Prophts nebak)

3: متفرق کتابیں۔

تورات مقدس

تقسیم تورات:

تورات کو "The Law" یعنی شریعت اور قانون بھی کہتے ہیں۔ تورات میں مندرجہ

ذیل پانچ کتابیں شامل ہیں:

1: کتاب پیدائش(Genesis)
2: کتاب خروج(Exodus)
3: کتاب احبار(Leviticos)
4: کتاب گنتی(Numbers)
5: کتاب استثناء(Deuteronomy)

بعض لوگوں نے یشوع کی کتابوں کو بھی تورات میں شامل کیا ہے، لیکن معروف ومقبول تقسیم کے دور سے یہی پانچ کتابیں ہی تورات کہلاتی ہیں۔

کتاب پیدائش:

تورات پانچ کتب پر مشتمل ہے۔ ان پانچ کتابوں میں پہلی کتاب پیدائش ہے جسے حضرا اشکو بن اور انگلش میں "Gcnesis" کہتے ہیں۔ قدیم ترین مسودات کی ورق گردانی کے بعد علماء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی قبل مسیح میں تحریری شکل میں آئی۔ اس میں ابتدائی تاریخ، اسرائیلیوں کی روایات اور کہانیاں مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ تخلیق کائنات، تخلیق آدم، انبیاء کے حالات کے ضمن میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، ان کے بھائیوں کا قصہ اور ان کی مصر میں وفات تک تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

کتاب الخروج:

دوسری کتاب کا نام کتاب خروج یا سفر الخروج ہے۔ اسے انگریزی میں "Exodus" کہتے ہیں۔ یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی باہر نکلنے کے ہیں۔ اس سے مراد اجتماعی خروج ہے۔ اس کتاب کا نام اس کے مشتمل مضمون کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ اس میں درج ہے کہ عبرانی لوگ کس طرح مصر سے روانہ ہوئے اور اس کے بعد صحرائے سینا میں دشت نوردی کرتے رہے۔ اس کتاب میں صحرائے سینا میں شریعت کے عطا کیے جانے کے واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ پہلے اٹھارہ ابواب میں صحرائے سینا میں قانون موسوی کے عطاء کیے جانے اس میں یہود کے خدا "یہوداہ" کا ارتقائی ذکر بھی موجود ہے۔

کتاب الاحبار:

تیسری کتاب کا نام کتاب الاحبار یا سفر الاویون ہے۔ حضرت یعقوب کے ایک بیٹے کا نام لاوی تھا اور حضرت موسیٰ کا تعلق بھی بنولاوی سے تھا۔ دینی کتب کا پڑھنا پڑھانا اور مذہبی فرائض کی ادائیگی انہی کے ذمہ تھی۔ یہ کتاب ان کے فقہی احکامات کا مجموعہ ہے۔ اس میں تاریخ کا بیان نہیں بلکہ قانون اور احکامات کی تشریح ہے۔ معاشرتی مسائل کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ گناہوں کے کفارے، کھانے پینے، صفائی، طہارت اور روزمرہ زندگی میں مختلف مواقع پر جن احکامات کو ملحوظ رکھنا چاہئے ان کو بیان کیا گیا ہے۔ قربانی سے متعلق قوانین اور ضوابط کا تذکرہ بھی اس میں موجود ہے۔ چونکہ پوری کتاب میں مذہبی قوانین کو بیان کیا گیا ہے اس لئے اس مناسبت سے اس کا نام سفر لاویون رکھا گیا۔

کتاب گنتی:

چوتھی کتاب گنتی یا سفر العدد ہے۔ جسے انگریزی میں "Numbers" کہتے ہیں۔ اس میں بنی اسرائیل کے خاندان کے شجرہ ہائے نسب بیان کئے گئے ہیں۔ تاریخ اور حالات کا تذکرہ بھی ہے، لیکن بنی اسرائیل کے اعداد و شمار اور شجرے اس کتاب کا موضوع ہے۔ اس لئے اس کو سفر العدد کا نام دیا گیا ہے۔ تاریخی حالات کے ضمن میں اس موضوع پر تبصرے موجود ہیں کہ کس طرح بنی اسرائیل نے صحرائے سینا سے نکل کر اردن اور ماورائے اردن کا علاقہ فتح کیا۔

کتاب استثناء:

پانچویں کتاب استثناء یا سفر التثنیہ ہے۔ اس کا مفہوم ہے:

"کسی چیز کو دہرانا یا اس کا اعادہ کرنا۔"

اس کتاب میں دوسری اور تیسری کتاب کے قوانین کی دہرائی یا وضاحت موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ بھی دوبارہ بیان کئے گئے ہیں۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطبات بھی شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے۔ ان پانچوں کتب کو "Pentateuch" یعنی اسفار موسیٰ یا کتب خمسہ کہا جاتا ہے۔

انبیاء کی کتب

دو اقسام:

یہ کتب انبیاء کی تاریخ اور ابتدائی تاریخی کتابوں پر مشتمل ہے۔ انہیں دو طرح تقسیم کیا گیا ہے۔

1: انبیائے متقدمین کی کتب۔ 2: انبیائے متاخرین کی کتب۔

انبیائے متقدمین کی کتب:

انبیاء متقدمین کی کتب میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

1: کتاب یشوع۔ 2: کتاب قضاۃ۔
3: کتاب سموئیل ثانی۔ 4: کتاب سلاطین اول۔
5: کتاب سلاطین ثانی۔

انبیائے متاخرین کی کتب:

انبیاء متاخرین کی کتب میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

کتاب یسعیہ (یسعیاہ) کتاب جرمیاہ۔
کتاب حزقیال۔ کتاب ہوشیعہ۔
کتاب یوایل۔ کتاب عموس۔
کتاب عبدیہ۔ کتاب میکاہ نحوم۔
کتاب حبقوق۔ کتاب حجی۔
کتاب ہیہ کون۔ کتاب ذکریا۔
کتاب ملاکی۔

متفرق کتابیں

متفرق کتب کی اقسام:

متفرق کتب کی دو اقسام ہیں:

1: عظیم کتب (مقدس صحائف) 2: پانچ مجلات۔

عظیم کتب کی تقسیم:

عظیم کتب میں تین کتابیں شامل ہیں:

1: زبور۔ 2: امثال۔

3: ایوب مزامیر (Proverbs Psalms)

مجلات کی تقسیم:

پانچ مجلات اس میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں:

1: غزل الغزلات (Song of Songs) 2: روت۔

3: ہرمیہ کونوحہ۔ 4: الجماعہ۔

5: آستر (Esther)

کتب:

1: دانیال 2: نحمیاہ 3: تواریخ الاول 4: تواریخ الثانی

عہد نامہ قدیم کی کتب کی تعداد:

یہ 39 کتابوں پر مشتمل مقبول و معروف مجموعہ عہد نامہ قدیم کہلاتا ہے اور یہ تقسیم پروٹسٹنٹ چرچ (Protestant Church) میں مروج ہے۔ جبکہ رومن کیتھولک چرچ والے اس میں سات کتابیں اور شامل کرتے ہیں۔ اس طرح رومن کیتھولک کے نزدیک کل کتب کی تعداد 39 کی بجائے 42 ہے۔

تالمود

وحی غیر مقطوع:

تالمود کو بھی یہود کے ہاں بہت اہمیت دی جاتی ہے بلکہ اس کو وحی غیر مقطوع کی حیثیت حاصل ہے۔ تالمود اُن روایات کا مجموعہ ہے جو یہود کے ہاں انبیاء اور اکابر سے سینہ بہ سینہ علماء کاتبوں، احبار اور پھر ربیوں تک پہنچا۔ المختصر تالمود عہد نامہ قدیم کے تشریحی لٹریچر کی حیثیت حاصل

ہے۔

پس منظر:

تالمود کا پس منظر یہ ہے کہ ہیکل کی تباہی کے بعد صدوقی مکتب فکر کے لوگ تدریجاً کم ہوتے چلے گئے اور فریسی رہ گئے۔ جن کے ذمے یہود کی روحانی زندگی کا مقدس فریضہ تھا۔ ایک سو عیسوی کے قریب یہود کی ایک مجلس نے مذہبی قوانین کی شیرازہ بندی کا اہتمام کیا تاکہ ہیکل کی عبادت اور نذر و قربانی کا سلسلہ جاری رہے۔ کئی صدیوں کے طویل عرصے میں یہود کے دینی قوانین کا ارتقاء ہوتا رہا جس کے نتیجہ میں روایات کا ایک مجموعہ تیار ہوگیا جس کو سائمن اور اس کے بیٹے یہودا (Rabbi) ربی اور اس کے شاگردوں نے تیار کیا تھا۔

دو تالمودیں:

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ تالمود دو ہیں:

1: فلسطینی تالمود۔ 2: بابلی تالمود۔

تالمودوں کی زبان:

فلسطینی اور بابلی دونوں تالمودوں کی زبان رومی ہے۔

حجم میں فرق:

فلسطینی تالمود بابلی تالمود سے حجم میں تین گنا بڑی ہے اور اس میں دین، قانون اور اخلاق پر مواد نسبتاً بہت مفصل ہے۔ یہ دراصل فلسطینی تالمود سے مستنبط ہے اور چھٹی صدی عیسوی میں اس کی تکمیل ہوئی۔

یہود پر تالمود کا اثر:

تالمود نے یہود کی زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس نے تالمود کی تعلیم سے بے اعتنائی برتی اور صرف تورات میں مشغول رہا تو وہ نجات نہیں پاسکتا۔

تالمود کے بغیر تورات:

یہود نے تورات کو خمر اور تالمود کو ادیم (سالن) سے تشبیہ دی ہے۔ یہود کا یہ بھی کہتے ہیں:

''جس نے تالمود کے بغیر تورات پڑھی اس کا کوئی خدا نہیں ہے۔''

تالمود کے دو اہم ترین حصے:

تالمود دو حصوں میں منقسم ہے:

1: مشناء 2: گمارا

مشناء

(Mishinah)

اہم ترین معلومات:

تالمود کی بنیاد جس کو متن کہنا چاہیے مشناء (Mishinah) کہلاتی ہے۔ جس کا معنی تکرار اور اعادہ ہے۔ یہ علماء یہود کے ان اجتہادی مسائل کا مجموعہ ہے جو انہوں نے عہد قدیم کی روشنی میں منضبط کیے۔

اہم ترین مضامین:

مشناء میں زراعت، تہوار، عائلی قوانین، سول اور تعزیری قوانین، نذر و قربانی، پادریوں سے متعلق احکام اور نظامت قوانین جاری کیے گئے۔

اس میں ۳۶ صحیفے ہیں اور یہ ۴۲۵ ابواب ہیں۔

مشناہ کے چھے حصے:

مشناء (Mishnah) بائبل کی نفس مضمون کے لحاظ سے شرح ہے۔ مشناء کے چھ حصے کیے گئے ہیں جن میں ہر حصہ ایک خاص عنوان اور بحث پر مشتمل ہے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

1: زرائیم (Zeraim) 2: موعد (Moed)

3: ناشیم (Nishim) 4: نزیقین (Nezkin)

5: کوداشیم (Kodoshim) 6: توھوروتھ (Tohoroth)

مختلف حصوں کی تفصیل:

ذراعیم: زرائیم کے معنی بیج کے ہیں۔ پیداوار اور زراعت کے متعلق شرعی

حدود وقیود اور احکامات کا تذکرہ اس میں کیا گیا ہے۔

موعد: اس میں ان کے مذہبی تہواروں اور مذہبی رسومات کا ذکر ہے۔

ناشیم: ناشیم کا معنی ہے عورتیں۔اس حصے میں عورتوں سے متعلق مسائل نکاح اور عدت کے احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

نزیقین: نزیقین کا معنی ہے نقصانات۔اس حصے میں کفارات،تاوان اور قصاص سے متعلقہ احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

کوداشیم: کوداشیم کے معنی مقدس چیزیں ہیں۔پاکیزہ اشیاء کے متعلق اس حصے میں اسی طرح وضاحتیں موجود ہیں جس طرح ہمارے ہاں تکریم کعبہ اور فضیلت قرآن کی ہیں۔

توھوروتھ: اس میں صفائی اور طہارت کے شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں۔

گمارا

مشناہ کی مزید تشریح:

مشناہ کے اس متن کی بنیاد پر اس کی مزید تشریح وتعبیر کی گئی ہے۔اس کے معنی تکمیل (Completion) کے ہیں جسے گمارا کہا جاتا ہے۔مشناہ اور گمارا دونوں کے مجموعے کو تالمود کہا جاتا ہے۔

گمارا کا معنی:

گمارا کا معنی ہے:

"مطالعہ ہدایت (Study of Instruction)"

یہ ایک وسیع مجموعہ ہے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں طب، نباتات، فلکیات، جیومیٹری اور دوسرے مضامین کے بارے میں بھی تاثرات پیش کیے گئے ہیں۔

☆☆☆

یہودی لٹریچر تنقید و تحقیق کی نظر میں

مندرجہ ذیل تین عنوانات کے تحت ہم عہد نامہ قدیم کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں:

1: عہد نامہ قدیم کی تاریخی حیثیت۔ 2: داخلی اور خارجی شہادت۔

3: عہد نامہ قدیم قرآن کی روشنی میں۔

عہد نامہ قدیم کی تاریخی حیثیت

سات قیامت خیز تباہیاں:

تاریخ کے اوراق اس بات پر گواہ ہیں کہ بنو اسرائیل پر سات مرتبہ قیامت خیز تباہیاں آئیں۔ اس طرح کئی بار یہ کتاب تورات گم ہوئی اور کئی بار لکھی گئی۔

پہلی تباہی، سامریہ کی شمالی سلطنت:

آٹھویں صدی قبل مسیح میں جب سامریہ کی شمالی سلطنت کو تباہ کیا گیا اور بنو اسرائیل گرفتار کر کے نینوا لائے گئے۔ یہ تباہی محض اس قدر ہولناک تھی کہ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ محققین کی دوربیں عینکوں اور خوردبینوں سے بھی دریافت نہ ہو سکا کہ بنی اسرائیل کے دس قبائل کہاں گم ہو گئے۔؟

دوسری تباہی، شاہ مصر:

یروشلم پر 971ء قبل مسیح میں شاہ مصر نے حملہ کر کے اسے تباہ کیا۔

تیسری تباہی، بابل کا بادشاہ بخت نصر:

600 قبل مسیح میں بابل کے تاجدار بخت نصر نے یروشلم کو تباہ کیا، بیت المقدس میں محفوظ تبرکات اور عہد قدیم کی اس وقت تک موجود کتابوں کو جلا کر راکھ کر ڈالا اور یہودیوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ بابل لے گیا۔

چوتھی تباہی، یونانی بادشاہ:

168ء قبل مسیح میں انطاکیہ کے یونانی بادشاہ اینٹونیس نے یروشلم پر حملہ کیا۔ اس دوران جمع کئے ہوئے مقدس صحیفوں کو جلا ڈالا اور تورات کی تلاوت کو حکماً بند کر دیا۔

پانچویں تباہی، بادشاہ طیطس:

70 عیسوی میں رومیوں نے یلغار کی اور طیطس (Titus) نے بیت المقدس کو اس طرح برباد کیا کہ یہودی پھر آ کر اس میں دوبارہ آباد نہ ہو سکے۔ اس دوران مقدس صحیفوں کو ہیکل سے نکال کر فتح کی یادگار کے طور پر روم کے محلات میں لے جایا گیا۔

چھٹی تباہی، قیصر روم:

اس کے بعد قیصر روم نے یلغار کی اور پانچ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا۔

ساتویں تباہی، خسرو پرویز:

613ء میں شاہ ایران خسرو پرویز نے یروشلم کو تباہ کیا اور 90 ہزار یہودی قتل کیے گئے۔

عہد نامہ قدیم کا غیر محفوظ ہونا:

یہود کے قتل، ان کی عبادت گاہوں کی تباہی اور مقدس صحیفوں کے جلائے جانے کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ عہد نامہ قدیم محفوظ نہ رہ سکا۔

موجودہ عہد نامہ قدیم یا جدید:

عہد نامہ قدیم کی تدوین کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی تدوین، بہت بعد میں عمل میں آئی۔ ایک مغربی محقق کہتا ہے:

> "موجودہ عہد نامہ قدیم کے متن کو آخری مرتبہ ساتویں صدی مسیح میں مرتب کیا گیا اور جن لوگوں نے اسے مرتب کیا ان کو مسورآئی کہا جاتا ہے۔ باقی کی جو کاپیاں تھیں یا وہ نسخے جو ناقص یا بوسیدہ پائے گئے ان کو اچھی طرح جانچنے کے بعد ضائع کر دیا گیا۔ چنانچہ عبرانی مخطوطہ کوئی بھی نویں صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں اور یہ سب کے سب مسورآئی متن کے حامل ہیں۔"

اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عہد قدیم کی آخری شامل شدہ کتاب "Dancial" سے لے کر مسورائی متن کے اولین مخطوطے تک ہزاروں برس کا وقفہ ہے۔ اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ فلسطین کے نزدیک "Dead Sea" کے قریب ایک غار سے سیعاہ اور

دوسری کتابوں کے اجزاء برآمد ہوئے۔ ان کے متعلق محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ دوسری صدی قبل مسیح میں لکھے گئے۔ اس سے قبل کے زمانے میں صرف عہد نامہ قدیم تورات والے حصے پر مشتمل ہے اور مسورائی متن سے ملتا ہے۔ دوسرے یونانی نسخے سے متعلق سبعینہ کے متعلق ایک عجیب وغریب واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ مصر کے بادشاہ بطلیموس نے اپنے کتب خانے اسکندریہ کے لئے چاہا کہ یہودیوں کی مقدس کتابوں کی ایک ایک نقل وہاں رکھے۔ چنانچہ اس نے بہت سارے یہودی غلاموں کو آزاد کر کے یروشلم بھیجا، وہاں سے ستر علماء کا انتخاب کر کے انہیں ایک جزیرے میں رکھا گیا اور ان میں سے ہر ایک نے الگ الگ کتابوں کا ترجمہ کیا جو لفظ بلفظ یکساں تھا۔ اس لئے اسے الہامی قرار دے دیا گیا۔

چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے آرٹیکل میں یہ بات موجود ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

"The law veing burnt, ezru at his own request was insipred two rewrite it in 40 days he dictaed 94 books to five scribes"

الغرض ان مسلسل اور پے در پے تباہیوں سے نسخوں کا تواتر ختم ہوگیا اور ہر فرقہ نے اپنے مفاد اور نظریات کے مطابق توریت میں کمی بیشی کی۔ نیز اس کی زبان بدلتی رہی۔ کبھی عبرانی، کبھی رومی اور کبھی یونانی۔

عہد قدیم میں تحریف کی داخلی اور خارجی شہادت

حضرت موسیٰ کی وفات:

تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر اس طرح ہے:

”میں خداوند کے بندے موسیٰ نے خداوند کے کہنے کے مطابق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا۔ یہ آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں اور اس وقت سے لے کر آج تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی جس نے موسیٰ کی مانند خدا کے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا۔“

(کتاب استثناء، باب نمبر 34، آیات 5 و مابعد)

صندوق موسوی:

عہد نامہ قدیم کی کتاب سلاطین اول، باب نمبر 8 کی آیات نمبر 6 سے 9 میں مذکور ہے:

''اور اس صندوق میں کچھ نہیں تھا۔ سوا پتھر کی ان دو الواح احکام عشرہ کے جن کو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رکھ دیا جس وقت کہ خداوند نے بنی اسرائیل سے جب وہ ملک مصر سے نکل آئے عہد باندھا تھا۔''

عہد نامہ قدیم کی تباہی بائبل کی رو سے:

سلاطین دوم باب نمبر 20، آیت نمبر 16 اور 17 میں مذکور ہے:

''تب سیعیاہ نے حذقیاہ سے یہ کہا: ''خداوند کا کلام سن لے۔ دیکھ وہ دن آتے ہیں کہ سب کچھ جو تیرے گھر میں ہے اور جو کچھ تیرے باپ دادا نے آج کے دن تک جمع کر رکھا ہے، وہ بائبل کو لے کر جائیں گے اور خداوند فرماتا ہے کہ باقی کچھ نہیں رہے گا۔''

تحریف کا اقرار:

عزرا فقیہ نے (جسے تدوین بائبل کا سب سے بڑا محسن قرار دیا جاتا ہے) اپنے متعلق دو کتابوں (عزرا اول اور عزرا دوم) میں یہ لکھا ہے:

''اے خداوند! دنیا میں اندھیرا چھا رہا ہے اور جو لوگ اس میں بستے ہیں سب بغیر روشنی کے ہیں، کیونکہ تیری ہدایت اور قانون جل چکا ہے۔ اس لئے کوئی شخص نہ ان معاملات کا علم رکھتا ہے جو گزر چکے ہیں اور نہ ان کا جو شروع ہو رہے ہیں، لیکن میں نے تیرے حضور عزت پائی ہے۔ اس لئے روح القدس کو مجھ میں داخل کر دے اور میں پھر وہ سب کچھ لکھوں جو دنیا میں ہو چکا ہے۔''

(عزرا دوم، باب نمبر 14، آیات نمبر: 12 تا 20)

عزرا دوم میں لکھا ہے:

''اور میری روح نے میرے حافظے کو قوی بنا دیا ہے اور پھر جو میری زبان کھلی ہے تو بند نہیں ہوتی اور لکھنے والے چالیس دن تک بیٹھے لکھتے رہے اور صرف رات کے وقت کچھ کھاتے تھے اور

میں دن بھر لکھتا رہتا تھا اور رات کو بھی میری زبان بند نہ ہوتی تھی۔ 40 دنوں میں انہوں نے 204 کتابیں لکھ ڈالیں۔"

(عزرا دوم، باب نمبر 14، آیت نمبر: 38 تا 40)

نحمیاہ میں ہے:

"یہود غلامی کے دور میں اپنی زبان بھی بھول گئے تھے، یہود کی زبان پہلے عبرانی تھی، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ تورات کا نسخہ جو بطلیموس شاہ یونان نے تیار کرایا تھا وہ یونانی زبان میں نہیں تھا۔"

(نحمیاہ، باب نمبر ۱۳، آیت نمبر: ۲۳ تا ۲۵)

عزرا کی ترتیب وتدوین:

زمانہ اسیری میں سبت کے دن علماء یہود مجلسیں قائم کرتے ہیں۔ پہلے تورات کی عبرانی زبان میں تلاوت کرتے تھے پھر اس کی تفسیر بیان کرتے تھے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ غالباً یہی مواد تھا جس سے عزرا نبی نے بعد کی کتابوں کو مدون کیا۔

انسائیکلوپیڈیا آف بیبلکل (Bibilacal) لٹریچر میں یہ مذکور ہے:

"عزرا نے تمام عتیق کو محض حافظے کی مدد سے تحریر کیا کیونکہ ان تمام کتابوں کے نسخے غفلت کی وجہ سے معدوم ہو چکے تھے۔"

عہد نامہ قدیم قرآن کی روشنی میں

عہد نامہ قدیم اور تورات:

قرآن کریم عہد نامہ قدیم کا سرے سے ذکر نہیں کرتا بلکہ صرف تورات کے نزول کا حوالہ دیتا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں ہے:

"نزل علیك الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه وانزل التورات والانجیل من قبل هدی للناس "

"اللہ نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے یعنی تورات اور انجیل کی جو اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی۔"

کتاب موسیٰ:

سورۂ ہود میں اس کو کتاب موسیٰ کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ومن قبله كتاب موسىٰ"

"اور اس سے پہلے اس نے کتاب موسیٰ (تورات) بھی نازل فرمائی۔"

صحیفہ موسیٰ:

قرآن مجید نے تورات کو صحف کا نام بھی دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"صحف ابراهيم وموسىٰ"

"ابراہیم و موسیٰ کے صحائف۔"

گویا قرآن حکیم صرف تورات کے نازل ہونے کا تذکرہ کرتا ہے۔

تورات کا مبدل ہونا:

قرآن مجید میں ہے کہ یہود نے اپنی کتاب کو تبدیل کر لیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ"

(القرآن المجید، سورۃ المائدہ، آیت نمبر:۱۳)

"انہوں نے کلام کو اس کی جگہ سے بدل دیا اور جو انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا اکثر حصہ وہ بھول گئے۔ ان کی اس خیانت (تحریف) پر بہت کم لوگ مطلع ہوئے۔"

قیام تورات:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قل يٰاهل الكتاب لستم على شيء حتى تقيموا التوراة والانجيل"

"فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تمہارا کوئی دین نہیں جب تک تم تورات و انجیل کو قائم نہیں کرتے۔"

اس آیت میں اہل کتاب کو یہ بات بتائی گئی ہے کہ وہ اصل تورات اور انجیل پر عمل کریں اور

اپنی خواہشات کو بروئے کار لانے کی کوشش نہ کریں۔

تورات کو اپنانے کا حق:

سورۂ جمعہ میں یہود کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے تورات کو اپنانے میں حق ادا نہیں کیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مثل الذین حملوا التورات ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفار"

"جس آدمی نے تورات کو اٹھایا پھر اس پر عمل نہیں کیا اس کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔"

گویا اس آیت کریمہ میں قرآن کریم یہ گواہی دے رہا ہے کہ یہود کو جو اصل تورات دی گئی تھی یہ لوگ اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے اور انہوں نے اصل تعلیمات کو بھلا دیا ہے۔

موجودہ بائبل کے انبیاء کرام علیہم السلام پر الزامات

بانیان مذاہب کی عقیدت اور یہودی قوم:

ہر دین کے پیروکار اپنے بانیان مذاہب کے احترام اور اعزاز کے قائل ہیں کیونکہ کسی رہنما سے اس وقت تک قلبی عقیدت اور ذہنی وابستگی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس شخصیت کی اخلاقی پاکیزگی اور بلند کرداری کا پختہ یقین نہ ہو لیکن یہودی قوم کا معاملہ اس ضمن میں بالکل جداگانہ ہے۔ وہ ایک طرف تو انبیاء و رسولوں کو خدا کا فرستادہ مانتے ہیں تو دوسری طرف ان کی سیرت و کردار پر ایسے اخلاق سوز الزامات لگاتے ہیں جن کا تصور رسول تو کجا ایک عام شریف انسان کے متعلق بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اپنی سیاہ کاریاں یا......:

اس کا سبب بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ جب بنی اسرائیل کے عوام و خواص، علماء و احبار اور حکام اخلاقی انحطاط کی پستی میں گر گئے تو اپنی اصلاح کی بجائے اولیاء عظام اور انبیاء کرام کی پاک سیرتوں کو داغدار کرنا شروع کر دیا تاکہ ان کی اپنی سیاہ کاریوں پر پردہ پڑا رہے اور جواز پیدا کیا جا سکے۔

یہود اور ہندو:

اس تاریک پہلو میں ہندو قوم بھی یہودیوں کی ہم نوا رہی ہے جس نے اپنے قومی ہیرو اور دینی راہنماؤں بلکہ دیوی دیوتاؤں کو اخلاقی بداعمالیوں کا مرتکب ٹھہرایا ہے۔

عہد نامہ عتیق اور انبیاء کی گستاخیاں:

ذیل میں ہم عہد نامہ عتیق سے کچھ مثالیں دیتے ہیں جن میں انبیاء کرام علیہم السلام پر گھٹیا، فحش اور ناقابل یقین الزامات لگائے گئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ باتیں اللہ کا کلام نہیں بلکہ ایجاد بندہ ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے:

"اور نوح کاشت کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔ اس نے اس کی شراب پی، اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے پر برہنہ ہو گیا۔"

(کتاب پیدائش، باب نمبر ۹، آیت نمبر: ۲۰ اور ۲۱)

حضرت لوط علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

اسی طرح کتاب پیدائش باب نمبر ۱۹ میں حضرت لوط علیہ السلام پر شراب خوری اور اور خود اپنی بیٹیوں سے بدکاری کا ناقابل یقین غلیظ الزام ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

بائبل کی کتاب پیدائش اور تالمود میں حضرت یعقوب علیہ السلام پر بے صبری اور ناشکری کا بہتان ہے۔ نیز ان کا خدا سے تمام رات کشتی لڑنے کا ذکر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

سلاطین اول، باب نمبر 11، آیت نمبر 1 تا 6 میں درج ہے:

"سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اس نے خدا کی پوری پیروی نہ کی۔"

نیز اسی میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر بت پرستی، مشرک عورتوں سے نکاح کرنے اور ان

کے عشق میں مبتلا ہو جانے کا ذکر ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

نیز کتاب سموئیل، باب نمبر 11 میں حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنے ایک ملازم کی خوبصورت جوان بیوی کی تاک جھانک کرنے کا الزام ہے۔ اسی طرح اس کے عشق میں مبتلا ہونے اور اس سے بدکاری کا الزام ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

اس طرح بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خفیہ عشق بازی کا الزام ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

بائبل میں حضرت ہارون علیہ السلام پر شرک و کفر اور گائے پرستی کا الزام ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

بائبل میں حضرت ایوب علیہ السلام پر بے صبری کا الزام درج ہے۔

بائبل، قرآن مجید اور انبیائے کرام کی تعظیم:

بائبل کے برعکس قرآن حکیم نے تمام انبیاء اور رسل کی عصمت اور پاکیزگی کا اعلان کیا ہے اور ان تمام الزامات سے انبیاء کو بری الذمہ ٹھہرایا ہے جن کا تذکرہ ہمیں بائبل میں ملتا ہے کیونکہ اسلامی عقیدے کے مطابق تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔ وہ ہر قسم کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔

☆☆☆

دین یہود عقائد اور رسومات کے تناظر میں

عمل، ایمان اور اخلاق رذیلہ

بنیاد مذہب:

یہودی عقائد کی بنیاد خدا کی واحدانیت اور بنواسرائیل کی فضیلت نیز اس نسل کے ساتھ خدا کے مخصوص تعلق پر ہے۔

خیر اور اسکا حصول:

یہودی عقیدہ کی رو سے یہ دنیا خیر ہے اور انسان کو اس خیر کے حصول کا پورا پورا اختیار دیا گیا ہے۔

اہمیت عمل، موجودہ صورت حال اور تفصیلی احکام:

یہودیوں کے ہاں عمل کی اہمیت ایمان سے زیادہ ہے۔ موجودہ صورت حال میں ان کا مذہب ایک ایسا نظام حیات پیش کرتا ہے جو ہر انسانی عمل کو رضائے الٰہی کا تابع بنانا چاہتا ہے۔ زندگی کے ہر عمل کے لئے ان کے ہاں نہایت تفصیلی احکام موجود ہیں۔ مثلاً: روزمرہ کی گفتگو میں ایک معمولی سا مبالغہ یا ادنیٰ سی دل آزاری یہودیوں کے نزدیک کسی بڑے گناہ کا موجب بن سکتی ہے۔ یہودیوں کے لئے مذہباً ممنوع ہے کہ وہ فحش کلامی کا ارتکاب کریں یا کسی کو اشتعال دلائیں یا کسی کمزور اور لاچار آدمی کے سامنے غیر معمولی قابلیت کا مظاہرہ کریں۔

مذہبی رسوم، کفر اور تبلیغ یہودیت

یہودیوں میں اگرچہ مذہبی رسوم کی پابندی نہایت اہم بنیاد ہے لیکن عقیدہ اور عمل کی کوتاہی ایک یہودی کے لئے اس کے مذہب سے اخراج کا باعث نہیں بن سکتی، سوائے اس کے کہ کوئی یہودی اپنے مذہب کو اعلانیہ ترک کردے۔ یہودیوں میں تبلیغ کا بھی کوئی دستور نہیں اور کسی دوسرے شخص کو تبلیغ کے ذریعے یہودی بنانا مستحسن خیال نہیں کیا جاتا۔ اس طرح یہودیت ایک غیر تبلیغی مذہب ہے۔

سیاسی، سماجی اور معاشرتی قوانین

یہودی مذہب سیاسی اور سماجی امور کے لئے بھی راہنمائی مہیا کرتا ہے۔ یہی وہ مذہب ہے جس نے دنیا کو اجتماعی زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتایا۔ اس نے انسانی تعلقات کی باہمی عمدگی پر زور دیا۔ معاشرے میں قیام امن کی خاطر جو قوانین نافذ کئے گئے ان میں سب سے اہم قانون ''قصاص'' ہے۔ قصاص کا معنی ہے کہ قتل کی صورت میں قاتل کو قتل کر دیا جائے۔ ان کا قانونِ قصاص بڑی حد تک اسلام کے قانونِ قصاص سے مماثلت رکھتا ہے۔

فرائض خمسہ اور بنیادی عقائد

پانچ فرائض:

ہر یہودی پر مذہبا یہ پانچ چیزیں فرض ہیں:

1: وہ دن میں تین بار عبادت کرے۔
2: کھانے سے پہلے شکرانہ کی دعا پڑھے۔
3: زندگی کی ہر نعمت کے لئے اظہار شکر کرے۔
4: کتاب مقدس کی ہر روز تلاوت کرے۔
5: صبح کی عبادت کے وقت خاص مذہبی لباس میں ملبوس رہے۔

بنیادی عقائد:

یہودی عقائد کو ایک یہودی فلسفی موسیٰ بن میمون نے اس طرح بیان کیا ہے:

1: وجودِ خداوندی پر ایمان۔ 2: خدا کی وحدت پر ایمان۔
3: خدا کے دائم ہونے پر ایمان۔ 4: خدا کے غیر مادی ہونے کا تصور۔
5: اس پر ایمان کہ عبادت صرف خدائے واحد کی ہی کی جائے۔
6: پیغمبروں پر ایمان۔
7: اس پر ایمان کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے بڑے پیغمبر تھے۔
8: اس پر ایمان کہ تورات (زبانی وتحریری) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ سینا پر عطاء کی

گئی۔

9: اس پر ایمان کہ تورات نا قابل تغیر ہے۔
10: اس پر ایمان کے خدا علیم وخبیر ہے۔
11: یوم آخرت کی جزا و سزا اور حیات بعد موت پر ایمان۔

12: مسیح کے آنے پر ایمان۔
13: مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان۔

یہودی احکام عشرہ

لوحوں پر کندہ احکام:

یہودیت کی معاشرتی تعلیمات ہمیں ان موسوی احکام عشرہ میں ملتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔

احکام کی تفصیل:

چنانچہ تورات میں ہے:

1: تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تا کہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔ 2: تو خون مت کر۔
3: تو زنا مت کر۔ 4: تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر۔"
(بائبل، باب نمبر ۷۔۱۰)

دوسری جگہ ہے:

5: تو اپنے پڑوسی کی جورو کا لالچ مت کر۔ 6: اس کے غلام کا لالچ مت کر۔
7: اس کی لونڈی کا لالچ مت کر۔ 8: اس کے بیل کا لالچ مت کر۔
9: اس کے گدھے کا لالچ مت کر۔
10: اور اس کی کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر۔"

(کتاب استثناء: ۵:۲۲)(خروج: ۲۰:۱تا۱۷)

بائبل کے معاشرتی احکام

عمدہ ترین تعلیم:

بائبل میں ماں باپ کی عزت وتکریم کے خلاف بات کہنے، زنا، خون، چوری، جھوٹی گواہی اور پڑوسی کے گھر کا لالچ وغیرہ سے ممانعت کی گئی ہے۔

(استثناء، باب الخروج ۲۰:۱۲تا۱۷)

عورت پر شوہر کی حکومت:

(The man is the owner the women is the chattle)

موجودہ موسوی شریعت نے عورتوں کو مردوں کا ہمیشہ محکوم اور غلام بنایا ہے جبکہ اسلام نے ان کے حقوق مقرر کیے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ھن لباس لکم وانتم لباس لھن"

(سورۃ البقرہ)

"عورتیں مردوں کا اور مرد عورتوں کا لباس ہیں۔"

جبکہ تورات میں ہے:

"خدا تیرے درد حمل کو بڑھائے گا۔ تو شوہر کی طرف رغبت کرے گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔"

(پیدائش، باب نمبر:۳)

لڑکی کے اغواء کا جرمانہ:

موجودہ تورات کے مطابق شادی سے پہلے عورت باپ یا ولی کی ملکیت ہوتی ہے۔ لہٰذا لڑکی کو اغواء کرنے والا قانوناً لڑکی کے والد کو جرمانہ ادا کرتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:

"اگر کوئی چھوکری کو فریب دے کر مباشرت کرے اور اس کی قیمت دے کر نکاح کرے تو اگر اس کا باپ راضی نہیں تو وہ کنواریوں کے اجراء کے مطابق نقدی دے۔" (خروج، آیت نمبر:۱۶تا۲۲)

دوسری جگہ ہے:

"اگر کوئی کنواری لڑکی کو پاوے جو کسی کی منگیتر تھی۔ اس کو پکڑ کر ہم بستر ہو تو وہ لڑکی کے باپ کو 50 مثقال چاندی دے (اگر پکڑے جائیں) اور زندگی بھر اسے طلاق نہ دے۔" (استثناء: ۲۲۔۲۸)

یہ احکامات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں کیونکہ اسلام میں غیر شادی شدہ بدکار کی سزا سو کوڑے اور شادی شدہ کے لئے رجم ہے۔

حق مہر:

موسوی شریعت میں مہر دینا فرض ہے۔

(پیدائش، باب نمبر ۳۷) (خروج: باب نمبر ۲۲) (استثناء، باب نمبر ۲۲، آیت نمبر ۲۹) (سموئیل اول: ۱۸/۲۵)

تعدد ازدواج:

عہد نامہ عتیق کے مطابق ایک سے زائد بیویاں کرنا جائز ہے۔ اسرائیلی انبیاء نے ایک سے زائد شادیاں کیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین نکاح کئے۔ بی بی سارہ، بی بی حاجرہ اور بی بی قطورہ سے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔ حضرت سموئیل نبی کے والد کی دو بیویاں تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی دو، داؤد علیہ السلام کی ایک سو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات بیویاں تھیں۔

(پیدائش: باب نمبر ۱۶) (استثناء: باب نمبر ۲۱) (احبار: باب نمبر ۱۸) (سموئیل: باب نمبر: ۱) (سلاطین اول: باب اول) (تاریخ: باب نمبر ۳)

پادری فاکس اپنی کتاب "غلطیوں کی اصلاح" میں رقم طراز ہے:

"ہم تعداد ازدواج کے بارے میں بے تردد تسلیم کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بھی اس دستور نے رواج پایا تھا اور خداوند نے اس کو منع نہیں فرمایا، بلکہ اس رسم پر چلنے والوں سے برکت کا وعدہ فرمایا۔"

طلاق کے احکام:

تورات میں ہے:

"عورت خاوند کی مملوکہ ہے۔ جب اس میں کوئی پلید بات دیکھے تو اس کو طلاق نامہ لکھ کر اس

کے ہاتھ میں دے اور اسے گھر سے باہر کر دے۔"

(استثناء ۲۴:۱)

بائبل میں درج ہے:

"اگر کوئی غلام نکاح کرے، اس کی بیوی سے اولاد ہو تو جب ساتویں برس آزاد ہو تو اکیلا جائے۔ اس کی اولاد آقا کی ملکیت ہو جائے گی۔"

(خروج، باب نمبر:۲۱)

ایک اور جگہ ہے:

"جب کسی اسیران جنگ میں سے کوئی عورت پسند آئے تو وہ اس کو بیوی بنائے۔ اس کے بعد اگر اچھی نہ لگے تو اسے گھر سے نکال دے۔"

(استثناء ۲۱:۴)

تورات میں غیر اقوام کی عورتوں کو طلاق دینے کا تاکیدی حکم پایا جاتا ہے۔

(نحمیا، باب نمبر:۱۳۰، آیت نمبر ۳۰)

یہ تعلیمات بھی اسلام کے خلاف ہیں۔ اسلام نے طلاق کو حلال امور میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

وراثت کے احکام:

یہودیت میں عورت ورثہ کی حقدار نہیں ہوتی بلکہ اس کی اپنی کمائی بھی شادی سے پہلے اس کے والدین کی اور شادی کے بعد اس کے شوہر کی ہوتی ہے۔ باپ کی بیویاں بیٹے کی وراثت میں آجاتی تھیں جبکہ اسلام میں عورت کو معاشی آزادی ہے۔ اس کا کمایا ہوا مال اس کا اپنا ہوتا ہے اور وہ اپنی آزاد مرضی سے اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے۔

بائبل میں ہے:

"روبن نے جیتے جی اپنے باپ (یعقوب) کی منکوحہ پر قبضہ کر لیا۔"

(سموئیل دوئم: آیت نمبر ۱۶ تا ۲۰) (پیدائش، آیت نمبر ۲۲ تا ۲۸)

بائبل میں تعلیم و تربیت میں سختی کرنے کے احکام موجود ہیں۔ والدین کی جائیداد میں صرف پلوٹھا لڑکا ہی وارث ہوتا ہے جبکہ اسلام میں تمام اولاد وراثت میں برابر کی شریک ہے۔

غلاموں کے متعلق احکام:

بائبل میں درج ہے:

"غلاموں کو لاٹھیوں سے مار دینے تک کی سزا دی جاسکتی ہے۔"

(خروج: باب نمبر:۲۱)

"اگر کوئی غلام نکاح کرے، اس کی بیوی سے اولاد ہو تو جب ساتویں برس آزاد ہو تو اکیلا جائے۔ اس کی اولاد آقا کی ملکیت ہو جائے گی۔"

(خروج، باب نمبر:۲۱)

جبکہ اسلام میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت جن باتوں کی امت کو تاکید کی ان میں سے ایک غلاموں کے ساتھ حسن سلوک بھی ہے۔

جادوگر کے بارے میں احکام:

تورات میں ہے:

"مرد یا عورت جس کا یار دیو ہو یا جادوگر تو دونوں قتل کیے جائیں۔ چاہیے کہ تم ان پر پتھراؤ کرو اور ان کا خون انہی پر ہوئے۔"

(احبار: باب نمبر۲۰، آیت نمبر۲۷)

دوسری جگہ ہے:

"تم جادوگروں کو جینے مت دو۔"

(خروج، باب نمبر۲۲، آیت نمبر۱۸)

جنگ اور قیدیوں کے متعلق احکام:

تورات میں ہے:

"جب خداوند تیرا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو تلوار کی دھار سے قتل کر...... کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑ۔"

(استشناء،۲۰، آیت نمبر۱۳تا۱۸)

دوسری جگہ درج ہے:

"سو ان بچوں کو جو لڑکے ہیں سب کو قتل کر اور ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہے جان سے مارو۔ جو ابھی واقف نہیں ہوئیں ان کو اپنے لئے رکھ لے۔"

(گنتی: باب نمبر ۳۱، آیت نمبر ۹، ۱۶، ۱۷)

ایک اور جگہ درج ہے:

"جب کسی اسیرانِ جنگ میں سے کوئی عورت پسند آئے تو وہ اس کو بیوی بنائے۔ اس کے بعد اگر اچھی نہ لگے تو اسے گھر سے نکال دے۔"

(استثناء: ۲۱: ۴)

حضرت داؤد کے متعلق لکھا ہے:

"اور داؤد نے اس سرزمین کو حرام کیا اور عورت مرد کسی کو جیتا نہ چھوڑا اور ان کی بھیڑ بکریاں اور گدھے سب کو تہہ و تیغ کیا۔"

(الیشوع، ۶: ۲۱)

تورات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

"جب خدا تیرا خدا ان کو تیرے حوالے کرے تو تو انہیں مار پھر اور حرم کیجیو، نہ تو ان سے کوئی عہد کریو اور نہ ان پر رحم کریو۔ نہ اس سے بیاہ کرنا، اس کی بیٹی کو اپنی بیٹی نہ بنانا اور نہ اپنے بیٹے کے لئے اس کی بیٹی لینا۔"

(استثناء، باب نمبر ۷، آیت نمبر ۳۲)

اسی طرح کے اور واقعات بھی "گنتی دوئم" اور "استثناء" وغیرہ میں تفصیلاً ملتے ہیں۔

طہارت:

تورات میں طہارت پر بڑا زور دیا گیا ہے۔

(احبار، باب نمبر ۱۵) (استثناء، باب نمبر: ۲۳) (سموئیل دوم: باب نمبر ۱۱)

شراب نوشی کی ممانعت:

احبار باب نمبر ۱۰ میں شراب کو قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔

سود:

تورات میں سود سے بھی منع کیا گیا ہے۔
(خروج: باب نمبر:۲۲) (احبار: باب نمبر۲۵) (استثناء: باب نمبر۲۳) (زبور: باب نمبر۱۵، آیت نمبر:۱) (مثال: ۲۸، آیت نمبر ۸) (حزقی ایل: باب نمبر: ۱۸، آیت نمبر ۱۶) (یرمیاہ: باب نمبر: ۱۵، آیت نمبر: ۱۰)

سور کا گوشت:

تورات میں سور کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا ہے۔
(احبار: باب نمبر ۱۱، آیت نمبر: ۷) (استثناء: باب نمبر: ۱۴، آیت نمبر: ۸) (یسعیاہ: باب نمبر: ۶۵، آیت نمبر ۳ اور ۴)

یہودی معبد

سینا گاگ کے معنی اور معبد کے خاص آداب:

سینا گاگ کے اصل معنی: ''یہودی مجالس عبادت'' کے ہیں۔ اس سے مراد ان کی سپریم مذہبی کونسل بھی لی جاتی ہے۔ یہودیوں کے ہاں معبد میں جانے کے خاص آداب ہوتے ہیں۔ سر پر ٹوپی پہن کر جانا ضروری تھا لیکن جدید تحریفات کے نتیجے میں ننگے سر جانے کی اجازت ہے۔ یہودیوں کے ہاں آداب عبادت، بہت سخت اور شدید ہوتے تھے۔

سینا گاگ کا وجود:

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجس اینڈ ایتھکس کا نامہ نگار لکھتا ہے:

''سینا گاگ مذہبی ادارے کی حیثیت سے ہیکل کی تباہی اور اس کے نتیجے میں قربانیوں پر مشتمل عبادت سے انقطاع سے، بہت پہلے وجود میں آچکا تھا۔ اس ادارہ نے اس اشد مذہبی ضرورت کو پورا کیا۔''

صومعہ نامی عبادت گاہیں اور ان کا طرز تعلیم و تبلیغ:

الغرض فلسطین سے باہر جو یہودی آباد تھے، انہوں نے اپنے لئے علیحدہ عبادت گاہیں تعمیر کرلیں جنہیں ''صومعہ'' کہا جاتا ہے۔ ہر قریہ، قصبہ اور شہر میں یہودی وقتاً فوقتاً عبادت کے لئے

جمع ہوتے۔ یہاں عبادت کے علاوہ مذہبی قوانین کی درس وتدریس کا انتظام بھی تھا۔ اس طرح ''صومعہ'' نے معبد یروشلم کی جگہ لے لی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ''صوامع'' عوامی زندگی سے قریب تر تھے اور ان میں جو خوبیاں تھیں وہ معبد یروشلم میں مفقود تھیں۔ یہاں کا امام عوام سے منتخب ہوتا جو قوانین موسوی پڑھ کر سناتا۔ ان مجالس کی ترتیب اس طرح ہوتی کہ حاضرین کا رُخ یروشلم کی طرف ہوتا۔ اس کے گوشہ میں ایک تابوت رکھا ہوتا اور اس کے قریب ایک چراغ جلتا رہتا۔ حاضرین مجلس مذہب پر آزادنہ تنقید کر سکتے تھے۔ عمارت کے بیچ میں ایک چبوترہ پر منبر ہوتا۔ جس کے دونوں جانب لوگ بیٹھتے۔

مدرسہ جانبیہ اور اسکی خدمات:

ایک اور عقیدہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہودیت کی بقا کے لئے فلسطین سے وابستگی ضروری نہیں اور دوسرے ممالک میں بھی یہودی مذہب فروغ پا سکتا ہے۔ چنانچہ جب رومی شہنشاہ ٹائیٹس (Titus) بیت المقدس کو تباہ وبرباد کر رہا تھا۔ یہودیوں کا اس زمانے کا مشہور رہنما وہاں سے فرار ہو گیا۔ یروشلم کے معبد کی تباہی کے بعد یہودیوں پر جو افسردگی طاری ہو گئی تھی اس مدرسے نے اسے اُمید میں بدل دیا۔ یہ مدرسہ جانبیہ کے مقام پر قائم کیا گیا تھا۔ مدرسہ جانبیہ نے یہودی مذہب کی ایک اور خدمت سرانجام دی کہ یہودیت کی مذہبی روایات کو یکجا کر دیا، جو کہ بالآخر تالمود کی صورت میں ظاہر ہوئیں۔

گلیلی اور بابل کے مدارس کی خدمات:

مدرسہ جانبیہ کی طرز پر کچھ اور مدرسے بھی وجود میں آئے۔ ان میں ایک گلیلی اور دوسرا بابل میں تھا۔ یہاں پر ہی علمائے یہود نے کتب مقدسہ کی تحقیق اور ان کی تفسیر وتشریح کا شاندار کارنامہ انجام دیا۔ مذہبی کتب کی عبارات کو جدید معانی دیئے گئے اور ان کے مسائل واحکام کو جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالا گیا۔ ابھی یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچا تھا کہ حکومت فلسطین کا خاتمہ ہو گیا۔ جس کے بعد یہودی مذہبی قوانین کے مطالعہ اور تحقیق کا کام مزید جوش وخروش سے شروع ہوا اور عقبہ بن یوسف نے اس سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ الغرض یہودیت میں لادینی دائرہ کار کا یہ ادارہ ہیکل کے ساتھ ساتھ اپنی اہمیت کو تسلیم کرانے میں کامیاب ہوا اور ہیکل کی تباہی کے بعد آج تک ان کی مذہبی ضرورت کو پورا کرتا رہا ہے۔

یوم سبت کی تعطیل

ہفتہ کا دن:

یہودیوں کے یہاں سبت کی تعطیل بڑی اہم ہے۔ یہ رخصت جمعہ کے دن غروب آفتاب سے شروع ہو کر ہفتہ کے دن ستاروں کے نمودار ہونے پر ختم ہو جاتی ہے۔ راسخ العقیدہ یہودی اس روز دنیاوی کاموں کے نزدیک بھی نہیں جاتے بلکہ عبادت و مراقبہ میں مشغول رہتے ہیں۔

☆☆☆

تحریکِ صہونیت

(Zionistic Movement)

فلسطین پر قبضہ

تقریباً 1300 قبل مسیح میں بنی اسرائیل فلسطین کے علاقہ میں داخل ہوئے اور دو صدیوں کی مسلسل کشمکش کے بعد بالآخر اس پر قابض ہوئے۔ بنی اسرائیل نے اس علاقے کی رہنے والی اقوام کا قتل عام کر کے اس سرزمین پر اسی طرح قبضہ کیا تھا جس طرح فرنگیوں نے ریڈ انڈینز (Redindians) کو ختم کر کے امریکہ پر قبضہ کیا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ خدا نے یہ ملک میراث میں ان کو دے دیا ہے۔ اس لئے ان کو حق پہنچتا ہے کہ اس کے اصل باشندوں کو بے دخل کر کے بلکہ نسل کو مٹا کر اس پر قابض ہو جائیں۔

شمالی و جنوبی فلسطین کی ریاست اور بخت نصر

آٹھویں صدی قبل مسیح میں آشوریوں نے شمالی فلسطین پر قبضہ کیا اور ان کی جگہ دوسری اقوام کا لا بسایا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے جنوبی ریاست پر قبضہ کر کے تمام یہودیوں کو ہلاک کر دیا، بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور ہیکل سلیمانی کو اس طرح پیوند خاک کر دیا کہ اس کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہی۔

ہیکل کی از سر نو تعمیر

ایک طویل مدت کی جلاوطنی کے بعد ایرانیوں کے دور حکومت میں یہودیوں کو پھر سے جنوبی فلسطین میں آ کر آباد ہونے کا موقع ملا اور انہوں نے بیت المقدس میں ہیکل کی دوبارہ تعمیر کی لیکن یہ دوسرا وقفہ بھی تین چار سو برس سے دراز نہ ہوا۔

ہیکل اور شہر کی دوبارہ تباہی

70 قبل مسیح میں یہودیوں نے رومی سلطنت کے خلاف بغاوت کر دی جس کی پاداش میں شہر اور ہیکل دوبارہ مسمار کر دیا گیا۔

دو ہزار سال سے مذہبی دعا

2000 سال سے یہودی یہ دعا مانگتے رہتے ہیں:

"اے خداوند! بیت المقدس پھر ہمارے ہاتھ آئے تاکہ ہم ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کریں۔"

بچے اور فلسطین کی حکومت کا حصول

مذہبی تقریبات کے موقع پر یہودی اپنے گھروں میں اپنی تاریخ کا پورا ڈرامہ دھراتے ہیں گویا بیس صدیوں سے یہودیوں کے بچے بچے کے دل میں یہ بات بٹھائی جا رہی ہے:

"فلسطین تمہارا ہے تمہیں واپس لینا ہے اور تمہارا مقصد زندگی یہ ہے کہ تم بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کو پھر سے تعمیر کرو۔"

گویا بیس صدیوں سے یہودی قوم کی زندگی کا نصب العین یہی رہا ہے کہ وہ ہیکل کی تعمیر کریں۔"

سازشی لوگ

یہ وہ پس منظر ہے جس سے تحریک صہونیت کو سمجھنے میں بہت آسانی رہتی ہے۔ آخری جلاوطنی کے بعد یہودی یورپ، ایشیا اور افریقہ کے جن ممالک میں بھی رہے۔ یہ سیاسی سازشوں میں ملوث رہے۔ یہ کسی بھی حکومت کے وفادار نہیں ہوتے تھے۔

باغی ذہن

تمام حکومتیں اکثر و بیشتر ان کے ساتھ ناروا سلوک اور ظالمانہ سلوک روا رکھتی تھیں اور یہ ہمیشہ باغیوں کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔

دو طبقات

یہودی جہاں بھی رہے ہمیشہ ان کے دو طبقات ہوتے تھے۔ ایک عام مزدور طبقہ اور دوسرا وہ جو اپنی صلاحیتوں اور ذہانت کی وجہ سے مارکیٹ پر غلبہ و اقتدار حاصل کر لیتے تھے۔ خصوصاً اقتصادی امور میں ان کی گرفت بڑی مضبوط ہوتی تھی۔

ہٹلر اور یہودیوں کی بیخ کنی

ہٹلر کے زمانے میں جرمنی کی دولت کے تمام ذرائع، تجارت، بنکوں، اخبارات اور ریڈیو پر یہودیوں کا ہی تسلط تھا۔ ہٹلر نے ان کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا۔

روس اور یہودی

اکثر یہودی روس کے خلاف بغاوتوں کے مرتکب ہوتے تھے جس کی وجہ سے ان کے خلاف تادیبی کارروائیاں ہوتی تھیں۔ 1882ء میں ان کا قتل عام ہوا جس کے نتیجہ میں لاتعداد یہودی مارے گئے۔ اس قتل عام سے ان کی اس تحریک کا آغاز ہوا جو بعد میں تحریک صیہونیت کہلائی۔

جمعیت عشاق صہیون

احمد شبلی نے مقارنۃ الادیان میں لکھا ہے:

"اس شدید قتل کے بعد یہودیوں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ ان کے لئے ان کے آباء کی سرزمین ارض موعود کے علاوہ اور کہیں امن و چین نہیں۔ اس تحریک کا بانی لیو پنسکر تھا۔ اس نے ایک جماعت تشکیل دی جس کا نام "جمعیت عشاق صہیون" تھا۔"

(مقارنۃ الادیان، از احمد شبلی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 97)

وجہ تسمیہ

جبلِ صہیون یروشلم کے قریب واقع تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس پر ایک قلعہ اور چھاؤنی تعمیر کی تھی۔ چونکہ یہ یہودیوں کے عروج کا زمانہ تھا اس لئے انہوں نے اپنی جماعت کے لئے یہی نام استعمال کیا تا کہ یہودی کے ذہن میں عظمت رفتہ کے حصول کا جذبہ پیدا ہو۔

اتحاد کی وجہ

ایک دفعہ بن گوریاں نے کہا تھا:

''ہم یہودیوں میں اتحاد کی وجہ یہ ہے کہ یہودی کے ذہن میں ارض موعود کا ایک واضح تصور موجود ہے اور ارض موعود میں قیام حکومت کا عقیدہ ہی یہودیوں کے درمیان باعث اتحاد ہے۔''

بن گوریاں کی اس تقریر کے اس حصہ کا تجزیہ کیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ اپنی تحریک کا نام انہوں نے اس علامت اور نشان سے منسوب کیا جو ماضی میں عظمت و شوکت کی دلیل تھا۔

تحریک کا باقاعدہ قیام

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھیک کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

صہونیت (Zionism) ایک جدید قومی یہودی تحریک کا نام ہے جس کا پروگرام باقاعدہ طور پر سوئٹزرلینڈ کے شہر بال (Ball) میں 29 سے 31 اگست 1897ء میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں طے کیا گیا۔

قیام تحریک کے مقاصد

تحریک صہونیت کا مقصد یہ تھا کہ یہودی لوگوں کے لئے ایک عام تسلیم شدہ، قانونی طور پر تحفظ والا وطن فلسطین میں مہیا کیا جائے۔ اس بال کانفرنس میں ہی اس تحریک کو جمعیت عشاق صہیونیت کا نام دیا گیا تھا۔ کانفرنس میں جو قرارداد پاس ہوئی اس کی شقیں درج ذیل تھیں:

1: یہودی زراعت پیشہ افراد، صنعت کاروں اور تاجروں کو فلسطین میں آباد کیا جائے جس حد تک مطلوبہ مقاصد کے لئے ضروری ہو۔

2: تمام یہودی لوگوں کو ان ممالک کے قوانین کی مطابقت سے مقامی اور عام جماعتوں

کی صورت میں بین الاقوامی پیمانہ پر منتخب اور منظم کیا جائے۔

3: یہودیوں کے قومی احساسات اور خودی کے جذبات کو تقویت دی جائے۔

4: تحریک صیہونیت کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے متعلقہ حکومتوں کی اجازت کے سلسلے میں اقدامات کئے جائیں اور اسرائیل کے قیام کی حمایت کی یقین دہانی کی جائے۔

فلسطین کی طرف ہجرت

تحریک صیہونیت کی منظم شکل تو 1897 میں سامنے آئی۔ تاہم فلسطین کی طرف ہجرت کا سلسلہ 1882ء میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ روس نے ہجرت کرنے اور ترک عثمانوں نے ان کے فلسطین میں داخلے پر کڑی پابندیاں لگا دیں لیکن ان احتیاطی اقدامات کے باوجود ان کے کچھ گروہ فلسطین میں آنے میں کامیاب ہو گئے۔

ہجرت اول اور ہجرتی تنظیموں کا قیام

بن گوریاں کے نزدیک یہ پہلی ہجرت تھی۔ اس تحریک ہجرت کو بین الاقوامی حیثیت دی گئی اور اس کی ترویج و اشاعت کے لئے تنظیمیں قائم کی گئیں۔

عظیم یہودی مصلح

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس کا مضمون نگار لکھتا ہے:

"1996ء میں یہودی دنیا "وی آنا" (Viena) کے ایک شخص تھیوڈر ہرزل (Theodore Herzal) کے منظر عام آنے پر بیدار ہوئی۔ اس نے ان خیالات کا اظہار کیا کہ یہودیوں کو وہ تمام غیر موافق ممالک چھوڑ دینے چاہئیں جہاں وہ آباد ہیں۔ ایسی سکیم تفصیل سے طے کرنی چاہیے جس کے ذریعے یہودی دولت مشترکہ کا قیام عمل میں آسکے۔

تھیوڈر ہرزل کی پرکشش شخصیت کا ہی اثر تھا جس میں اس کے خیالی منصوبے کو لوگوں کی اکثریت کے سامنے ایک عملی حقیقت کی صورت میں پیش کیا۔ بعد میں آنے والے ادوار میں اس کی شخصیت سے مسیح موعود کے دعوے کو بھی منسلک کیا گیا۔ بلاشبہ وہ ایک بے مثال شخصیت ثابت ہوا اور موجودہ یہودی آبادی میں اس کی

حیثیت ایک مصلح کی حیثیت سے تسلیم کی جاتی ہے۔"
(انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 856)

متعینہ پروگرام کی تکمیل کے طریقے

چنانچہ 1897ء میں جو بال (Ball) کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں جس پروگرام کو متعین کیا گیا اس کو پورا کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ ان میں سے ایک تو یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ عبرانی زبان کو اس کا جائز مقام دیا گیا، اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا اور تمام یہودیوں کے لئے یہ پہلا لازمی ٹھہرایا گیا کہ وہ عبرانی سیکھیں اور اپنے روزمرہ کے معمولات عبرانی میں لکھیں اور پڑھیں۔ اسی کانفرنس میں عبرانی کو یہودیوں کی کاروباری اور رسمی زبان کا درجہ دیا گیا۔ گویا یہودی قوم کے سامنے ان کی آئیڈیالوجی رکھ دی گئی۔

الین بائی کی یونیورسٹی

1925ء میں لارڈ بال فور (Bil Four) کی مدد سے الین بائی نے جو یونیورسٹی قائم کی تھی وہ اسی تحریک کا نتیجہ تھی۔

مجوزہ علاقے کا مخصوص نام

بال کانفرنس میں ایک اور اہم فیصلہ جو ہوا وہ یہ تھا کہ فلسطین کے نام کو استعمال کرنے کی بجائے مجوزہ علاقے کا کوئی مخصوص نام رکھا جائے۔ اس سلسلے میں دو تجاویز سامنے آئیں:

1: ارض صیہون۔

2: اسرائیل۔

غور و فکر کے بعد انہوں نے اسرائیل کا نام منتخب کیا۔

عالمی جیوری

انہوں نے ایک عالمی جیوری (World Jury) قائم کرنے کی تجویز بھی پیش کی اور اس کے علاوہ بین الاقوامی تنظیمیں قائم کرنے کی حمایت کی۔

فلسطین میں نو آبادیاں

ایک تجویز یہ پیش ہوئی کہ یہودی یہ سمجھیں کہ جلاوطنی کا دور ختم ہو گیا ہے اور اپنے وطن کی طرف ہجرت کا زمانہ شروع ہو چکا ہے۔ یہودیوں کو فلسطین کی طرف ہجرت کرنی چاہئے اور وہاں اپنی نو آبادیاں قائم کرنی چاہئیں۔

چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے مختلف قسم کا لٹریچر پمفلٹوں اور رسالوں کی صورت میں شائع ہونا شروع ہو گیا تا کہ قومی احساسات کو اجاگر کیا جا سکے۔ یہودیوں کی مالی حیثیت چونکہ بہت مضبوط ہوتی تھی اس لئے اپنے میں سے غریب یہودیوں کو وظیفے دیتے تا کہ ان کی مالی مشکلات ختم ہوں۔

ہجرت ثانیہ

1905ء میں اس کانفرنس کے بعد دوسری ہجرت ہوئی جسے ہجرت ثانیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ہجرت اس بغاوت نما سازش کا نتیجہ تھی جو روس کے خلاف کی گئی اور اسے دبا دیا گیا تھا۔ اس ہجرت میں ان کا لیڈر بن گوریاں بھی آیا جو روسی یہودی تھا۔ انہوں نے خلیل اور سامریہ کے علاقوں میں بہت کالونیاں اور بستیاں قائم کر لیں۔ ان آبادیوں میں یورپ کے متمول یہودیوں کی زبردست اعانت موجود تھی۔

سلطان عبدالحمید خان کی حمیت

فلسطین کا علاقہ اس وقت عثمانی ترکوں کی سلطنت میں تھا۔ 1901ء میں تھیوڈر ہرزل نے سلطان ترکی عبدالحمید خان کو "حاخام قرہ صوآفندی" کے ہاتھ یہ پیغام بھیجا:

"یہودی لوگ ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کے لئے تیار ہیں اگر فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی اجازت دے دی جائے۔"

لیکن سلطان نے اس پیغام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور صاف جواب دیا:

"جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک سلطنت ترکیہ موجود ہے اس وقت تک اس کا کوئی امکان نہیں کہ فلسطین یہودیوں کے حوالے کیا جائے۔ اگر یہودیوں کی ساری دولت بھی مجھے دے دی جائے تو بھی ارض مقدس کی ایک انچ بھی ان کو دینے کو تیار

نہیں۔تمہاری ساری دولت کو میں حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔"

بال کانفرنس کا پیدا کردہ جذبہ

1897ء سے لے کر 1916ء تک تحریک صہونیت نے آبادکاری کے سلسلے میں اہم رول ادا کیا۔ پہلی جنگ عظیم کی ابتدا کے ساتھ ہی یہودیوں کے لئے ہجرت کے مواقع بڑے آسان ہو گئے اور انہوں نے وسیع پیمانے پر ہجرت شروع کر دی۔ یہ جذبہ اور شوق اسی بال کانفرنس کا پیدا کردہ تھا۔

جرمنی سے معاملہ اور ناکامی

پہلی جنگ عظیم کے شروع میں یہودیوں نے حکومت جرمنی سے معاملہ کرنا چاہا کیونکہ جرمنی میں ان کا بہت زور تھا۔ انہوں نے قیصر ولیم سے یہ وعدہ لینے کی کوشش کی کہ وہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے میں مدد کرے لیکن اس کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ یہ ثابت ہوئی کہ ترکی اس کا حلیف ملک تھا اور وہ اس کی ہمدردی اور حمایت کھونا نہیں چاہتا تھا۔

انگلستان سے مدد اور حصول مقصد میں کامیابی

اس موقع پر ڈاکٹر وائزمان (Weiz Manu) کی شخصیت منظر عام پر آئی۔ اس نے حکومت انگلستان کو یہ یقین دلایا کہ تمام دنیا کے یہودیوں کا سرمایہ اور اعلیٰ دفاعی صلاحیتیں انگلستان اور فرانس کے کام آسکتی ہیں۔ اس یقین دہانی کی صورت میں کہ فتحیاب ہونے کے بعد فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنا دیں گے۔ اس نے حکومت سے یہ وعدہ حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی جو بالفور اعلان کہلاتا ہے۔ یہ اعلان عربوں کے لئے بڑا نقصان دہ تھا۔

1917ء میں انگریز جنوبی فلسطین میں داخل ہوئے اور انہوں نے یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ جرمن اور ترکی کی فوجیں بتدریج شمالی فلسطین اور شام کی طرف ہٹ گئیں۔ فلسطین برطانیہ کے قبضہ میں آگیا اور اس اعلان کے ساتھ وہ پہلا مرحلہ کامیابی کے ساتھ طے ہو گیا جس کے لئے 1880ء سے 1914ء تک تقریباً 37 سال کا عرصہ لگا۔

یہودی اور عرب مسلمان

مسلسل ہجرت کی وجہ سے 1939ء میں ان کی تعداد چار لاکھ کے قریب ہو چکی تھی۔ عام عرب آبادی یہودیوں کی دن بدن بڑھتی ہوئی آبادی سے خائف رہنے لگی۔ اس عرصہ کے دوران 1928ء، 1933ء اور 1939ء میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خونریز فسادات بھی ہوئے۔ 1933ء میں عراق، شام اور لبنان کی آزادی کے بعد فلسطینی عربوں نے آزاد ریاست کا مطالبہ کیا لیکن انگریز حکومت کے وزیراعظم ان کو تسلی دلاسہ دیتے رہے۔

دوسری طرف یہودی عالمگیر جنگ کے زمانے میں فلسطین میں داخل ہونے لگے۔ ان کی مسلح تنظیمیں قائم ہوئیں، جنہوں نے اردگرد کے علاقوں میں مار دھاڑ کر کے عربوں کو ہراساں کرنا اور بھگانا شروع کر دیا۔ جن کے مظاہرے سر عام ہوئے تھے۔

تحریک کا دوسرا دور

1917ء سے 1947ء تک کا دور تحریک صیہونیت کا دوسرا مرحلہ تھا۔ یہودیوں نے جو مجلس دفاع ذات قائم کی تھی وہ عربوں پر حملے کر کے ان کا صفایا کر رہی تھی۔ حتیٰ کہ انہوں نے انگریز سپاہیوں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا۔ فوج میں یہودی بریگیڈ قائم کیا گیا۔ مختلف علاقوں میں ہونے والے فسادات اتنے نازک صورت اختیار کر گئے کہ نومبر 1947ء میں برطانیہ نے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا۔ جنرل اسمبلی میں فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

تقسیم فلسطین

فلسطین کا 55 فیصد رقبہ 33 فیصد یہودی آبادی کو اور 45 فیصد رقبہ 67 فیصد عرب آبادی کو دے دیا گیا۔

یہودیوں کی درماندگی اور ریاست اسرائیل کا قیام

اس فیصلے کے بعد یہودیوں کی دہشت پسند سرگرمیاں مزید تیز ہو گئیں۔ انہوں نے قتل و غارت اور سفاکی کے ذریعے ملک کے زیادہ علاقے پر اپنا قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ 1948ء میں

برطانوی قبضہ فلسطین سے ختم کر دیا گیا۔ ساتھ ہی 14 مئی 1948ء کو اسرائیل کی ریاست کے قیام کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا جسے روس اور امریکہ نے فوراً تسلیم کر لیا۔

مسلسل ملک کی توسیع کی کوششیں

اسرائیلی حکومت کے قیام کے بعد عربوں اور یہودیوں میں کئی جنگیں ہوئیں جن میں یہودیوں کا پلہ بھاری رہا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ استعمار پسند طاقتیں مسلسل یہودیوں کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ نیز یہ طاقتیں دامے، درمے اور سخنے ان کی مدد کرتی رہی ہیں۔
یہودی متحد ہیں اور وہ جہاں کہیں بھی ہیں یہودی ریاست کی عملی مدد اور تعاون کرتے ہیں۔
اس کے برعکس عرب ممالک نفاق کا شکار ہیں اور باہم ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہیں۔
عربوں کے ان اختلافات کی وجہ سے اسرائیل اپنے توسیع پسندانہ عزائم میں کامیاب ہو رہا ہے۔
جون 1967ء میں اسرائیل نے ہمسایہ عرب ممالک پر حملہ کر کے ان کے کئی علاقے ہتھیا لئے۔
اکتوبر 1973ء میں مصر نے تو اپنے بعض علاقے واپس لے لئے لیکن گزشتہ سال اسرائیل نے لبنان کے اکثر علاقے پر جارحانہ قبضہ جما لیا ہے۔ اس طرح اسرائیل اپنے توسیع پسندی میں کامیاب ہے۔

سپر پاور امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر اور اسرائیل

1990ء میں خلیجی جنگ میں عراق کی شکست اور روس کا بطور عالمی طاقت کے خاتمہ نے حالات یکسر بدل دیئے ہیں۔ امریکہ اب واحد سپر طاقت ہے اس کے نیو ورلڈ آرڈر کے تحت اسرائیل مشرق وسطیٰ کی مضبوط ترین قوت ہے۔ جس کا امریکہ سرپرست ہے۔ مصر اور تنظیم فلسطین نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ باقی عرب ممالک اسے تسلیم کرنے پر تیار بیٹھے ہیں۔

☆☆☆

حصہ نمبر 2:

دینِ مسیح

پس منظر، تعارف، بانی، کتاب، عقائد، اہم ترین معلومات اور حقائق

ابتدائی تعارف

ایک معاشی قوت

اب ہم ایک اہم اور بین الاقوامی مذہب کا ذکر کرتے ہیں جو موجودہ دور میں سیاسی تفوق اور معاشی قوت کا حامل ہے۔ اس کے پیروکار تعداد، سیاسی قوت اور معاشی اثر ونفوذ کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس مذہب نے تاریخ پر دوررس اثرات ڈالے ہیں اور آج بھی ہر لحاظ سے قابل توجہ ہے۔

بلحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب

عیسائیت بلحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ اس کے پیروکار دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں پائے جاتے ہیں اور کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں عیسائیت کے قدم نہ پہنچے ہوں۔

یہودیت اور عیسائیت کا باہم تعلق

یہودیت کی طرح عیسائیت بھی دراصل ابراہیمی مذہب کی ایک شاخ ہے۔ یہودیت سے اس کا تعلق نہایت گہرا ہے، یہاں تک کہ ابتدا میں عیسائیت یہودیت کا ایک حصہ تھی، اس لئے عیسائیت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہودیت کی تاریخ سے پوری طرح باخبر ہوں۔

یہود کا انبیاء سے سلوک

یہود کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو کچھ عرصے کے لئے فلسطین کی حکومت نصیب ہوئی، لیکن ان کی گمراہیوں نے انہیں اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ حکومت کا کاروبار چلا سکیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کے لئے یکے بعد دیگرے انبیاء بھیجتا رہا لیکن یہودیوں نے ان کے نصائح کو در

خور اعتنا نہ سمجھا۔ ان انبیاء کے ساتھ ان کا رویہ شرمناک تھا۔ انہوں نے کچھ کو قتل کر ڈالا، بعض کو یہودیوں کے ہاتھوں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، کچھ سنگسار کر دیئے گئے اور بعض کو آروں سے چیر ڈالا گیا۔ گویا یہودیوں میں گمراہی اس حد تک پیوست ہو چکی تھی کہ وہ جہالت و توہمات کا مرقع بن گئے تھے۔

یہودی علماء کی تحریف

آمد عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے یہودیوں کے علماء وفقیہ غیر ضروری مسائل کی توجیہات میں مصروف ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کا دین اصل حالت میں موجود نہ رہا تھا کیونکہ یہودی علماء نے اس میں اپنی مرضی سے ترمیم وتحریف کر لی تھی۔

ظہور عیسائیت کے وقت کے سیاسی حالات

عیسائیت کا ظہور اس وقت ہوا جس یہودی قوم منتشر ہو چکی تھی۔ ان کی آبادیاں اب بحیرہ روم کے آس پاس کے علاقوں میں قائم ہو چکی تھیں اور مشرق وسطیٰ کے دیگر علاقوں میں بھی ان کی آبادی بڑھ چکی تھی۔ فلسطین پر آریوں کی حکومت تھی جو رومیوں کے تابع تھے۔ یروشلم رومیوں کا ایک ماتحت صوبہ تھا اور رومی حکومت کا یہ حصہ یہودایا جوڈیا کہلاتا تھا۔ یہاں کا حاکم بھی رومی حکومت کی طرف سے مقرر تھا۔

اس وقت فلسطین پر رومی حاکم ہیروڈ تھا جو شہنشاہ روم آگسٹس کا وفادار تھا۔ طاقت واقتدار کے لحاظ سے یہ بھی اپنے ملک میں آگسٹس سے کم نہ تھا۔ ظلم وستم میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ یہ ذرا ذرا سے شبہ پر بستیوں کی بستیاں اجاڑ دیتا۔ اس کا ظلم وتشدد اور دراز دستیاں اپنے عروج کو پہنچ چکی تھیں۔

انسانیت کی اپاہجی کا زمانہ

اس وقت غلامی کا دور دورہ تھا۔ حالات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ ان کے سدھرنے کی کوئی توقع نہ تھی۔ انسانوں کے ایک محدود طبقے نے طاقت وقوت کے تمام سرچشموں پر قبضہ کر کے خدا کی مخلوق کو مفلوج اور اپاہج بنا دیا تھا۔ انسانیت ظلم واستبداد کی چکی میں پس رہی تھی اور انہیں ان مصائب سے نجات دلانے والا کوئی نہ تھا۔

دیگر مذاہب اور اجتماعی قوانین

بدھ مت، جین مت اور کنفیوشس نے زخمی انسانیت کو مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر ان کے پیغام میں مصائب کا مقابلہ کرنے کی بجائے مصائب سے کنارہ کشی ہونے کا درس دیا گیا تھا۔

یونان وروما کے مذاہب زینو، دیو جانس کلبی اور اپی کیورس میں بھی مصائب سے چور انسانیت کو کوئی مستقبل نظر نہ آتا تھا۔ گوتم بدھ کی نجات ابدی ایک منفی سی چیز تھی۔ جس کا کوئی مثبت پہلو نہ تھا۔ اس کے نزدیک انسان کی آخری معراج یہ تھی کہ نروان کے نام پر "کچھ نہیں" ہو کر رہ جائے۔ یہی حال زینو کے فلسفہ کلوٹکس ازم، دیو جانس کلبی کے فلسفہ کلبیت اور اپی کیورس کے فلسفہ مسرت کا تھا۔ یہ سب لوگ اجتماعی زندگی میں انسان کی کوئی مدد نہ کرتے تھے بلکہ جو اندھیر نگری مچی ہوئی تھی اس سے دامن بچا کر گزر جانا سکھاتے تھے۔

یہود کی آرزوئیں اور خوش خیالیاں

مادی اسباب وحالات کی بنا پر اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ یہودی پھر کبھی آزادی کا منہ دیکھ سکیں گے اور نہ ہی انہیں یہ امید تھی کہ وہ رومی حکمرانوں کے ظلم وستم سے نجات حاصل کر لیں گے۔ اس لئے قدرتی بات یہ تھی کہ یہودیوں نے مستقبل سے اپنی امیدیں وابستہ کر لی تھیں اور ہر وقت اس انتظار میں رہتے کہ خدا ان کے معاملات کو سدھارنے کیلئے ضرور مداخلت کرے گا۔ وہ اپنی سیاسی محرومی کو ایک عارضی حادثہ قرار دیتے۔ ان کے خیال میں وقت قریب تھا جب ظالم و جابر حکمران رخصت ہو جائیں گے اور خداوند بنی اسرائیل کو ایک بار پھر آزادی کی نعمت سے سرفراز کر کے انہیں ایک ایسی عالمگیر قوت وحکومت عطا کرے گا جو ابدی ہوگی۔

یہ خیالات اس دور کے یہودیوں میں عام تھے اور ان کتابوں کا مشترکہ موضوع تھے جنہیں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت دانیال اور عزرا کی جانب منسوب کیا جاتا تھا۔ ان کتابوں نے یہودیوں کو آسمانی بادشاہت اور مسیح نجات دہندہ کے تخیل سے آشنا کر دیا تھا۔ عین اس زمانہ اور انہی حالات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

سیرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام

قرآن اور بائبل کی روشنی میں

نام اور القاب

عیسیٰ:

آپ کا نام یشوع، عبرانی میں یسوع اور عربی میں عیسیٰ تھا جو انگریزی میں "CHRIST" بن گیا۔ یسوع کے معنی سید اور مبارک کے ہیں۔ نیز اس کا معنی ہے: "نجات دلانے والا۔"

مسیح:

آپ علیہ السلام کا دوسرا نام مسیح ہے جو مسح سے مشتق ہے۔ مسح کے معنی کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا اور اس سے برا اثر دور کرنا ہے یعنی بیماری دور کرنا۔

(مفردات القرآن، از امام راغب)

سیر اور چلنے کو بھی مسح کہتے ہیں۔

"قیل مسمی عیسا مسیحا فی الارض ای ذاھبافیھا"

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح اس لئے رکھا گیا کہ وہ زمین پر چلنے والے یا سیاحت کرنے والے تھے۔"

یسوع ناصری:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "یسوع ناصری" ناصرہ قصبہ کی نسبت سے کہا جاتا ہے۔

الغرض آپ کا ذاتی نام یشوع یا یسوع عیسیٰ تھا۔ مسیح آپ کا وضعی نام تھا اور ناصری آپ کا لقب تھا۔ نیز ابن مریم کنیت تھی۔

قرآن اور مقدس کتب

مستند شواہد:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں مستند تاریخی شواہد صرف قرآن حکیم میں موجود ہیں لیکن قرآن حکیم کا مقصود ان کی زندگی کا بیان اور تذکرہ نہیں تھا اس لئے تفصیلات یہاں موجود نہیں۔ صرف اور صرف بنیادی مباحث کو جو ضروری تھیں بیان کیا گیا ہے۔ تفصیلات کے لئے لامحالہ عیسائیت کے ماخذوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جن میں اناجیل اربعہ اور اپوکریفہ (Apocrypha) لٹریچر شامل ہے۔

اناجیل اربعہ اور اپوکریفہ:

اناجیل اربعہ میں سے انجیل مرقس، انجیل متی اور انجیل لوقا بیانیہ اور تفصیلی ہیں۔ ان تینوں کو "Synoptic Gospels" بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں رنگ آمیزی شامل یا موجود نہیں ہے، لیکن انجیل یوحنا میں رنگ آمیزی موجود ہے اور خدا کا بیٹا بنانے کی تاویل سب سے پہلے اسی انجیل میں ظاہر ہوئی۔ ان اناجیل میں جتنی معلومات ہیں وہ بہت مختصر ہیں جبکہ ان سے کئی گنا تفصیلی لٹریچر اپوکریفہ (Apocrypha) میں شامل ہے۔

یہودیوں کی طرح عیسائیوں میں بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ بناوٹی لٹریچر تیار ہوتا رہا۔ اگرچہ اس عقیدے کو ہمت حاصل نہ ہو سکی تاہم مذہبی لٹریچر میں اسے شامل سمجھا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن کی روشنی میں

نذر حنا اور مریم کفالت زکریا میں:

حضرت عیسیٰ کی ولادت کے بارے میں جہاں تک قرآن حکیم کا تعلق ہے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو ان کی والدہ نے خدا کی نذر کیا ہوا تھا۔ پیدائش کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی کفالت کی ذمہ داریوں کو اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت مریم ہیکل کی محرابوں میں سے ایک میں رہتی تھیں۔

چنانچہ سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ٥"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر 37)

"ان کی کفالت زکریا نے کی۔ جب کبھی زکریا محراب میں ان کے پاس آتے تو وہ ان کے پاس بے موسم کا رزق پاتے تو وہ کہنے لگے کہ اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی طرف سے۔ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب عطا کرتا ہے۔٥"

باعظمت مقام سے آگاہی:

بے شک یہ آیت اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ حضرت مریم باعظمت مقام کی حامل اور برگزیدہ خاتون تھیں۔ اس مقام فضیلت کے بارے میں انہیں غیب سے اطلاع حاصل ہو چکی تھی۔

سورۂ آل عمران میں ہے:

"وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ٥ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ٥"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: 43-42)

"اور فرشتوں نے کہا: "اے مریم! بے شک تجھے اللہ نے چن لیا ہے اور تجھے پاکیزہ کیا ہے اور سارے جہاں کی عورت پر تجھے چن لیا ہے۔٥ اے مریم! اپنے رب کی فرمانبردار رہ اور سجدہ اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔٥"

بچے کی پیدائش کی خوشخبری:

اسی دوران حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو ولادت مسیح کی بشارت دی گئی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ

الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ٥ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ٥ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ٥ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ٥ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ "

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:45تا49)

"اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بیشک اللہ تعالیٰ تجھے اپنے کلمے مسیح عیسیٰ کی بشارت دیتا ہے جو مریم کا بیٹا ہوگا اور دنیا و آخرت میں عزت والا ہوگا اور مقربین میں سے ہوگا۔ ٥ وہ بھنگوڑے اور بڑھاپے میں کلام کرے گا اور صالحین میں سے ہوگا۔ ٥ مریم نے کہا: اے میرے رب! میری ہاں بچہ کیسے ہوگا حالانکہ مجھے تو کسی بشر نے چھوا بھی نہیں۔ فرمایا معاملہ اسی طرح ہوگا۔ جب اللہ کسی کام کا ارادہ فرمائے تو فرماتا ہے ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ ٥ اللہ تعالیٰ مسیح عیسیٰ کو کتاب وحکمت اور تورات و انجیل سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔"

لوگوں سے الگ تھلگ:

سورۃ المریم میں ہے:

" فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ٥ "

"پس مریم حاملہ ہوگئی اور دور کی جگہ چلی گئی۔"

(سورۃ المریم، آیت نمبر:22)

غم ہونا، صبر کی تلقین اور انعامات:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا ٥ فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ

جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا

(سورۃ المریم، آیت نمبر 23تا26)

پس جب جننے کا درد آیا تو وہ ایک سوکھے کھجور کے درخت کی طرف آ گئی اور کہنے لگی: کاش! میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور کاش میں بھولی بھلائی جا چکی ہوتی۔ ۝ پس اس کے نیچے سے آواز آئی: خبردار! غم نہ کر تحقیق تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر چلا دی ہے اور کھجور کے درخت کو ہلا تو وہ تجھ پر تازہ کھجوریں گرائے گا۔ پس کھا اور پی اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر۔"

لوگوں کو جواب دینے کا طریقہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝"

(سورۃ المریم، آیت نمبر 26)

"پھر اگر کوئی فرد تجھے نظر آئے (اور تجھ سے بچے کے بارے میں پوچھے) تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لئے روزے کی نذر مانی ہے۔ اس لئے آج میں کسی سے نہ بولوں گی۔ ۝"

قوم کے سوالات وطعن اور بچے کا خود جواب دینا:

سورۃ المریم میں ہے:

"فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّبَرًّا

بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا o وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّاo"

(سورۃ المریم، آیت نمبر 27 تا 33)

"پس لوگ مریم کے پاس آئے جبکہ اس نے بچے کو اٹھایا ہوا تھا۔ لوگوں نے کہا: اے مریم! تم تو عجیب چیز لائی ہو۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا تھا اور نہ ہی تیری ماں۔ پس مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا تو لوگ کہنے لگے: وہ بچہ جو چھوٹا ہو وہ کیسے کلام کر سکتا ہے؟ تو عیسیٰ بول اٹھے اور کہنے لگے: میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے اور مجھے باعث برکت بنایا گیا ہے جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی نصیحت کی گئی ہے جب تک زندہ رہوں۔ اور مجھے والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے شقی اور جبار نہیں بنایا گیا ہے۔ سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن دوبارہ مجھے اٹھایا جائے گا۔"

بچپن میں کلام بطور معجزہ:

درحقیقت یہ وہ مقدس نشانی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد جب وہ لوگوں کے سامنے آئیں گے تو لوگ خود ہی گواہی دیں گے کہ یہ بچہ گہوارے میں کلام کی وجہ سے ابتداء میں ہی غیر معمولی حیثیت کا مالک تھا۔ اس طرح لوگوں کے لئے ان کے پیغام کی قبولیت سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور حضرت آدم کی پیدائش میں مماثلت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ o"

"بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مانند ہے۔ جس کو اس نے مٹی سے بنایا پھر کہا: "ہو جا۔" پس وہ ہو گیا۔"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر 59)

سورۂ مریم کی آیت نمبر 35 میں بھی اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

" ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ٥ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ٥"

"یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ ان کے بارے میں یہ سچی بات ہے جس میں وہ (عیسائی) شک وشبہ کرر ہے ہیں۔ ٥ اللہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ اس کی ذات پاک ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے۔ ٥"

(سورۃ المریم، آیت نمبر 34 تا 36)

رہائش گاہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَا اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ٥"

(سورۃ المؤمنون: آیت نمبر 50)

"اور ہم نے مریم اور عیسیٰ کو نشانی بنایا اور ان کو ایک ٹیلے پر رکھا۔ وہ اطمینان والی جگہ تھی اور چشمے جاری تھے۔"

حضرت مریم کا زہد و تقویٰ:

حضرت مریم کی پاکیزگی، ان کے زہد و تقویٰ اور پرہیز گاری کی گواہی قرآن حکیم میں موجود ہے۔ حالات کی نوعیت کا تقاضا تھا کہ یہ واقعہ اس انداز سے وقوع پذیر ہو، تاکہ لوگ اپنے خالق اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔

حضرت یحییٰ و عیسیٰ:

قرآن حکیم میں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے وہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا بھی تفصیلی ذکر موجود ہے جو حضرت زکریا کے بیٹے تھے۔ ان کے ہاں حضرت یحییٰ کی ولادت ایک

نشانی اور غیر معمولی کیفیت کا نشان تھی۔ یہ یروشلم کے قریب ناصرہ (Nazareth) نامی جگہ پر رہتے تھے۔ انہوں نے بڑے ہو کر اصلاح قوم کا کام کیا اور قوم کو اخلاقی بے راہ روی اور رذائل سے بچنے کی تلقین کی۔ اس کے ساتھ ساتھ توبہ واستغفار کو اہمیت دی اور اس وقت کی رائج شدہ فحاشی اور بدعنوانیوں سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام قوم کو یہ تنبیہ بھی کرتے تھے:

"اگر تم نے ان باتوں کو نہ چھوڑا تو پھر وہ آنے والا آئے گا۔"

قرآن مجید میں ہے:

"یحییٰ کلمۃ اللہ (حضرت عیسیٰ) کی خوشخبری دیا کرتے تھے۔"

حضرت یحییٰ علیہ السلام توبہ استغفار کی نشانی کے طور پر بپتسمہ دیتے تھے۔ انہوں نے اصلاحی سرگرمیوں میں جامعیت پیدا کرنے اور ان کو منظم کرنے کے لئے بیت ابارہ یا عبارہ کے مقام کو منتخب کیا جو دریائے اردن کے کنارے واقع تھا۔ ہر زمانے میں بدی کے مقابلہ میں نیکی بھی موجود ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ دبی ہوئی کیوں نہ ہو۔ اس لئے جب حضرت یحییٰ علیہ السلام نے توبہ کی ترغیب دی تو نیک فطرت اور دین پسند لوگوں نے ان کی طرف رجوع کرنا شروع کیا۔ فحاشی کے اس زمانے میں ان کی سادہ اور بڑی حد تک متصوفانہ زندگی میں لوگوں کے لئے ایک خاص کشش تھی۔ ان کی اصلاحی کوششوں میں وسعت کے ساتھ ساتھ دشمن قومیں بھی مقابلہ پر آ گئیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بپتسمہ دیا تھا اور فرمایا:

"میں نے تو تمہیں پانی سے بپتسمہ دیا ہے لیکن تم لوگوں کو روح مقدس سے بپتسمہ دیا کرو۔"

بعد میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بادشاہ نے قتل کروا دیا۔

حضرت عیسیٰ کی سعی توحید اور شریعت ربانی پہنچانا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ حضرت عیسیٰ عرض کریں گے:

"مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: 117)

"میں نے انہیں بس وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور جب تک میں ان میں رہا تو میں ان پر گواہ تھا اور جب تو نے مجھے اپنی جانب بلایا تو تو ہی ان پر رقت تھا اور بے شک تو ہر چیز کا نگران ہے۔ ٥"

عقیدہ صلیب کا رد:

ارشاد باری تعالیٰ ہے

"اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:55)

"اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بیشک میں تیری مدت پوری کروں گا اور تجھے اپنی جانب اٹھاؤں گا اور تجھے ان لوگوں سے بچالوں گا جو کافر ہیں۔"

سورۃ النساء میں ہے:

"وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ٥"

(سورۃ النساء، آیت نمبر:157)

"اور ان کا قول کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے اس نہ قتل کیا اور نہ صلیب دی بلکہ ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور بیشک وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا یقیناً وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ ان کو حقیقت کا کوئی علم نہیں مگر وہ تو فقط گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ ٥"

حضرت عیسیٰ کا آسمان کی جانب اٹھایا جانا اور قرب قیامت میں واپس آنا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ٥ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ

شَهِيدًا ○"

(سورۃ النساء، آیت نمبر 158-157)

"بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔○ اور بیشک ضرور بالضرور عیسیٰ کی موت سے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور عیسیٰ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔○"

عقیدہ الوہیت کا رد:

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

"وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: 116)

"اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے علاوہ معبود بنالو" وہ عرض کریں گے: "تو پاک ہے میری کیا مجال کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تحقیق تجھے علم ہوتا۔ جو میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے لیکن جو تیرے نفس مبارک میں ہے میں اس سے واقف نہیں ہوں۔ بیشک تو غیبوں کا جاننے والا ہے۔○"

عقیدہ تثلیث کا رد:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا

خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ○ لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ○"

(سورۃ النساء، آیت نمبر: 172-171)

"اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو۔ اور اللہ پر سوائے حق بات کے کچھ نہ کہو۔ بیشک مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول تھے اور اس کا کلمہ تھے جو اس نے مریم کی طرف القاء فرمایا اور اس کی طرف سے روح تھے۔ پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں۔ اس قول سے باز آجاؤ! یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ بیشک اللہ تو ایک ہی معبود ہے۔ وہ بیٹے سے پاک ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اللہ کافی ہے کارساز۔ ○ بیشک مسیح اس بات میں بے عزتی نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ ہی مقرب فرشتے۔ اور جو اس کی عبادت سے بے عزتی محسوس کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں تو پس ان سب کو اسی کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔ ○"

حیاتِ عیسیٰ بائبل اور عیسائی روایات کی روشنی میں

حضرت مریم کی منگنی:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن اور جوانی کے حالات پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے تاہم جو کچھ حالات ہمیں اناجیل اور عیسائی روایات سے دستیاب ہیں ان کا خلاصہ حاضر خدمت ہے۔

عیسائی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ کی ولادت کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت مریم کی منگنی یوسف نامی ایک شخص سے ہو چکی تھی۔ جس فرشتے نے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی خوشخبری دی تھی اسی فرشتے نے حضرت مریم کو نوید ولادت سنائی تھی۔ جب یوسف نے یہ بات سنی تو منگنی توڑنے کا ارادہ کیا لیکن ان کو بھی فرشتہ دکھائی دیا اور وہ اپنے ارادے سے باز رہے۔

"یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ

ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے قبل وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ ہوئی۔"
(انجیل متی، باب نمبر ۱، آیت نمبر: ۱۸)

حضرت مریم کا کنوارہ پن اور رخصتی:

عیسائی روایات کے مطابق جہاں تک کنوارہ پن میں مسیح کی پیدائش کا تعلق ہے تو اس چیز پر وہ متفق ہیں، لیکن انہوں نے اس پر رخصتی کا اضافہ کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان کی روایات کے مطابق مریم کی رخصتی یوسف کے ساتھ ہو چکی تھی۔ حضرت مسیح کی پیدائش سے پہلے رومی حاکم نے تمام یہودیوں کو یروشلم لے جا کر اپنے نام درج کرانے کی ہدایت کی تا کہ مردم شماری ہو سکے۔

حضرت مریم اور یوسف کو بھی وہاں جانا پڑا۔ راستے میں جب وہ بیت اللحم (Batlahem) کے قریب پہنچے جو یروشلم اور ناصرہ سے اسی میل کے فاصلے پر ہے تو مریم پر آثار ولادت نمایاں ہوئے۔ چنانچہ وہ ایک علیحدہ اور بے آباد جگہ پر چلی گئیں جو اصطبل نما تھی۔ یہیں حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔

یہودیوں کے بادشاہ کا ستارہ:

اس سلسلے میں ان کے ہاں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ کچھ مجوسی جو فارس کے علاقے کے رہنے والے تھے۔ وہ اس جگہ پہنچے اور کہا:

"ہم نے ایک ستارہ آسمان پر طلوع ہوتے دیکھا ہے جو لامحالہ اس بچے کا ہے جو یہودیوں کا بادشاہ ہوگا۔

جب انہوں نے مسیح کو دیکھا تو اس کی تصدیق کی۔

حضرت مسیح کا سن ولادت:

جدید تحقیق کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سن ولادت 3 یا 4 قبل مسیح ہے نہ کہ ایک قبل مسیح۔ نیز آپ علیہ السلام کی ولادت دسمبر کے مہینے میں نہیں ہوئی جیسا کہ عیسائیوں میں معروف ہے۔

ختنہ اور نام:

کتاب مقدس میں لکھا ہے:

"جب آٹھ دن کے ہوئے تو ان کا ختنہ ہوا اور نام یسوع رکھا گیا۔"

یہودی بچوں کا قتل:

حکمرانوں نے جب مسیح کی ولادت اور معجزاتی کیفیات کے بارے میں سنا تو ہیراڈ (Harod) نے یہودی بچوں کو قتل کا حکم دیا۔ اس حکم کو سننے کے بعد یوسف مریم اور بچے کو لے کر مصر کے علاقے کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے پانچ چھ ماہ کا عرصہ وہیں گزارا۔ یہاں تک کہ موجودہ حاکم مر گیا۔ اس کی وفات کے بعد یہ پھر ناصرہ آ کر مقیم ہو گئے۔

تعلیم وتربیت:

مسیح چونکہ یہودی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ان کی تعلیم وتربیت ایک اچھے یہودی کی طرح کی گئی کیونکہ ان کا گھرانہ مذہبی تعلیمات پر کاربند تھا۔ اس لئے باقاعدہ حصول تعلیم کا بندوبست کیا گیا اور انہیں نیک شعار بنانے کی تلقین کی گئی۔ ان کی زندگی کے اس دور کے واقعات کا بہت کم علم ہے۔

یہودیت کی ابتدائی تعلیمات اور تعلم میں بحث مباحثہ:

یسوع کے گاؤں کا نام ناصرہ تھا جو صوبہ گلیلی میں تھا۔ یسوع کی پیدائش بیت اللحم میں ہوئی تھی کیونکہ یوسف اور مریم شاہی فرمان کے بموجب اپنا نام درج کرانے کے لئے ناصرہ سے بیت اللحم گئے ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے معمولی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی تھی۔ یوسف نے انہیں متبرک اصول سکھائے اور صبح وشام کی عبادت کے طریقے انہوں نے اپنی والدہ سے سیکھے۔ البتہ وہ مجالس میں نہایت پابندی کے ساتھ شریک ہوتے رہے۔ مسیح کے بچپن کے بے شمار معجزات انجیلوں میں بیان ہوئے ہیں۔ جیسا کہ احمد شبلی لکھتے ہیں:

"امکان غالب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پرورش اور تعلیم وتربیت اسی طرح ہوئی کہ جس طرح اس زمانے کے بچوں کی ہوتی تھی۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ ناصرہ اور بیت المقدس کے درمیان آتے جاتے تھے۔ وہ ذکاوت اور عمیق نگاہ کی وجہ سے ممتاز تھے۔ وہ اشیاء کے ظاہر کی بجائے ان کی حقیقت اور گہرائی کا مطالعہ کرتے۔ وہ استادوں اور حکماء سے جو کچھ سنتے محض اس کو ہی تسلیم نہ کر لیتے بلکہ بحث وتمحیص سے ان کے کلام کا مکمل مفہوم سمجھتے تھے۔"

(مکارنۃ الادیان، از احمد شبلی، جلد نمبر 2)

عید فصح:

مسیحی روایات کے مطابق بارہ سال کی عمر میں پاسور (Passover) یا عید فصح کے مذہبی تہوار کا ایک واقعہ کا تذکرہ موجود ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ مریم اور ان کے شوہر یوسف کے ساتھ یروشلم کا سفر کیا۔

عید فصح وہ موقع ہوتا تھا جب تمام یہودی یروشلم کے مرکزی عبادت خانے میں جمع ہوتے تھے۔ مذہبی رسوم اور قربانیاں ادا کی جاتی تھیں۔ یہاں حضرت یسوع مسیح نے علماء سے ایسی باتیں کیں جن سے ان کی ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے۔

باپ کے گھر رہنا:

سینٹ لوقا (Luke) اپنی انجیل میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"جب مسیح یروشلم گئے تو تقریبات کے ختم ہونے کے بعد یروشلم میں ہی ٹھہرے رہے۔ والدہ اور ان کا شوہر لاعلمی میں جب ایک دن کا سفر کر چکے تو تلاش کرنے لگے اور مسیح قافلہ والوں میں نہ ملے۔ اس پر وہ واپس یروشلم آئے اور تین دنوں کی تلاش کے بعد انہوں نے مسیح کو ہیکل میں ڈھونڈ لیا جہاں وہ یہودی عالموں کی باتیں سن رہے تھے اور ان سے سوال کر رہے تھے۔ وجہ دریافت کرنے پر انہوں نے بڑا معنی خیز جواب دیا:

"آپ مجھے کیوں ڈھونڈ رہے تھے کیونکہ میرے لئے اپنے باپ کے گھر رہنا لازمی ہے۔"

لوقا میں ارتقائی منازل کا ذکر:

اس کے بعد لوقا تحریر کرتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد مسیح علم اور جہالت نیز خدا اور بندے کے درمیان تعلق کے بارے میں ارتقائی منازل طے کرتے رہے۔

اگلے باب میں 18 سال بعد یعنی 30 سال کی عمر میں بپتسمہ لینے کا تذکرہ موجود ہے۔

بارہ سال سے لے کر تیس سال تک:

موشیم "تاریخ کلیسا" میں لکھتا ہے:

"آپ کی بقایا زندگی بالکل نجی حیثیت سے گوشہ ظلمت میں گزری حتیٰ کہ آپ کی

عمر 30 سال کی ہو گئی۔"

E-R-E کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

"اوائل نوجوانی میں وہ کس قسم کے تجربات اور سلسلہ خیالات سے گزرے ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ Gospels میں وہ ہمارے روبرو اس حیثیت سے آتے ہیں کہ وہ بالغ نظر ہیں اور ان کی خود آگہی مکمل طور پر ارتقاء یافتہ ہے۔"

(E-R-E، جلد نمبر ۷، صفحہ نمبر: ۵۰۸)

اٹھارہ سال کا دور:

13 سال کی عمر میں اس واقعہ کے تذکرے کے بعد 18 سال کا دور حیات "Years Hidden" کہلاتا ہے۔"

مسیح کا گھر سے بھاگنا:

ان 18 سالوں کے متعلق کسی مستند روایت کی خاموشی کے باوجود اپوکریفہ (Apocrypha) لٹریچر میں مختلف اور متضاد روایات موجود ہے۔ ایک روایت تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ کوہستان ہمالیہ میں تبت میں Convent of Himis کے مقام پر جہاں لاماؤں کی خانقاہ ہے۔ پالی زبان میں ایک الگ نوشتہ ملا کہ جب عیسیٰ 13 برس کے ہوئے تو ان کے گھر بہت سے لوگ آئے جو اپنی بیٹیوں کی شادی ان سے کرنا چاہتے تھے، لیکن مسیح گھر سے بھاگ کر سندھ کے علاقے کی طرف نکل پڑے اور ہندوستان آئے تا کہ روحانی علم کو مکمل کریں اور بدھوں کے مذہب کا مطالعہ کریں۔

طب و معالجے میں مہارت:

دوسری روایت میں یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک فرانسیسی شخص Bardn von rabenan کو مصر سے ایک تحریر پیپری (Papyri) پر لکھی ہوئی ملی۔ اس نوشتے کو عام طور پر Letter of Benan کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس تحریر کے مطابق مسیح نے یہ اٹھارہ سال کا عرصہ مصر میں گزارا تھا۔ وہاں طب اور علاج معالجے کا فن اپنے عروج پر تھا۔ انہوں نے ایک طبیہ کالج میں داخلہ لیا تو مسیح نے ابی Memphis کے بیٹے Benan (جو وہاں میڈیکل

کالج کا طالب علم تھا) کے گہرے دوست بن گئے اور اس فن میں اتنے ماہر ہوئے کہ اپنے استادوں کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔

علم طلسم:

تیسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ مسیح کے زمانے میں مصر میں جادو اور طلسم کا بہت چرچا تھا۔شعبدہ بازی عام تھی اور انہوں نے یہ علم اسی علاقے سے سیکھا۔احیائے موتی اور دیگر معجزات (نعوذ باللہ) اسی علم کا نتیجہ تھے۔

صوفیانہ فرقے میں رہنا:

چوتھی روایت یہ بیان کی جاتی ہے:

"Dead Sea Scrolls" جو 1949ء یا 1950ء میں دریافت ہوئے،ان سے ایک فرقے "Essenses" کا پتہ چلا جو اپنے زہد وقناعت اور صوفیانہ حیثیت کے مالک تھے۔روایت کے مطابق آپ نے کچھ عرصہ اس علاقے میں گزارا۔

بعض کا خیال ہے کہ مسیح نے یہاں تبلیغ کی اور ان کے عقائد کی اصلاح کی تھی جبکہ بعض کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ان کے درمیان رہ کر ان کے عقائد اور خیالات کا گہرا اثر قبول کیا کیونکہ اس فرقے کی تعلیمات کے ساتھ آپ کی تعلیمات کی بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔

بڑھئی کا کام:

کتاب مقدس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے والدین اور بہن بھائیوں کا پیٹ پالنے کے لئے بڑھئی کا کام شروع کر دیا تھا۔انجیل مرقس میں لکھا ہے:

> "جب سبت کا دن آیا تو یسوع عبادت خانہ میں تعلیم دینے لگا اور بہت لوگ حیران ہوئے اور کہنے لگے: یہ باتیں اس میں کہاں سے آ گئیں اور یہ کیا حکمت ہے جو اسے بخشی گئی اور کیسے معجزے اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں۔؟ کیا یہ وہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور شمعون کا بھائی ہے۔؟" پس انہوں نے اس کے سبب سے ٹھوکر کھائی۔ یسوع نے ان سے کہا: "نبی اپنے وطن اور رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔"

(انجیل مرقس،۶:۲تا۴)

دورِ نبوت:

تیس سال کی عمر میں ان کی نبوت شروع ہو جاتی ہے۔ غالب خیال یہی ہے کہ اس عرصے میں وہ اپنے خاندان کے ہمراہ اپنے علاقے ہی میں رہے۔ یہودیوں کی بے عملی اور فحاشی کے خلاف ان کے دل میں مذہبی جوش اور ولولہ تازہ رہا۔ روایات کے مطابق وہ تیس سال کی عمر میں صاحب نبوت کی حیثیت سے منظر عام پر آئے۔

حضرت یحییٰ سے بپتسمہ لینا:

30 سال کی عمر میں روایات کے مطابق آپ ناصرہ سے بیت عبارہ کے علاقے کی طرف گئے جو یروشلم سے 80 میل کے فاصلے پر تھا۔ حضرت یحییٰ اس دوران ایک نیک انسان کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر چکے تھے۔ جب یہ یحییٰ کے پاس پہنچے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ کو بپتسمہ دیا اور فرمایا:

"میں تو پانی سے جسمانی تزکیہ کرتا ہوں مگر تو ان کی ارواح کو تزکیہ دے گا۔"

چالیس دن کا مجاہدہ:

یہ بیعت یا خلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت مسیح جنگل کی طرف چلے گئے اور بحیرہ مردار کے نزدیک جو بنجر اور سنسان علاقہ ہے وہاں گھومتے رہے۔ چلہ کشی، ریاضت اور رہبانیت ہمیں مسیح کی زندگی کے اسی دور سے ملتی ہے جو بعد میں عیسائیت کا شعار بن گئی۔

عیسائی روایت کے مطابق انہوں نے چالیس دن خواہشات نفس کے خلاف مجاہدہ کیا جبکہ ان کی روایات میں یہ الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں کہ وہ بدی کے ساتھ چالیس دن تک زور آزمائی کرتے رہے۔

تبلیغ اور دو افراد کا ایمان لانا:

حضرت عیسیٰ اس 40 روز چلہ کشی کے بعد بیت عبارہ واپس آئے اور تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے دو آدمی جوان کے ساتھ ہو گئے وہ سائمن پیٹر (Simon Peter) اور اینڈریو (Andrew) نامی دو بھائی تھے جو پرہیزگار یہودیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔

مسیح کے زمانے میں لوگ ان دونوں بھائیوں کو پرہیزگار اور بزرگ مقام کے حامل یہودی

قرار دیتے تھے۔ یہ دونوں پہلے حضرت یحیٰی کے پیروکار بھی بن چکے تھے۔

پہلا معجزہ:

ان دونوں بھائیوں کے ساتھ حضرت مسیح اپنے علاقے ناصرہ کی طرف چلے۔ جب وہ کنا (Kana) نامی گاؤں میں پہنچے تو ان کے ساتھیوں کی تعداد پانچ ہو چکی تھی۔ یہاں انہوں نے پہلا معجزہ دکھایا۔ گاؤں میں بارات اتری ہوئی تھی، لوگ زیادہ تھے اور شراب کم تھی۔ ان کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے آپ نے برتن پر ہاتھ مارا تو شراب تمام مہمانوں کے لئے کافی نکلی۔ اس واقعے کے بعد لوگوں نے ان کو بابرکت انسان کی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔ اس دعوت میں ان کی والدہ مریم بھی شامل تھیں۔

کفرنحوم میں تبلیغ:

آپ اور آپ کے ساتھی یہاں سے آگے روانہ ہوئے اور بحیرہ طبریاس یا Sea of Galili کے شمالی علاقے کفرنحوم (Capernaum) یا کفرنحوم پہنچے۔ یہی شہر ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔

دوبارہ یروشلم جانا:

کچھ دن قیام کرکے آپ دوبارہ یروشلم کی طرف روانہ ہوئے۔

ہیکل میں تبلیغی زندگی کا اہم ترین واقعہ:

آپ اپنے پیروکاروں کے ساتھ جب وہاں پہنچے تو ان کی تبلیغی زندگی کا ایک اہم واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ وہ یہ کہ جب عید فصح کا سالانہ میلہ لگتا تھا تو قربانیاں بھی دی جاتی تھیں۔ جن جانوروں کی قربانیاں ہوتی تھیں ان کو فروخت بھی ہیکل میں ہی کیا جاتا تھا۔ گویا ہیکل کے بیرون اور کمروں میں ایک مارکیٹ کا گمان گزرتا تھا۔

ہیکل کے پادری اعظم اور دوسرے پادریوں کو جو نذرانہ دیا جاتا تھا وہ ایک خاص کرنسی (Shekle) کی صورت میں دیا جاتا تھا اور رومی حکومت کے سکے کو ہیکل کے اندر تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ انہوں نے ایک خاص مذہبی کرنسی بنائی ہوئی تھی۔ سکوں کا تبادلہ ہوتا تھا اور تبادلے کا کاروبار یہودی پادری بھی کرتے تھے۔ اس تبادلہ میں بدعنوانی اور زیادتی کا پہلو بھی موجود تھا۔

مذہبی عبادت خانے میں مارکیٹ کے شور، جانوروں کی دھکم پیل اور سکوں کے تبادلے کے کاروبار کو جب مسیح نے دیکھا تو وہ یہودی پادریوں کی اس دنیاداری پر بہت برہم ہوئے اور اس طرز عمل کو برا خیال کیا۔ مسیح نے ایک ڈنڈا لے کر تمام جانوروں کو مار بھگایا۔ مذہبی بے حسی اور اخلاق انحطاط پر ان علماء کو سخت برا کہا۔ اس واقعے سے اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ دینی شعار کی تذلیل کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ مسیح جنہوں نے صرف اخلاقی تعلیمات پر ہی زیادہ زور دیا وہ بھی دین کی اور مرکزی عبادت خانے کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تذلیل کو برداشت نہ کر سکے اور عملی طور پر اس کی اصلاح کی کوشش کی۔

حضرت یحییٰ کی شہادت کی خبر اور دوبارہ کفرنحوم کی طرف ہجرت:

ابھی حضرت مسیح یروشلم میں ہی تھے کہ انہیں حضرت یحییٰ کی شہادت کی اطلاع ملی۔ مشن چونکہ ایک ہی تھا اس لئے آپ نے یروشلم میں اپنی موجودگی کو محفوظ خیال نہ کیا اور دوبارہ کفرنحوم کے علاقے میں پہنچے۔ اس جگہ تک پہنچنے کے دوران انہوں نے کئی ایک معجزات دکھائے۔

سادگی اور تبلیغی سرگرمیاں:

آپ بحیرہ طبریاس کے اردگرد کے علاقے میں گھوم پھر کر تبلیغ کرتے رہے۔ آپ غریب لوگوں کے گھروں میں قیام کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہودی علماء اپنے وقار کو بڑھانے کے لئے جن چیزوں کو ہاتھ لگانا بھی ناپسند کرتے تھے آپ نے ان کو استعمال کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کی۔ دوران سفر آپ کیمپ لگاتے اور رات کو اشاعت دین میں مصروف رہتے۔ ان کے زہد، تقویٰ، قناعت پسندی، سادگی، نیکی اور اخلاقی برتری سے متاثر ہو کر لوگ ان کے حلقے میں داخل ہونے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

سفری زندگی:

تبلیغ کے ان سالوں میں آپ نے زیادہ سفر اختیار کیا ہے۔ جن کی تفصیلات اناجیل اربعہ میں مذکور ہے۔

عید فصح میں شرکت، معجزات اور عوامی ہمدریاں:

حضرت مسیح ہر سال عید فصح کے موقع پر یروشلم ضرور جاتے تھے۔ سفر کے دوران معجزات

دکھانے سے ان کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ عامۃ الناس میں ان کے ساتھ ہمدردی اور نیکی کا جو جذبہ پیدا ہو چکا تھا، اس نے بھی لوگوں کے قلوب واذہان پر اثرات چھوڑے۔ یہ جہاں کہیں جاتے لوگ پہلے ہی سے وہاں اکٹھے ہو جاتے تا کہ آپ کی باتوں سے مستفید ہو سکیں۔ اعلیٰ روحانی عظمت اور شہرت دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ کہیں وہ مسیح موعود تو نہیں ہیں۔

مسیح موعود سے یہود کی امیدیں:

یہودیوں نے آپ سے یہ امیدیں وابستہ کرنی شروع کر دیں کہ اب یہ ہتھیار اٹھائیں گے اور رومیوں سے لڑائی کے بعد یہودیوں کی عظمت رفتہ اور دینی و دنیاوی سیاست واپس لائیں گے۔

یہودی علماء کی برہمی:

مسیح چونکہ اخلاقی برائیوں کی مذمت کرتے تھے اس لئے یروشلم کے تمام یہودی علماء آپ کے خلاف تھے۔ ان کو یہ خوف بھی لاحق تھا کہ کہیں لوگ خود یہودی علماء پر تنقید شروع نہ کر دیں۔

آپ کا دورِ نبوت، معجزات اور وعظ کی تاثیر:

مسیحی روایات کے مطابق نبوت کا قطعی دور تو معین نہیں کیا جا سکتا، لیکن اندازاً یہ تین سال سے زائد نہیں تھا۔ اس عرصے میں وہ بیماروں کو تندرست کرتے رہے اور لوگوں کے ساتھ مختلف جگہوں پر پھرتے رہے۔ اس دور میں اگرچہ بہت سے واعظ اور مبلغین موجود تھے، لیکن جو کچھ مسیح کرتے تھے وہ ان سے کہیں بالاتر تھا۔ وہ غریب اور حقیر لوگوں کے پاس جاتے۔ غمزدوں کو تسلی دیتے، بوجھ تلے دبے ہوئے انسانوں کا بوجھ ہلکا کرتے، مایوس دلوں میں امید کی شمع جلانے کی کوشش کرتے تھے۔

آپ کے دو اقوال:

آپ فرماتے تھے:

”تندرست لوگوں کو معالج کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ یہ ضرورت بیمار لوگوں کو ہوا کرتی ہے۔“

نیز فرماتے:

"میں صالح لوگوں کو بلانے نہیں بلکہ گنہگاروں کو توبہ کی طرف مائل کرنے آیا ہوں۔"

یہودی علماء بطور مخالفین مسیح:

عید فصح کی تقریبات ایک ہفتے تک جاری رہتیں اور اس دوران مختلف علماء دور دراز سے آتے اور اپنے اپنے کیمپ لگا کر عبادت کی رسومات ادا کرتے تھے۔ مسیح بھی اپنا کیمپ لگاتے چونکہ عوام میں ان کی شہرت زیادہ تھی اس لئے لوگ ان کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے تھے۔ چنانچہ یہودیت کے پرانے گدی نشینوں کو اپنے مقام کا خطرہ لاحق ہو چکا تھا۔ انہیں اپنی عزت کی مسند ڈوبتی ہوئی نظر آتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کے خلاف ایک مہم شروع کی اور اس مقصد کے لئے انہوں نے مسیح کے روزمرہ معمولات کے کچھ واقعات کو مخالفت کی وجہ بنالیا۔

دو واقعات بطور دلیل مخالفت:

حضرت مسیح ایک دفعہ سائمن فریسی کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں ایک بدکار عورت میری میکڈالہ (Mary Macdalla) آئی۔ اس نے مسیح کی خدمت کی۔ آپ کے پاؤں دھوئے اور اپنے بالوں سے خشک کیے لیکن سائمن نے اس کو بہت برا خیال کیا، جبکہ مسیح نے فرمایا:

"یہ عورت چونکہ نیک بندوں سے محبت رکھتی ہے اس لئے بخشی گئی۔"

ایک دوسرا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ مسیح جب سفر کرتے تھے تو مردوں کے علاوہ عورتوں کی ایک تعداد بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ دوران سفر مسیح نے کئی عورتوں کے ہاتھوں سے پانی لے کر پی لیا تو یہ لوگ ان کے خلاف ہو گئے کہ یہ تو ان سے پانی پیتا ہے جس سے تعلق بھی نہیں رکھنا چاہیے۔

یہودی علماء سے مباحثے اور مخالفت ہی مخالفت:

نبوت کے اس عرصے میں عیسیٰ بحیثیت ایک رسول اور مصلح کے متعارف ہو چکے تھے، ایک ایسی شخصیت کے طور پر بھی مشہور ہو چکے تھے کہ جس کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی تھی اور دکھی انسانیت کو سکون ملتا تھا۔ دوسری طرف یہودی علماء کے ساتھ عید فصح کی تقریبات کے دوران ان کے مباحث اور جھگڑے بھی ہوتے رہتے تھے۔ دین کو رسومات کا گورکھ دھندا بنانے پر بحثیں

ہوتی تھیں۔ جس نے عوام کو مذہب سے ہی دور کر دیا تھا۔ اس وجہ سے آپ کی مخالفت بڑھتی جارہی تھی اور مسیح کو یہ اندازہ تھا کہ ان کے حالات شاید یحییٰ سے بھی زیادہ دشوار ہوں گے۔

کفرنحوم کی طرف ہجرت اور ایک طویل وعظ:

آپ اپنے شاگردوں کو لے کر کفرنحوم کے مغربی حصے میں کانا (Kana) جگہ کے قریب ٹھہرے اور وہاں ایک پہاڑی پر وعظ کیا۔ یہ وعظ مسیح کی طویل ترین تقاریر میں سے ہے۔ اسے "Sermon of the Mount" کہا جاتا ہے۔ اس میں گزشتہ شریعتوں کی تعلیمات کا تذکرہ کر کے پھر اپنے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ جہاں ظاہر داری غالب آچکی تھی، وہاں اصل حقیقت کو آپ نے روشناس کرا دیا۔ یہ واقعہ آپ کے رفع آسمان سے کچھ ماہ پہلے کا ہے۔

خطبے کے چند پہلو:

خطبہ دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"یہ نہ سمجھو کہ میں اگلے پیغمبروں یا ان کے بنائے ہوئے قوانین کو توڑنے آیا ہوں۔ میں تو اس کے حقیقی مقصد ومنشاء کو پورا کرنے آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان قوانین کے ایک ایک حرف اور ایک ایک شوشے پر عمل ہو۔ خدا کی رحمت ہو ان پر جو تحمل و بردباری سے کام لیتے ہیں۔ !وہی خدا کے رحم کے مستحق ہیں۔ خدا کی رحمت ہو ان پر جو امن وصلح کو قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ !وہی خدا کے محبوب بندے ہیں۔ خدا کی رحمت ہو ان پر جو ظلم وستم سہتے ہیں۔ !وہی خدائی حکومت کے اصلی حق دار ہیں۔ خدا کی رحمت ہو تجھ پر جب لوگ تجھے گالیاں دیں، تجھ پر ظلم ڈھائیں اور ہزاروں قسم کے بہتان تجھ پر تراشیں۔ تم اگلے لوگوں سے سن چکے ہو کہ قتل بہت بڑا گناہ ہے، لیکن میں یہ کہتا ہوں اگر تم اپنے بھائی کو گالی دیتے ہو، اسے دھتکارتے ہو یا بلاوجہ اس سے ناراض ہوتے ہو تب بھی تم خدا کے غضب سے نہیں بچ سکتے۔

تم اگلے لوگوں سے سن چکے ہو کہ زنا بہت بڑا پاپ ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص پرائی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھتا ہے وہ دل میں زنا کا مرتکب ہو چکا۔ اس لئے اگر تمہاری آنکھ یا ہاتھ ایسی حرکت کرے تو اسے کاٹ کر پھینک دو۔

تم یہ سن چکے ہو کہ آنکھ کا بدلہ آنکھ اور دانت کا بدلہ دانت ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ تم

بدی کا مقابلہ نہ کرو۔ بلکہ اگر تمہارے دائیں گال پر کوئی تھپڑ مارے تو تم اپنا بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دو۔

تمہیں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اپنے پڑوسیوں سے محبت کرو، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو۔ جو تمہیں گالیاں دیں انہیں بھی دعائیں دو۔ جو تم سے نفرت کریں ان کے ساتھ بھی نیکی کرو۔ جو تمہیں ستائیں اور تم پر بہتان باندھیں ان کے لئے بھی دعا مانگو۔"

عیسائیوں نے اس خطبے کی بڑی حفاظت کی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس کا زیادہ تر حصہ ٹھیک ہی ہو۔

نبوت کا تیسرا سال، عید فصح اور یروشلم واپسی:

نبوت کے تیسرے سال بھی عید فصح کے موقع پر آپ یروشلم آئے اور یہاں سے دو یا تین میل کے فاصلے پر باتھانائی (Bathany) نامی گاؤں میں اپنے ایک دوست نزاعرس (Nazaurs) کے ہاں قیام کیا۔

ہولی ویک:

اس ہفتے کے دوران جو کچھ آپ نے کہا اور جہاں جہاں گئے عیسائیوں نے اس کی جزوی تفصیلات کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔ عیسائی اس ہفتے کو ہولی ویک (Holy Week) یا "Passion Week" کا نام دیتے ہیں۔ عیسائی روایات کے مطابق اسی دوران ان کی گرفتاری اور صلیب دیئے جانے کا واقعہ رونما ہوا۔

یہودی علماء کا فتویٰ کفر اور انجیل کے مطابق صلیب دیا جانا:

اس ہفتے کے دوران ایک روز بہت سے یہودی عالم ان کے پاس جمع ہوئے۔ آپ کو مختلف نوعیت کے سوالات کئے جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ مسیح کو اپنے اسی منصوبے کے جال میں پھنسا سکیں جس کا مقصد ان پر تکفیر کا الزام لگانا تھا یا رومی حکومت کے خلاف کوئی بات کہلوا کر انہیں ذلیل کیا جائے کیونکہ اس صورت میں یہودی علماء کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ شریعت موسوی کے مطابق فیصلے کر سکیں لیکن فیصلوں کا عملی نفاذ رومی عہدے دار ہی کرتے تھے۔ یہودیوں کی ایک جیوری ہوتی

تھی جو تیس کے قریب علماء پر مشتمل تھی۔ یہودی جب ان کے پاس آئے تو رومی حکومت کو ادا کیے جانے والے ٹیکس کے بارے میں دریافت کیا۔ اس کے علاوہ مختلف پہلوؤں سے ان پر تنقید کر کے ایک چارج شیٹ بنائی اور فتویٰ کفر صادر کر دیا۔

انہوں نے یہ تمام کارروائی بہت اجلت میں کی۔ روایات کے مطابق اس دوران مسیح زیتون کے باغ میں چلے گئے اور یہیں سے رومی حکومت کے کارندے ان کو پکڑ کر لے گئے۔ اگلے روز جیوری کے سامنے پیش کر دیا اور جب سزائے موت کا فیصلہ ہوا تو اس فیصلہ کی اطلاع رومی حکام کو دے دی گئی۔ فیصلہ کرنے میں یہودیوں نے خود بھی جلد بازی کی اور حاکم کو بھی فیصلہ کے نفاذ میں جلدی کرنے پر مجبور کر دیا کیونکہ یہ جمعہ کا دن تھا۔ اناجیل کے مطابق مسیح کو صلیب دے دی گئی۔ عیسائی اس دن کو ''Good Friday'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

گویا عیسائی ماخذوں کے مطابق روایت یہی بنتی ہے کہ آپ یروشلم میں گرفتار ہوئے، مقدمہ یہودیوں کی مجلس اعلیٰ میں چلایا گیا اور سزائے موت کا فیصلہ جاری کیا گیا۔ جس کی تنفید کی ذمہ داری رومی حکام کے سپرد کی گئی۔ اگرچہ وہ متذبذب تھا لیکن یہودیوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ انتہائی عجلت میں اس فیصلہ کو عملی شکل عطا کر دے کیونکہ جمعہ کی شام سے یوم السبت کا آغاز ہو جاتا ہے اور اس کے بعد عید فصح کی تقریبات کا آغاز بھی ہوتا تھا جس کے نتیجے میں یہ تمام کارروائی تقریبات کے اختتام تک ملتوی کرنا پڑتی تھی۔ یہ تاخیر جلد باز یہودیوں کو قطعاً منظور نہ تھی۔

صلیب یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق:

چنانچہ ان کی کوششوں کے نتیجے میں عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ صلیب دیئے گئے۔ یہودیوں کے نزدیک صلیب پانا اچھی موت کی نشانی نہ تھی بلکہ ملعون موت کی علامت تھی، اس لئے وہ مسیح کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے، جبکہ ان کے برعکس عیسائیوں نے یہ کہا کہ ان کا صلیب پانا بے مقصد نہ تھا۔ وہ بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے اور انسانیت کو سزا کے عذاب سے بچانے کے لئے خود قربان ہو گئے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو مسیح موعود بھی خیال کرتے ہیں۔

عقیدہ کفارہ کی اصل:

اس طرح عیسائیوں کے خیال کے مطابق مسیح ساری انسانیت کے لئے کفارہ ادا کر گئے۔

ان کی روایات کے مطابق آپ تیسرے دن زندہ ہوئے اور اس دن کو ایسٹر (Easter) کہا جاتا ہے۔ کفارے کے اس عقیدے کو ڈاکٹرین آف اٹونمنٹ (Doctorain of Atonment) کہتے ہیں۔ جو یہودیوں کے اس اعتراض کے جواب میں وضع کیا گیا ہے کہ مسیح کا صلیب پانا ملعون کی موت تھی۔ مسلمان صلیب کے واقعے کو سرے سے مانتے ہی نہیں کیونکہ قرآن مجید نے اس کی سختی سے تردید کی ہے۔

شاگردوں اور بہت سے لوگوں کو ملنا اور واپسی کا وعدہ:

تیسرے دن سے لے کر چالیس دنوں تک وہ اپنے خاص شاگردوں سے ملتے رہے اور چالیسویں دن ان کو بہت سے لوگوں کے ایک گروہ نے دیکھا کہ وہ ان کے سامنے آسمانوں کے طرف چلے گئے اور دوبارہ آنے کا وعدہ کر گئے۔

☆☆☆

قدیم دین مسیح

ذیل میں ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل اور حقیقی تعلیمات پیش کرتے ہیں جو عیسائیت کی موجودہ تعلیمات کے خلاف ہیں۔

توحید کی تعلیم

تعلیم توحید قرآن کی رو سے:

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

" اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم "

(سورۃ المریم، آیت نمبر 36)

"اللہ میرا اور تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو! یہی صراط مستقیم ہے۔"

حضرت مسیح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نسبت بیان کیا ہے کہ وہی واحد و یگانہ ہستی ہے کہ فقط جس کی عبادت کی جاسکتی ہے۔

تعلیم توحید انجیل کی رو سے:

مذکورہ بالا قرآنی آیت کی تائید میں مقدس کتاب میں درج ہے:

”پھر ابلیس یسوع کو اونچے پہاڑ پر لے گیا۔ دنیا کی سب سلطنتوں کی شان وشوکت اسے دکھائی اور کہا: اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کر دے تو میں یہ سب کچھ دے دوں گا۔ یسوع نے کہا: اے شیطان دور ہو جا کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔“

(انجیل متی، باب نمبر 4، آیت نمبر 11-10)

یسوع نے ایک فقیہ کے جواب میں فرمایا:

”اے اسرائیل! سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی ہے اور تو خداوند سے اپنے سارے دل، اپنی ساری جان، اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔“

(انجیل مرقس، باب نمبر 12، آیت نمبر 28 تا 32)

انجیل کی یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں اور وہی معبود حقیقی ہے۔ اسی کے سامنے سر جھکانا چاہئے۔

خدا کی صفات

صفات خدا انجیل کی رو سے:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک ازلی بادشاہ یعنی غیر مرئی واحد خدا کی تعلیم دی ہے جو اول وآخر ہے۔ چنانچہ فرمایا:

”جس کی ان دیکھی صفتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی چیزوں کے ذریعہ سے صاف نظر آتی ہے۔“ (رومیوں ۱:۲۰)

ایک جگہ فرمایا:

”اس سے مخلوقات کی کوئی بھی چیز چھپی نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ اس کے کام بڑے اور عجیب ہیں۔“

(مکاشفہ ۲:۱۵)

اور اور جگہ فرمایا:

"وہی تمجید اور عزت اور قدرت کے لائق ہے کیونکہ اسی نے ساری چیزیں پیدا کیں۔ وہ انسانوں کا روز قیامت میں حساب لے گا۔"

(مکاشفہ ۱۱:۴)

کرنتھیوں میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

"خدا رحم دل ہے۔ خدا کی حمد ہو جو رحمتوں کا باپ ہے۔"

(کرنتھیوں ۳:۱)

صفات خدا انجیل کی رو سے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ"

(سورۃ النساء)

"مسیح اس بات سے نہیں شرماتے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔"

قرآن مجید میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے کہا:

"الحمد للہ رب العالمین"

"ساری خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔"

حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے رسول

حضرت مسیح کا اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہنا بائبل کی رو سے:

اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول تھے نہ کہ بیٹا یا خود خدا۔ چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے:

"یسوع نے پکار کر کہا: "جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے۔"

(انجیل یوحنا، باب نمبر:۱۲، آیت نمبر:۴۴)

دوسری جگہ فرمایا:

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے۔"

(انجیل یوحنا، باب نمبر ۱۳، آیت نمبر ۲۰)

ایک اور جگہ فرمایا:

"میں نے کہا تا کہ وہ ایمان لائیں کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے۔"

(انجیل یوحنا، باب نمبر ۱۱)

حضرت مسیح نے فرمایا:

"ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھے خدائے واحد اور برحق اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔"

(انجیل یوحنا، باب نمبر ۱۷، آیت نمبر: ۱۳)

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"میں احکام موسوی کی تعمیل کے لئے آیا ہوں نہ کہ ان کی منسوخی کے لئے۔"

(انجیل متی)

حضرت مسیح کا رسول ہونا قرآن مجید کی رو سے:

سورۃ المریم میں ہے:

" قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا o وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا o وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا o وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّاo"

(سورۃ المریم، آیت نمبر 27 تا 33)

"عیسیٰ بولے اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے اور مجھے باعث برکت بنایا گیا ہے جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی نصیحت کی گئی ہے جب تک زندہ رہوں۔ اور مجھے والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے شقی اور جبار نہیں بنایا گیا ہے۔ سلام ہو مجھ پر

جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن دوبارہ مجھے اٹھایا جائے گا۔"

سورۃ آل عمران میں ہے:

" وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ "

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:45تا49)

"عیسیٰ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔"

سورۃ النساء میں ہے:

"اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَ کَلِمَتُہٗٓ اَلْقٰہَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ "

(سورۃ النساء، آیت نمبر:172-171)

"بیشک مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو مریم کی طرف القاء فرمایا اور اس کی روح ہیں پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔"

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے:

" مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ "

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر:117)

"میں نے انہیں بس وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔"

سورۃ الصف میں ہے:

" وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ "

"اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے بنی اسرائیل! بیشک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، جو تمہارے پاس تورات ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں۔"

(سورۃ الصف، آیت نمبر6)

توبہ کی تلقین

توبہ اور گناہوں کے دھبے:

حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کو توبہ اور استغفار کرنے کی بہت تلقین فرمائی اور کہا:

"انسان توبہ کے ذریعہ ہی اپنے گناہوں کے دھبوں کو دھوسکتا ہے۔"

توبہ کا نسخہ کیمیا:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر نبی نے انسان کو روحانی اور اخلاقی اصلاح کا نسخہ کیمیا توبہ ہی بتایا ہے۔ توبہ سے خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ توبہ سے جنت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آ گئی ہے۔"

(انجیل متی، باب نمبر ۴، آیت نمبر ۱۷)

اللہ تعالیٰ کی خوشی:

حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا

"جس طرح گڈریا گمشدہ بھیڑ کو پاکر خوش ہوتا ہے اسی طرح ننانوے راست بازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گناہگار کے باعث خداوند! خدا آسمان پر زیادہ خوش ہوگا۔"

(انجیل لوقا، باب نمبر ۱۵، آیت نمبر ۱۷)

نجات اعمال پر ہے

عمل کرنے اور عمل نہ کرنے والے کی مثال:

ہر نبی نے نجات حاصل کرنے کے لئے ایمان اور خدا کے احکام کی پابندی پر زور دیا ہے۔ اسی اصول کی تبلیغ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی کی۔ آپ نے اعمال صالح پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

"جب تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے تو کیوں مجھے خداوند خداوند کہتے ہو۔؟ جو کوئی

میرے پاس آتا ہے اور میری باتیں سن کر ان پر عمل کرتا ہے، میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ کس مانند ہے۔ وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بناتے وقت زمین گہری کھود کر چٹان پر بنیاد ڈالی۔ جب رو آئی تو دھارا اس گھر پر زور سے گری مگر اسے ہلا نہ سکی، لیکن جو سن کر عمل نہیں لاتا وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر کو بے بنیاد بنایا۔ جب دھارا اس پر زور سے گری تو وہ فی الفور گر پڑا اور گھر بالکل برباد ہوا۔"

(انجیل لوقا، باب نمبر: ۶، آیت نمبر: ۴۶ تا ۴۹)

سچے کا اجر:

نیز فرمایا:

"راست باز ہمیشہ کی زندگی پائیں گے۔"

(انجیل متی: باب نمبر: ۲۵، آیت نمبر: ۴۶)

گناہ جہنم میں دخول کا موجب

جہنم سے بچنے کی تاکید:

حضرت مسیح علیہ السلام نے گناہ کو جہنم میں دخول کا سبب قرار دیا ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اے ریا کار و فریسیوں! تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔ اے افعی بچو! تم جہنم کی آگ سے کیونکر بچو گے۔"

(انجیل متی، باب نمبر ۲۳، آیت نمبر: ۲۹ تا ۳۳)

بدکاروں کا انجام:

حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

"فرشتے بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ اس وقت راست باز لوگ اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے۔"

(انجیل متی: ۴۱ تا ۴۳)

نجات کا دارومدار:

حضرت مسیح علیہ السلام کے مطابق نجات کا دارومدار صرف ایمان اور احکام الٰہی کی پیروی اور گناہوں سے اجتناب پر ہے۔

اخلاقی تعلیمات

خداپرستی کی تعلیم:

حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم برحق تھی۔ انہوں نے مادہ پرستی اور شکم پروری کا رد کر کے خدا پرستی کا تصور لوگوں کے ذہن و دماغ میں راسخ کرنے کی کوشش کی۔ اس مضمون کو تمثیلات اور محاورات کی زبان میں پیش کیا تاکہ دنیا پرستانہ ذہن کا رخ موڑا جا سکے۔

محبت الٰہی:

حضرت مسیح علیہ السلام نے خدا کی محبت پر بڑا زور دیا۔ اسے بنی آدم کا مجازاً باپ کہا۔ خدا کی محبت کو بعض اچھوتی تمثیلوں کے ذریعہ بیان کیا اور یہود کو عفو و درگزر کرنے کی تعلیم دی۔

انفاق فی سبیل اللہ کو قواعد:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی خلق حسنہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول قرار دیتے ہیں جو ریاکاری اور دکھاوے سے پاک ہو۔ چنانچہ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"خبردار! اپنے راست بازی کے کام آدمی کے سامنے دکھانے کے لئے نہ کریں۔ نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان میں ہے، تمہارے لئے کچھ اجر نہیں۔ پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگا نہ بجوا، جیسا کہ ریاکار عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی بڑائی کریں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پاچکے ہیں بلکہ جب تو خیرات کرے تو جو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے، تاکہ تیری خیرات پوشیدہ رہے۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔"

(انجیل متی، باب نمبر ۶، آیت نمبر ۱ تا ۴)

غریب ونادار، مظلوم ورحمدل:

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مبارک ہیں! وہ دل کے غریب ہیں جو حلیم ہیں۔ جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ جو رحمدل ہیں۔ جو پاک دل ہیں۔ جو صلح کراتے ہیں۔ جو راست بازی کے سبب ستائے گئے۔“

(انجیل متی، باب نمبر ۵، آیت نمبر ۱ تا ۱۰)

رہبانیت کی اختراع:

غلو پسند طبائع نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سادہ زندگی سے رہبانیت مراد لے لی ہے جو غیر فطری عمل تھا۔ حالانکہ انبیاء کی تعلیم غیر فطری نہیں ہو سکتی۔

توکل علی اللہ:

حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی طرح توکل کی بھی تعلیم دی۔

معاشرتی تعلیمات

معاشرے کی بنیاد محبت:

حضرت مسیح علیہ السلام سے قبل محبت کا پودا مرجھا چکا تھا۔ آپ نے اسے از سر نو شاداب کیا اور آپ نے معاشرے کی بنیاد محبت پر رکھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”اور تم سن چکے ہو کہ اگلوں نے کہا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور میں تم سے کہتا ہوں: جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کا اور جو کوئی اسے احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہوگا۔ تم سن چکے ہو کہ تم سے کہا گیا ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اگر کوئی نالش کر کے تیرا کرتہ لینا چاہے تو تو چوغہ بھی اسے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے تو تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔ جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو کوئی تجھ سے قرض چاہے اسے

دے۔ اس سے منہ نہ موڑ۔"

(انجیل متی، باب نمبر ۵، آیت نمبر: ۴۱۔۴۲)

پڑوسی اور دشمن دونوں سے محبت:

حضرت مسیح نے فرمایا:

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمنوں سے عداوت، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور ستانے والوں کے لئے دعا کرو۔ تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان میں ہے بیٹے ٹھہرو۔"

(انجیل متی: باب نمبر ۵: ۴۳۔۴۴)

اجنبی خاتون کے متعلق حکم:

حضرت مسیح نے فرمایا:

"آپ اگلے لوگوں سے سن چکے ہو کہ زنا بہت پاپ ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص پرائی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھتا ہے تو وہ دل میں زنا کا مرتکب ہو چکا۔ اس لئے اگر تمہاری آنکھ یا ہاتھ ایسی حرکت کرے تو اسے کاٹ کر پھینک دے۔"

(انجیل متی: باب نمبر ۵)

بری خواہش سے بچنا:

حضرت مسیح نے فرمایا:

"جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی تو وہ دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہا اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔"

(انجیل متی: باب نمبر ۵: آیت نمبر ۲۷ تا ۲۹)

والدین کا احترام:

حضرت مسیح نے فرمایا:

"تم لوگ خدا کے حکم کو باطل کرتے ہو اور اپنے گھڑے ہوئے قوانین برقرار رکھتے ہو۔؟ خدا نے تو تورات میں حکم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزت کرو اور جو کوئی ماں باپ کو برا کہے وہ جان سے مارا جائے۔ مگر تم کہتے ہو کہ "جو شخص اپنے ماں باپ کو یہ کہہ دے کہ میری جو خدمت تمہارے کام آسکتی تھی، انہیں میں خدا کی نظر کر چکا ہوں۔ اس کے لئے بالکل جائز ہے کہ ماں باپ کی کوئی خدمت نہ کرے"

(انجیل متی، باب نمبر ۱۵: آیت نمبر ۳ تا ۹)

خیرات وصدقہ کی تعلیم:

ایک دولت مند شخص حضرت مسیح کے پاس آیا اور پوچھا:

"اے نیک استاد! میں کون سا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔؟"

آپ نے جواب دیا:

"اگر تو کامل ہونا چاہے تو جا کر سب کچھ تیرا ہے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا۔ تب آ کر میرے پیچھے ہو لے۔"

(انجیل متی: باب نمبر ۱۸، آیت نمبر: ۲)

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"مال اپنے واسطے زمین پر جمع نہ کرو! جہاں کیڑا خراب کرتا ہے اور جہاں چور لے جاتے ہیں، بلکہ اپنا مال آسمان پر جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے اور نہ چور چراتا ہے۔"

(انجیل متی، باب نمبر ۶، آیت نمبر 19 اور 20)

سور کھانے کی ممانعت:

تورات مقدس میں ہے:

"سور تمہارے لئے ناپاک ہے۔ تم ان کے گوشت میں سے کچھ نہ کھاؤ۔ یہ تمہارے لئے ناپاک ہے۔"

(تورات، کتاب الاحبار، باب نمبر: ۸، آیت نمبر ۷)

دین موسوی کا تکملہ

الغرض حضرت عیسیٰ کی تعلیمات توحید، رسالت اور درست عقائد نیز اعمال صالح پر مبنی تھیں۔ انہوں نے کوئی نیا دین یا نئی شریعت پیش نہیں کی تھی۔ ان کی دعوت موسیٰ علیہ السلام کے دین کا تکملہ وتتمہ تھا۔ جیسا کہ آپ کا قول ہے:

"میں احکام موسوی کی تعمیل کرانے کے لئے آیا ہوں نہ کہ ان کی منسوخی کے لئے۔"

(انجیل متی)(انجیل لوقا)(انجیل یوحنا)

رسالت فقط بنی اسرائیل کے لیے

حضرت مسیح نے فرمایا:

"میں اسرائیل (بنی اسرائیل) کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو دے دیں۔"

(انجیل متی، باب نمبر ۱۵، درس نمبر ۲۱)

مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد اسے ایک مستقل دین بنا دیا گیا اور پولوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انہی اخلاقی تعلیمات میں چند باطل عقائد شامل کر کے علیحدہ مسیحیت کی بنیاد رکھی۔ اس طرح موجودہ عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے۔

☆☆☆

جدید دین مسیح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات اور موجودہ عیسائیت کی تعلیمات دو متضاد چیزیں ہیں۔ ہم نے مسیح علیہ السلام کی اصل تعلیمات کا ذکر کیا ہے۔ اب ہم موجودہ عیسائیت کی تعلیمات پر گفتگو کرتے ہیں۔

موجودہ عیسائیت کا بانی اور اس کے تغیرات

دوست یا دشمن:

موجودہ عیسائیت کا بانی سینٹ پال یا پولوس رسول تھا جو مسیح کا حواری نہیں تھا بلکہ آپ کا شدید دشمن یہودی تھا۔ وہ اچانک نمودار ہوا، کشف والہام کا دعویٰ کیا اور مسیح کا فرستادہ بن بیٹھا۔ بعدازیں اس نے عیسیٰ کے پیغام کو مشرک اقوام یونانیوں، رومیوں اور دیگر بنی اسرائیلی عوام میں مقبول بنانے کی خاطر اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔

پولوس کی دین مسیح میں تبدیلیاں:

پولوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات میں مندرجہ ذیل اہم تبدیلیاں کیں:

1: شریعت کو لعنت ٹھہرایا اور عیسائیوں کے لئے تورات اور موسوی قانون کی تمام پابندیاں ختم کردیں۔

2: ختنے کا حکم منسوخ کردیا، کیونکہ وہ غیر یہودی لوگوں کو ناپسند تھا۔

3: رومی اور یونانی تہواروں کی مشرکانہ رسوم وعبادات کو مسیحیت کا جزو بنادیا گیا جس کے نتیجے میں عیسائیت ایک مشرکانہ مذہب بن گیا۔

4: کئی باطل عقائد مثلاً الوہیت مسیح، ابنیت مسیح اور عقیدہ کفارہ اختراع کئے اور جدید عیسائیت کی بنیاد ان عقائد پر رکھی۔

جدید عیسائیت کے بنیادی عقائد:

سینٹ پال اور دیگر عیسائیوں نے جدید عیسائیت کی بنیاد جن عقائد پر رکھی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1: عقیدۂ تثلیث۔ 2: عقیدہ کفارہ۔

3: عقیدہ پاپائیت۔ 4: دستاویز مغفرت۔

عقیدۂ تثلیث

عقیدۂ تثلیث کا مفہوم:

عیسائی مذہب میں خدا ان تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے:

1: باپ 2: بیٹا 3: روح القدس

اس عقیدے کو عقیدۂ تثلیث کہا جاتا ہے۔

عیسائی علماء کا اقانیم ثلاثہ میں اختلاف:

اس عقیدہ کی تشریح میں عیسائی علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں باپ، بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام خدا ہے اور عام عیسائیوں کا یہی مقبول عقیدہ ہے۔ جبکہ بعض عیسائی علماء باپ، بیٹے اور کنواری مریم کو تین اقنوم قرار دیتے ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے۔ ان اقانیم ثلاثہ کی ہم قدرے توضیح پیش کرتے ہیں۔

باپ(Father):

عیسائیوں کے نزدیک باپ سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے۔ یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے اصل ہے۔ مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس نے اس طرح تشریح کی ہے:

"باپ کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے کسی کو جنا ہے اور کوئی ایسا وقت گزرا ہے جس میں باپ تھا اور بیٹا نہیں تھا بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کی اصل ہے۔ جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے۔ ورنہ جب باپ موجود ہے اس وقت سے بیٹا موجود ہے اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی اولیت حاصل نہیں ہے۔"

(تھامس کی بنیادی تحریریں، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر: 324)

پھر خدا کو باپ کیوں کہا جاتا ہے اس کا جواب ایک عیسائی عالم الفریڈ ای گاروے اس طرح دیتا ہے:

"اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے۔ دوسری طرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹوں پر مہربان ہوتا ہے۔"

(انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۵۸۵)

بیٹا (The Son):

بیٹے سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفت کلام ہے۔ لاگس کا کلمہ ابتدا خدا کی ایک صفت تھی لیکن یونانی فلاسفر فائلو نے اس کو ایک مستقل بالذات ہستی اور خدا کا نقش اول قرار دیا ہے۔ اس کے خیال میں خدا نے براہِ راست تخلیق عالم کا کام انجام نہیں دیا بلکہ پہلے کلمے کو تخلیق کیا اور پھر اس کی وساطت سے دنیا پیدا کی۔ اس طرح گویا کلمہ (Logos) ایک خدائے ثانی تھا۔ گویا کہ اول درجے کا خدا بیٹا تھا یعنی خدا اور خدا کا مولود ایک ہی ذات میں شریک تھے اور اس شرکت کی وجہ سے خدا کا بیٹا اس بات کا اہل تھا کہ خطا کار انسان اور خدائے قادر میں جس تک انسان کی رسائی ممکن نہیں ایک واسطہ بن جائے۔

انسانوں کی صفت کلام اور خدا کی صفت کلام کے درمیان کیا فرق ہے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے عیسائی عالم سینٹ تھامس کہتا ہے:

"انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوابی وجود نہیں رکھتی۔ اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہر ہے جو خدا کی بابت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اس لئے اس کو حقیقتاً نہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے بلکہ اس کی اصل کا نام بیٹا ہے۔"

الغرض عیسائیوں کے نزدیک صفت کلام باپ کی طرح قدیم ہے۔ خدا کی یہی صفت حضرت عیسیٰ کی انسانی شکل میں حلول کر گئی تھی جس کی وجہ سے یسوع بن مریم کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے اور یہ عقیدہ مسیح ایمان کی بنیاد ہے۔ جیسا کہ ۳۲۵ء میں نیقیہ کی کونسل نے فیصلہ صادر کیا کہ "بیٹا" بھی باپ کی طرح ابدی اور غیر فانی ہے اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو قابل گردن زنی قرار دیا گیا۔

بعد ازیں ڈنٹ کی کونسل نے اس کی تاکید کی اور عیسائیت کے یہ اصول مذہب طے کر دیئے:

"ہم ایمان لائے خدا کی قدرت والے باپ پر جو ظاہر اور پوشیدہ چیزوں کا خالق ہے۔ ہم ایمان لائے رب یسوع مسیح ابن اللہ پر جو باپ کا اکلوتا بیٹا ہے جو باپ کے یہاں جملہ کائنات سے پہلے پیدا ہوا۔ وہ عین ذات ہے۔ الٰہ الہ اور نور نور ہے۔ وہ عین خدا ہے۔ وہ مولود ہے، مخلوق نہیں،

باپ اور اس کا جوہر ہے۔ وہ ایک ہے۔ اس کی وساطت سے تخلیق اشیاء ظہور میں آئیں۔ یعنی جو کچھ زمین و آسمان میں ہے ہم انسانوں کی نجات کے واسطے اس کا نزول و حلول ہوا اور وہ انسان بن کر آیا مبتلائے بلا ہوا اور تیسرے دن اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان پر چڑھ گیا اور اب زندوں اور مردوں کا انصاف کرنے پھر آئے گا۔"

(کونسل آف ٹرنٹ)

روح القدس(The Holy Sbirit):

اس سے مراد باپ بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے یعنی اس صفت کے ذریعے خدا کی ذات (باپ) اپنی صفت علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے۔ یہ صفت بھی جوہری وجود رکھتی ہے اور باپ بیٹے کی طرح قدیم ہے۔ اس وجہ سے اسے مستقل اقنوم کی حیثیت حاصل ہے۔"

(اگستائن۔ سٹی آف گاڈ)

اناجیل میں ہے اور عیسائیوں کا عقیدہ بھی ہے کہ جب حضرت مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا تو آسمان کھل گیا اور یہی روح القدس ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح پر نازل ہوئی اور آسمان سے آواز آئی:

"یہ میرا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔"

(انجیل متی، باب نمبر ۳، آیت نمبر:۱۶)

الغرض عیسائیت میں خدا تین اقانیم پر مشتمل ہے:

1: خدا کی ذات جسے باپ کہتے ہیں۔

2: خدا کی صفت کلام جسے بیٹا کہا جاتا ہے

3: خدا کی صفت حیات و محبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے۔

ان تین میں سے ہر ایک خدا اور تینوں مل کر تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے۔ معنی ہوا:

"تثلیث فی التوحید"

اور

"توحید فی التثلیث"

"تین میں ایک اور ایک میں تین ہے۔"

عقیدۂ تثلیث کا رد

عقیدۂ الوہیت کا ابطال:

قرآن مجید نے عقیدہ الوہیت کو باطل، غلط اور خود ساختہ قرار دیا ہے اور متعدد آیات میں اس کی شدت سے تردید کی ہے۔

مثالِ مسیح عیسیٰ:

قرآن مجید میں ہے:

"اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر 59)

"بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مانند ہے۔ جس کو اس نے مٹی سے بنایا پھر کہا: ہو جا اور پس وہ ہو گیا۔"

یعنی پیدائش کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ کی مثال حضرت آدم کی مثل ہے۔

اگر عیسائی عقیدہ کے مطابق بن باپ پیدا ہونا الوہیت یا ابن اللہ ہونے کی دلیل ہے تو حضرت آدم علیہ السلام اس کے زیادہ حقدار تھے جو بن باپ پیدا ہوئے۔

منصب رسالت اور بشر ہونے کا اعلان:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"حضرت مسیح ابن مریم صرف اللہ کے رسول ہیں جس طرح قبل ازیں رسول گزر چکے تھے اور اس کی والدہ صدیقہ تھیں اور یہ دونوں ماں بیٹا انسانوں کی طرح کھانا کھاتے تھے جبکہ الٰہ کھانے سے مستغنی ہوتا ہے۔"

(القرآن المجید، پارہ نمبر ۶، رکوع نمبر ۱۲)

عقیدۂ الوہیت کا رد:

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

"وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر:116)

"اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے علاوہ معبود بنالو" وہ عرض کریں گے: "تو پاک ہے میری کیا مجال کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تحقیق تجھے علم ہوتا۔ جو میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے لیکن جو تیرے نفس مبارک میں ہے میں اس سے واقف نہیں ہوں۔ بیشک تو غیبوں کا جاننے والا ہے۔ ○"

عقیدۂ تثلیث کا رد:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ○"

(سورۃ النساء، آیت نمبر:172-171)

"اے اہل کتاب! دین میں غلو نہ کرو اور اللہ پر سوائے حق بات کے کچھ نہ کہو۔ بیشک مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول تھے اور اس کا کلمہ تھے جو اس نے مریم کی طرف القاء فرمایا اور اس کی طرف سے روح تھے۔ پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں۔ اس قول سے باز آ جاؤ! یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ بیشک اللہ تو ایک ہی معبود ہے۔ وہ بیٹے سے پاک ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اللہ کافی ہے کارساز۔ ○ بیشک مسیح اس بات میں بے عزتی نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ ہی مقرب فرشتے۔ اور جو اس کی عبادت سے بے عزتی محسوس کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں تو پس ان سب کو اسی کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔ ○"

اللہ کا بندہ ہونے کا اعلان:

قرآن مجید میں ہے:

"قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ○ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ○ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ○ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا○"

(سورۃ المریم، آیت نمبر 27 تا 33)

"عیسیٰ بولے: میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے۔ ○ اور مجھے باعث برکت بنایا گیا ہے جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی نصیحت کی گئی ہے جب تک زندہ رہوں۔ ○ اور مجھے والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے شقی اور جبار نہیں بنایا گیا ہے۔ ○ سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن دوبارہ مجھے اٹھایا جائے گا۔ ○"

ابنیت کا رد:

سورۂ مریم کی آیت نمبر 35 میں بھی اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

" ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحٰنَهٗ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ ۝"

"یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ ان کے بارے میں یہ سچی بات ہے جس میں وہ (عیسائی) شک وشبہ کر رہے ہیں۔ ۝ اللہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ اس کی ذات پاک ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔ ۝"

(سورۃ المریم، آیت نمبر 34 تا 36)

حضرت عیسیٰ کا اعلان توحید

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ حضرت مسیح نے کہا:

" مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهٖ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: 117)

"میں نے انہیں بس وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور جب تک میں ان میں رہا تو میں ان پر گواہ تھا اور جب تو نے مجھے اپنی جانب بلایا تو تو ہی ان پر رقیب تھا اور بے شک تو ہر چیز کا نگران ہے۔ ۝"

حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیمات:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات عقیدۂ الوہیت کے خلاف ہیں جیسا قبل ازیں گزر چکا ہے اور جس کی شہادت آج بھی انجیل دے رہی ہے۔

اناجیل ثلاثہ کی مخالفت:

علاوہ ازیں ابتدائی حواری اس عقیدہ کے خلاف تھے جیسا کہ انہوں نے پولوس کی مخالفت

کی۔ نیز یوحنا انجیل کے علاوہ باقی تینوں اناجیل اس عقیدہ کی تائید نہیں کرتیں۔

تعلیمات انبیاء کے خلاف:

پھر یہ عقیدہ انبیاء کی مشترکہ تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔

عقل وفطرت کی مخالفت:

نیز عقل اور فطرت بھی اس کی تائید نہیں کرتی کیونکہ یہ عقیدہ خود ساختہ اور ایجاد ہے۔ لہٰذا اس میں اختلاف لازمی ہے۔

ضرب المثل:

کہا جاتا ہے کہ دس عیسائی عقیدۂ تثلیث کے مسئلے کے تصفیے کے لئے جمع ہوں تو ان میں گیارہ فرقے بن جائیں۔

عقیدۂ کفارہ

کفارہ کے معنی:

عقیدۂ کفارہ موجودہ عیسائیت کی عمارت کا بنیادی پتھر ہے۔ اس کے لفظی معنی ڈھانکنے اور چھپانے کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ یسوع مسیح نے صلیب پر جان دے کر تمام بنی آدم کے گناہوں کو چھپالیا ہے اور ان کے لئے نجات کا موجب بن گئے ہیں۔ یہ عقیدہ موجودہ عیسائیت کی جان ہے۔

کارفرما دو مفروضے:

اس عقیدے کی تشریح انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں "عقیدۂ کفارہ" کے ضمن میں یوں آئی ہے:

> "عیسائی عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ سے ایک گناہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس عقیدہ کی پشت پر دو مفروضے کارفرما ہیں۔ ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ انسان کی صفت کلام (بیٹا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔"

مفروضوں کا رد:

اس مقالہ کے کاتب نے جن دو مفروضوں پر اس عقیدۂ کفارہ کی بنیاد رکھی ہے وہ دونوں سرے سے غلط اور ناپید ہیں۔ اول تو آدم سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ گناہ نام ہے احکام شرع کی خلاف ورزی کا۔ حضرت آدم علیہ السلام اس وقت دنیا میں نہیں بلکہ عالم بالا میں تھے جہاں شریعت کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ دوسرا اس لغزش کی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی تھی جو مل بھی گئی تھی۔ یہ تصور ہی غلط ہے کہ اللہ نے معافی دینے کے بعد اس گناہ کو برقرار رکھا اور نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اس کی سزا اپنے اکلوتے بیٹے کو پھانسی کی شکل میں دی۔

عقیدۂ کفارہ کا آغاز اور پولوس کا کردار:

ادیانِ عالم میں مسیحیت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کے پیروکار انسان کی نجات کے لئے باطل اور غیر فطری نظریہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ عقیدہ پولوس کی اس تعلیم کا شاخسانہ ہے۔ جس کی رو سے مسیحیت کے پیروکار یسوع کو خدا کا بیٹا ٹھہرا کر ان کی مصلوبیت کو گناہ کا کفارہ قرار دیتے ہیں۔
چنانچہ کرنتھیوں میں ہے:

”مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے مرا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے مطابق جی اٹھا۔“

(کرنتھیوں، باب نمبر ۱۵، آیت نمبر ۳ اور ۴)

دوسری جگہ ہے:

”اور یہ کہ مردوں میں سے جی اٹھنے کے سبب سے قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا۔“

(رومیوں)

مصلوبیت کو یہ کہہ کر پولوس نے کفارہ ٹھہرایا ہے:

”ہم یسوع کے ایک بار قربان ہونے کے وسیلے سے پاک کیے گئے ہیں۔“

عقیدۂ کفارہ، سینٹ پال کا کردار اور نیقیہ کی کونسل:

عقیدۂ کفارہ کا آغاز دراصل سینٹ پال کے زمانے سے شروع ہوا۔ سینٹ پال جس نے

ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی جو کہ عقائد، اصول اور احکام میں اس دین سے بالکل مختلف تھا جو حضرت مسیح نے پیش کیا۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰ کی کوئی صحبت نہ پائی تھی بلکہ ان کے مخالفوں میں سے تھا۔ جب اس نے نیا دین بنانا شروع کیا اس وقت بھی اس کے پیروؤں نے ان بدعات کی مخالفت کی مگر چوتھی صدی کے آغاز ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaea) کی کونسل نے پولوس کے عقائد کو قطعی طور پر مسیحیت کا حتمی مذہب قرار دے دیا۔

عقیدۂ کفارہ کے بارے میں معروضات:

کفارہ کا عقیدہ موجودہ عیسائیت کا بنیادی عقیدہ ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ بائبل میں براہِ راست کفارہ کے معروضات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تاہم اس غیر فطری عقیدہ کی بنیاد ان معروضات پر رکھی گئی ہے:

1: سانپ کے بہکانے پر باغ عدن میں شجر ممنوعہ کھا لینے سے حضرت آدم نے خدا کا گناہ کر کے اسے غضب ناک کیا اور ان کا یہ گناہ معاف نہیں کیا گیا تھا۔

2: حضرت آدم کا باغ عدن میں گناہ ہر انسان کو ورثہ میں ملتا ہے جس سے ہر بچہ پیدائشی طور پر گناہگار ہوتا ہے۔

3: پیدائشی طور پر گناہگار ہونے سے جہنم ہر انسان کا مقدر ہے۔

4: آخر کار لاکھوں برس بعد خدا تعالیٰ نے ایک راہ نکال کر اپنے اکلوتے بیٹے کو نجات دہندہ کے طور پر بھیجا اور اس نے صلیب پر جان دے کر انسان کو کفارہ سے پاک کرنے کا مداوا کیا۔

5: مسیحیت کے پیروکار سمجھتے ہیں کہ یسوع پر ایمان لانے سے ان کی صلیبی موت کفارہ بن کر انسان کو پیدائشی گناہ سے پاک کر دیتی ہے اور غضبناک خدا کا گناہگار ہونے کے ساتھ ساتھ ملاپ اور قرب کا باعث بنتی ہے۔

6: عیسائیوں کے نزدیک نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہو سکتے کیونکہ انسان پیدائشی گناہگار ہے۔ اگر اللہ بندے کے گناہ کو توبہ سے معاف کر دے تو اس کا یہ رحم عدل کے خلاف ہے۔ خدا رحیم ہے جس کا تقاضا انسان کو معاف کر دینے کا ہے اور خدا عادل بھی ہے جس کا مطالبہ سزا دینے کا ہے۔ چنانچہ رحم و عدل یکجا نہیں ہو سکتے۔ بندے کی نجات کا ہونا ضروری ہے اور

اس کی یہ صورت نکالی کہ یسوع مسیح جو تمام گناہوں سے پاک اور معصوم ہے لوگوں کے تمام گناہوں کو اپنے اوپر لے کر جان کی قربانی دے۔

غیر متعصب مسیحیوں کا تجزیہ:

قرآن مجید میں ہے:

"اے پیغمبر! تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی و مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر تم ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔"

(القرآن الکریم)

مسیحیوں میں ہر زمانہ میں حق پسند علماء مشائخ اور دانشور موجود رہے ہیں۔

1: سلیس مصلوبیت مسیح اور اس سے پہلے کی کیفیت کو ان الفاظ میں ادا کرتا ہے:

"مسیح کو اپنے باپ سے کچھ مدد نہ ملی اور وہ خود اپنی امداد نہ کرسکتا تھا۔ دکھ اور تکلیف کے وقت اس میں برداشت کی طاقت نہ تھی۔ جب دکھ کو رفع کرنے کے لئے اسے شراب دی گئی تو وہ منہ کھول کر اسے پینے کو کہا اور پیاس کو برداشت نہ کرسکا۔ جسے معمولی آدمی بھی اکثر اوقات کیا کرتے ہیں۔"

(بارہ ضروری سوالات، صفحہ نمبر ۱۸۰)

2: پین کفارہ کی تشریح اس طرح کرتا ہے:

"دیوتاؤں کے حالات قلم بند کرنے والے مسیحی بیان کرتے ہیں کہ مسیح جہان کے گناہوں کے لئے مر گیا اور وہ اسی مقصد کے لئے آیا تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مسیح کی موت ہم کو مرنے سے نہیں روک سکتی۔ اس لئے کہ ہم صرف مر جاتے ہیں۔ مغالطوں کے گھڑنے والے مقدس پولس نے ایک اور ذو معنی لفظ آدم کا مغالطہ دے کر مغالطہ موت کو تقویت دی۔ وہ کہتا ہے کہ دو آدم تھے۔ ایک وہ جو فی الحقیقت گناہ کرتے ہیں اور اس کی جگہ سزا اٹھاتا ہے اور دوسرا وہ جو قائم مقام ہو کر گناہ کرتے ہیں اور فی الحقیقت سزا پاتا ہے۔"

3: ایک بائیبلسٹ ماتھولوجی کے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

"شریعت، سزا اور کفارہ کے بارے میں پولیس کا نظریہ دورِ جدید کے انصاف کے احساس کو ناگوار گزرتا ہے اور ہر پہلو سے ہمارے اخلاقی تصورات کے متناقض ہے۔"

(بارہ ضروری سوالات، صفحہ نمبر ۱۶۸)

عقیدۂ کفارہ کا رد از روئے قرآن و انجیل

صلیب و قتل کی تردید:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی "صلیب پر موت" کی سختی سے تردید کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے:

"وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝" بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝"

(سورۃ النساء، آیت نمبر 157 تا 159)

(سورۃ النساء، آیت نمبر: 157)

"اور ان کا قول کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے اس کو نہ قتل کیا اور نہ صلیب دی بلکہ ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور بیشک وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا یقیناً وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ ان کو حقیقت کا کوئی علم نہیں مگر وہ تو فقط گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ ۝ بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ ۝ اور بیشک ضرور بالضرور عیسیٰ کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب اس پر

ایمان لائیں گے اور عیسیٰ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔o"

اناجیل اربعہ اور عقیدۂ کفارہ:

اناجیل اربعہ سے بھی مصلوبیت مسیح، ان کے دفن کیے جانے اور مر کر اٹھنے کا افسانہ محض خواب وسراب اور رویا پر استوار کیا جانا عیاں ہے۔ خود انجیل برناباس کے مطابق عقیدہ کفارہ سینٹ پال کا ایجاد کردہ ہے۔

کیا آدم علیہ السلام وحوا کی لغزش معاف نہیں ہوئی:

بائبل کی رو سے باغ عدن میں خدا کا گناہ حوا نے سانپ کے بہکانے پر کیا تھا لیکن حضرت آدم حوا کی پیروی میں درخت کا پھل کھا لینے سے قصوروار نہ تھا۔ پولوس کہتا ہے:

"پہلے آدم بنایا گیا تھا۔ اس کے بعد حوا اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی۔"

(تمطاؤس ۲۔۱۲ تا ۱۴)

سانپ کے بہکانے، حوا کے گناہ کرنے اور حضرت آدم کی حوا کی پیروی کرنے پر بائبل کی رو سے خدا نے اس وقت انہیں یہ سزائیں دے دیں تھیں:

"خداوند نے سانپ سے کہا: "اس لئے کہ تو نے یہ کیا تو سب چوپایوں اور جانوروں میں ملعون ٹھہرا۔ تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور عمر بھر خاک چھانے گا۔" عورت سے کہا: "تو درد سے بچہ جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔" اور آدم سے کہا: "چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا، اس لئے زمین تیرے سبب کے لعنتی ہوئی۔ مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا۔"

(کتاب پیدائش، باب نمبر ۳: آیت نمبر ۱۴ تا ۱۷)

حضرت آدم کے اس گناہ کی سزا بائبل کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود تجویز کر دی ہے۔ اب اصولاً انسان کو گناہگار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس نے اپنی سزا پوری کر لی ہے۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یسوع مسیح پر ایمان لانے سے پیدائشی گناہ دھل جاتے ہیں تو پھر دیگر مذاہب کی طرح مسیحیت کی پیروکار عورتوں اور مردوں کو اپنی سزا کیوں پوری کرنا پڑ رہی ہے۔؟

پیدا شدہ بچہ سزا کا مستحق:

ایک طرف تو پولوس حضرت حوا کو گناہگار قرار دیتا ہے تو دوسری طرف وہ آدم کو گناہگار ٹھہرا کر انسان کو پیدائشی طور پر جہنمی قرار دیتا ہے۔

ایک عیسائی فاضل جان کالون کہتا ہے:

"درحقیقت ہم نے آدم سے صرف وراثت میں سزا نہیں پائی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں گناہ کا ایک وبائی مرض جاگزیں ہے جو آدم سے ہم کو لگا ہے اور اس گناہ کی وجہ سے ہم پورے انصاف کے ساتھ سزا کے مستحق ہیں۔ اس طرح شیر خوار بچے بھی اپنی ماں کے پیٹ سے سزا کا استحقاق لے کر آتے ہیں اور یہ سزا خود ان کے نقص اور قصور کی ہوتی ہے کسی اور کے قصور کی نہیں۔"

بائبل کی رو سے گناہ کے ارتکاب کا اول منبع عورت کی ذات ہے۔ جبکہ حضرت مسیح کو بھی پیدا کرنے والی بھی عورت ہے جو کہ گناہ کا اصل منبع ہے۔ عیسائیوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے۔؟

نسیان آدم کی معافی:

حقیقت یہ ہے کہ آدم کی لغزش اللہ تعالیٰ نے معاف کر کے انہیں پاک صاف کر دیا تھا اور اس کی تصدیق قرآن مجید سے ہوتی ہے:

" فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ۝"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 37)

"آدم نے اپنے پروردگار سے (معافی کے) کچھ کلمات سیکھے اور معافی مانگی تو اس نے اس کا قصور معاف کر دیا۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔ ۝"

قرآن مجید میں ہے:

"فنسی آدم فلم نجد له عظما"

"حضرت آدم بھول گئے پس ہم نے ان میں لغزش کا ارادہ نہیں پایا۔"

کیا ہر بچہ پیدائشی گناہگار ہے:

نہ ہی انصاف اس بات کو گوارا کرتا ہے اور نہ عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ غلطی باپ کرے اور سزا بیٹا پائے۔ بلکہ خود بائبل اس باطل خیال کی تردید کرتی ہے۔ چنانچہ کتاب استثناء میں ہے:

"بیٹوں کے بدلے باپ مارے نہ جائیں، نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں۔ ہر ایک اپنے گناہ کے سبب مارا جائے۔"

(کتاب استثناء، باب نمبر ۲۴، آیت نمبر:۱۶)

اولاد آدم کا پیدائشی طور پر گناہگار نہ ہونے کا ثبوت یوحنا کی پیدائش کی بشارت کے اس بیان میں ہے:

"بہت سے لوگ اس کی پیدائش سے خوش ہوں گے کیونکہ وہ خدا کے حضور بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ کوئی شراب پیئے گا اور اپنی ماں ہی کے بطن سے روح القدس سے بھر جائے گا۔"

(انجیل لوقا۱:۱۴:۱۵)

ایک عیسائی بزرگ ایکوفیاس کا قول:

"جو بچے بپتسمہ لینے سے پہلے مر جاتے ہیں ان میں چونکہ اصلی گناہ برقرار ہے اس لئے وہ کبھی خداوند کی بادشاہت نہیں دیکھیں گے۔"

پھر تو عیسائیوں کی جو اولاد بپتسمہ سے پہلے مر جائے تو وہ جہنمی اور ہمیشہ کی سزا کی مستحق ہے۔

کیا صرف یسوع پر ایمان سے آدمی نجات پاتا ہے:

اگر اس نظریہ کو درست مان لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جتنے بھی انسان ہوئے وہ گنہگار تھے۔ ان میں عہد عتیق کے بزرگ و برگزیدہ لوگ بھی شامل تھے۔ جبکہ مسیحی لوگ ان لوگوں کی لکھی گئی عہد نامہ عتیق کو مقدس مانتے ہیں۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ مسیح سے پہلے کے تمام انسان گنہگار تھے خود بائبل کی رو سے غلط ہے۔ بائبل میں بے شمار ایسے آدمیوں کا ذکر موجود ہے جو راست باز، مقدس اور نیک تھے۔ جن میں حضرت یحییٰ (یوحنا)، حضرت آدم کا فرزند، حضرت دانیال، یوسیع، ذکریا اور ان کی بیوی فرنیان، بادشاہ سمشون بن

منوحہ، عموئیل النبی اور شمعون خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان تمام برگزیدہ شخصیات کے بارے میں لوقا، مرقس، متی، یوحنا، سموئیل اور دانیال وغیرہ میں آیات موجود ہیں۔ جس سے عیسائیوں کا یہ عقیدہ (کہ حضرت عیسیٰ کے علاوہ اور کوئی نیک نہیں اور ہر شخص فطری طور پر گنہگار ہے) غلط ثابت ہوتا ہے۔

کیا خدا نے اپنے ہمسر کے ذریعہ اپنے غضب کو ختم کیا:

اول تو یسوع خدا کا ہمسر نہیں اور اگر خدا کے ہمسر ہوتے یا ان کے ذریعہ خدا نے اپنے غضب کو ختم کرنے کی ترکیب نکالی ہوتی تو یسوع اس بات سے ضرور آگاہ ہوتے اور یہودیوں کی طرف سے قتل کئے جانے کے منصوبے سے خوفزدہ ہو کر ان کی نہ تو یہ حالت ہوتی اور نہ ہی وہ یہ دعا مانگتے:

''اے باپ! اگر تو چاہئے تو یہ پیالہ مجھ سے ہٹا لے! تو بھی میری مرضی نہیں بلکہ تیری ہی مرضی پوری ہو۔''

اور آسمان سے ایک فرشتہ اسے دکھائی دیا وہ اس کو تقویت دیتا تھا۔ پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دل سوزی سے دعا کرنے لگا اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔''

انجیل لوقا کے اس بیان سے واضح ہے کہ یسوع کی مرضی یہ تھی کہ وہ قتل نہ کئے جائیں لیکن خدا کی مرضی اور تھی۔

انجیل متی، باب نمبر ۲۶، آیت ۴۱ میں ہے:

''شاگردو! جاگو! اور دعا کرو! روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے۔''

کفارہ سے پہلے سب شاگرد پیدائشی گنہگار تھے اور مسیح خود خدا تھا تو کیا خدا اپنے مصائب کو دور کرنے کے لئے گنہگاروں سے دعا کی التجا کرتا ہے۔؟

کیا یسوع کی مصلوبیت دنیا کے گناہوں کا کفارہ ٹھہری تھی:

سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ آیا بائبل کی رو سے ایک کے گناہوں کا بوجھ دوسرا اٹھا سکتا ہے۔؟ بائبل کی تعلیم اس کے سراسر منافی ہے۔ بائبل میں صاف لکھا ہے:

''اولاد کے بدلے باپ دادا مارے جائیں، نہ باپ داداؤں کے بدلے اولاد قتل کی

جائے۔ ہر ایک اپنے گناہ کے سبب مارا جائے۔"

(کتاب استثناء، باب نمبر ۲۴، آیت نمبر: ۱۶)

اس حوالے کے علاوہ اور بھی اس قسم کے حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی بھی دوسروں کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ایک اور اہم بات جس سے اس عقیدہ کا رد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ مصلوب نہیں کیے گئے تھے جیسا کہ انجیل برنباس میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے اور ان کی جگہ ان کا شاگرد یہودا پھانسی دیا گیا تھا۔ اس لئے نہ تو حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے اور نہ گناہوں کا کفارہ ادا ہوا۔

کیا اللہ تعالیٰ کی صفت رحم بلا بدل نہیں:

عیسائیوں کا یہ استدلال ہے کہ انسان نے گناہ کیا، خدا کا عدل گناہ کی سزا کا متقاضی ہے اور خدا کا رحم نجات کا متقاضی۔ ہر دو تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع کو دنیا میں بھیج کر لوگوں کو اپنے رحم سے مستفید کیا اور خود اپنی جان صلیب پر دے کر عدل کے تقاضے کو پورا کیا اور مسیح لوگوں کے لئے بخشش کا موجب ٹھہرا۔

لیکن عیسائیوں کا یہ استدلال کہ اللہ تعالیٰ کا رحم بلا بدل نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ کی صفات کی نا سمجھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان ہے جس کا ظہور انسانوں کے اعمال اور محنت کے نتیجہ میں نہیں ہوتا جیسا کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ انسان کی پیدائش سے قبل ہی اس کی زندگی کے تمام سامان دنیا میں موجود تھے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ سامان اس کے اعمال کے نتیجے میں پیدا ہوئے۔ جب خدا کی ذات پیدائش سے قبل رحم بلا بدل کر سکتی ہے تو وہ موت کے بعد انسانوں پر رحم بلا بدل کیوں نہیں کر سکتی۔؟ اللہ تعالیٰ کا رحم عدل کے تقاضوں میں جکڑا ہوا نہیں ہے۔

کفارہ کے بارے میں عہد نامہ عتیق کی شہادت:

عہد عتیق میں کفارہ کی سختی کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔ چنانچہ فرقی ایل نبی کی معرفت خدا نے اپنے بندوں کو یہ پیغام دیا ہے:

"جو جان گناہ کرتی ہے وہ دے گی۔ بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اس کے لئے اور شریر کی شرارت

اس کے لئے ہے، لیکن شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کئے ہیں باز آئے اور میرے سب آئین پر چلے جو جائز اور روا ہے تو یقیناً زندہ رہے گا۔ وہ نہ مرے گا، وہ سب گناہ جو اس نے کئے ہیں اس کے خلاف محسوس نہ ہوں گے، وہ اپنی راستبازی جو اس نے کی زندہ رہے گا۔"

(حزقی ایل، باب نمبر ۱۸، آیت نمبر: ۱۴ تا ۲۰)

پولوس نے خود تسلیم کیا ہے کہ شفاعت کنندہ بے گناہ ہونا چاہئے مگر یسوع تو کروڑوں انسانوں کے گناہوں کا مجموعہ تھا۔ چنانچہ کہتا ہے:

"جونہی اس نے گناہوں کا گٹھڑ اٹھایا وہ باقی قربانی کے لائق بھی نہ رہا۔ کیونکہ قربانی بے عیب کی ہونی چاہئے۔"

پھر یسوع کو خود اقرار ہے:

"میں نیک نہیں تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک خدا"

نیز فرمایا:

"اور جو عورت سے پیدا ہوا ہے کیونکر نیک ٹھہرے۔؟"

انسان کے پیدائشی گناہگار ہونے کا عقیدہ کسی آسمانی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ اب تو خود کیتھولک علماء بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ بائبل میں اس عقیدے کی کوئی بنیاد نہیں۔

ایک جرمن عیسائی ہربرٹ ہاگ نے "پیدائشی گناہ مذہبی کتابوں میں موجود ہے؟" کے نام سے ایک کتاب لکھی اس میں لکھتا ہے:

"یہ عقیدہ تیسری صدی کے بعد شروع ہوا ہے۔"

کفارہ پولوس کا وضع کردہ من گھڑت نظریہ ہے:

ایک عیسائی سکالر کہتا ہے:

"پولوس کی تصانیف خطرے کا باعث اور چھٹی چٹان ہیں اور مسیحی متھیالوجی کے بڑے بڑے نقص انہی سے واقع ہوئے ہیں۔ پولوس تیز فہم اور خونخوار مالتھالوجی کا باپ ہے، جو لعنت کا فتویٰ دیتی اور جہنم کی سزا مقرر ٹھہرا دیتی ہے۔"

(بارہ ضروری سوالات، صفحہ نمبر ۱۳۹)

کیا یہ بات عقل کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے:

عقیدہ کفارہ کو تسلیم کرنے کے بعد تو مسیحیت کے قانون اخلاق کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اگر یہ کفارہ کا عقیدہ صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی قتل کر کے، چوری کر کے، زنا کر کے، ہمسائے کو ستا کے اور حرام کی کمائی کے ذخیرے سے بھی آسمانی بادشاہت میں داخل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ مسیح پر ایمان لے آئے۔ اس صورت میں وہ ساری تعلیمات مہمل ہو جاتی ہیں جو مسیح نے اپنے مواعظ میں دیں، بلکہ خود مسیح کا یہ قول بھی غلط ثابت ہو جاتا ہے:

''ان (برے) اعمال کے ساتھ کوئی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔''

اگر مسیح کی بات سچی ہے تو یقیناً کفارے کا عقیدہ باطل ہے۔ بہر حال یہ دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں چل سکتیں اور نہ ہی عقل و منطق کی رو سے ممکن ہیں۔''

پاپائیت

سرکاری مذہب:

عیسائیت کو سرکاری مذہب کا درجہ قسطنطین شہنشاہ روما نے دیا۔ اس لحاظ سے مذہبی اور دنیاوی امور یکجا ہو گئے اور حکومت روما مقدس بن گئی۔

کلیسا کے پانچ منتظمین:

اس دور میں کلیسا کا انتظام پانچ بڑے پادریوں کے ذمے تھا جنہیں ''Patriachs'' کہا جاتا تھا، جو انگریزی میں فادر کے ہم معنی ہے۔

دو عظیم کلیسا اور ان کا باہم اختلاف:

کلیسا دو تھے۔ مغرب میں روم کا اور مشرق میں قسطنطنیہ کا۔ رومی کلیسا کو اس بات پر ناز تھا کہ پطرس اور پولوس نے روم میں ہی وفات پائی تھی اور وہی عیسائیت کی اصل روایات کے علمبردار تھے۔ دوسری طرف قسطنطنیہ کا کلیسا بھی اپنے آپ کو کم اہم نہ سمجھتا تھا۔ اس لئے کہ اس دور میں قسطنطنیہ ہی سلطنت روما کا دار الحکومت یا مرکزی مقام تھا۔ اس لئے وہ رومی کلیسا پر برتری رکھتا تھا۔ دونوں کلیساؤں میں اختلافات کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ دونوں کی زبانیں مختلف تھیں۔ رومی

کلیسا میں لاطینی اور قسطنطنیہ میں یونانی۔ دونوں کی تعلیمات کا ترجمہ جب ایک زبان سے دوسری زبان میں ہوتا تو مطالب ومفہوم میں اختلاف پیدا ہو جاتا اور دونوں میں بحث چھڑ جاتی۔ ان ہی وجوہات کی وجہ سے دونوں میں اختلافات کی خلیج اس حد تک وسیع ہوئی کہ دونوں کبھی متحد نہ ہو سکے اور مذہب کے ایک منظم ادارے کی حیثیت سے کلیسا کا نظام پارہ پارہ ہو گیا۔ اس پر مزید ستم یہ کہ صلیبی جنگوں کے دوران عیسائی افواج نے کلیسائے قسطنطنیہ کے علاقوں کو تاخت وتاراج کیا جس سے اختلافات اور بڑھ گئے۔

پاپائی نظام کو مستحکم کرنے والا:

وہ شخص جس نے سب سے پہلے پاپائی نظام کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا وہ گریگوری اول (ولادت: ۵۴۰ء۔ وفات ۶۰۹ء) تھا۔ اس دور میں بہت سی وحشی اقوام عیسائیت میں داخل ہوئیں جس سے پوپ کی قوت میں اضافہ ہوا۔ وہ دینوی اور دنیاوی دونوں طاقتوں کا منبع وسرچشمہ قرار دیا گیا اور اس سلسلے میں اسے غیر محدود اختیارات حاصل ہو گئے۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے عیسائی بادشاہوں کو پوپ کی حمایت کیے بغیر چارہ نہ رہا۔

پوپ کی طاقت:

پوپ کی زبردست طاقت کا یہ دور ۸۰۰ عیسوی سے شروع ہوا۔ جب رومۃ الکبریٰ کی مقدس سلطنت کے پہلے شہنشاہ شارلی مان کو روما میں پوپ نے مذہبی رسوم کے ساتھ اپنے ہاتھ سے تاج پہنایا۔ اسی تاج پوشی کے بعد سے ہی سلطنت روما کا نام "مقدس سلطنت روما" رکھ دیا گیا۔ جب پوپ نے شارلی مان کو اس سلطنت کا فرمانروا بنایا تھا اس وقت اس کی حدود میں وہ تمام ممالک شامل تھے جو آج کل فرانس، جرمنی، اٹلی اور وسط یورپ کی ریاستوں یوگوسلاویہ اور رومانیہ کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بحر روم سے لے کر بحر ہند تک دولت عباسیہ کے سلاطین کا آفتاب اقبال جگمگا رہا تھا اور اسپین میں عرب سلاطین کے ہاتھوں قرطبہ وغرناطہ کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں۔

سلطنت پوپ کے ہاتھ میں:

۸۰۰ء کے بعد سے پوپ ہی معنوی فرمانروا تھا۔ اس تاریخ کے بعد سے سولہویں اور

سترہویں صدی عیسوی تک یورپ کے بادشاہوں کا تخت وتاج عملاً پوپ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ جسے چاہتا تخت پر بٹھا سکتا اور جسے چاہتا تخت سے محروم کر سکتا تھا۔ چنانچہ شارلی مان کی وفات کے بعد جب اس مقدس سلطنت روما میں انتشار پیدا ہو گیا اور ہر چھوٹا حکمران اپنی جگہ خود مختار بن بیٹھا تو یہ پوپ ہی تھا جس کی مداخلت سے آٹو اعظم کو با قاعدہ تاجدار تسلیم کیا گیا۔ اس تاج پوشی کے بعد یورپ کے تمام سرداروں، جاگیرداروں اور چھوٹے بڑے سب فرمانرواؤں نے یہ طے کیا کہ آئندہ سے ہر بادشاہ کی تاجپوشی پوپ یا اس کے مقرر کیے ہوئے نائب ہی کیا کریں گے اور جس بادشاہ کے سر پر پوپ تاج نہ رکھے گا وہ بادشاہ تسلیم نہ کیا جائے گا۔ اسی زمانے میں یہ بھی طے ہوا کہ مقدس سلطنت روما کے بادشاہ کا انتخاب یورپ کے رؤسا اور پوپ مل کر کیا کریں گے۔ یہ تعداد بعد میں محدود ہو کر سات تک رہ گئی۔ ان میں تین پاپائیت کے نمائندے ہوتے تھے اور چار رؤسا کے۔ ان رؤسا پر بھی پوپ کا اثر ورسوخ ہوتا۔ گویا بادشاہت کا پورا اختیار پوپ کے ہاتھوں میں تھا۔ تیرہویں اور چودھویں صدی میں پورے یورپ میں صرف پوپ ہی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یورپ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام چھوٹے بڑے فرمانروا اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھے۔ پوپ کا قانون ہی سب کچھ تھا۔

پوپ کا تاج اور رقبہ:

پوپ کے اثر واقتدار کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ پوپ صرف شہنشاہ ہی نہیں تھا بلکہ ظاہری شان وشوکت کے لحاظ سے بھی اس کا دربار بڑے بڑے حکمرانوں کے دربار کو شرماتا تھا۔ پوپ کا بھی باقاعدہ تاج ہوتا جس میں لاکھوں کے جواہرات ٹکے ہوتے اور جب بھی نیا پوپ مقرر ہوتا تو اسے وہ تاج انہیں مذہبی رسوم کے ساتھ پہنایا جاتا جو بادشاہوں کی تاجپوشی کے وقت ادا کی جاتی تھیں۔ پوپ کے "صرف خاص" کے لئے جو جاگیر تھی اس کا رقبہ تیرہویں صدی عیسوی میں سترہ ہزار مربع میل تھا۔

پوپ کا محل:

پاپائیت کا مرکز روم تھا۔ جہاں "وے ٹی کن" مقام پر پوپ کا محل ہے۔ اسے ۱۳۷۷ء میں پوپ گریگوری یازدہم نے اپنا مستقر بنایا تھا اور جو اس وقت سے آج تک پاپائیت کا مستقر ہے۔ یہ اپنی وسعت کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی عمارت ہے۔ یہ محل گیارہ سو اکیاون فٹ لمبا اور

سات سو چھہتر فٹ چوڑا ہے۔ اس کے کمروں کی تعداد چار ہزار کئی منزلیں ہیں۔ جن پر جانے کے لئے بے شمار زینے ہیں، بیسوں ایوان ہیں، متعدد پائے، متعدد باغ اور چند در چند بڑے ہال ہیں۔

جس طرح ہر بادشاہ اپنے پیش رو کے بنائے ہوئے محلات کو آراستہ و پیراستہ کرنے اور اس کی رونق و شان بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح ہر پوپ نے یکے بعد دیگرے اس محل کے حسن و آرائش اور عظمت و شان کو بڑھانے میں اپنے پیشرو سے سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے۔ اس کی چھتوں اور دیواروں کو سولھویں صدی عیسوی کے مشہور مصور و نقاش مائیکل اینجلو کے نقش و نگار سے آراستہ کرایا گیا تھا۔

کلیسا کے مظالم اور عدالت تفتیش:

پوپ کے ایک ہاتھ میں یورپ کے بادشاہوں کے تاج تھے تو دوسرے ہاتھ میں عوام کے دل ودماغ کی باگ دوڑ، سیاسی قوت اور مذہبی اثر۔ پھر دولت نے کلیسا کو وقت کا اہم ترین ادارہ بنا دیا تھا، لیکن کلیسا نے ان اختیارات کا صحیح استعمال نہ کیا۔ اگر بادشاہ کلیسا کے احکام سے سرتابی کی جرأت کرتے تو وہ تخت و تاج سے محروم کر دیئے جاتے اور عوام میں سے کسی کے سر میں سرکشی کا سودا سماتا تو اسے الحاد و بے دینی کی سزا دی جاتی تھی۔

جب اس قسم کے سرکش افراد کی تعداد کچھ بڑھنے لگی تو ۱۲۴۸ء میں پوپ انوسینٹ چہارم (Innocent IV) نے عدالت تفتیش (Ihquisi Tion) کے نام سے استیصال الحاد کے لئے ایک عدالت قائم کی، جس کی شاخیں پورے یورپ میں تھیں۔ پندرھویں صدی عیسوی میں یہ عدالت اپنے شباب پر تھی۔ ہر وہ شخص جس کے خلاف پوپ کی بے چون وچرا اطاعت سے سرتابی کرنے کا شبہ ہوتا اسے گرفتار کر کے اس عدالت کے ججوں کے سامنے لایا جاتا۔ مگر ملزم کو نہ تو الزام لگانے والوں کا پتہ ہوتا اور نہ ہی اسے صفائی کا موقع دیا جاتا۔ مقدمے کی کارروائی بند کمرے میں ہوتی اور دوٹوک فیصلہ ہوتا۔ ملزم اقرار کرے یا انکار دونوں صورتوں میں موت اس کی منتظر تھی۔ ملزم اگر اقرار جرم نہ کرتا تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ جھوٹ بول رہا ہے۔ سچ بلوانے کے لئے اس پر ہولناک سختیاں کی جاتیں۔ بالآخر وہ اقرار جرم کر لیتا۔ بجز اس کے کہ پادری ججوں کو اس پر رحم آجائے اور وہ اسے معاف کر دیں۔

ایک اندازے کے مطابق ۱۴۸۱ء سے ۱۸۰۸ء تک ان احتسابی عدالتوں نے تقریباً تین لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو مختلف سزائیں دیں۔ ان میں سے صرف ۳۲ ہزار وہ تھے جنہیں دہکتی آگ کی نظر کیا گیا۔ جن لوگوں کو سزائیں دی گئیں ان میں گلیلیو جیسے ماہرین سائنس شامل تھے۔ اٹلی کے مشہور سائنس دان برونو کو بھی اشاعت علم کے جرم میں آگ کی نذر کر دیا گیا۔

کلیسا کے ان ہی مظالم کی بناء پر بہت سے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مذہب اور سائنس ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور اسی پس منظر کی بناء پر آج بھی بعض لوگ مذہب اور سائنس کو متضاد تصور کرتے ہیں۔

تحریک اصلاح مذہب، مارٹن لوتھر اور اس کے جانشین

دو متصادم ادارے:

پاپائے اعظم کے تحت مقدس سلطنت روما کا قیام دراصل مذہب و سیاست کو یکجا کرنے کی کوشش تھی لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ پوپ نے جو اقتدار قائم کیا اس سے بادشاہت کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ بلکہ اس نے بادشاہت کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے کو ہی کافی سمجھا اور اس پر اپنا تسلط رکھنا ضروری خیال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طاقت کے لحاظ سے دو برابر سیاسی ادارے قائم ہو گئے جو حصول اقتدار کے لئے باہم متصادم رہنے لگے۔ جس کا پلہ بھاری ہو جاتا وہ دوسرے پر چھا جاتا۔

کلرجی یا برہمنیت:

آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر سولہویں سترہویں صدی عیسوی تک یورپ کی تاریخ پاپائیت و بادشاہت کے تصادم کی ایک مسلسل داستان ہے۔ اس تصادم میں پاپائیت نے اپنی طاقت کو مضبوط بنانے کے لئے ''برہمنیت'' کے تصور سے فائدہ اٹھایا۔ مذہبی تعلیم اور مقدس کتابوں کی تشریح کا حق عوام کی بجائے ایک مخصوص و محدود طبقے کے سپرد کر دیا گیا اور ''کلرجی'' یا پادری کے نام سے پاپائیت ایک نئے روپ میں جلوہ گر ہو گئی اور ہر وہ شخص ''کلرجی'' بن جانے کا حقدار گردانا گیا جو پوپ کی منظور شدہ مذہبی تعلیم کی تکمیل کرے۔ باقی لوگوں کو دینی معاملات میں دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہ تھا۔ پوپ نے عوام پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے ''کلرجی'' کے نام سے ایک مستقل فوج تیار کر لی اور عوام کو یہ سمجھایا گیا کہ خدا تک بندے کی رسائی صرف اسی

فوج سے ہو سکتی ہے۔

کلرجی کا عروج و عیش پسندی:

ابتدا میں ''کلرجی'' کا یہ طبقہ اپنی اہمیت کو قائم رکھنے کے لئے اپنے اعمال و کردار میں بہت محتاط تھا لیکن جب اس کی عظمت کا سکہ عوام کے دلوں پر بیٹھ گیا تو رفتہ رفتہ اس کا عیش پسندی کی طرف میلان بڑھنے لگا۔ آخر وہ وقت آیا کہ پوپ اور بادشاہ میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔

کلیسائی اقتدار کے خاتمہ کے خواہاں:

کلیسا کے بڑھتے ہوئے مظالم اور مذہبی طبقہ کی اس عیش پسندی نے عوام میں کچھ ایسے لوگ پیدا کر دیئے جو کلیسا کے اقتدار کو ختم کر دینے کے درپے تھے۔ اصلاح مذہب میں ان لوگوں کے ناموں میں سرفہرست مارٹن لوتھر ہے۔

مارٹن لوتھر کا مختصر تعارف:

مارٹن لوتھر جرمنی کے ایک گاؤں ''آئل بین'' میں ۱۴۸۲ء میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین نہایت غریب تھے۔ اس نے عسرت اور تنگدستی میں ایک معمولی سے جھونپڑے میں آنکھ کھولی۔ لیکن اس کے والدین نے اس کی تعلیم و تربیت کی طرف بڑی توجہ کی۔ چند سال میں لوتھر نے مذہبی تعلیم کو مکمل کر لیا۔ اسے بالآخر پادری بنا دیا گیا۔

علمی ذہانت اور پاپائیت کا خاتمہ:

مارٹن لوتھر کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ۲۵ سال کی عمر میں اسے وٹن برگ یونیورسٹی میں مذہبی معلم کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ اس نے اپنی علمیت، قابلیت اور خطابت سے لوگوں پر اپنی دھاک بٹھا دی۔ اسی زمانے میں لوتھر کے دماغ میں پاپائیت کے خلاف خیالات جنم لینے لگے اور بالآخر چند سال میں اس نے حالت اخروی کے ان اصولوں کے خلاف (جو پوپ نے رکھے تھے) احتجاج کیا۔

دستاویز مغفرت کو خلاف مذہب قرار دینا:

پوپ نے دستاویز مغفرت جاری کیں کہ کوئی آدمی پیسے دے اور اپنے گناہ بخشوا لے۔ اسی

طرح پیسے دے اور اپنے مردوں کو بخشوا لے۔ یہ دستاویز یورپ کے ہر شہر قصبے اور گاؤں میں پادریوں کے ذریعے فروخت کی جانے لگیں۔ مارٹن لوتھر جس شہر میں قیام رکھتا تھا وہاں پر بھی ایک پادری جان ٹیٹ زیل (Tet Zel) کے پاس ان دستاویزوں کی ایجنسی تھی۔ اس صورت حال سے لوتھر کا پیمانہ صبر چھلک پڑا اور اس نے پادری مذکور سے کہا:

''تمہارا یہ فعل عیسائیت کے خلاف ہے۔ میں تم سے اس بات پر مناظرہ کرنے کو تیار ہوں۔''

پاپائیت کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ اور اس کی حمایت:

اس دعوت مناظرہ کے بعد لوتھر نے ۹۵ نظریات تیار کیے اور انہیں خوش خط لکھوا کر ۳۱ اکتوبر ۱۵۱۷ء کو مقامی گرجا گھر کے صدر دروازے پر لٹکا دیا۔ یہ گویا پاپائیت کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ تھا۔ جب جرمنی کے عوام کو اس بات کا علم ہوا تو ہر شخص دستاویز مغفرت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ لوتھر نے ان میں جرأت اظہار پیدا کی اور اب جگہ جگہ سے لوتھر کی حمایت میں آوازیں بلند ہونے لگیں۔

پوپ کا مخالفت کرنا:

پوپ نے مارٹن لوتھر کے اعلان کے تین سال بعد ۱۵۲۰ء میں ایک فرمان جاری کیا جس میں مارٹن لوتھر کے نظریے پر لعنت و نفرین کی گئی تھی اور اس کے ماننے والوں کو مردود قرار دیا گیا۔

پوپ کا فرمان نذر آتش اور علی الاعلان نظریے کی اشاعت:

جب یہ فرمان لوتھر کی قیام گاہ وٹن برگ میں پہنچا تو اس نے سب کے سامنے اعلانیہ طور پر اسے نذر آتش کر دیا۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد پوپ نے پادریوں کا ایک جلسہ طلب کیا اور اس میں لوتھر کو بھی بلایا۔ لوتھر اپنی جان کے خطرے کے باوجود وہاں پہنچا اور سب کے سامنے علی الاعلان اپنے نظریوں کے صحیح ہونے کا اعلان کیا۔

لوتھر کی جان کا خطرہ اور تحریک اپنے عروج پر:

اس قسم کے کفر الحاد کے لئے پاپائیت نے ''عدالت تفتیش'' قائم کر رکھی تھی۔ اس لئے بظاہر سب کو یقین تھا کہ لوتھر کی قسمت میں آگ کے شعلوں کی موت لکھی ہے لیکن اب حالات مختلف

تھے۔ عوام کی ایک بڑی تعداد لوتھر کے ساتھ تھی۔ چنانچہ لوتھر کو پاپائیت کے جوش انتقام سے بچانے کے لئے ایک نہایت مستحکم قلعے میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں وہ ایک سال کے قریب پناہ گزین رہا۔

پروٹسٹنٹ کا آغاز:

اب عوام میں ایک لوتھر ہی نہیں سینکڑوں اور ہزاروں لوتھر تھے۔ لوتھر کی تعلیمات کا ایک ایک لفظ عوام کے دل کا ترجمان تھا۔ پاپائیت کا زوال اب مقدر ہو چکا تھا۔ لوتھر کی اصلاح مذہب کی تحریک روز بروز طاقت ور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اس وقت یہ تحریک پاپائیت کے خلاف ایک احتجاج تھا جسے انگریزی میں پروٹسٹ (Protest) کہتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ اس تحریک کے حامی تھے انہیں پروٹسٹنٹ (Protestant) یعنی احتجاجی کہا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ وہ تمام عیسائی فرقے جو پاپائے روما یعنی رومن کیتھولک گرجے سے الگ ہو گئے پروٹسٹنٹ کہلانے لگے۔

مارٹن لوتھر کے جانشین:

مارٹن لوتھر نے جس کام کا آغاز کیا تھا وہ اس کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد اس تحریک کو چند ایسے سرگرم راہنما مل گئے جنہوں نے لوتھر کے کام کو تکمیل تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

جان کیلون اور تحریک اصلاح مذہب:

۱۵۳۶ء میں جان کیلون (Calvin) نے اپنی کتاب "عیسائی مذہب کے ادارے" میں لوتھر کے عقائد کی حمایت کی اور اپنے پیروؤں کا الگ فرقہ قائم کیا جو "کیلونی فرقہ" کہلایا۔ اس فرقے کے عقائد کا مرکزی نظریہ یہ تھا کہ خدا ایک مشیت مطلقہ ہے اور انسان مجبور محض جو اس کی مشیت کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

زونگل اور تحریک اصلاح مذہب:

کیلون کے ہم عصر زونگل نے بھی اصلاح مذہب پر اپنی پوری توجہ صرف کر دی۔ وہ اصلاح کے معاملے میں لوتھر سے کہیں زیادہ متشدد تھا۔ عشائے ربانی کے بارے میں اس کا عقیدہ تھا کہ اس کے ذریعے اس قربانی کا اعادہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ اس نے بائبل پر

عمل کرنے اور اسے اپنا مذہبی راہنما قرار دینے پر بہت زور دیا۔ اس نے کلیسا کے نظام کو جمہوری بنیادوں پر قائم کیا۔ زونگلی اور کیلون کے پیروؤں کے اتحاد سے ''اصلاح یافتہ کلیسا'' وجود میں آیا۔ راسخ العقیدہ پروٹسٹنٹ اس معاملے میں کیلون کی پیروی کرتے ہیں۔

جان ناکس اور تحریک اصلاح مذہب:

لوتھر، کیلون اور زونگلی کے بعد ایک اور مصلح جان ناکس کی خدمات بھی فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ یہ سکاٹ لینڈ کا رہنے والا اور رومن کیتھولک مذہب کا پادری تھا۔ رومن کلیسا کی بے راہ روی نے اسے بھی اصلاح مذہب پر ابھارا۔ اس کی خاطر اسے کئی بار قید و بند کی صعوبتوں میں سے گزرنا پڑا۔ اپنی جان بچانے کے لئے وہ انگلینڈ سے بھاگ کھڑا ہوا اور جنیوا میں پناہ لی۔ جہاں اسے کیلون کی تعلیمات کے مطالعہ کا موقع ملا۔ وطن واپس آکر اس نے کیلون کی طرز پر ہی معمولی سے ردوبدل کے ساتھ ایک نئے کلیسا کی بنیاد رکھی۔ یہ کلیسا ''پریسبی ٹیرین'' کہلایا جس کا انتظام و انصرام بڑے بوڑھوں کے ہاتھوں میں ہے اور جن میں پادری اور عوام مساوی حیثیت سے شامل ہوتے ہیں۔

یہ جان ناکس ہی تھا جس نے سکاٹ لینڈ سے رومن کیتھولک کلیسا کو ختم کر کے حکومت اور کلیسا کو متحد کر دیا۔

کلیسائے انگلستان

(Church of England)

رومن کیتھولک اور انگریزی کلیسا:

چھٹی صدی عیسوی میں عیسائیت انگلستان پہنچی، جو ظاہر ہے رومن کیتھولک کلیسا کی کوششوں کی مرہون منت تھا۔ سولہویں صدی عیسوی تک انگلستان کا کلیسا رومی کلیسا کی کوششوں کی مرہون منت رہا۔

پوپ اور بادشاہ کے درمیان اقتدار کی کشمکش:

سولہویں صدی عیسوی تک انگلستان کا کلیسا رومی کلیسا کے زیر اثر ہی تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب پوپ اور شاہ انگلستان کے درمیان اقتدار کی کشمکش کا آغاز ہوا۔ اس وقت ہنری ہشتم انگلستان

کا بادشاہ تھا۔ ہنری یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کیتھرائن کو طلاق دے دے لیکن پوپ کی اجازت کے بغیر یہ ممکن نہ تھا۔ پوپ اس کے لئے رضامند نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہنری نے انگریزی کلیسا کو رومی سے الگ کر لیا اور کلیسائے انگلستان کے نام سے ایک آزاد کلیسا کی بنیاد رکھی۔ اس کلیسا کا سربراہ خود شاہ انگلستان تھا۔ انگریزی کلیسا اور رومی کلیسا میں سوائے اس کے اور کوئی فرق نہ تھا کہ یہاں دعائیں لاطینی کی بجائے انگریزی زبان میں پڑھی جاتی تھیں۔ باقی مذہبی رسومات وہی تھیں جنہیں پاپائے روم کی سند حاصل تھی۔

الزبتھ اول کا عہد اور انگریزی کلیسا:

الزبتھ اول کے عہد میں کلیسائے انگلستان نے معتدل رویہ اختیار کر لیا اور رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عقائد و رسوم کے لحاظ سے اس نے درمیانی راہ اختیار کئے رکھی، لیکن یہ رواداری عارضی تھی۔ اصل صورت یہ تھی کہ جب بھی کوئی رومن کیتھولک حکمران برسر اقتدار آ جاتا تو وہ پروٹسٹنٹوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیتا اور انہیں مختلف قسم کی بدنی سزاؤں کا تختہ مشق بننا پڑتا اور جب کوئی پروٹسٹنٹ حکومت و کلیسا کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتا تو رومن کیتھولک اس کے جذبۂ انتقام سے نہ بچ سکتے۔ تعذیب کا یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا۔

پیوریٹین تحریک:

سترہویں صدی عیسوی میں پیوریٹین تحریک وجود میں آئی۔ جس کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ انگلستانی کلیسا رومن کیتھولک عقائد کو ترک کر دے۔ پھر "Anabatists" وجود میں آئے جو دوبارہ بپتسمہ لینے پر یقین رکھتے تھے۔

بپٹسٹ کلیسا:

پیدائش کے بعد اور بلوغت کے وقت ۱۶۱۱ء میں تھامس ہلویس نے بپٹسٹ (Baptist) کلیسا کی بنیاد ڈالی جس کی پاداش میں اسے مختلف صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔

سترہویں صدی عیسوی کا کچھ حصہ اس عقیدہ کے لوگوں پر بڑا بھاری گزرا۔ بعد میں یہ فرقہ بھی چند ذیلی فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔

کویکر نامی فرقہ:

ایک اور فرقہ جس نے انگریزی کلیسا کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کویکر (Quacker) کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا بانی فاکس نامی ایک شخص تھا۔ کویکر کے معنی ڈرنے والے کے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ فاکس جب عدالت میں پیش ہوا تو اس نے جج سے کہا:

"خدا سے ڈرو!"

اس وقت سے اس کے ہموا "ڈرنے والے" کے نام سے موسوم ہو گئے۔ اس فرقے کے لوگ اپنے آپ کو "احباب صداقت" کہا کرتے تھے۔ ان کے ہاں نہ تو کسی پادری کی گنجائش تھی اور نہ کسی کلیسا کی۔ ہر وہ شخص جسے وعظ و نصیحت کا ملکہ ہو وعظ کہہ سکتا تھا۔ اس فرقے کے نزدیک مذہبی رسوم کی کوئی حقیقت نہ تھی اور مرد و عورت کو مساویانہ حقوق حاصل تھے۔ اپنے ان عقائد کے باعث یہ فرقہ بھی مخالفین کے غیظ و غضب سے نہ بچ سکا۔

دستاویز مغفرت

پوپ کا فیصلہ غلطی سے مبرا:

عیسائیت میں کفارے کے عقیدہ کا بانی پولوس (سینٹ پال) قرار دیا جاتا ہے۔ عہد نامہ جدید میں پولوس کے خطوط میں یہ عبارت نہایت واضح ہے:

"تمہیں ایمان کے وسیلہ سے ہی نجات ملی ہے اور یہ تمہاری طرف سے نہیں، خدا کی بخشش ہے اور نہ اعمال کے سبب سے ہے۔"

(افسیوں ۲:۹۔۸)

رومیوں کے نام خط میں ہے:

"چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہرتا ہے۔"

(رومیوں کے نام: ۲۸۔۳)

پھر پوپ کے متعلق بھی یہ طے ہوا تھا کہ اس کا فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کے کسی حکم پر بحث و تمحیص کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ خدا کا نائب تھا اور عیسیٰ مسیح کا قائم مقام۔ وہ گناہگاروں

کے گناہ معاف کر سکتا تھا اور خدا کی رحمت و بخشش کے دروازے لوگوں پر کھول سکتا تھا۔ اسی عقیدے نے رفتہ رفتہ معافی ناموں (Indul Gences) کی صورت اختیار کر لی۔

معافی ناموں کی ابتداء:

معافی ناموں کی ابتدا یوں ہوئی کہ صلیبی جنگوں کے دوران میں پوپ اربن دوم نے حکم جاری کیا کہ جو لوگ بذات خود جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے وہ اپنی طرف سے کسی اور کو بھیج دیں اور اس کے بدلے انہیں معافی نامہ دے دیا جائے گا جو ان کی نجات کا کفیل ہو گا۔

معافی ناموں کی فروخت:

پھر سولہویں صدی عیسوی میں جب پوپ کو سینٹ پیٹر کے نام کا گرجا بنوانے اور اپنے محل کی رونق بڑھانے کے لئے روپے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے دستاویز مغفرت (معافی نامے) فروخت کرنا شروع کر دیئے۔

گناہوں کی قیمت:

یہ صدائے عام تھی ان گنہگاروں کے لئے جو اپنے گناہ معاف کرانا چاہیں۔ اپنے گناہوں کی مقدار کے مطابق ان دستاویزوں میں سے ایک دستاویز خرید لے۔ ہر گناہ کی بخشش کی قیمت مقرر تھی اور ہر قیمت کی دستاویز تیار۔ کہا جاتا ہے کہ خدا کی رحمت کا خزانہ کبھی خالی نہیں ہو سکتا اور پوپ کے ہاتھ میں اس خزانے کی کنجی ہے۔ اس لئے وہ جسے چاہے رحمت و بخشش سے مالا مال کر سکتا ہے۔

معافی نامے کی عبارت:

معافی نامے یا دستاویز مغفرت کی عبارت یہ تھی:

"تم پر خدا یسوع مسیح کی رحمت ہو اور وہ تمہیں اپنے مقدس ترحم سے (گناہوں کی سزا سے) آزاد کرے۔ میں اس کی اور اس کے بابرکت شاگرد پولوس اور مقدس پوپ کی اس سند کی رو سے جو مجھے انہوں نے عطا فرمائی ہے، تمہیں آزاد کرتا ہوں سب سے پہلے کلیسا کی تمام علامتوں سے خواہ وہ کسی شکل میں ہوں۔ پھر تمہارے ہر ایک گناہ، حدود شکنی اور زیادتی سے، خواہ وہ کیسے ہی مہیب اور شدید کیوں نہ ہو اور میں وہ سزا تم

سے اٹھالیتا ہوں جو تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں ملنے والی تھی۔
تاکہ تم جب مرو تو جہنم کے دروازے تم پر بند ہوں اور جنت کی راہیں کشادہ۔ باپ، بیٹے اور روح القدس کے نام پر۔"

قیمتوں کی اصل کتاب:

اس معافی نامے میں مختلف گناہوں کی قیمتیں مختلف تھیں۔ معافی نامے کے ہر ایجنٹ کے پاس ان کی فہرست موجود تھی جس کی اصل Tax of the Sacred Roman Chanery کی کتاب میں محفوظ رکھی جاتی تھی۔

چند ایک گناہوں کی معافی کی قیمتیں:

چند ایک گناہوں کی معافی کی قیمتیں ملاحظہ فرمائیے:

1: اسقاط حمل — 3 شلنگ 6 پنس
2: چوری — 9 شلنگ
3: عفیفہ کی عصمت دری — 9 شلنگ
4: زنا کی بھیانک صورتوں میں — 7 شلنگ 6 پنس
5: قتل — 7 شلنگ 6 پنس

فوت شدگان کے لیے معافی نامے:

یہ معافی نامے صرف اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے ہی نہ تھے بلکہ مردوں کے گناہوں کے لئے بطور کفارہ بھی خریدے جاسکتے تھے۔

معافی ناموں کے ایجنٹوں کی صدائیں:

چنانچہ ان معافی ناموں کے ایجنٹ کچھ اس قسم کی آوازیں لگایا کرتے تھے:

"آؤ بڑھو! جنت کے دروازے کھل رہے ہیں۔ اگر تم اب داخل نہ ہو گے تو کب داخل ہو گے۔ تم بارہ پنس کے عوض اپنے باپ کی روح کو جہنم سے نکلوا سکتے ہو۔ کیا تم ایسے ناخلف ہو کہ اپنے باپ کے لئے اس قدر سستی نجات بھی نہیں خرید سکتے۔؟ اگر تمہارے پاس اور کچھ نہیں ایک کوٹ ہے تو وہی اتار دو تا کہ اس متاع گراں بہا کو

خرید سکو۔“

(See Buck,s Theologkal Dictionary Ndulgeces)

دین مسیح کا مقدس دینی ادب

حیات مسیح اور اناجیل

Joseph Gayer اپنی کتاب ” Wisdoms of Living Religion “میں لکھتے ہیں:

”مسیحیت کی ابتدائی دو صدیوں میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں، جن میں چرچ کے اختلافات کے باوجود حیات مسیح کو محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی۔ حیات مسیح کے بارے میں لکھی گئی ان کتابوں کو گوسپلز (Gospels) کہتے ہیں۔ ایسے شواہد موجود ہیں جن سے بلاواسطہ یہ پتہ چلتا ہے کہ بالکل ابتدائی دور مسیحیت میں اناجیل کی کافی تعداد موجود تھی جن کے اب صرف اجزاء باقی رہ گئے ہیں۔“

عہد نامہ جدید کی عظمت

بائبل یا کتاب مقدس کے دونوں حصوں کو مسیحی پیروکار اگرچہ تسلیم کرتے ہیں لیکن عہد نامہ جدید (New Testament) ان کے نزدیک زیادہ قابل احترام ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور طریق استدلال میں اختلاف کی وجہ سے مسیحیوں میں کئی فرقہ ورانہ اختلافات پیدا ہوئے اور آج بھی تقریباً ۲۵۰ فرقے موجود ہے جن کے عقائد یا تو بالکل جدا ہیں یا اس کی توجیہات مختلف انداز میں کرتے ہیں، لیکن ایک بات مشترک کی حیثیت رکھتی ہے کہ عہد نامہ جدید کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔

عہد نامہ جدید کا مختصر تعارف

مسیحیت کی عقل و دانش کا جوہر اور تعلیمات پہلی تین اناجیل کی تمثیلات میں بڑی کثرت سے موجود ہیں۔ فراسٹ (Frost) نے اپنی کتاب مقدس کتب ” Sacred Books of the Religion “میں لکھا ہے:

"اگرچہ عہد نامہ جدید کو ایک کتاب کہا جاتا ہے تاہم اس میں ۲۷ تحریریں موجود ہیں۔ یہ ستائیس اصفاران بے شمار مسودات میں سے منتخب کیے گئے جو ابتدائی دور کے مسیحی چرچ میں موجود تھے۔ سب سے پہلے ان کا یونانی زبان سے ترجمہ کیا گیا۔ انگریزی زبان میں جو شکل مستور ہے وہ سترہویں صدی عیسوی کے شاہ جیمز کے حکم سے ترجمہ شدہ ہے۔ اس کو King G. Janels Bible بھی کہتے ہیں

عہد نامہ جدید کے حصے

عہد نامہ جدید کے تین حصے ہیں:

1: تاریخی کتابیں (Historical Books)
2: تعلیمی کتابیں (Didactic Books)
3: کتاب کشف یا مکاشفہ (Revelation Books)

تاریخی کتابیں
(Historical Books)

تاریخی کتب کے پانچ حصے:

ان تاریخی کتب کے پانچ حصے ہیں:

1: انجیل متی۔
2: انجیل مرقس۔
3: انجیل لوقا۔
4: انجیل یوحنا۔
5: رسالہ اعمال الرسل (Apostles)

تاریخی قرار دینے کی وجہ:

ان اسفار خمسہ کو تاریخی قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں تفصیلات اور معجزات وغیرہ کا بیان ہے جبکہ اعمال الرسل میں مسیحیت کی دعوت دینے والوں خصوصاً سینٹ پال کے واقعات

مذکور ہیں۔

اناجیلِ اربعہ:

پہلی تینوں اناجیل بیانیہ انداز کی حامل ہیں اور تفصیلات پر مشتمل ہیں۔ جبکہ انجیل یوحنا میں عقیدۂ الوہیتِ مسیحی اور کفارۂ انسانیت جو بعد میں منظر عام پر آئے ان کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

انجیل متی:

انجیل متی عہد نامہ جدید کی پہلی کتاب ہے جو ۶۰ء سے ۷۰ء کے درمیان لکھی گئی تھی۔ اس کا مولف لیوی (Levi) تھا جس کو میتھیو (Methew) بھی کہتے تھے۔ یہ دراصل ان Leviry مسیحیوں کے لئے لکھی گئی تھی جو مسیح کی زندگی کے حالات تفصیل سے جاننا چاہتے تھے۔ متی میں ترتیب زمانہ کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ واقعات کو ان کی یکساں نوعیت کی وجہ سے اکٹھے بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس انجیل میں ۲۸ باب اور ۱۰۶۸ آیات ہیں۔ مولف متی کی حالات زندگی پر گہرا پردہ پڑا ہوا ہے۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق یہ قدیم ترین انجیل ہے۔

انجیل مرقس:

عہد نامہ جدید کی دوسری کتاب مرقس ہے جس کو سینٹ مارک (Sent Mark) نے ۶۷ء اور ۷۰ء عیسوی کے درمیان تالیف کیا۔ یہ سینٹ پیٹر (Sent Peter) کا قریبی دوست تھا۔ یہ پطرس کا ترجمان کہلاتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اس کتاب کا زیادہ تر مواد اپنے دوست سے اخذ کیا ہے۔ یہ بھی روایت موجود ہے کہ سینٹ پیٹر کی وجہ سے مرقس دائرہ مسیحیت میں داخل ہوا تھا اور وہ اس کے اس قدر قریب تھا کہ وہ اس کو اپنا بیٹا کہا کرتا تھا۔ اگرچہ یہ کتاب کافی پہلے لکھی گئی مگر روم میں پیٹر کی وفات کے بعد منظر عام پر آئی اور یہ باور کیا جاتا ہے کہ یہ انجیل روم میں لکھی گئی اور اس کا مقصد خاص طور پر غیر یہودیوں کو مسیح کے حالات سے روشناس کراتا تھا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ اس انجیل میں مرقس نے مسیح کے تمام اقوال و افعال قلمبند کر لئے۔ یہ انجیل 16 ابواب پر مشتمل ہے۔

انجیل لوقا:

عہد نامہ جدید کی تیسری کتاب انجیل لوقا ہے۔ مولف کا پورا نام لوقینس (Lucaniss) ہے لیکن تخفیف کے ساتھ یہ لوقا (Luke) استعمال ہوا ہے۔ وہ ایک غیر یہودی ماہر طبیب تھا اور پال کی رومی قید کے دوران ان کے بہت قریب رہا۔ اس بات پر بھی اتفاق کیا جاتا ہے کہ ان کی کتاب کا زمانہ تحریر ۶۰ء اور ۷۰ء کے درمیان ہے۔ یہ انجیل یہودی اور غیر یہودی سب کے لئے لکھی گئی اور ساری کتاب کے دوران یہ کوشش کی گئی ہے کہ مسیح کی زندگی کو انسانیت کے لئے نجات دہندہ اور رومی سلطنت کی تاریخ کے ایک حصہ کے طور پر بیان کیا جائے۔ یہ انجیل دوسری کتابوں کی نسبت زیادہ مکمل اور ضخیم ہے۔ اس کے 24 ابواب ہیں۔

انجیل یوحنا:

عہد نامہ جدید کی چوتھی کتاب انجیل یوحنا ہے اور یہ تمام لٹریچر میں سے موثر ترین ہے۔ مفکرین کا اس بات پر چوتھی صدی تک اتفاق تھا کہ یہ کتاب مسیح کے حواری یوحنا (Saint Johan) کی تالیف ہے، لیکن جدید تحقیق کے مطابق اس کتاب کا مؤلف یوحنا ایک اور شخص ہے جو ایشیائے کوچک کا باشندہ تھا۔ یہ پہلی صدی کے اواخر میں گزرا ہے اور زمانہ تالیف کے بارے میں ۸۰ء سے ۹۵ء کا درمیانی عرصہ قرار دیا جاتا ہے۔

یوحنا اس امر میں دلچسپی لیتا تھا کہ وہ ایسی تحریریں لکھے جن سے مسیح کے خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ راسخ ہو جائے اور اس مقصد کے لئے یونانی فلسفے کی توجیہات کے حوالہ سے بات کرنے والوں کا وہ اولین پیشرو تھا۔ اس نے دوسری اناجیل کی کئی عبارتوں کو حذف کر کے اس کی جگہ مسیح کے فلسفیانہ نکات پر مباحث بیان کئے۔

پہلی تینوں اناجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات مختصر اور جامع جملوں میں ناصحانہ انداز میں ہیں جبکہ یوحنا کی انجیل میں نہایت مدلل اور طولانی تقاریر ہیں۔

اس انجیل کے مطابق مسیح ایک انتہائی پر اسرار شخصیت تھے جن کو گہری روحانی استعداد حاصل تھی۔ اس انجیل میں یوحنا نے چیزوں کو بیان کیا جن کو وہ جانتے تھے اور جن کا علم رکھتے تھے۔ ایسے واقعات کا اضافہ بھی کیا جن سے دوسرے مولفین واقف نہیں تھے۔

اس انجیل میں فلسفہ یونانی کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں جس کی مثال اس کا یہ پہلا

فقرہ ہے:

''ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔''

اعمال الرسل:

عہد نامہ جدید کی پانچویں کتاب کا نام ''اعمال الرسل'' ہے اور تاریخ مسیحیت کے ابتدائی ۷۰ برس کی کوششوں کو اس میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا زمانہ تالیف ۶۲ء سے ۷۰ء کا درمیانی عرصہ قرار دیا جاتا ہے۔

اعمال الرسل کے پہلے حصہ کا مواد اس تحقیق پر مبنی ہے جو لوقا نے لوگوں کے ساتھ گفتگو کے دوران کی اور کتاب کے بقایا حصہ کا مواد اُن تجربات سے ماخوذ ہے جب وہ یسوع کے پیرو کے قریبی دوست بن چکے تھے کیونکہ لوقا اس کتاب کو اپنی انجیل کا جاری حصہ سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اسے کوئی نام نہ دیا۔ اعمال الرسل کا جو نام اسے دیا جاتا ہے وہ بہت بعد کا ہے اور اس نام کی توجیہ یہ ہے کہ اس میں مسیح کے حواریوں کی سرگرمیوں کا تذکرہ ہے۔

تعلیمی کتابیں

(Didactic Books)

مسیحی مبلغین کے خطوط:

عہد نامہ جدید کا دوسرا حصہ ان خطوط پر مشتمل ہے جو مسیحی مبلغین نے مختلف علاقوں کے سرکردہ لوگوں یا عمومی طور پر اس علاقہ کے رہنے والوں کے نام لکھے۔

الرسل نام:

ان خطوط کو ''Piostles'' یا الرسل بھی کہا جاتا ہے۔

خطوط کی تعداد:

ان خطوط کی تعداد 21 ہے۔

خطوط کے متعلق معلومات:

چودہ خطوط سینٹ پال (Saint Paul) سے تعلق رکھتے ہیں۔ تین خطوط سینٹ

یوحنا (Johan) سے متعلق ہیں۔ دو خطوط پیٹر (Saint Peter)، ایک خط یعقوب (Jacob) اور ایک خط یہوداہ (Saint Jude) سے منسوب ہے۔ اکثر خطوط رومیوں، فلپیوں، تھماؤس اور طِطس کے نام ہیں۔

کتاب مکاشفہ
(Revelation Books)

مؤلف کتاب:

اس کتاب کا مؤلف وہی ہے جس کی طرف انجیل یوحنا منسوب ہے۔ اردو میں اس کو مکاشفۂ یوحنا بھی کہا جاتا ہے۔

کتاب کا عنوان:

اس کتاب میں صوفیانہ انداز میں مسیحیت کے آنے والے غلبہ کی پیش گوئی موجود ہے اور ان تمام عقائد کی تلقین ہے جس کو رومن کیتھولک چرچ نے اپنایا۔

زمانہ تالیف اور پراسرار کتاب:

اس کا زمانہ تالیف ۶۸ء یا ۹۵ء بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا انداز بیان ایسا ہے جس کی بہت سی تاویلات کی جاسکتی ہیں۔

عہد نامہ جدید کی کل ستائیس کتب:

عہد نامہ جدید کی یہ کل 27 کتابیں ہیں جن کو ۳۲۵ء میں نیقیہ کی کونسل میں مستند قرار دیا گیا۔ جن کتابوں کو مسترد کر دیا گیا وہ بھی بے شمار تھیں اور ان میں انجیل عیسیٰ، انجیل سبعین، انجیل تذکرہ اور انجیل برناباس بہت مشہور ہیں۔ تقریباً چالیس یا پچاس اناجیل کو مستند قرار دیا گیا اور اکیس خطوط کا انتخاب تو سینکڑوں کی تعداد میں سے کیا گیا ہے۔

حواری اور ان کی کتب

حواری کے معنی:

حواری کا لفظ حوار سے بنا ہے جس کے معنی سفیدی کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اولین پیروکاروں کو حواری اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کپڑوں کو صاف اور سفید کرتے تھے۔ نیز حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کے بعد یہ لوگوں کو (کفر سے) پاک صاف کرتے تھے۔ حواری کے معنی مددگار کے بھی ہیں چونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دعوت دینے میں مددگار تھے اس لئے حواری کہلائے۔

نامکمل شریعت اور عدم تنظیم:

عیسائیوں کے بزعم جب حضرت عیسیٰ کا انتقال ہوا (حالانکہ آپ کا انتقال نہیں ہوا بلکہ قرآن مجید کے مطابق آپ کو آسمانوں کی جانب اُٹھالیا گیا) تو اس وقت ان کی شریعت صحیح معنوں میں نہیں آئی تھی اور نہ ہی عیسائیوں میں کسی قسم کی تنظیم ہی موجود تھی۔ حتیٰ کہ یہودیوں سے ممتاز کرنے کے لئے ان کا کوئی جداگانہ نام بھی نہ تھا۔ ان تمام کاموں کی انجام دہی کا باران لوگوں کے کندھوں پر پڑا جنہوں نے حضرت عیسیٰ کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا اور براہ راست ان سے تعلیم حاصل کی تھی۔

تحریکی جذبہ:

عیسائی روایات کے مطابق ابتدا میں یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو دشمن کے حوالے کر کے بھاگ نکلے تھے لیکن بعد میں اپنے کئے پر نادم ہوئے اور اس کی تلافی کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ انہوں نے شریعت عیسوی کی تنظیم اور اشاعت کی طرف توجہ دینی شروع کر دی۔ ان کی اس تبدیلی کی وجہ بتائی جاتی ہے کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو بچشم خود زندہ ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور ان لوگوں کو ان کی جسمانی موجودگی اور ان کی اعانت کا شدید احساس ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے غیر معمولی ہمت اور جرات سے کام لیا اور نہایت ہی ناسازگار حالات میں عیسوی کی تعلیمات کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور تھوڑے ہی عرصے میں شدید مخالفت اور قتل و ایذا کے باوجود ہزاروں معتقدان کے گرد جمع ہو گئے۔

تعداد اور نام:

اناجیل کی رو سے ان حواریوں کی تعداد بارہ تھی۔ یہ لوگ "رسول" کہلاتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

1: پطرس یا پیٹر۔ 2: پولوس۔
3: یوحنا۔ 4: یہوداا سکر یوتی
5: فلپس۔ 6: متی۔
7: شمعون۔ 8: برتلمائی۔
9: توما۔ 10 پطرس کا بھائی اندریاس۔
11: برناباس۔ 12: حلفی کا بیٹا یعقوب۔

پیٹر کے حالات زندگی اور تعلیمات

پیٹر کو مختصر تعارف:

حضرت عیسیٰ کے شاگردوں میں سینٹ پیٹر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ وہ ایک فلسطینی یہودی تھا۔ پیشہ کے لحاظ سے وہ ایک مچھیرا تھا۔

اصلی اور عطائی نام:

اس کا اصلی نام سیمن (Simon) تھا لیکن حضرت عیسیٰ نے اس کا نام سیپاس (Cepas) رکھا۔ اس کے معنی چٹان کے ہیں۔ پیٹر یونانی زبان میں سیپاس ہی کا ترجمہ ہے۔

وجہ تسمیہ:

پیٹر کا سیپاس نام رکھنے کی وجہ تسمیہ حضرت عیسیٰ کے وہ مشہور الفاظ ہیں جنھیں متی (میتھو Maithew) نے نقل کیا ہے:

"تو پطرس ہے اور اس چٹان پر میں اپنی شریعت کی تعمیر کروں گا۔ آسمانی بادشاہت کی چابیاں تیرے حوالے کروں گا اور جس کو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بھی بندھ جائے گا۔"

حضرت عیسیٰ کا یہ جملہ رومن کیتھولک فرقے کے لوگوں کی قوت کا منبع ہے۔

خصوصی ظہور:

تصلیب کے بعد حضرت عیسیٰ نے پطرس پر خصوصی ظہور فرمایا اور بنی اسرائیل کی بھیڑ بکریوں (عوام) کو اس کی نگرانی میں دے دیا۔

تین مرتبہ تکذیب:

صلیب کے بعد پطرس نے تین مرتبہ حضرت عیسیٰ کی تکذیب کی۔ چنانچہ انجیل متّیٰ میں ہے:

''اور پطرس باہر صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک لونڈی اس کے پاس آ کر بولی تو بھی یسوع گلیلی کے ساتھ تھا؟ تو اس نے سب کے سامنے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے اور جب ڈیوڑھی میں چلا گیا تو دوسروں نے اسے دیکھا جو وہاں موجود تھے۔ ان سے کہا: یہ بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا۔ اس نے قسم کھا کر انکار کیا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو وہاں کھڑے تھے انہوں نے پطرس کے پاس آ کر کہا: بے شک تو بھی ان میں سے ہے کیونکہ تیری بولی سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔''
(انجیل متی ۲۶:۶۹تا۷۴)

سرگرمیاں، خارق عادت اور عیسائیت کی اشاعت:

کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی احیاء ثانیہ کے بعد پطرس کی سرگرمی کا آغاز ہوتا ہے۔ رسولوں کے اعمال میں پطرس کے متعدد معجزات مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک معجزہ یہ بتایا گیا ہے کہ لدہ کے مقام پر انیاس نامی مفلوج شخص کو جو آٹھ سال سے چارپائی پر پڑا تھا اٹھا کر کھڑا کر دیا اور یافا میں تبیتا نامی ایک سرشت عورت تھی، وہ مر گئی تو پطرس نے اسے دوبارہ زندہ کر دیا۔ پطرس کے ان ہی معجزات کی وجہ سے بے شمار لوگ عیسائی بن گئے۔

مکتوبات کا مصنف اور پاپائیت کا آغاز:

پیٹر (پطرس) رومی چرچ کا پادری تھا اور پاپائیت کا آغاز اسی کی ذات سے ہوتا ہے۔ وہ مکتوبات کا مصنف ہے جو عہد نامہ جدید (New Testament) میں شامل ہیں۔

پولوس کے مختصر حالات زندگی اور تعلیمات

اہمیت، نام اور مختصر تعارف:

پال یا شاؤل نامی آدمی عیسائیت کی تاریخ میں پیٹر (پطرس) سے بھی زیادہ اہم شخصیت کا مالک ہے۔ وہ ایشیاء کوچک کے مقام طرطوس کا ایک یہودی تھا۔ اس کا اصلی نام سال (Saul) ہے۔ اس نے توریت اور دیگر مذاہب کی کتابوں کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔

اجنبیت اور تعذیب:

پولوس نے حضرت عیسیٰ سے کبھی ملاقات نہیں کی۔ اگرچہ تصلیب کے وقت وہ یروشلم ہی میں مقیم تھا۔ پولوس نے حضرت عیسیٰ کے پیروؤں اور معتقدوں کی تعذیب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔
حضرت عیسیٰ کے بعد پہلا شخص جو قتل ہوا وہ سینٹ اسٹیفن تھا اس کے قتل میں پولوس (Saul) کا ہاتھ تھا۔

عیسائیت کا معتقد بننے کی وجہ:

پولوس نے عیسائیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے دمشق کا سفر کیا لیکن راستے میں حضرت عیسیٰ نے اس پر ظہور فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کا یہ قاتل ان کا معتقد بن گیا۔
رسولوں کے اعمال میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہے:

"جب وہ سفر کرتے کرتے دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ یکا یک آسمان ایک نور اس کے گرد آ چمکا اور وہ زمین پر گر پڑا اور یہ آواز سنی: "اے شاول! تو مجھے کیوں ستاتا ہے۔؟" اس نے پوچھا: "اے خداوند! تو کون ہے۔؟" اس نے کہا: "میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے۔ مگر اٹھ شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہیے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔" شاول زمین پر سے اٹھا لیکن جب آنکھیں کھولیں تو اس کو کچھ نہ دکھائی دیا اور لوگ اس ہاتھ پکڑ کر دمشق میں لے گئے۔ وہ تین دن تک نہ دیکھ سکا۔ نہ کھایا اور نہ پیا۔

(رسولوں کے اعمال، باب نمبر ۹، آیت نمبر ۳ تا ۹)

پھر حنیاہ شاگرد کے ذریعہ خداوند نے اسے بینائی عطا کی۔ یہ واقعہ 33 عیسوی کا ہے۔

پولوس کا عیسائیت کے لیے جوش وخروش:

پولوس نے عیسائیوں کے قتل میں جتنا بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اس سے کہیں زیادہ اس نے عیسائیت کے پرچار میں جوش وخروش کا اظہار کیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اس نے راست حضرت عیسیٰ سے حاصل کی ہے اور لوگوں کو تعلیم دینے کا حکم بھی انہوں نے ہی اسے دیا ہے۔ ابتدا میں لوگوں نے اسے شبہ کی نظر سے دیکھا اور لوگوں نے غیر اسرائیلیوں کو عیسائیت میں داخل کر لینے کی پالیسی پر شدید نکتہ چینی کی۔ پولوس نے تبلیغ کی خاطر کئی دورے کئے جن میں قبرص، ایشیائے کوچک اور یورپ کے ملک شامل ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو عیسوی تعلیمات سے اسی نے روشناس کرایا اور جا بجا گرجے تعمیر کرائے۔ اسے رومی حکومت نے کافی عرصے تک نظر بند رکھا۔ رہائی کے بعد اس نے اپنی سرگرمی جاری رکھی۔ اسے دوبارہ گرفتار کر کے بھیج دیا گیا جہاں ۶۷ ء عیسوی میں اسے قتل کر دیا گیا۔

بین الاقوامی مذہب اور پولوس کے مصائب:

پولوس ہی کی کوششوں کا یہ ثمرہ ہے کہ آج عیسائیت بین الاقوامی مذہب کے درجے پر فائز ہے اور تعداد کے لحاظ سے یہ دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ یہ عیسائیت کی خوش قسمتی تھی کہ اسے پولوس جیسا سرگرم مبلغ مل گیا جس نے اس کی تبلیغ اجنبی اقوام میں نہایت کامیابی کے ساتھ کی۔ اس سلسلے میں اس نے ناگفتہ بہ مصیبتیں جھیلیں۔ پولوس نے خود مکتوبات میں لکھا ہے:

"میں نے یہودیوں کے ہاتھوں کوڑے کھائے، رومی افسروں کے تیروں کی چوٹیں برداشت کیں، کئی بار مجھ پر پتھراؤ کیا گیا۔ میں تین بار جہاز کی تباہی کا شکار ہوا۔"

پولوس کے مکتوب:

عہد جدید کے چودہ مکتوب پولوس کی طرف منسوب ہیں۔ جن میں چار کی تصنیف متفقہ طور پر اس کی کہی جا سکتی ہے۔ البتہ دس کے متعلق زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔

عیسائی دینیات کا موسس:

پولوس عیسائی دینیات کے موسس کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ وہ عیسائیت کا بانی بھی کہا گیا ہے۔

تصنیف کی خصوصیت:

اس کی تصانیف کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا بلاواسطہ شاگرد نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت ہی کم ان کے اقوال نقل کرتا ہے بلکہ وہ اپنی نفسی کیفیات جسے الہام کہتا ہے اسے وہ بیان کرتا ہے۔

عقیدۂ تصلیب، ابنیت و کفارہ:

پولوس کی تعلیمات میں اہم ترین اس کا نظریہ گناہ ہے۔ وہ تمام انسانوں کو پر از معاصی کہتا ہے۔ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بطور دلیل کہتا ہے:

"سب ہی لوگ موت کا شکار ہوں گے سب گناہگار ہیں۔"

وہ حضرت آدم کے گناہ کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے:

"انسان چونکہ ان کی اولاد ہیں اس لئے لازمی طور پر گناہوں سے ملوث ہے اور جب تک کہ خدا کسی کو گناہوں سے بچا نہ لے، اس کی آزادی گناہوں کے چنگل سے ممکن نہیں۔ خدا نے انسان کو اپنے بیٹے یسوع کے ذریعہ نجات عطا فرمائی اور وہ انسانی نجات ہی کی خاطر صلیب پر چڑھ گئے۔"

یہ کفارے کا نظریہ آگے چل کر مختلف اور متضاد نظریات کا باعث بنا اور عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ جو شخص عیسائیت قبول کرے اور اپنے پچھلے گناہوں پر نادم ہو تو اس کے لئے حضرت عیسیٰ کفارہ بن جاتے ہیں۔

عورتوں کے متعلق خیال:

عورتوں کی بابت پولوس کے خیالات دلچسپی سے خالی نہیں۔ وہ عورتوں کو مردوں کا محکوم دیکھنے کا خواہاں ہے۔ میاں بیوی کے باہمی تعلقات کی نوعیت بھی اس نے عجیب بتائی ہے۔ اس کا کہنا ہے:

"جس طرح کلیسا حضرت عیسیٰ کے زیر فرمان تھا اسی طرح بیویاں بھی اپنے خاوندوں کے زیر نگیں ہیں۔"

یوحنا کے حالات زندگی اور تعلیمات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معتمد علیہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں میں یوحنا (جان John) بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ بھی گلیلی کا مچھیرا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہی سے وہ ان کے قریبی حلقے میں داخل ہو گیا۔ اس کی قربت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنی والدہ کی دیکھ بھال کا فرض بھی یوحنا کے سپرد کیا۔

خالی مدفن دیکھنا:

عیسائی روایات کے مطابق جب حضرت مسیح کو سولی دے کر دفن کر دیا گیا تو وہ یوحنا ہی تھا جس نے سب سے پہلے اس بات کا پتہ لگایا کہ حضرت عیسیٰ کا مدفن خالی ہے اور ان کی نعش لاپتہ ہو گئی۔

زندگی کا آخری حصہ اور وفات:

یوحنا نے اپنی زندگی کا آخری حصہ ایفی سس (Ephesus) میں گزارا اور پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں انتقال کیا۔

یوحنا کے شاگرد:

یوحنا کے اپنے شاگردوں کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔ اس کے شاگردوں مے پولی کارپ (Poly Carp)' پاپٹس (Paptas) اور اگناٹیس (Ignatius) جیسے لوگ شامل ہیں۔

چوتھی انجیل کا مصنف:

یوحنا چوتھی انجیل کا مصنف بتلایا جاتا ہے۔ اٹھارویں صدی کے خاتمہ تک بلا کسی اختلاف کے اس کو یہ حیثیت حاصل تھی، لیکن اس کے بعد لوگوں نے اس انجیل کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔

انجیل یوحنا اور بقیہ تین اناجیل میں فرق:

یوحنا کی انجیل اور دیگر تینوں اناجیل میں (جو سینا پٹکس "Synoptice" کہلاتی ہیں) اسلوب بیان، زبان اور موضوع میں خاصا فرق محسوس ہوتا ہے۔ سینا پٹکس (اناجیل ثلاثہ) کے جملے نہایت چھوٹے چھوٹے ہیں جن کا موضوع اخلاقیات ہے۔ برخلاف اس چوتھی یوحنا کی انجیل کے، اس میں لمبی چوڑی تقریریں ہیں۔ جن میں بجائے آسمانی حکومت کے ذکر کے حضرت عیسیٰؑ کی ذات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس میں بہت حد تک تو افلاطونی اثرات کا غلبہ نظر آتا ہے۔

تین مکتوبات اور ان کا موضوع:

اس انجیل کے علاوہ تین مکتوبات بھی یوحنا کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ ان تینوں میں پہلا مکتوب عہد نامہ جدید کا اہم ترین حصہ ہے جس میں خدائی صفات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ عیسائیوں نے اعتراف گناہ کرلیا ہے اور خدا نے ان کے تمام گناہوں کو دھوڈالا ہے۔ عیسائی خدا کے بیٹے ہیں۔ اس رشتے کا تقاضا ہے کہ وہ خود کو گناہوں سے پاک رکھیں۔ محبت ہی عمدہ زندگی کا لوازمہ ہے۔ یسوع نے عیسائیوں کی خاطر جان دے دی ہے۔ اس لئے عیسائیوں کو چاہیئے کہ اپنی جان قربان کرنے کے لئے آمادہ رہیں۔ حقیقی زندگی کا انحصار باہمی محبت پر ہی ہے۔

مکاشفات کا مصنف اور ماہرین کی آراء:

ان مکتوبات کے علاوہ مکاشفات (Revolation) کو بھی سینٹ جان سے منسوب کئے جاتے ہیں لیکن ماہرین کا خیال ہے کہ انجیل اور مکتوب کا مصنف اور مکاشفات کو قلم بند کرنے والا ایک ہی شخص نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کے طرز بیان میں زبردست فرق ہے۔

یہودا اسکر یوتی

نبی کو فروخت کرنے والا:

یہودا اسکر یوتی نے حضرت عیسیٰؑ سے غداری کی اور تین روپے کے عوض اپنے نبی کو گرفتار کروادیا۔ اسی طرح دوسرے حواریوں نے بھی بے وفائی کی۔

برناباس کے حالات زندگی اور تعلیمات

برنباس کی اہمیت اور مختصر تعارف:

برناباس کے ذکر کے بغیر حواریوں کی فہرست نامکمل رہے گی۔ برنباس مسیح کے حواریوں میں سے ممتاز حواری تھا، جس نے پولوس کے ساتھ مل کر مختلف ممالک میں تبلیغی دورے کیے۔ مرقس بھی ان کے ہمراہ بطور ترجمان پایا جاتا تھا۔ مسیح کی تعلیم کے بارے میں برنباس نے اختلاف کیا۔ بعد ازیں علیحدگی اختیار کر لی، اپنے وطن سائپرس واپس آ گیا اور وہیں وفات پائی۔

برنباس کی انجیل:

برنباس نے ایک انجیل لکھی تھی جسے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس کی قبر کی کھدائی کی گئی تو یہ انجیل اس کی چھاتی پر رکھی تھی۔ یہ انجیل اٹھارہ سال تک گرجاؤں میں پڑھائی جاتی رہی۔

انجیل برنباس کی اہمیت اور اصلی تعلیمات کی عکاسی:

انجیل برنباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان تعلیمات کی عکاسی کرتی ہے جن کی قرآن مجید بھی تصدیق اور تائید کرتا ہے۔ عیسائیت کے موجودہ عقائد کی یہ انجیل نفی کرتی ہے۔

انجیل برنباس پر پابندی:

اس لیے ۴۹۶ء میں پادریوں کی کونسل نے اس کا پڑھنا ممنوع قرار دے دیا۔ تقریباً ایک ہزار سال تک یہ انجیل یورپ کے کتب خانہ میں پڑی رہی۔ پھر اچانک یہ انجیل ایک عیسائی راہب فریمیرینو (Fermarino) کو مل گئی لیکن یہ پردۂ اخفا میں چلی گئی تھی کہ ۱۷۰۹ء میں دوبارہ ایمسٹرڈیم سے یہ انجیل دریافت ہوئی جو آسٹریا کے شاہی کتب خانے میں موجود ہے۔ اٹھارویں صدی میں ہسپانوی زبان میں انجیل برنباس کا نسخہ ملا جس کا ترجمہ اب کئی زبانوں میں دستیاب ہے۔

دیگر اناجیل سے اختلاف:

انجیل برنباس متداول اور معروف اناجیل اربعہ سے کئی باتوں میں مختلف ہے۔

انجیل برنباس کے خصائص:

1: اس انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے خدا اور بیٹا ہونے سے انکار کیا ہے۔

2: حضرت مسیح نے واضح الفاظ میں جو بشارت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دی تھی وہ اس انجیل میں درج ہے۔

3: ذبیحہ عظیم حضرت اسماعیل ہیں نہ کہ حضرت اسحاق۔ جیسا کہ جدید بائبل میں دعویٰ کیا گیا ہے۔

☆☆☆

مسیحی لٹریچر تنقید و تحقیق کی نظر میں

اولین کسوٹی

ترمیم سے محفوظ:

جہاں تک بائبل کے حصہ عہد نامہ کا تعلق ہے تو عہد نامہ قدیم کی طرح اس کی افادیت کو جانچنے کے لئے اولین کسوٹی اور معیار بھی یہی ہے کہ آیا وہ تحریف و ترمیم اور تغیر سے محفوظ رہا ہے۔؟

کلام انسانی اور الہامی کلام میں فرق

بشری لغزشوں سے پاک:

الہامی کتب کو انسانی اذہان کی تخلیق کردہ کتابوں پر اس لئے فوقیت حاصل ہوتی ہے کہ الہامی کتب ہر قسم کی بشری لغزشوں اور غلطیوں سے پاک ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات راہنمائے حقیقی ہے، اس لئے جو کلام اور قوانین انکی طرف سے نازل ہوں ان میں نوع انسانی کے لئے صداقت اور نور ہدایت مضمر ہوتا ہے۔ اس کلام میں نہ تو جہالت کی تاریکی ہوتی ہے اور نہ ہی لاعلمی کا جواز باقی رہتا ہے۔

جاہل اور کلام الٰہی

قدر و قیمت:

اگر انسان ایمان کی استعداد سے محروم اور یقین کی دولت سے تہی دامن ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے کلام (جو ہر خطا اور ہر لغزش سے مبرا ہے) کی اس انسان کے لئے کوئی قدر و قیمت نہیں ہو سکتی۔

کلام ربانی میں انسانی مداخلت

تغیر و تبدل:

اسی طرح خدا کے نازل کردہ کلام میں انسانی مداخلت سے تبدیلی کر دی جائے تو حذف اور اضافے کا عمل اپنا رنگ دکھا جائے گا، جس سے اس کلام کی حیثیت بھی مشتبہ ہو جاتی ہے۔

اناجیل اربعہ، دیگر صحف، تنقیدی تجزیہ اور عیسائی

عیسائیت کا اپنا اختلاف:

عہد نامہ جدید میں شامل اناجیل اربعہ اور دیگر صحف کے معاملے میں غیر عیسائیوں کے برعکس خود مسیحی پیروکار اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ انجیل کی سند کے بارے میں کافی اختلاف موجود رہا ہے اور کوئی عیسائی بھی یہ شہادت نہیں پیش کر سکتا کہ عہد نامہ جدید کے تمام صحف مسیح کی موجودگی میں ضبط تحریر میں لائے گئے یا یہ کہ موجود حصہ وہی صحیفہ ہے جو مسیح پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی راہنمائی کے لئے نازل فرمایا گیا۔

کلام الٰہی کے ضائع ہونے کی گواہیاں:

جبکہ اس کے برعکس ایسی متعدد شہادتیں موجود ہیں کہ اصل الہامی کلام ضائع ہو گیا اور بعد میں لوگوں نے جو کچھ بھی مرتب کیا وہ محض اپنی یادداشت کے بل بوتے پر کیا۔

قابل اعتماد ترتیب:

اس امر کی بھی کوئی دلیل موجود نہیں کہ کلام الٰہی کو اسی کی صحت کے مطابق حفظ کرنے کا کوئی باقاعدہ اہتمام موجود تھا جس کی وجہ سے کسی ترتیب وتنوع پر اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکے۔

مسیح پر نازل شدہ انجیل اور عہد نامہ جدید:

تنقیدی تجزیئے کے بعد اس امر پر یقین کرنے کی کافی گنجائش موجود ہے کہ ہمارے سامنے جو عہد نامہ جدید موجود ہے، اس کا مسیح پر نازل شدہ انجیل سے کوئی تعلق نہیں اور حقیقت یہ بھی ہے کہ مسیحیت کی عمارت جن عقائد اور مذہبی نظریات پر قائم ہے وہ قرآن حکیم کی الہامی شہادت کے مطابق ان کی حقیقی تعلیمات نہیں ہیں جن کی تلقین انہوں نے اپنے دور نبوت میں کی تھی۔ ابنیت، تجسیم، مصلوبیت، حیات ثانیہ اور کفارہ وغیرہ جیسے تمام عقائد سینٹ پال کی ذہنی اختراعات تھیں۔

اناجیل اربعہ کی ترتیب اور انجیل یوحنا

اناجیل ثلاثہ اور انجیل یوحنا میں فرق:

اناجیل اربعہ میں سے انجیل متی، انجیل مرقس اور انجیل لوقا کی ترتیب یکساں ہے اور ان میں بیشتر باتیں مشترک ہیں۔ البتہ یوحنا انجیل میں ان سے کچھ باتیں ہیں اور مسیح کی الوہیت کا عقیدہ سب سے پہلے اسی کتاب میں بیان کیا گیا۔

انجیل یوحنا کا زمانہ تالیف اور زبان:

انجیل یوحنا کے زمانہ تالیف کے بارے میں اختلاف رائے موجود ہے۔ بعض کے مطابق یہ ۸۰ء اور ۹۵ء کے دوران تالیف کی گئی اور کچھ کا یہ کہنا ہے کہ اس کا زمانہ تالیف مسیح کے ۱۱۰ یا ۱۱۵ سال بعد کا ہے اور اسے یونانی زبان میں تحریر کیا گیا تھا۔

عیسائیوں کا شبہ اور اناجیل اربعہ:

مختلف روایات کی وجہ سے خود عیسائی علماء کو بائبل کے درست ہونے کا شبہ ہے کیونکہ اسی انجیل میں یسوع مسیح سے منسوب تقریریں باقی تین اناجیل سے مختلف ہیں لیکن سینٹ جان (یوحنا) کے اپنے دعوے سے ہم آہنگ ہیں اور انجیل یوحنا اور باقی تینوں اناجیل میں منقول مسیح

کے اقوال کو یکساں طور پر معتبر اور مستند تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ قدیم زمانے میں ادبی خیال آرائی اس طرح ممنوع اور ناقابل تصور نہ تھی جس طرح آج تاریخی کرداروں سے فرضی باتیں منسوب کر دینا معیوب اور مکروہ سمجھا جاتا ہے۔

عہد نامہ جدید کو پرکھنے کے لیے چند قابل توجہ امور

عہد نامہ جدید کے تنقیدی جائزے اور اس کی صحت کو پرکھنے کے لئے مندرجہ ذیل امور قابل توجہ ہیں:

شہادت قرآن مجید اور اناجیل اربعہ:

قرآن حکیم کی شہادت کے مطابق تورات اور زبور کے ناموں سے اکثر حصے ان میں شامل کئے گئے ہیں۔ اس طرح انجیل کی جگہ چار صحف اس نام سے شامل کئے گئے اور ان کی نسبت بھی حضرت مسیح کی طرف نہیں بلکہ ان کے مولفین کی طرف ہے۔

تاریخی شہادت اور مسیح کے اقوال کی ترتیب و تدوین:

تاریخی شواہد یہ وضاحت کرتے ہیں کہ مسیح کے اقوال یا الہامی کلام کو ان کی زندگی میں مرتب کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔

رفع آسمانی کے بعد:

مسیح کے اقوال کو ان کے رفع آسمانی کے بعد مرتب کیا گیا۔ ان کے اولین نسخے بھی ضائع ہو گئے جن کا اب تک کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ۷۰ء سے ۱۱۵ء کے درمیانی عرصہ میں مرتب کیے جانے والے صحائف کی بنیاد ان ہی نسخوں کو بنایا گیا ہے، لیکن مرتبین نے جہاں حضرت مسیح کی عظمت اور شان کو بڑھانا چاہا وہاں اپنے مخصوص فرقوں کے نظریات کے مطابق ان میں ترامیم اور اضافہ بھی کر دیا۔

بائبل کے جدید ناقدین کی آراء:

بائبل کے جدید ناقدین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ متی اور یوحنا کے مطابق جو انجیلیں موجود ہیں انہوں نے سرے سے ان کو مرتب ہی نہ کیا تھا۔ ان مرتبین میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جس

نے حضرت مسیح کو خود دیکھا ہے یا ان کے ارشادات اپنے کانوں سے سنے ہوں۔ لکھنے والی شخصیات کوئی اور تھیں اور جن سے منسوب کر دی گئیں وہ کوئی اور۔

سبب ترتیب:

ان صحائف کی ترتیب کا سبب ہی کچھ اور تھا کہ اپنے مخصوص نقطہ ہائے نظر اور اپنے موقف کی ترجمانی کی جائے اور پھر لکھی جانے والی کتابوں میں سے چند کے انتخاب کا عمل بھی اسی بنیاد پر مبنی تھا۔

یونانی اور آرامی زبان:

ان صحائف کو یونانی زبان میں مرتب کیا گیا تھا جبکہ حضرت مسیح کی زبان آرامی تھی۔

صحائف کی ترتیب کے ایک صدی بعد تک بھی تحریف:

جب یہ صحائف مرتب ہو گئے تو اس کے ایک صدی بعد تک ان میں سے کسی ایک کو بھی سند اور اعتبار کا حتمی مقام حاصل نہ ہوا۔ ان کو نقل کرنے والے پوری آزادی کے ساتھ اپنے فرقوں کے عقائد سے مطابقت قائم کرنے کے لئے ان اقوال میں ترمیم کرتے رہے۔

تین سو سال بعد:

انجیل کے قدیم ترین نسخے کی (جن میں ویٹی کن (Vetican) کا قدیم نسخہ اور اسکندریہ کا قلمی نسخہ شامل ہیں جو چوتھی پانچویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں) تحریر و ترتیب انجیل کی اولین ترتیب کے تقریباً تین سو سال بعد عمل میں آئی۔

قلمی نسخوں کا اختلاف:

ان نادر قلمی نسخوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

تضادات و اختلافات:

اناجیل اربعہ اور دیگر صحیفوں میں بیشمار تضادات و اختلافات نظر آتے ہیں۔

عیسائی علماء کا اعتراف

کھلم کھلا اعتراف:

خود عیسائی علماء اس بات کا کھلم کھلا اعتراف کرتے ہیں کہ دوسری صدی سے پہلے ان انجیلوں کا وجود نہیں ملتا۔C-D-Codays اپنی کتاب "Life of Jesas" میں یہ اعتراف کیا:

"اناجیل اربعہ جن کی مدد سے عیسائی عقائد اور تعلیمات کے اس خاکہ میں رنگ بھرا جاتا ہے جو دوسرے سے ہمیں حاصل ہوتا ہے، ان کا مواد سند اور اعتبار کے لحاظ سے مختلف اور مشتبہ ہے۔ ان میں بے یقینی کی کیفیت اس طرح رچی بسی ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تجسس ترک کر کے یہ اعتراف کر لیا جائے کہ انجیل کو کلام الٰہی ثابت کرنے کا یہ کام ناممکن ہے۔"

عالم و مؤرخ کا اعتراف:

ایک عیسائی عالم و مؤرخ لکھتا ہے:

"یہ اناجیل کھلے طور پر ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں۔"

(The Fall of the idols by W. R. Inge, Page 29)

اناجیل کا باہمی تضاد:

ایک عیسائی عالم و پادری کا کہنا ہے:

"اناجیل کے باہمی تضاد نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"

(God and Evil by Joad P-318)

لاحاصل کوششیں

اناجیل اربعہ میں موجود مختلف تضادات، فرگزاشتیں اور بے دلیل قیاس آرائیاں اپنی جگہ نہایت سنگین ہیں اور اسی بنیاد پر متعدد روشن خیال علماء جو مسیح کی بعثت پر قطعاً شبہ نہیں رکھتے، وہ عہد نامہ جدید کے بارے میں ایسی کوشش کو لاحاصل قرار دینے پر مجبور ہو گئے ہیں جو اس میں سے حق و

باطل کو الگ الگ چھانٹے اور جناب عیسیٰ کے حقیقی ارشادات اور تاریخی حقائق کو مبالغہ آرائی، تحریف اور افسانہ طرازیوں سے الگ کرنے کے لئے کی جائیں اور جس کا مقصد یہ ہو کہ اس تاریخی منصوبے میں سے حقائق کو تلاش کر کے جناب یسوع کی اصل انجیل کو یقین کے ساتھ پیش کیا جائے۔

انجیل متی اور دیگر اناجیل میں ردوبدل

چونکہ عیسائی علماء انجیل میں جب چاہے ترمیم وتحریف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اس لئے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض تاریخی روایات میں یہ شواہد موجود ہیں کہ متی کی انجیل پہلے آرامی زبان میں غیر مربوط انداز میں لکھی گئی تھی بعد میں عبرانی زبان میں منتقل ہوئی۔ لوگوں نے اپنی صلاحیت کے مطابق اس کی تشریح وتوضیح کی اور جب ان کو منضبط کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے نتیجہ میں انجیل کا مستند یونانی نسخہ تیار ہوا۔ کچھ ایسا طرز عمل دوسری اناجیل کے متعلق بھی اختیار کیا گیا اور حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

الہامی یا خود ساختہ

عہد نامہ جدید کی ان کتب کے متعلق بے شمار اندرونی، بیرونی اور تاریخی شہادتیں موجود ہیں جن کی بناء پر باآسانی کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتب الہامی نہیں بلکہ مصنفین کی خود ساختہ ہیں، بلکہ ان کے مصنفین کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

مصنفین کا اقرار

اناجیل کے مصنفین اقرار کرتے تھے کہ وہ الہام کے تحت نہیں لکھ رہے۔

باہمی اختلاف

خود اناجیل میں باہمی اختلاف اور تضاد ہے۔ حالانکہ کلام ربانی میں اختلاف ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

"ولا کان من عند غیر اللہ لو جدوا فیہ اختلافا کثیرا"

(سورۃ النساء، آیت نمبر:۸۲)

"اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو یقیناً وہ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ الہامی کتاب میں اختلاف و تضاد نہیں ہو سکتا اور بائبل میں اختلاف و تضاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سارا کلام الہامی نہیں ہے۔

محاسبہ اور تنقید

1: حضرت عیسیٰ جو انجیل حواریوں کو دے کر گئے تھے اس کا تاریخی طور پر کوئی سراغ نہیں ملتا۔ انجیلوں کے مصنفین مجہول الحال لوگ تھے۔

2: دوسری صدی میں ۳۴ اناجیل اور ۱۱۳ خطوط رائج تھے۔ یہ سب یونانی زبان میں تھے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی زبان آرامی تھی۔ موجودہ اناجیل ایجاد بندہ ہے نہ کہ الہامی۔

3: انتخاب کا نرالہ اور غیر سائنٹیفک طریقہ خود چاروں اناجیل میں باہمی تضاد ہے۔ جیسا کہ نسب نامہ، پہاڑی کے وعظ اور صلیب کے واقعات میں اختلاف ہے۔

4: یہ اناجیل حضرت مسیح کی سوانح حیات میں جن میں پیدائش سے قبل اور موت کے بعد تک حالات درج ہیں جو قرین عقل نہیں۔

5: اناجیل میں ترجمہ در ترجمہ، تحریف اور کتمان حق سے کام لیا گیا ہے۔ تحریف اور جھوٹ بولنا عیسائی مذہب میں جائز ہے۔

6: یہ کتب کھلے شرک، تثلیث، الوہیت اور کفارہ کی تبلیغ ہیں جن کی کوئی نبی تبلیغ نہیں کر سکتا۔

الغرض موجودہ اناجیل کے مؤلفین مجہول الحال لوگ ہیں، زمانہ تصنیف غیر متعین ہے، حضرت عیسیٰ کی اصلی زبان سریانی یا آرامی تھی جبکہ اناجیل اول یونانی میں لکھی گئی، پھر ترجمہ در ترجمہ ہوا، پھر ان اناجیل میں بے شمار اختلافات اور تضادات ہیں اور پھر ان اناجیل میں ہمیشہ تحریف و ترمیم ہوتی رہی۔ یہ سب امور اسے غیر مستند، غیر ثقہ اور غیر الہامی ٹھہراتے ہیں۔

ٹرنٹ کی کونسل

ٹرنٹ کی کونسل عیسائیت کی تاریخ میں بڑی اہم ہے۔ یہ عقائد کے اختلافات کو ختم کرنے کے لئے ۱۵۴۶ء سے ۱۵۶۳ء تک ٹرنٹ (Trent) کے مقام پر منعقد ہوئی۔ جس میں اناجیل

کے اختلافات کو زیر بحث لایا گیا۔ علاوہ ازیں ان روایات پر بھی بحث کی گئی جنہیں چوتھی صدی عیسوی میں نیقیہ کی کونسل نے وضعی قرار دے کر رد کر دیا تھا۔ ان روایات کے بارے میں ریلیجن ٹریکسٹ سوسائٹی آف لندن کی شائع کردہ روئیداد میں یہ عبارت مذکور ہے:

""اگرچہ اپوکریفہ (وضعی) کتابوں کو جیروم نے بائبل کے ولگیٹ ایڈیشن میں شائع کر دیا تھا، لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ وہ انہیں مستند نہیں سمجھتا تھا۔ کونسل میں بحث و تمحیص کے بعد سانتا کروس کی رائے سب پر غالب آ گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ولگیٹ ایڈیشن میں جس قدر کتابیں بھی شامل ہیں انہیں آسمانی کتابیں تصور کیا جائے۔""

گویا اس طرح وہ تمام روایات جو قبل ازیں وضعی سمجھ کر رد کر دی گئی تھیں آسمانی قرار پا گئیں۔ روایات کو وحی کا ہم پلہ قرار دیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اناجیل کے مختلف نسخوں کا وجود چونکہ ان کے معانی کو غیر یقینی بنا دیتا ہے اس لئے اس کا علاج یہ ہے کہ ایک متفق علیہ نسخہ شائع کیا جائے جسے مستند سمجھا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس نے بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد ایک نسخہ مرتب کیا جو پوپ کو پسند نہ آیا۔ پوپ نے یہ کام علماء کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا۔ پوپ (PiousI) نے اس کام کو جاری رکھا اور ۱۵۹۰ء میں ایک نسخہ شائع کیا گیا۔ ۱۵۹۲ء اور ۱۵۹۳ء میں اسی نسخے کے تصحیح شدہ ایڈیشن شائع ہوئے لیکن اختلافات پھر بھی رفع نہ ہو سکے۔ عہد نامہ جدید ترین نسخہ غالباً ۱۹۶۱ء میں شائع کیا گیا ہے۔ جس کی خوبی یہ ہے کہ وہ جدید انگریزی میں ہے۔ سابقہ انگریزی ایڈیشنوں کی زبان ایک خاص قسم کی انگریزی تھی جسے "بائبل انگریزی" کہا جاتا تھا۔

☆☆☆

دین مسیح کے مختلف فرقے

عیسائیت کی ابتداء اور صحت عقیدہ

عیسائیت ابتداء ہی سے تشتت اور تفرقے کا شکار ہو گئی تھی۔ دین مسیح اعمال صالحہ سے زیادہ عقیدہ کی صحت کو ضروری قرار دیتا ہے، اس لئے عیسائیت کی تاریخ میں عقائد اور نظریات کا اختلاف اور اس کی بنیاد پر فرقہ بندی ایک قدرتی امر تھا۔

حضرت عیسیٰ کی حیثیت کا تعین

حضرت مسیح کی ذات کے متعلق بہت سے نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ نظریات کے اس اختلاف کے باعث عیسائیوں میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ ان میں اختلاف زیادہ تر حضرت عیسیٰ کی حیثیت کے تعین کرنے میں تھا۔

نصرانی
(Eboionites)

افراد کا تعارف:

اس فرقے میں ایسے افراد تھے جو ابتدا میں سب کے سب یہودی تھے۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنھوں نے حضرت مسیح کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ایبونی کا معنی:

ابیوں کے لفظی معنی "مسکین اور غریب" کے ہیں۔ یہ لوگ خود کو ایبونی اس لئے کہتے تھے کہ خطبہ جبل (Srmonofmoont) میں حضرت عیسیٰ کے مخاطب یہی لوگ تھے۔ ان کا تعلق فلسطین اور شام سے تھا۔

منکرینِ الوہیتِ مسیح:

یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے منکر تھے۔ ان کو دیگر پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر سمجھتے تھے۔

مسیح موعود اور نجات دہندہ:

یہ لوگ حضرت مسیح عیسیٰ کو مسیح موعود اور نجات دہندہ کہتے تھے۔

معجزات کے قائل:

یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی بعیرت کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی پیدائش کے معجزہ ہونے کے معتقد تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یوسف حضرت عیسیٰ کے باپ ضرور تھے لیکن حضرت مریم

کا حمل روح القدس کے ذریعہ قرار پایا۔

عقیدۂ کفارہ اور ایبونی:

ایبونی فرقے والے اس بات کے بھی دعویدار تھے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر چڑھ جانے کی وجہ سے تمام انسانوں کے لئے کفارہ بن گئے ہیں۔

پولوس کے متعلق نظریہ:

اس فرقے کے افراد پولوس کو ملحد بتلاتے تھے۔

ہفتہ اور اتوار:

ایبونی لوگ سبت اور اتوار دونوں دن اپنے تمام کاروبار کو معطل رکھتے تھے۔

جمہور عیسائیت میں ادغام:

یہ فرقہ آگے چل کر جمہور عیسائیوں میں مدغم ہوگیا۔

دوسیٹس
(Docetes)

ماننے والوں کی اکثریت:

نصرانیوں کے مقابلے میں عیسائیوں کا ایک اور فرقہ دوسیٹس (Docetes) تھا۔ اس فرقے میں اکثریت غیر یہودیوں کی تھی۔

علاقہ:

یہ لوگ ایسے علاقے سے تعلق رکھتے تھے جو فلسطین سے خاصے فاصلے پر واقع ہے۔

حضرت مسیح سے ملاقات:

ان لوگوں نے نہ تو حضرت مسیح کو دیکھا تھا اور نہ ہی وہ پیغمبروں کے صحیح تصور سے آشنا تھے۔

مادہ اور حضرت مسیح کی بشریت:

اس فرقے کا عقیدہ تھا کہ مادہ ایک ناپاک اور ادنیٰ شے ہے۔ اس لئے یہ حضرت مسیح کی بشریت کے شدید مخالف تھے۔

حضرت مسیح، کلام خدا اور مسیح کا انسانی شکل میں نمودار ہونے کا انکار:

ان کا دعویٰ تھا کہ مسیح خدا کے کلام (Logos) کی حیثیت سے انسان کی نجات کے لئے دنیا میں آئے۔ وہ خود خدا سے مختلف نہ تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں اس قدر مبالغہ کیا کہ اس امر سے انکار کر بیٹھے کہ مسیح انسانی شکل میں نمودار ہوئے تھے۔

تصلیب، احیاء ثانیہ اور صعود یہ کے بارے میں نظریات:

ان کا عقیدہ تھا کہ تصلیب، احیاء ثانیہ اور صعود یہ سب قریب نظر سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

اناجیل کے حصوں کا انکار:

ان لوگوں نے اناجیل کے ان حصوں کے ماننے سے بھی انکار کر دیا جن میں حضرت مسیح کی ولادت اور ابتدائی تیس سال کی زندگی کے واقعات مذکور ہیں۔

ابیونی، دوسیٹس اور یہودی:

ابیونی فرقہ یہودیت اور عیسائیت میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے کوشاں تھا جبکہ دوسیٹس نے یہودی قبائل پر شدید حملے کئے۔ حتیٰ کہ یہودیوں کے خدا یہوداہ کو عالم اسفل کا خالق اور باغی روح قرار دیا۔ یہی نہیں بلکہ بعثت مسیح کی غرض قانون موسوی کا استیصال قرار دیا۔

ابیونی اور دوسیٹس کے اختلافات کا حل اور شدت اختلاف کی ابتدا:

ابیونی اور دوسیٹس فرقے کے عقائد میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کے باہمی اختلافات کو ختم کر دینے کا واحد طریقہ یہ تجویز ہوا کہ حضرت مسیح کی بشریت اور الوہیت بیک وقت تسلیم کر لی جائے، لیکن اس کی وجہ سے اختلافات نے اور بھی شدت اختیار کر لی۔ اب موضوع بحث یہ امر ہو گیا کہ الوہیت اور بشریت میں غالب عنصر کون سا ہے۔؟ پھر الوہیت کی کیفیت پر

بھی بحث چل نکلی اور متعدد فرقے نتیجۃً وجود میں آ گئے۔ ان میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

1: آریوسی (Arian)
2: اپولی نیرین (Apolli Narian)
3: نسطوری (Nestorian)
4: وحدت الفطری فرقہ (Monotn Elite)
5: آئی کونولاسٹک (Iconoclastic)

آریوسی

بانی کا تعارف:

آریوسی (Arian) فرقے کا بانی آریوس (Arius۔ پیدائش ۲۵۶ء وفات ۳۳۶ء) نامی آدمی تھا۔ وہ لیبیا کا رہنے والا تھا اور اسکندریہ میں پادری کے عہدے پر فائز تھا۔

بانی کا دعویٰ:

اس فرقے کے بانی نے دعویٰ کیا کہ اقانیم ثلاثہ "بیٹا" دوسرے اقنوم کی حیثیت سے کچھ معنوں میں خدا ضرور ہے لیکن درحقیقت وہ الوہیت کے اس درجے پر فائز نہیں ہے جو عیسائیوں کے مروجہ عقیدت کی رو سے ہے۔ اس کو اقنوم اول یعنی خدا نے پیدا کیا۔ وہ پیدائش سے پہلے معدوم تھا۔ اس لئے وہ اپنے خالق کی طرح غیر فانی اور ابدی نہیں ہے۔ باپ کی ذات ابدی ہے جس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا، لیکن بیٹے کی ابتدا ہے، کیونکہ باپ بیٹے سے پہلے موجود تھا۔ کلیسا کے پیرو اس بات پر عقیدہ رکھتے تھے کہ باپ اور بیٹے دونوں ابدی ہیں اور دونوں کا جوہر ایک ہی ہے۔

آریوسی عقائد کی تردید:

آریوسی عقائد کی تردید کے لئے کئی کونسلیں بلائی گئیں۔ جن میں پہلی کونسل نیقیہ ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی، اس کونسل نے اس عقیدے کو کفر قرار دیا اور یہ فیصلہ صادر کیا:

"جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ کسی وقت بھی خدا کے فرزند کا وجود نہ تھا یا پیدا ہونے سے

قبل وہ موجود نہ تھا یا نیست سے ہست کیا گیا یا کسی ایسے مادہ یا جوہر سے اس کی تخلیق ہوئی ہے جو ربانی نہیں ہے یا وہ مخلوق متغیر ہے، ایسے شخص کو کلیسائے مقدس ملعون قرار دیتا ہے۔"

دوسری کونسل قسطنطیہ میں منعقد ہوئی۔ اس کونسل میں بھی آریوسی فرقے کو کافر قرار دیا گیا، لیکن اس کے باوجود یہ فرقہ قائم رہا۔

وحشی اقوام میں مقبولیت:

بہت سی وحشی قومیں اس فرقے کے ذریعہ عیسائیت کا حلقہ بگوش ہوئیں کیونکہ اس کا فلسفہ کلیسائی عقائد کے مقابلے میں آسان اور زود فہم تھا۔

اپولی نیرین

آریوسی فرقے کا مخالف:

دوسرا فرقہ آریوسی فرقے کا شدید مخالف ہے۔ وہ اپولی نیرین (Apolli Narian) کہلاتا ہے۔

بانی کا مختصر تعارف:

اس فرقے کا بانی اپولی نیریس (Apolli Naris) نامی آدمی تھا۔ اس کی تاریخ ولادت تو معلوم نہیں البتہ اس نے ۳۹۲ء میں انتقال کیا۔

الوہیت مسیح کا نظریہ:

اس فرقے کا عقیدہ تھا کہ یسوع انسانی جسم میں ضرور نمودار ہوئے لیکن وہ خدا کی روح اور خدا ہیں۔ اس لئے بجائے عقل انسانی کے کلام ربانی (Divinelogos) ان میں کارفرما ہے۔ اس فرقے نے حضرت عیسیٰ کی الوہیت پر بہت زور دیا۔ جس کے باعث ان کی بشریت کالعدم ہو کر رہ گئی۔ پانچویں صدی عیسوی میں یہ فرقہ بالکل ختم ہو گیا۔

نسطوری

نام اور بانی:

عیسائیوں کے ایک اور فرقے نے جمہور کے عقائد سے اختلاف کیا جو نسطوری (Nestorian) کہلاتا ہے۔اس فرقے کا نام اس کے بانی (Nestorius) کے نام پر پڑا۔یہ قسطنطنیہ کا اسقف اعظم تھا۔

بشریت عیسیٰ کے قائل:

اس فرقے نے حضرت عیسیٰ کی بشریت پر بہت زور دیا ہے۔

الوہیت وبشریت:

یہ فرقہ حضرت مسیح میں دو جداگانہ صفات، الوہیت اور بشریت کے اتحاد کا علمبردار تھا۔

متضاد چیزیں اور عجیب مثال:

جب دو متضاد چیزوں کے ایک جگہ جمع کر دینے کا الزام لگایا گیا تو اس نے اس عقیدے کی وضاحت کے لئے عجیب وغریب مثال دی کہ جس طرح شادی کے ذریعہ روحیں متحد ہو جاتی ہیں، دو مختلف طبیعتیں اور انسان مل کر ایک وجود کا باعث بنتے ہیں ویسے ہی الوہیت اور بشریت کا اتحاد کا ثمرہ حضرت یسوع کی ذات ہے۔

بانی پر مقدمہ، جلاوطنی کی سزا اور موت:

نسطوریس پر کئی بار مقدمہ چلایا گیا اور اسے جلاوطن بھی کیا گیا۔۴۳۹ء میں اسی جلاوطنی کی حالت میں اس کا انتقال بھی ہو گیا۔

عروج وزوال:

رومی حکومت کے حدود سے اس فرقے کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔البتہ عرب، شام ومصر میں اس کو عروج حاصل ہوا۔

مزید فرقہ بندی:

اس فرقے کے بھی دو فرقے ہو گئے۔ ایک رومن کیتھولک کلیسا سے متعلق ہو گیا جو کالدی عیسائی کہلاتے ہیں اور دوسرا اپنے قدیم عقائد سے وابستہ رہا جن کا اپنا سردار ہوتا ہے۔

وحدت الفطری فرقہ

دو ارادے اور وحدت الفطری فرقہ:

جب حضرت عیسیٰ کی ذات میں دو مختلف حیثیتیں الوہیت اور بشریت متحد کر دی گئیں تو اب یہ بحث چھڑ گئی کہ ان میں دو ارادے (Will) ہیں یا ایک۔؟ جمہور کا خیال یہ تھا کہ ان کے دو نیچر ہیں، اس لئے ان میں دو ارادے بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک انسانی اور دوسرا ربانی۔ اگرچہ پہلا دوسرے کے تحت رہتا ہے۔ برخلاف وحدت الفطری فرقہ (Monotn Elite) کے، اس کا دعویٰ تھا کہ حضرت عیسیٰ ایک ہی ارادے کے مالک تھے۔ یہ فرقہ بھی کلیسا کے مظالم کا شکار بنا رہا۔

آئی کونو لاسٹک

بت پرستی کا مخالف فرقہ:

عیسائیت اپنا دامن بت پرستی سے نہ بچا سکی۔ گرجاؤں میں حضرت یسوع وغیرہ کی مورتیاں رکھی جانے لگیں جن کی پرستش ہوتی تھی۔ ایک فرقہ ایسا بھی ہوا جس نے اس بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی۔ یہ فرقہ آئی کونو لاسٹک (Iconoclastic) کہلایا۔

آئی کونو لاسٹک کا معنی:

آئی کونو لاسٹک یونانی لفظ ہے جس کے معنی "بت شکن" کے ہیں۔

لیوسوم کا حکم اور تحریک کا آغاز:

اس تحریک کا آغاز مشرقی کلیسا سے لیوسوم کی زیر سرپرستی ہوا جس نے حکم نافذ کر دیا کہ حضرت عیسیٰ کے سوا کوئی اور مورتی گرجاؤں میں نہ رکھی جائے۔ اس حکم کی پابندی کرانے کے

لئے لوگوں کو سخت سزائیں دی گئیں اور تمام مورتیاں توڑ دی گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی اور مغربی کلیسا میں ایک زبردست فرق یہ ہو گیا کہ مغربی کلیسا میں مورتیاں عام تھیں لیکن مشرقی گرجاؤں میں صرف تصویروں پر اکتفا کیا جاتا تھا اور یہ فرق اب تک پایا جاتا ہے۔

فرقوں کے عقائد کا مطالعہ اور باہمی اختلاف کی وجہ

فلسفیانہ اختلاف:

ان فرقوں کے عقائد کا مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اختلافات صرف فلسفیانہ تھے۔ ان کا تعلق براہ راست اعمال واخلاق سے نہ تھا۔

لفظوں کی گورکھ دھندہ:

پھر ان اختلافات کی نوعیت بھی بہت حد تک لفظوں کے الٹ پھیر میں تھی۔

باہمی قتال:

بایں ہمہ ایک فرقے کے افراد نے حریف فرقہ کے لوگوں کے خون سے آزادانہ ہاتھ رنگے۔

اختلاف کی وجہ...... عیسائیت سرکاری مذہب:

ان اختلافات کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جب تک عیسائیت کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل نہیں ہوئی اس وقت تک وہ طرح طرح کے مظالم کا شکار بنے رہے، ان میں اتحاد اور یکجہتی پائی جاتی تھی۔ ان کو اس قسم کے لایعنی مباحث میں پڑنے کا موقعہ نہیں ملا، لیکن جوں ہی اسے رومی شہنشاہوں نے سرکاری مذہب کا اعزاز دے دیا، لوگوں کو سکون واطمینان کی زندگی نصیب ہوئی اور انہیں فلسفیانہ موشگافیوں کا موقعہ ہاتھ آیا۔

مشرقی، مغربی کلیسا اور یونانیوں کا انداز تخیل:

ان اختلافات کا آماجگاہ مغربی کلیسا کی بہ نسبت مشرقی کلیسا زیادہ ہوا۔ اس کی وجہ شاید یہ رہی ہوگی کہ ان کی یونانی زبان ہونے کے باعث ان کو یونانی علم وحکمت سے زیادہ قربت رہی ہوگی اور انہوں نے سوچنے کا انداز بھی یونانیوں ہی سے لیا ہوگا۔

عیسائیوں کی تعداد، سب سے بڑا فرقہ، مرکز اور مذہبی رہنما:

الغرض عیسائیوں کی اس وقت تعداد ایک ارب سے بھی متجاوز ہے۔ سب سے بڑا فرقہ رومن کیتھولک ہے۔ جس کا مرکز روم اور مذہبی راہنما پاپائے روم ہے۔

مشرقی تقلید پسندی کا مرکز:

مشرقی تقلید پسندی کا مرکز روس ہے۔

پروٹسٹنٹ:

پروٹسٹنٹ فرقہ یورپ اور امریکہ میں پایا جاتا ہے۔

☆☆☆

دین مسیح رسومات کے تناظر میں

رسم بپتسمہ

پہلی رسم:

بپتسمہ عیسائیت کی پہلی رسم ہے۔ یہ ایک غسل ہے جو دائرۂ عیسائیت میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس کے بغیر عیسائیت قبول کرنے والا شخص عیسائی نہیں ہو سکتا۔ اس رسم کی پشت پر عقیدہ کفارہ کارفرما ہے۔

حیاتِ ثانیہ:

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مر کر حیات ثانیہ پا جاتا ہے۔ موت کے ذریعے اسے "اصل گناہ" کی سزا ملتی ہے اور حیات نو سے اسے آزاد قوت ارادی حاصل ہوتی ہے۔

بپتسمہ لینے کا طریقہ:

یروشلم کے مشہور عالم سائرل نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ کچھ یوں لکھا ہے:

"بپتسمہ لینے والے کو بپتسمہ کے کمرے میں اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا منہ مغرب کی طرف ہو۔ پھر بپتسمہ لینے والا اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہے: "اے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے ہر عمل سے دست بردار ہوتا ہوں۔!" پھر وہ مشرق کی طرف منہ کر کے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرے۔ اس کے بعد اسے ایک اندرونی کمرے میں لیجایا جاتا ہے کہ جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں اور سر سے پاؤں تک ایک دم کیئے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر اسے سفید کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں۔ گویا وہ گناہوں سے پاک ہو گیا ہے۔"

عشاءِ ربانی

اہم ترین رسم:

دائرۂ عیسائیت میں داخل ہونے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے اور یہ رسم حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے۔

عشاءِ ربانی کا پس منظر:

حضرت مسیح نے گرفتاری سے ایک دن قبل حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا۔ انجیل متی میں اس طرح اس کا ذکر کیا گیا ہے:

"جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع مسیح نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا: "لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے" پھر پیالہ لے شکر کا ان کو دے کر کہا :"تم سب اس میں سے پیو کیونکہ یہ میرے اس عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔"

(انجیل متی:۲۶:۲۶)

انجیل لوقا میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیح نے حواریوں سے کہا:

"میری یادگار کے لئے یہی کیا کرو۔"

(انجیل لوقا:۲۲:۱۹)

رسم کو بجالانے کا طریقہ:

مشہور عالم جسٹس مارٹر اس رسم کو بجالانے کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے۔ شروع میں دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کو بوسہ لے کر مبارکباد دیتے ہیں۔ پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے اور صدر مجلس اس کو لے کر باپ، بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں۔ پھر کلیسا کے خدام روٹی اور شراب کو حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھا پی کر اپنے عقیدۂ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔"

تیوہار

تیوہار کا معنی:

تیوہار کا معنی ہے:

"اتوار کا دن۔"

عیسائیوں کی عبادت کا دن:

عیسائی حضرات اتوار کو مقدس جانتے اور اس دن گرجاؤں میں عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

یونانی مشرکوں اور ہندوؤں کا دن:

دراصل یہ دن یونانی مشرکوں کے ہاں سورج دیوتا کی پوجا کے لئے مقرر تھا۔ جیسا کہ اس کے نام "Sun day" (سورج کا دن) سے ظاہر ہے۔ ہندوؤں میں بھی "ایت وار" سورج دیوتا کا دن تھا۔ بہرصورت مشرکوں کو خوش کرنے کی خاطر یہ دن مقرر کیا گیا تا کہ وہ عیسائیت کو بیگانی چیز جان کر بدک نہ جائیں۔

کرسمس:

میلاد مسیح:

عیسائی 25 دسمبر کو یوم میلاد مسیح مناتے ہیں۔

موسم گرما یا ماہ دسمبر:

25 دسمبر کا دن دراصل رومی مشرکوں کے ایک دیوتا کی یادگار تھا۔ انہیں خوش کرنے کی خاطر اس دن کو یوم میلاد مسیح بنا لیا گیا، حالانکہ مسیح موسم گرما میں پیدا ہوئے تھے۔ انجیل میں لکھا ہے:

''مریم نے بچہ کو جن کر چرنی میں ڈال دیا۔''

اگر یہ دسمبر کا مہینہ ہوتا تو نہ مریم باہر جا سکتی اور نہ ہی ننگے بچے کو چرنی میں ڈالا جا سکتا تھا۔

ایسٹر

21 مارچ:

یہ دن مسیح کے مر کر دوبارہ زندہ ہونے کی یاد میں 21 مارچ کو مناتے ہیں۔

ایسٹر یا عید نوروز:

21 مارچ کا دن بھی ایرانیوں کی عید نوروز کا دن تھا۔

ایسٹر یا یوم دیوی آسٹر:

21 مارچ ہندوؤں اور آئرلینڈ والوں کے ہاں موسم بہار کی دیوی آسٹر کی پرستش کا دن تھا۔ نام بدل کر ایسٹر بنا لیا گیا اور اسے اپنا لیا گیا۔ دیوی آسٹر ''بعل دیوتا'' کی بیوی عسارات ہے جس کی یہودیوں نے بھی پوجا کی تھی اور انبیاء نے انہیں اس پر مطعون کیا تھا۔

☆☆☆

حصہ نمبر 3:

دین اسلام

پس منظر، تعارف، بانی، کتاب، عقائد، اہم ترین معلومات اور حقائق

اسلام سے قبل دنیا کے عالمی حالات

انسانیت کا پست ترین دور

چھٹی صدی عیسوی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا پست ترین دور تھا۔ صدیوں سے انسانیت جس پستی و نشیب کی طرف جا رہی تھی اس کے آخری نقطہ کی طرف پہنچ گئی۔ روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے۔ نشیب کی طرف جاتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہو رہی تھی۔ انسان اس صدی میں خدا فراموش ہو کر کامل طور پر خود فراموش بھی بن چکا تھا۔ وہ اپنے انجام سے بالکل بے فکر، بے خبر اور برے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہو چکا تھا۔

پیغمبروں کی تعلیمات اور باقی ماندہ اہل ایمان کا طرز عمل

پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہوا دب چکی تھی۔ جن چراغوں کو یہ حضرات روشن کر گئے تھے وہ ہواؤں کے طوفان میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس طرح ٹمٹمار ہے تھے، جن سے صرف چند خدا شناس دل روشن تھے، جو پورے پورے گھروں میں بھی اجالا نہیں کر سکتے تھے۔ دیندار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے زندگی کے میدان میں کنارہ کش ہو کر دیر و کلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور زندگی کی کشمکش، اس کے مطالبات اور اس کی خشک و تلخ حقیقتوں سے دامن بچا کر دین و سیاست اور روحانیت و مادیت کے معرکہ میں شکست کھا کر اپنے فرائض قیادت سے سبکدوش ہو گئے تھے۔

اہل دنیا سے ساز باز

جو لوگ زندگی کے اس طوفان میں باقی رہ گئے تھے انہوں نے بادشاہوں اور اہل دنیا سے ساز باز کر لی تھی اور ان کی ناجائز خواہشات اور ظالمانہ سلطنت و معیشت میں ان کے دست راست اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے اور ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے

میں ان کے شریک و سہیم بن گئے تھے۔ ہوس اور لذت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو کسی طرح سیری نہیں ہوتی تھی۔ متوسط طبقہ کے لوگ اس اعلیٰ طبقہ کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے تھے اور ان کی نقالی کو سب سے بڑا فخر سمجھتے تھے۔

عوام کی حالت زار

باقی رہے عوام تو وہ زندگی کے بوجھ اور حکومت کے مطالبات اور محصولات کے بارے میں ایسے دبے ہوئے اور غلامی اور قانون کی زنجیروں اور بیڑیوں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپایوں سے ذرا مختلف نہ تھی۔ دوسروں کی راحت کے لئے محنت کرنے اور دوسروں کی عیش و عشرت کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح ہر وقت جتے رہنے اور جانوروں کی طرح اپنا پیٹ بھر لینے کے سوا ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ کبھی اگر وہ اس خشک و بے مزا زندگی اور اس کے یکساں چکر سے اکتا جاتے تو نشہ آور چیزوں اور سستی تفریحات سے اپنا دل بہلا لیتے اور اگر کبھی زندگی کے اس عذاب سے ان کو سانس لینے کا موقعہ ملتا تو فاقہ زدہ اور ندیدہ انسان کی طرح مذہب و اخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہو کر حیوانی لذتوں پر آنکھیں بند کر کے گرتے۔

عالمی تنزلی

دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت و خود فراموشی، اجتماعی بے نظمی و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال رونما تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ممالک تنزل و انحطاط اور شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سا ملک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔

چھٹی صدی عیسوی اور حکومتی تنزل

انگریز سیرت نگار ''آر۔ وی۔ سی۔ بوڈ'' نے اپنی کتاب ''پیغامبر (The Messenger)'' میں قبل از اسلام دنیا کے مختلف ممالک اور اقوام کا درج ذیل جائزہ لیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اس دنیا میں عربوں کو کوئی اہمیت نہ تھی۔ یہ ایک نزع کا دور تھا جب کہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں اول تو تباہ ہو چکی تھیں یا اپنے شاہی دور کے اختتام پر تھیں۔ یہ ایک ایسی دنیا تھی جواب

بھی یونان کی فصاحت، ایران کی عظمت اور روما کی شوکت وجلال سے متحیر تھی اور کوئی ایسی شے یا کوئی ایسا ایک مذہب بھی نہ تھا جو ان میں سے کسی کی جگہ لیتا۔‘‘

یہودیوں کی حالت زار

یہودی تمام دنیا میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ان کو کوئی مرکزی رہنمائی حاصل نہ تھی۔ حالات کے مطابق یا تو ان کو محض برداشت کیا جاتا یا اذیتیں دی جاتیں۔ کوئی ملک ان کا اپنا ذاتی نہ تھا اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس طرح کہ آج ہے۔

عیسائیت

عیسائیت نے ۶۲۰ء میں (جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رہنما ظاہر ہونے والے تھے) بیت المقدس کو تاراج کر کے مقدس صلیب کو چرا لیا تھا اور دارائے اول کی زبردست عظمت و شوکت کو دوبارہ قائم کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مشرق وسطیٰ کی عظمت کو زندگی کی ایک نئی قسط مل گئی ہے، لیکن یہی نہ تھا بازنطینی رومی اب بھی اپنی گزری ہوئی چستی رکھتے تھے، جب خسرو اپنی فوج کو قسطنطنیہ کی فصیلوں پر لایا تو انہوں نے ایک آخری کوشش کر دکھائی۔

ہندوستان کی حالت

مشرق بعید میں حالات کوئی نمایاں اثرات نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا جو سیاسی اور حربی حیثیت سے ایک دوسرے پر فوقیت کے لئے جدوجہد میں مصروف تھیں۔

چین کی حالت

چینی ہمیشہ کی طرح آپس میں نبرد آزما تھے۔ خاندان سوئی آیا اور گیا اور اس کی جگہ ٹینگ نے لے لی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔

جاپان کی حالت

جاپان میں پہلی مرتبہ ایک عورت تخت نشین ہوئی۔ بدھ مت جڑ پکڑنے لگا تھا اور جاپانی

تصورات اور مقاصد پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔

چنانچہ ساری دنیا اس قول کی عکاسی کرتی تھی:

"ظهر الفساد فی البر و البحر"

"بر و بحر میں فساد اور انتشار پیدا ہو گیا تھا۔"

☆☆☆

قبل از اسلام دنیائے عرب کے حالات

بین الاقوامی مذہب اور تعداد

مذہب اسلام کو بین الاقوامی مذاہب میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ عیسائیت کے بعد بلحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ دنیا میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک ارب کے قریب ہے اور یہ دنیا کے تمام براعظموں میں آباد ہیں۔

قدیم وجدید مذہب

اس طرح بین الاقوامی مذاہب میں اسلام کو امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ اس مذہب کے پیروکار یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے کیونکہ آفرینش عالم سے لے کر آخری پیغمبر تک جتنے بھی سچے نبی خدا کی طرف سے حق وصداقت کی اشاعت پر مامور ہوئے بلا استثناء سب کا مذہب اسلام ہی رہا ہے۔ قدیم ترین مذہب ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام اس معنی میں جدید ترین مذہب بھی ہے کہ اس کی تکمیل ساتویں صدی عیسوی میں ہوئی۔

عربوں کا رہنا سہنا

کسی ملک کی آب وہوا کا اس ملک کے باشندوں کے اخلاق اور ان کے معاشی واجتماعی نظام پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ ان کے طبائع اور عادات اسی آب وہوا کے مطابق نشو ونما پاتے ہیں۔ عرب ایک جزیرہ نما تھا۔ جہاں کی زمین خشک اور بنجر ہے۔ بارش کی قلت اور مصنوعی ذرائع آبپاشی کے فقدان کی وجہ سے زمین زراعت کے قابل نہیں۔ شہری زندگی مفقود ہے۔ فطری تقاضوں کے مطابق وہاں کے باشندے دیہاتی خانہ بدوش زندگی گزارتے ہیں۔ جانوروں کو

چرانے کی خاطر سبزہ زاروں اور بارانی علاقوں کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں۔ قریش اور قحطانی عرب اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ شہری زندگی گزارتے تھے اور خانہ بدوش نہ تھے۔ قریش تو اس لئے کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی اور کلید بردار تھے اور انہیں مقدس و بزرگ سمجھا جاتا تھا۔ یمن و شام کے تجارتی سفروں میں انہیں کوئی خوف نہ تھا۔ قحطانیوں کا علاقہ (یمن) سرسبز و شاداب تھا جہاں غذا اور پھلوں کی فراوانی بھی۔ چنانچہ جب کبھی بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑتا تو وہ آپس میں ہی ایک دوسرے پر حملہ کر کے مال وغیرہ لوٹ لیتے جس کے باعث ان کی طبیعتوں میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ آپس میں دشمنی، مسلسل جنگ اور دائمی شورش و ہنگامہ ان کی زندگی کا لائحہ عمل تھا۔ جنگ اور قحط ہی ان کے زندگی کے دو بڑے محرک تھے۔

اولادِ نرینہ اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا

اولادِ نرینہ انہیں زیادہ مرغوب تھی۔ ان کے بعض قبائل فقر و فاقہ کے خوف سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ قبیلے میں مردوں کی کثرت تعداد ان کے لئے باعث فخر تھی۔

رشتے داریوں کو پھیلانا اور دیگر مصروفیات

رشتہ داریوں کے زیادہ پھیلنے کو وہ عزت و غلبہ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ سفر اور خانہ بدوشی کی زندگی سے محبت، نیز جنگ و جدل کی مصروفیت سے وہ آزاد اور بے قید زندگی کے عادی ہو گئے تھے۔ عصمت و وحشت کا ان پر غلبہ تھا۔

تمدن و سیاست اور طرزِ حکومت

ان کا کوئی اپنا اجتماعی تمدن نہ تھا، نہ سیاسی حکومت تھی، نہ فوجی نظام، نہ ہی دینی عقائد پر مبنی کوئی فلسفہ اور کوئی وسیع سماجی تصور ان کے پاس تھا۔ ہر گھر اور ہر قبیلہ جدا جدا ایک سماج بنا ہوا تھا۔ قبائل کے سرداروں کو وراثتاً حکومت ملتی، جسے وہ اپنے بزرگوں کے مروجہ دستور کے مطابق چلاتے۔ ان کا طرزِ حکومت یونانیوں کی خاندانی حکومت کی طرح نہ تھا، نہ ایران و مصر کی طرح ان کے ہاں بادشاہی تھی۔ حیرہ اور شام میں عرب تاجدار تھے لیکن وہ خود مختار نہ تھے۔ حیرہ کا لخمی خاندان کسریٰ کا اور شام میں غسانی قیصر کے مطیع تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمدن و شہرت، رائے عامہ، امراء کی حکومت، جمہوریت اور جاگیرداری کے مطالب کے اظہار کے لئے ان کے اور دوسری سامی اقوام

کے پاس الفاظ نہیں ملتے۔

فوجی نظام

فوجی نظام تو اسلام کے بعد تک بھی مکمل شکل میں قائم نہ ہو سکا تھا۔ اس لئے کہ ماتحتی میں رہنے اور اپنی انفرادی شخصیت سے دست بردار ہو جانے پر ہی فوجی تنظیم کا دارومدار ہے۔ یہی وہ عادتیں ہیں جو آج اس دور کے عربوں کی طبیعت اور ذہنیت کے بالکل برعکس تھیں۔ وہ مذہبی لحاظ سے بالکل سادہ، بے تکلف اور زہد و تقشف کے حامی تھے۔

عقائد و عبادت گاہیں

چنانچہ عربوں میں کئی خداؤں کا تصور بالکل نہ تھا۔ عالیشان عبادت گاہیں بھی ان کے ہاں بالکل نہ تھیں۔ عقائد کا کوئی فلسفہ نہ تھا۔ جہالت کی کارفرمائی، خانہ بدوشی، بے سروسامانی اور پھر طویل مدت گزرنے کی وجہ سے ان کے پاس جو دین ابراہیمی کا بقیہ رہ گیا تھا وہ بھی بگڑ چکا تھا۔ اسی کا اثر تھا کہ وہ بتوں کی پوجا اور ان کی عزت کیا کرتے تھے۔ کعبہ میں بت رکھے رہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان بتوں کے توسل سے وہ خدا کا قرب حاصل کر لیں گے۔ عربوں کی بڑی تعداد اس قسم کی بت پرستی کو مذہب اختیار کئے ہوئے تھی۔ غسانی اور طے قبیلہ کے کچھ لوگ شام میں اور نجران و حیرہ کے کچھ لوگ عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔

خاندانی اور عائلی زندگی

خاندان ماں، باپ، اولاد، پوتے اور غلاموں پر مشتمل تھا۔ باپ کو اپنے گھر والوں پر کل اختیار تھا حتیٰ کہ ان میں سے کسی کو مارنا یا باقی رکھنا بھی اس کی مرضی پر منحصر تھا۔ ان سے وہ جس کو چاہے بیچ سکتا تھا اور جسے چاہے عاق کر سکتا تھا۔ کبھی مفلسی کے اندیشے سے وہ اپنی بیٹی کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ شوہر کے بعد خاندان میں بیوی کا دوسرا درجہ تھا۔ شوہر اس کا احترام ملحوظ خاطر رکھتا، اسے اپنا شریک کار بناتا اور اظہار محبت کے لئے شعروں میں اسی کا نام گاتا تھا۔ ان کے ہاں شادی کی رسم میاں بیوی کے باہمی خوشگوار تعلقات اور محبت کی بنا پر انجام پاتی تھی۔ اگر نکاح کے وقت کوئی شرط نہ طے کی ہوتو پھر طلاق کا تمام تر حق شوہر کو حاصل ہوتا۔ اس کے علاوہ شادی کے دوسرے طریقے بھی تھے جو بدکاری اور بدمعاشی سے زیادہ مشابہ تھے۔ جاہلی عرب ایک ساتھ کئی

شادیاں کر لیتے اور اس سلسلہ میں ان کے ہاں کوئی حد مقرر نہ تھی۔ باپ کی بیوی سے شادی کرنا ان کے ہاں جائز تھا۔ خالہ، پھوپھی، بیٹی اور بہن سے شادی کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔

عربوں کے عقلی اور علمی کارنامے

اس دور کے عربوں کی عقلی اور علمی مقام کا اندازہ یمن، حیرہ اور شامی بادشاہوں کے کارناموں سے ہو سکتا ہے۔ انہوں نے عالیشان بند باندھے، بنجر زمینوں کو کاشت کے قابل بنا دیا، ویرانوں کو آباد کیا اور شہروں وغیرہ کو بسایا۔

عدنانی عرب (جو حجاز میں آباد تھے اور قریش بھی عدنان سے ہی ہیں) پھر مسلسل برسر پیکار رہنے کی وجہ سے طب اور شہسواری میں ماہر تھے۔ بارش اور گھاس پر دارومدار ہونے کی وجہ سے وہ ان تاروں کو پہچاننے لگے تھے جن سے بارش کی اطلاع ملتی ہے۔ ہواؤں کے چلنے کا رخ انہیں معلوم ہو گیا تھا۔ بری و بحری سفروں میں وہ تاروں سے ہی راہنمائی حاصل کرتے۔

نسب دانی اور شاعری

عربوں نے اپنی نسلوں کی بقا اور قومی تعصب کو برقرار رکھنے کے لئے علم نسب بیان کرنے کے لئے قصہ گوئی اور اپنے کارناموں کو دوام بخشنے کے لئے شاعری میں کمال پیدا کر لیا تھا۔

فراست اور قیافہ شناسی کے وہ ماہر تھے تاکہ اپنی نسل میں بیگانوں کا دخل نہ ہو سکے اور بھاگنے والے مجرموں کو ان کے نقش قدم سے تلاش کر لیں۔

کہانت و عرافت

روحانی میدان نے انہیں کہانت، عرافت اور زجر پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ کہانت سے مراد غیب کی باتوں کا پتہ چلانے اور عرافت گزرے ہوئے نیز آنے والے واقعات کے پتہ چلانے کو کہتے تھے۔ عربوں کا خیال تھا کہ جنات کاہنوں اور عرافوں کے تابع ہیں جو پوشیدہ طور پر عالم غیب سے حالات سن کر انہیں مطلع کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ان پر بڑا ایمان رکھتے اور اہم معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ پیچیدہ معاملات میں ان سے مشورہ لیتے، جھگڑے ان سے فیصل کراتے، بیماریوں میں ان سے علاج کرواتے اور خوابوں کی تعبیر ان سے پوچھتے۔

بدشگونی کا تصور

"زجر" جانوروں کی آواز اور ان کی حرکت و ہیئت سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کا اندازہ لگانے کو کہتے ہیں۔ مثلاً: اگر کوئی شخص کسی پرندے کو پتھر مار کر یا شور مچا کر اڑاتا اور وہ پرندہ اس کے دائیں سمت سے اڑتا چلا جاتا تو اسے وہ نیک فال سمجھتے، لیکن اگر بائیں جانب سے ہو کر اڑتا تو اسے وہ بدشگونی تصور کرتے اور منحوس خیال کرتے۔

منحوسیت کا تصور

جاہل عرب فال کے بہت قائل تھے۔ کوے کو بہت منحوس اور موجب فراق سمجھتے تھے۔ الو کو بھی منحوس سمجھتے اور اس کے بولنے کو موت اور ویرانی کا موجب جانتے تھے۔ چھینک سے بری فال لیتے۔

جادوگری کا پیشہ اور ریاضتیں

بعض لوگ جادوگری کا پیشہ بھی کرتے اور شیطان کو اپنا دوست بنانے کے لئے بڑی بڑی ریاضتیں کرتے۔

بت پرستی اور بت کدے

ظہور اسلام کے وقت خانہ کعبہ اگرچہ عرب کا دینی مرکز تھا لیکن اہل عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیغام توحید کو بھول چکے تھے۔ شرک و بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ خانہ کعبہ بتوں سے بھرا پڑا تھا۔ ان کی پوجا ہوتی اور انہیں خدا کا مقام حاصل تھا۔ ہر قبیلہ اپنا جدا بت رکھتا تھا۔ بتوں میں بعض بت مردوں کی صورت رکھتے تھے اور بعض عورتوں کی۔ عرب میں خانہ کعبہ کی طرح بت پرستی کے اور بھی کئی مرکز تھے، جہاں بتوں کی باقاعدہ پوجا کی جاتی، چڑھاوے چڑھائے جاتے اور نذر و نیاز دی جاتی۔ ان اونٹوں کے گلے میں جوتا باندھ کر لٹکا دیتے اور ان کے کوہان زخمی کر دیتے جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ قربانی کا اونٹ ہے پھر کوئی شخص اس سے تعرض نہ کرتا۔

ہبل عرب کا سب سے بڑا دیوتا تھا اور اس کا بت خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ یہ بت جنگ میں کامیابی اور فتح کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا اور جاہل عرب جنگ میں اسی کا نعرہ بلند کرتے۔

ستارہ اور چاند پرستی

عرب جاہلیت میں ستارہ پرستی بھی خوب رائج تھی۔ قبیلہ حمیر سورج، کنانہ چاند، جدام مشتری اور اسد عطارد کی پوجا کرتے تھے۔ اکثر قبیلوں کے بتوں کے نام ستاروں کے نام پر تھے۔ عرب کے ستارہ پرستوں میں چاند کے پرستار سب سے زیادہ تھے اور چاند سب سے زیادہ محبوب معبود سمجھا جاتا تھا۔

عرب میں موجود ادیان اور ان کا مسخ ہونا

عرب میں ہر قسم کے دین موجود تھے۔ جن میں نصرانیت اور یہودیت جیسے الہامی مذاہب بھی شامل تھے، مگر ان کی اصلی صورت کچھ اس طرح مسخ ہو چکی تھی کہ کفر وشرک اور اصلی دین میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا۔ توحید کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ نصرانیت تثلیث کے جھگڑوں میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے رستے سے بھٹک کر اوہام پرستی کے گورکھ دھندوں میں پھنس چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کا ہر ملک عربوں سے بھی گیا گزرا تھا اور تمام دنیا ضلالت وگمراہی کے عمیق اندھیرے میں بھٹک رہی تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی اس پستی اور زبوں حالی پر رحم آیا اور اس نے ان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو بھیجا۔ رشد وہدایت کا یہ آفتاب عالم تاب سرزمین عرب کے ایک شہر مکہ میں طلوع ہوا اور اپنی ضیاباریوں سے تمام اقصائے عالم کو منور کر دیا۔ خدا کا یہ برگزیدہ انسان انسانیت کے لئے جو نیا الہامی مذہب لے کر نمودار ہوا اس کا نام "اسلام" ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر تعارف

بچپن کا دور

پیدائش:

سیدنا حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم مکہ کے مشہور قبیلہ قریش میں 9 یا 12 ربیع الاول کے دن پیدا ہوئے۔ یہ عام الفیل تھا۔ آپ کی پیدائش 20 اپریل 571ء میں بوقت صبح ہوئی۔

والد اور والدہ کی وفات:

آپ کی پیدائش سے چند ماہ قبل آپ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب وفات پا چکے تھے۔ ابھی آپ چھ برس کے بھی نہ تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

دادا کے زیر پرورش اور ان کی وفات:

اس کے بعد آپ کے دادا جناب عبدالمطلب نے نہایت پیار و محبت کے ساتھ آپ کی پرورش کی اور اپنی وفات سے قبل انہوں نے آپ کی تربیت و نگرانی آپ کے چچا جناب ابو طالب کے ذمہ کر دی۔

جناب ابو طالب کی پرورش میں:

جناب ابو طالب نے تنگ دستی اور کثرت عیال کے باوجود آپ کی پرورش اپنے ذمہ لے لی۔

آپ کی عادات:

اگر طبعی حالات کے مطابق آپ پرورش پاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یتیمانہ اخلاق اور جاہلانہ عادات اپنا کر جوان ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی تہذیب و تربیت کا انتظام فرمایا اور عقل رسا، حسن اخلاق، نازک طبع، پروقار شرم و حیا، متانت و بردباری، صبر و استقلال، اعتماد اور ذمہ داری، قوی دل، صدق و سچائی اور جمعیت خاطر بخش کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی

تکمیل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی کی نجاستوں سے پاک رکھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی شراب پی، نہ بتوں پر چڑھائے ہوئے جانوروں کا گوشت کھایا اور نہ اس دور کے میلوں اور جلسوں میں شرکت کی۔

تجارت کا پیشہ:

بچپن میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع بلند کو کسب معاش کے لئے حیلہ وتدبیر کا شوق پیدا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قومی رواج کے مطابق نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے تجارت میں حصہ لینا شروع کیا۔ لوگوں میں آپ کی ہوشیاری، راست بازی اور دیانت داری کا چرچہ عام ہونے لگا۔

جوانی کا پاکیزہ دور

مال خدیجہ کی تجارت اور تقریب نکاح:

اس وقت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نے جو قریش کی مالدار اور باعزت خاتون تھیں، آپ کو اپنے مال کی تجارت کے لئے دعوت دی۔ آپ نے ان کے خادم "میسرہ" کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ یہ سفر بہت کامیاب رہا اور اس تجارت میں بڑا نفع ہوا۔ جب آپ مکہ واپس ہوئے تو یہ نیک بی بی اس گرانقدر منافع اور کامیاب تاجر کی امانت داری دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور آپ سے شادی کرنا چاہی۔ اس وقت وہ چالیس سال کی تھیں اور آپ پچیس برس کے۔ آپ نے بھی اس رشتہ کو پسند فرمایا۔ حضرت خدیجہ کی گرانقدر خدمات کے باعث اسلام کی ترقی میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔

مال و دولت سے عدم دلچسپی اور تخلیہ کی راتیں:

پھر آنحضرت اپنے اہل وعیال کے لئے روزی کمانے کے لئے متفرق منڈیوں میں تجارت کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے سازوسامان اور زندگی کے آرام وآرائش سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے آپ کو نہ تو دولت جمع کرنے کی ہوس ہوئی اور نہ کسی بلند منصب پر پہنچنے کی تمنا۔ آپ دنیا کے مشاغل سے فارغ ہو کر تخلیہ میں لمبی لمبی راتیں غار حرا میں بیٹھ کر عبادت اور غور وفکر میں گزار دیتے۔

مکی دور......دعوتِ دین

وحی اول:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاکیزہ اور لطیف روح کو عالم بالا کی طرف متوجہ کرتے حتیٰ کہ اسی غار حراء میں چالیس برس کی عمر ہونے پر آپ کو بذریعہ وحی رسالت ومعجزہ بخشا گیا۔ آپ پر پہلی وحی میں سورۃ الاقراء کی پانچ آیات نازل کی گئیں۔

قرآن مجید تقریباً تئیس سال کے عرصے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ قرآن کا نام خود اس وحی الٰہی میں تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

"شهر رمضان الذی انزل فیه القران"

"رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر:۱۵۸)

یہ اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"نزلنا علیك الكتب تبیانا لكل شیء"

"ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح کرنے والی ہے۔"

(سورۃ النحل: آیت نمبر ۹۸)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"فیها کتب قیمة"

"قرآن مجید میں تمام کتب کے علوم جمع ہیں۔"

(سورۃ البینہ، آیت نمبر:۳)

یہ کتاب حق اور ہدایت اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ نیز اس کی سورتیں اور آیات اس طرح ہیں کہ آپس میں مربوط ہیں کہ ان میں نہ کوئی تعارض ہے اور نہ تخالف اور قرآن مجید کے مضامین باہم دیگرے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ وہ سب ایک مسلک میں منسلک ہیں۔

دعویٰ نبوت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں ریاضت اور عبادت کیا کرتے تھے۔ جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو دفعتاً وہ منزل مل گئی جس کے لئے جویاں تھے، وہ

گوہر مل گیا جس کے لیے مضطرب تھے اور وہ ہدایت مل گئی جس کے لئے گریاں تھے۔ جبریل وحی نبوت لے کر آئے اور کہا:

"اقرء"

"پڑھیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ماانابقاری"

"میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔"

فرشتے نے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا:

"اقرء"

"پڑھیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا اور فرشتے نے پھر زور سے دبایا اور چھوڑ دیا۔

تیسری مرتبہ کے بعد فرشتے نے یہ آیات پڑھیں:

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ [١] خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ [٢] اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ [٣] الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ [٤] عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ [٥]"

(العلق: آیت نمبر 1 تا 5)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پیغام ربانی کو لے کر کانپتے ہوئے آئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"مجھ پر کوئی کپڑا اوڑھا دو۔"

جب ذرا سکون آیا تو آپ نے تمام ماجرا سنا دیا اور کہا:

"خشیت علی نفسی"

"مجھے اصلاح دنیا کی ذمہ داری کے بوجھ سے ڈر لگتا ہے۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"واللہ ما یخزیك اللہ ابدا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی فرائب الحق"

"اللہ تعالیٰ یقیناً آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ کے عم زاد تھے۔ ورقہ کو تمام ماجرا سنایا تو ورقہ نے کہا:

"یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا۔ کاش! میں جوان ہوتا کہ جب آپ کی قوم آپ کو گھر سے باہر نکالنا چاہتی تو میں آپ کی دل وجان سے مدد کرتا۔"

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ وحی رک گئی۔ وہ زمانہ "فترت الوحی" کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ دوسری وحی میں سورۃ المدثر کی آیات نازل ہوئیں۔

اس کے بعد سلسلہ وحی جاری ہوگیا اور کم وبیش تیئس سال تک جاری رہا۔ قرآن مجید کا نزول ضرورت اور حالات کے مطابق ہوتا تھا۔ کچھ لوگ خود مسائل چھیڑ دیتے تھے پھر قرآن نازل ہوتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھے جاتے تو آپ وحی کے ذریعے جواب دیتے۔ کبھی معاشرے میں ایسے مسائل ابھر آتے جن کا جواب دینا ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح قرآن مجید ضرورت کے مطابق آہستہ آہستہ "نجماً نجماً" نازل ہوتا رہا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

"وقال الذین كفروا لولا نزل علیه القران جمله واحد وتلك لنثبت به فوادك ورتلنه ترتیلا"

(الفرقان: آیت نمبر ۳۲)

دوسری وحی کا نزول:

اس کے بعد ایک مدت تک وحی کا سلسلہ بند ہوگیا۔ پھر روح الامین اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ آیات لے کر نازل ہوئے:

"يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ [۱] قُمْ فَاَنْذِرْ [۲] وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ [۳] وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ [۴] وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ [۵] وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ [۶] وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ

[۷] فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ [۸] فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ [۹] عَلَی الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ [۱۰] ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا [۱۱] وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا [۱۲] وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا [۱۳] وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا [۱۴] ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ [۱۵] كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا [۱۶] سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا [۱۷] اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ [۱۸] فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ [۱۹] ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ [۲۰] ثُمَّ نَظَرَ [۲۱] ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ [۲۲] ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ [۲۳] فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ [۲۴] اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ [۲۵] سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ [۲۶] وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ [۲۷] لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ [۲۸] لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ [۲۹] عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ [۳۰] وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ص وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا وَّلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ وَمَا هِیَ اِلَّا ذِكْرٰی لِلْبَشَرِ [۳۱] كَلَّا وَالْقَمَرِ [۳۲] وَالَّیْلِ اِذْ اَدْبَرَ [۳۳] وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ [۳۴] اِنَّهَا لَاِحْدَی الْكُبَرِ [۳۵] نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ [۳۶] لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ [۳۷] كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ [۳۸] اِلَّآ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ [۳۹] فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ [۴۰] عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ [۴۱] مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ [۴۲] قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ [۴۳] وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ [۴۴] وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ [۴۵] وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ [۴۶] حَتّٰٓی اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ [۴۷] فَمَا تَنْفَعُهُمْ

شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ [۴۸] فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ [۴۹] كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ [۵۰] فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ [۵۱] بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً [۵۲] كَلَّا بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ [۵۳] كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ [۵۴] فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ [۵۵] وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ [۵۶]"

تین برس خفیہ دعوت:

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسالت وتبلیغ کے بارگراں کو اٹھا کر تین برس تک خفیہ طریقے سے تبلیغ دین فرماتے رہے۔

برملا دعوت حق:

تین برس خفیہ تبلیغ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برملا دعوت حق دینے کا حکم ملا۔ چنانچہ آپ نے علی الاعلان قریش کو دعوت دین پہنچائی، ان کے افکار وخیالات پر تنقید کی اور ان کے بتوں پر نکتہ چینی کی، جس کا جواب کفار نے کھلی دشمنی سے دیا۔

کفار کی دشمنی:

کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکروفریب اور سازشوں کے جال بچھائے اور اس تاک میں رہے کہ زمانہ کی گردشیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کر ڈالیں، مگر آپ ان کی تمام سازشوں کا مقابلہ صبر، استقلال، حوصلہ مندی اور ایمان سے کرتے رہے۔

بیوی اور چچا کی پشت پناہی:

آپ کی پشت پناہی میں آپ کے چچا ابوطالب تھے جو آپ کی مدافعت وحمایت کرتے رہے اور آپ کی نیک بیوی حضرت خدیجہ تھیں جو آپ کو تسلی دیتیں۔ حتی کہ ان سخت پریشان حالیوں کا مقابلہ کرتے کرتے دس سال گزر گئے۔

غم کا سال:

نبوت کے دسویں سال آپ کے مشفق چچا اور آپ کی غم گسار بیوی یکے بعد دیگرے دو روز کے وقفے سے داغ مفارقت دے گئے، جس کا آپ کو بڑا دکھ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو عالم الحزن (غم کا سال) کا نام دیا۔ ان دونوں ہمدردوں کی وفات کے بعد مکہ میں آپ کا رہنا دوبھر ہو گیا۔

مدینہ کی جانب ہجرت

بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ مدینہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ مدینہ منورہ میں قبیلہ اوس و خزرج کے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ جب مشرکوں کو آپ کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انہوں نے مل کر آپ کو قتل کرنے کی سازش کی، لیکن اسی رات جب وہ آپ کو قتل کرنے کی نیت سے اکٹھے ہوئے آپ اپنے دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ کی جانب ہجرت کر گئے۔ ان کی حفاظت و نگہبانی خدا کر رہا تھا۔

ربیع الاول جمعہ کے دن اپنی عمر کے ترپین سال گزرنے پر ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو وہ دونوں مدینہ پہنچے۔

مدنی دور...... انقلابی دور

مبارک ہجرت:

یہ مبارک ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول بالا ہونے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے پھیلنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کی تکمیل کا آغاز بن گئی۔

مشرکین سے مباحثہ و جہاد:

آپ لگاتار مشرکین سے جہاد کرتے رہے اور قرآن مجید کے احکامات کے مطابق مقابلہ و مباحثہ اور تلوار سے جنگ کرتے رہے، حتیٰ کہ جہالت کا دور ختم ہو گیا۔ شرک کی بدلیاں چھٹ گئیں اور دنیا میں توحید کا بول بالا ہو گیا۔

تکمیل دین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال:

حتیٰ کہ وہ آیت نازل ہوئی جس کے ذریعہ دین کی تکمیل ہوگئی۔اس آیت کریمہ کے نزول کو ابھی تین ماہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ بخار میں مبتلا ہوئے اور پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری مطابق ۸ جون ۶۳۲ء کو رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

تیئیس سالہ انقلابی زندگی

پہلا انقلابی درس اور مقبولیت:

داعی اسلام حضرت محمد رسول اللہ نے اپنی زندگی کے چالیسویں سال، سن ہجری سے تیرہ سال قبل ۶۱۰ء کے قریب انقلاب اسلام کا پہلا درس دنیا کو دیا تھا اور اس کے بعد سے آپ کی زندگی کے پورے ۲۳ سال اسی پیغام کی تبلیغ واشاعت میں صرف ہوئے۔ ۲۳ برس کی مدت میں روئے زمین کا وہ دس لاکھ مربع میل رقبہ جو جزیرہ نمائے عرب کے نام سے موسوم ہے، اسلام کے بتائے ہوئے نظام زندگی پر عامل ہو چکا تھا۔ فلسطین سے لے کر یمن وحضر موت تک اور حجاز سے لے کر عمان وکویت تک جو انسانوں کا جم غفیر بستا تھا وہ سب آپ کی حیات میں ہی زندگی کا پرانا چولا بدل چکا تھا۔ چنانچہ مشہور روسی دانشور ٹالسٹائی رقم طراز ہے:

> ”اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان مصلحین میں سے ہیں جنہوں نے ہیئت اجتماعیہ کی شاندار خدمات انجام دی ہیں۔وہ سب سے بڑے اور عظیم ترین مصلح تھے۔ان کا یہ کارنامہ انتہائی فخر کے قابل ہے کہ انہوں نے دنیا کی جاہل ترین قوم کو نور ہدایت سے منور کر کے صلح وآشتی کا ملجا وماویٰ بنا دیا۔“

اسلام کی مقبولیت

عالمی ادیان اور اسلام:

اسلام جس تیز رفتاری سے پھیلا دنیا کا کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ملکی اور مقامی مذاہب کا ذکر ہی کیا، تمام عالمی مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور بدھ مت وغیرہ) صدیوں تک نہایت گمنامی کی حالت میں رہے۔ یہی معاملہ یہودیت کے ساتھ پیش آیا۔ بدھ مت بھی اپنے

بانی کے زمانے میں آس پاس کی چند چھوٹی ریاستوں سے باہر قدم نہ رکھ سکا تھا۔ البتہ صدیوں بعد راجاؤں اور فرمانرواؤں کی سرپرستی میں پروان چڑھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صدیوں بعد عیسائیت بھی تاج وتخت کے سایہ میں اشاعت پذیر ہوئی ،لیکن اسلام اپنے آغاز سے تیس سال کے اندر اندر جزیرہ نما عرب کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا۔ یہی نہیں بلکہ اگلے پچیس سال میں کسریٰ کے مقبوضات اور قیصر کا بہت بڑا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔ اسی دوران اسلام ایشیا اور افریقہ میں بھی بہت مقبول ہوا۔

مقبولیت کے غیر معمولی اسباب:

یہاں ہمیں دیکھنا ہے کہ اس غیر معمولی مقبولیت کے اسباب کیا ہیں۔ عیسائی مبلغین اس کی تمام تر وجہ قوت کا استعمال بتاتے ہیں لیکن تاریخ سے گہری دلچسپی رکھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ کوئی تحریک آج تک قوت کے بل بوتے پر کامیاب نہ ہو سکی۔ تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ عمدہ سے عمدہ تحریکیں صرف تشدد کے باعث ناکام ہو گئیں۔ پھر اسلام کی اشاعت کا سبب تلوار کو قرار دینا حقائق سے دیدہ ودانستہ چشم پوشی کرنے کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی مقبولیت کا سب سے اہم سبب اس کی تعلیمات کی گہرائی ہے۔ جس میں انسانی زندگی کے ہر ہر شعبہ کی اصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ جس کی ہدایات نہ صرف اگلی دنیا میں چین و آرام کی راہیں کھولتیں ہیں بلکہ اس دنیاوی زندگی میں بھی امن و اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے لئے مشعل راہ بھی ہیں۔ اسلام کی اس ہمہ گیر اور قابل عمل تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ ہر خطہ اور ہر ملک کے باشندوں نے اسے قبول کیا اور اس کے ذریعہ وہ ترقی کے اعلیٰ ترین مدارج پر فائز ہو گئے۔

اسلامی مساوات:

اسلامی تعلیمات میں جس چیز نے سب سے زیادہ لوگوں کو لبھایا وہ اس کی مساوات کی تعلیم ہے جس کے ذریعہ صدیوں کے درماندہ لوگوں کو نئی زندگی مل گئی۔ وہ مظلوم طبقہ جو نا معلوم زمانے سے مٹھی بھر لوگوں کے پنجہ جور میں بری طرح جکڑا ہوا تھا اس نے اسلام کے دامن میں آ کر پناہ لی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد میں اکثریت اور بہت بڑی اکثریت ایسے لوگوں کی رہی ہے جو غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر اسلام نے جہانبانی کے جو اصول سکھلائے ہیں اور جس طرز حکومت سے بنی نوع انسان کو روشناس کرایا ہے۔ لوگ اس کے گرویدہ ہو کر بہ کثرت حلقہ اسلام میں داخل

ہوئے۔

وحدت ادیان کا اصول:

اسلام کی مقبولیت کا ایک اور اہم سبب یہ بھی ہے کہ اسلام نے وحدت ادیان کا اصول پیش کیا ہے۔ اس کی رو سے تمام مذاہب جن کی بنیاد توحید پر ہے سب کے سب سچے ہیں اور ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیوں کی حیثیت رکھتے ہیں جو وقت اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق اللہ کی طرف سے انسان کی اصلاح کی خاطر وقتاً فوقتاً آتے رہے۔

نجات کی اجارہ داری کا خاتمہ:

اس وحدت ادیان کے ساتھ اسلام نے سچائی اور نجات کی اجارہ داری کا بھی بالکل خاتمہ کر کے رکھ دیا ہے۔ مذاہب عالم میں اکثریت ایسے مذاہب کی ہے جنہوں نے نجات کو کسی خاص فرقہ یا گروہ کے لوگوں تک محدود کر دیا ہے، لیکن اسلام میں نجات کا دروازہ ہر ایک شخص کے لئے کھلا ہوا ہے جو خود کو خالق کائنات کے سپرد کر دے اور نیک عملی کو اپنا شعار بنا لے۔ اس طرح انسان پہلی بار اس حقیقت سے روشناس ہوا کہ کسی خاص نسل یا قوم میں پیدا ہونا نجات کی ضمانت نہیں ہے، بلکہ رنگ و نسل سے ہٹ کر تقوئی، تزکیۂ نفس اور حسن سیرت ہی دنیا میں فلاح اور آخرت میں نجات کا باعث ہے۔

اسلام پیغمبر اسلام کے بعد

عہد خلفائے راشدین:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کا دور آیا۔ ان خلفاء کا عہد حقیقی جمہوریت کا عہد تھا۔ ہر طرف بغاوت کے آثار تھے۔ ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تو دوسری طرف وہ لوگ جنہوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بصیرت وفراست نے ان سب پر غلبہ پالیا۔ قرآن کی تدوین کا خیال بھی اسی دور میں پیدا ہوا۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عہد اسلامی فتوحات کا دور تھا۔ ان کے دور میں اسلام عرب سے نکل کر عراق، ایران، شام، مصر اور شمالی افریقہ تک پھیل گیا۔ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ پر فتن

زمانہ تھا۔ ان دونوں خلفاء کے زمانے میں اسلام دشمن عناصر پھر میدان عمل میں آ گئے اور انہوں نے اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

بادشاہت کا آغاز اور اموی بادشاہ:

خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں میں شہنشاہیت کا آغاز ہوا اور اس کے سب سے پہلے علم بردار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے اموی خاندان کی حکومت کی بنیادوں کو استوار کیا۔ اموی عہد میں اسلامی فتوحات کا دائرہ اور وسیع ہوا۔ اسلامی مملکت کی حدود ہندوستان اور سپین تک وسیع ہو گئیں، لیکن اسلام کی وہ انقلابی روح جس کا پیغام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے بہت حد تک مردہ ہو گئی۔ یہ زمانہ تقریباً اسی ۸۰ سال پر محیط ہے۔

عباسی بادشاہت:

امویوں کے بعد عباسی آئے جنہوں نے فتوحات پر دنیاوی ثقافت کو ترجیح دی۔ ان کا عہد علوم وفنون کا عہد تھا، جس سے مسلمانوں میں فرقہ بندی کا ظہور ہوا۔ عباسی حکومت پانچ سو برس تک قائم رہی لیکن اس کا انحطاط دو سو برس بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ آخری تین سو برس میں متعدد چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں وجود میں آ گئیں، جن میں سلاجقہ، غزنوی اور ایوبی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عثمانی حکومت:

عباسیوں کے بعد سب سے بڑی اسلامی حکومت جو تقریباً سات صدیوں تک قائم رہی عثمانیوں کی تھی جن کی فتوحات یورپ کے اکثر ممالک پر محیط تھیں۔ عثمانی حکمران بھی اپنے آپ کو خلفاء کہلواتے تھے۔ انقلاب ترکی کے بعد اس خلافت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اٹھارویں، انیسویں، بیسویں اور اکیسویں صدی:

اٹھارویں اور انیسویں صدی مسلمانوں کی غلامی اور نکبت وادبار کا دور ہے جس پر یورپی طاقتوں نے مسلمانوں کو اپنا محکوم بنالیا۔ اگرچہ ان کی حکومتیں بتدریج ان کی غلامی سے نکلتی جارہی ہیں، لیکن بین الاقوامی سیاست کے زیر اثر اب بھی وہ کسی نہ کسی یورپی طاقت کے زیر اثر ضرور ہیں۔

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قابلِ تقلید اسوۂ حسنہ:

تاریخ انسانی میں ایسے لاکھوں ممتاز افراد گزرے ہیں جنہوں نے بنی نوع انسان کے لئے اپنی زندگیاں نمونے اور ماڈل کے طور پر پیش کیں۔ ان میں سے شاہان عالم ہیں، جنگی سپہ سالار ہیں، علماء، حکماء اور فاتحین عالم ہیں اور شہرۂ آفاق شاعر ہیں۔ اسی طرح اسٹیج عالم پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں اور ہر زندگی ایک کشش رکھتی ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان مختلف گروہوں میں سے کس کی زندگی بنی آدم کی سعادت، نجات اور ہدایات کی ضامن ہے اور اس کے لئے قابل تقلید اسوۂ حسنہ ہے۔؟ اس میعار پر پرکھیں تو انبیاء علیہم السلام کا گروہ ہی ایسا قابل تقلید نمونہ ہے جو اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

تمام انسانی گروہ کے لیے یکساں فیض:

یہ بھی حقیقت ہے کہ بنی نوع انسان کے حقیقی مسلمان، اعمال کی بہتری، اخلاق کی نیکی، قلوب کو صفائی اور انسانی قویٰ میں اعتدال اور توازن پیدا کرنے کی کامیاب سعی اگر کسی گروہ انسانی نے کی ہے تو وہ نفوس قدسیہ انبیاء کرام کا گروہ ہی ہے۔ وہ انسانی ہدایت کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے اور رشد وہدایت کی مشعل روشن کر کے چلے گئے۔ جن کی تعلیم وعمل کی ضیاء پاشیوں سے آج بھی تمام انسانی گروہ یکساں فیض یاب ہو رہے ہیں۔ انبیاء کا پیام باہمی انس و محبت اور عالمگیر اخوت کا پیغام تھا۔ بقول مولانا روم:

''انبیاء توڑنے نہیں جوڑنے آتے ہیں۔''

علم وعمل کا مجموعہ:

یہ نفوس قدسیہ (انبیاء کرام) اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر گئے۔ ہر ایک نے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے مناسب حال اخلاق حسنہ کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا اور تاریکی وضلالت کے مقابلے میں ایسا رشد وہدایت کا چراغ روشن کیا جس سے صراط مستقیم تک رسائی آسان ہوگئی۔ مگر اب ضرورت ایسے رہنما اور پیشوا کی تھی جو پورے عالم کو بقعہ نور بنا دے اور ہمارے ہاتھ اپنی اعلیٰ ترین عملی زندگی کا وہ مکمل ہدایت نامہ دے دے جس کو لے کر اس کی حکیمانہ ہدایت کے مطابق

ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پالے۔ یہ رہبر کامل سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کی تعلیم دائمی اور ابدی ہیں یعنی قیامت تک ان کو زندہ رہنا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو علم و عمل کا مجموعہ کمال بنایا گیا۔

عالمگیر اور جامع ترین سیرت:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ قیامت تک کے لئے پوری انسانیت کے لئے اسوۂ حسنہ ہے، کیونکہ آپ کی پوری زندگی ایک روشن کتاب کی طرح ہمارے لئے کھلی ہے، کوئی واقعہ راز اور جہالت کی تاریکی میں گم نہیں، اس طرح آپ کی سیرت پاک جامعیت کی حامل ہے یعنی مختلف طبقات انسانی کو اپنی رشد و ہدایت کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہے یا ہر فرد کو اپنے مختلف تعلقات اور فرائض کو ادا کرنے کے لئے جن ماڈلوں اور نمونوں کی ضرورت ہے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں موجود ہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قول و فعل اور تعلیم و عمل کا حسین مرقع ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس تعلیم کو پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس کی ترجمان اور ذاتی عمل اس کے مطابق ہے۔ ورنہ اچھے سے اچھا فلسفہ اور عمدہ سے عمدہ نظریہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ البتہ جو چیز پیش نہیں کی جا سکتی وہ اس نظریئے اور فلسفے کے مطابق عمل ہے۔ اس لحاظ سے بھی سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے لئے ازلی نمونہ اور ابدی اسوۂ حسنہ ہے۔

اسوۂ حسنہ قرآن مجید کی روشنی میں:

قرآن کریم کی نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہر ایک مسلمان کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة"

"تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔"

(سورۃ الاحزاب: آیت نمبر ۲۱)

انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کے لیے نمونہ:

ایک مسلمان کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لئے ہمیں ہر قدم پر

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات انسانی کے ہر شعبے، ہر گوشے میں مکمل ہدایات اور مثالی اعمال کے ذریعے ہمیں سیدھا، سچا، روشن اور بہترین راستہ بتایا ہے۔

ہر طبقہ اور گروہ کے لیے نمونہ:

انسانوں کے ہر طبقہ اور گروہ کے لئے اس سیرت پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کی رہنمائی موجود ہے۔ جو لوگ بچپن میں ناساز ماحول میں گھر جاتے ہیں ان کے لئے آمنہ کے لال اور در یتیم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں تسلی و اطمینان کا سامان ہے۔ نوجوانوں کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء داری اور عفت میں نمونہ عمل ہے، جو کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ تاجروں کے لئے مکہ معظمہ کے اس تاجر کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، جس کے تجارتی لین دین کی سچائی اور معاملے کی صفائی کا شہرہ ملک شام تک تھا۔ اس طرح اگر تم حکمران ہو تو سلطان عرب صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پڑھو۔ اگر رعایا ہو تو قریش کے مجاہد کو ایک نظر دیکھو۔ اگر تم استاد ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ اگر طالب علم اور شاگرد ہو تو رحمٰن عزوجل کے شاگرد پر نظر جماؤ۔ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد نبوی کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر بے اولاد ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن و حسین کے نانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھو۔ اگر مزدور اور محنت کش طبقہ کے افراد ہو تو مسجد نبوی کے معماراول کو دیکھو کہ جنہوں نے ''محنت میں عظمت ہے'' کا عملی پیغام دیا۔

غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تو تمہاری زندگی کے لئے نمونہ، تمہاری سیرت کی اصلاح کے لئے سامان اور تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایات کا چراغ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کامل میں ہر وقت مل سکتا ہے۔ اس لئے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور حق کے ہر متلاشی کے لئے صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارکہ ہدایت اور نجات کا ذریعہ ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق''

''میں جملہ اخلاق عالیہ کی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔''

اخلاقِ فاضلہ:

اخلاقِ فاضلہ انسان کی عملی سیرت کا نام ہے۔قرآن پاک نے اس بات کی عملی شہادت دی ہے کہ آپ اپنے عمل واخلاق کے لحاظ سے بھی بلند ترین انسان تھے۔قرآن نے دوست ودشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا:

"وانك لعلى خلق عظيم"

"بے شک آپ خلقِ عظیم کے حامل ہیں۔"

(سورۃ القلم: آیت نمبر:۴)

سیرت کے روشن ترین پہلو:

چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔آپ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی تو شب وروز میں کوئی لمحہ ایسا نہ تھا کہ جب خدا کی یاد سے آپ کا دل اور ذکر سے زبان غافل ہو۔چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"آپ ہر وقت خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔"

صبر وتوکل اور توکل علی اللہ:

صبر وتوکل اور خدا پر اعتماد کی شان دیکھیں تو صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتی ہے۔حکم الٰہی تھا:

"واصبر كماصبر اولو العزم من الرسل"

(القرآن المجید)

"جس طرح صاحب عزیمت رسولوں نے صبر واستقلال دکھایا تو بھی دکھا۔"

آپ نے وہی کر کے دکھایا۔

قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی کیسی تکلیفیں دیں۔مگر صبر واستقلال کا دامن آپ کے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹا۔ہجرت کے وقت غارِ ثور میں پناہ لیتے ہیں۔کفار آپ کا پیچھا کرتے ہیں اور غارِ ثور کے دہانے تک پہنچ جاتے ہیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھبرا کر کہتے ہیں:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم دو ہیں اور دشمن کثیر۔؟"

ایک تسکین بھری آواز آتی ہے:

''ابو بکر ہم دو نہیں۔

''لا تحزن ان اللہ معنا''

''گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔''

(سورۃ التوبہ، آیت نمبر: ۹)

عفو و درگزر:

اسی طرح عفو و درگزر سے کام لینا اور دشمنوں سے پیار کرنا صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حصہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اسلام قبول کرنے سے قبل برابر سات برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فوجیں لاتے رہے۔ وہ اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ اسی طرح ان کی بیوی ''ہندہ'' جس نے احد کے معرکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کی بے حرمتی کی اور ان کے سینے کو چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبایا، فتح مکہ کے موقع پر رحمۃ للعالمین نے نہ صرف میاں بیوی کو معاف کر دیا بلکہ یہ بھی فرمایا:

''جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے۔''

خطبہ حجۃ الوداع:

غرض تاریخ عالم میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتے ہیں۔ آخری حج کے موقعہ پر جب کہ شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ایک لاکھ چالیس ہزار پروانوں کا ہجوم تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کو خدا تعالیٰ کا آخری پیغام سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے ساتھ اپنی ذاتی مثال بھی پیش فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے سودی لین دین آج باطل کئے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی کاروبار ختم کرتا ہوں۔''

(مسند امام احمد)

الغرض چھوٹے بڑے، حاکم و محکوم، فاتح و مفتوح، دوست و دشمن، اپنے بیگانے، معلم و متعلم، مقنن و مصلح، غرض سب کے لئے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ یکساں مفید اور قابل تقلید نمونہ ہے۔

مقدس دینی کتاب

القرآن المجید

معنی و مفہوم

قرآن کا لفظ ''قرات'' سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں:

''پڑھنا اور تلاوت کرنا۔''

قرآن مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں:

''بکثرت پڑھی جانے والی کتاب۔''

قرآن مجید کا نام قرآن مجید میں

اس کتاب الٰہی کا یہ نام ''قرآن'' کسی انسان کا رکھا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ نام خود خداوند تعالی نے رکھا ہے۔

1: سورۃ الاسراء میں ارشاد باری تعالی ہے:

'' وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا o''

(سورۃ الاسراء (بنی اسرائیل)، آیت نمبر 106)

2: سوۃ النساء میں ارشاد باری تعالی ہے:

''اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا o''

(سورۃ النساء، آیت نمبر 82)

3: سورۃ یوسف میں ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ o"

(سورۃ الیوسف، آیت نمبر 3)

4: سورۃ الحجر میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ o"

(سورۃ الحجر، آیت نمبر 87)

5: سورۃ الحجر میں ہی ہے:

" اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ o"

(سورۃ الحجر، آیت نمبر 91)

6: سورۃ النحل میں ارشاد ہے:

" فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o"

(سورۃ النحل، آیت نمبر 98)

7: سورۃ الاسراء میں ارشاد ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا o"

(سورۃ الاسراء، آیت نمبر 9)

8: سورۃ الاسراء میں ہی ارشاد ہے:

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا o"

(سورۃ الاسراء، آیت نمبر 45)

9: سورۃ طٰہٰ میں ارشاد ہے:

" مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى o"

(سورۃ طٰہٰ، آیت نمبر 2)

10: سورۃ الفرقان میں ارشاد ہے:

"وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ

مَهْجُوْرًا o"

(سورۃ الفرقان، آیت نمبر 30)

11: سورۃ النمل میں ارشاد ہے:

" وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ o"

(سورۃ النمل، آیت نمبر 6)

12: سورۃ النمل میں ہی ارشاد ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ o"

(سورۃ النمل، آیت نمبر 76)

13: دوسری جگہ ہے:

" وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ o"

(سورۃ النمل، آیت نمبر 92)

14: سورۃ القصص میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ قُلْ رَّبِّىْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ o"

(سورۃ القصص، آیت نمبر 85)

15: سورۃ الاحقاف میں ارشاد ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِىَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ o"

(سورۃ الاحقاف، آیت نمبر 29)

16: سورۃ محمد میں ارشاد ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا o"

(سورۃ محمد، آیت نمبر 24)

17: سورۃ القمر میں ارشاد ہے:

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ o"

(سورۃ القمر، آیت نمبر 17)

18: سورۃ الرحمٰن میں ہے:

" عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ o"

(سورۃ الرحمٰن، آیت نمبر 2)

19: سورۃ الحشر میں ارشاد ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ o"

(سورۃ الحشر، آیت نمبر 21)

20: سورۃ المزمل میں ارشاد ہے:

"اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا o"

(سورۃ المزمل، آیت نمبر 4)

21: سورۃ الدہر میں ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا o"

(سورۃ الدہر (الانسان)، آیت نمبر 23)

22: سورۃ الانشقاق میں ارشاد ہے:

وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ o السجدة"

(سورۃ الانشقاق، آیت نمبر 21)

23: سورۃ التوبہ میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o"

(سورۃ التوبہ، آیت نمبر 111)

24: سورۃ الاسراء میں ارشاد ہے:

" وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا o"

(سورة الاسراء، آیت نمبر 41)

25: سورة الاسراء میں ہی ہے:

" وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا o"

(سورة الاسراء، آیت نمبر 82)

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کی بیسوں آیات میں قرآن مجید کا نام القرآن موجود ہے۔

نام یا پیش گوئی

اس کتاب کو قرآن کریم کا نام دینے میں دراصل ایک زبردست پیش گوئی مضمر ہے۔ وہ یہ کہ یہ کتاب اس کثرت سے دنیا میں پڑھی جائے گی کہ کوئی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ چودہ سو سال سے زائد کا طویل عرصہ اس امر کا شاہد ہے کہ یہ پیشگوئی نہایت تسلسل اور تواتر سے پوری ہو کر قرآن مجید کی صداقت پر ایک زبردست شہادت ثابت ہوئی ہے اور قیامت تک ثابت ہوتی رہے گی۔ چنانچہ دشمنوں اور مخالفوں کو بھی مجبور ہو کر تسلیم کرنا پڑا:

"حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر میں صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔"

(انسائیکلو پیڈیا برٹینکا، نولڈ کے کا مقالہ قرآن)

یہی وہ کتاب ہے جسے کروڑوں افراد دن میں کم سے کم پانچ مرتبہ پڑھتے ہیں۔ جو بڑی عمر کے لوگوں کے علاوہ نو عمر بچوں کے سینوں میں محفوظ ہے جو رمضان المبارک میں پوری کتاب صحت لفظی اور حسن قرأت کے ساتھ سناتے ہیں۔

نزول قرآن

تئیس سال کا عرصہ:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے اس نے اپنے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر

تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس سال کی مدت میں نازل فرمایا۔

نزول قرآن کے وقت عمر:

جب اس کا نزول شروع ہوا تو اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کا اکتالیسواں سال تھا۔

پہلی وحی:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے وحی غیر غار حرا میں نازل ہوئی۔ وہ سورۃ العلق کی آیات ہیں:

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○"

(سورۃ العلق: آیت نمبر 1 تا 5)

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کریم کا نام لے کر پڑھو۔ جس نے (کائنات) کو پیدا کیا، جس نے انسان کو علق سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے سکھلایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا علم اس کو نہ تھا۔"

آخری وحی:

آخری وحی کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری حج ادا فرمایا تو آیت کلالہ نازل ہوئی:

"يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ○"

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۱۷۶)

"(اے پیغمبر!) لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں (اللہ کا) حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ خدا کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے......"

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں وقوف فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"

(سورۃ المائدہ: آیت نمبر ۳)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر لیا۔"

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

"وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ق ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ o"

(سورۃ البقرہ: آیت نمبر ۲۸۱)

"اور اس دن سے ڈرو جب کہ تم اللہ کے حضور لوٹ کر جاؤ گے، پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا بدلہ پائے گا اور کسی پر زیادتی نہ ہوگی۔"

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا:

"اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو سورۃ البقرہ کی 280 نمبر آیت کے سرے پر رکھو۔"

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیاسی دن زندہ رہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزولی ترتیب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لگائی ہوئی ہے۔ جس روز قرآن مجید کا نزول مکمل ہوا اس روز اس کی ترتیب بھی مکمل ہو گئی گویا جو اس کا نازل کرنے والا تھا وہی اس کا مرتب کرنے والا بھی تھا۔

اسماء القرآن

قرآن مجید کے قرآنی نام:

اس کتاب کو قرآن کریم کے علاوہ اور بہت سے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن سب سے زیادہ مشہور نام قرآن ہی ہے۔ محققین نے پچپن نام ایسے شمار کیے ہیں جو اس کتاب کے لئے قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً:

المجید	(سورۃ ق، آیت نمبر 1)
حکیم	(سورۃ یٰسین)
مبارک	(سورۃ الانعام، آیت نمبر:۱۰۰)
بشریٰ	(سورۃ البقرہ)
العظیم	(سورۃ الحجر، آیت نمبر ۸۷) (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۸۵)
الکتاب	(سورۃ البقرہ، آیت نمبر:۲)
فرقان	(سورۃ الفرقان، آیت نمبر 1)
ذکریٰ	(سورۃ الاعراف، آیت نمبر:۲)
ذکر	(سورۃ الحجر، آیت نمبر ۹)
تذکرۃ	(سورۃ الدھر، آیت نمبر:۲۹)
رحمۃ	(سورۃ یونس، آیت نمبر:۵۷)۔

کثرت اسماء:

یہ بات بڑی واضح ہے کہ کسی ذات، شخصیت یا چیز کے زیادہ نام اور اچھے القابات اس کی زیادہ خصوصیات وفضائل پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے بہت سے اچھے نام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان کی دلیل ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قرآن مجید کے بھی بہت سے اسماء والقاب ہیں جو اس کے عالی مرتبت، عظیم الشان اور بلند مقام پر دلالت کرتے ہیں۔ ذیل میں قرآن مجید کے اسماء والقابات کا قرآن ہی کی روشنی میں ذکر کیا جاتا ہے۔

الکتاب:

قرآن مجید اپنا تعارف لفظ "الکتاب" سے کراتا ہے کہ وہ ضبط تحریر میں آیا ہوا کتابی شکل میں مرتب صحیفہ آسمانی ہے۔ یہ محض زبانی یادداشتوں کا مجموعہ نہیں بلکہ باضابطہ اور مستند نوشتہ اور ایک صحیفہ مکتوب ہے۔

درج ذیل وجوہ کی بنا پر قرآن مجید کو "الکتاب" کہا گیا ہے:

1: الکتاب مصدر ہے اور اس کے اصل معنٰی "جمع کرنا" ہیں اور یہ مکتوب (لکھی ہوئی کتاب) کے معنی میں ہے۔ کتاب کے لفظ سے ہی ذہن میں یہ تصور اُبھرتا ہے کہ یہ ایک منظم و مترتب چیز ہے۔ بکھرے ہوئے اوراق کو کتاب نہیں کہا جاتا۔ اس لحاظ سے قرآن مجید کو کتاب اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں مختلف علوم و معارف، واقعات و قصص اور خبریں منظم و مربوط صورت میں جمع کی گئی ہیں۔

2: الکتاب کے معنی اگر "لکھا ہوا" کیے جائیں تو اس لحاظ سے ہے کہ قرآن لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے نتیجے کے لحاظ سے اسے کتاب کہا گیا ہو کیونکہ نبی کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید لکھوانے کا اہتمام فرمایا۔ قرآن مجید کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتب وحی صحابی رضی اللہ عنہ کو بلا کر اسے لکھنے کا حکم صادر فرماتے۔

3: الکتاب مجموعہ قوانین کو بھی کہا جاتا ہے بلکہ اس کتاب کو الکتاب کہنا زیادہ زیب دیتا ہے جس میں احکام کے ساتھ ساتھ قوانین بھی موجود ہوں۔ قرآن مجید میں اس کے قانونی کتاب ہونے کی وضاحت سورۃ النساء کی آیت 105 میں اس طرح موجود ہے:

"ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف یہ کتاب نازل فرمائی تا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔"

4: الکتاب کا لفظ خط کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ سورۃ النحل میں ارشاد ربانی ہے:

"میری طرف سے ایک عزت والا خط آیا ہے۔"

اس اعتبار سے قرآن مجید اللہ رب العالمین کی طرف سے تمام دنیا کے لوگوں کے لیے ایک کھلا خط ہے۔

القرآن:

"القرآن" قرآن مجید کا ذاتی نام ہے اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کو القرآن کہنے کی کئی وجوہات ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1: یہ لفظ غیر مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب پر مخصوص نام کے طور پر بولا جاتا ہے، جیسے تورات زبور اور انجیل کے الفاظ دیگر آسمانی کتب کے نام ہیں۔

2: القرآن "قرن" سے لیا گیا ہے جس کے معنی "ملانا" کے ہیں کیونکہ اس میں سورتیں آیات اور حروف ملائے گئے ہیں، اس لیے اسے القرآن کہتے ہیں۔

3: القرآن "قرء" کا مصدر ہے، جسکا معنی ہے پڑھنا۔ القرآن مفعول کے معنی میں ہے اس لحاظ سے اس کا معنی ہوا پڑھی جانے والی کتاب۔ یہ بات بلا خوف وخطر کہی جاسکتی ہے کہ قرآن مجید دنیا کی تمام الہامی اور غیر الہامی کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔

المبین

المبین کا معنی ہے واضح یا صاف صاف بیان کرنے والی کتاب۔ قرآن مجید ہر چیز کو واضح واضح بیان کرنے والی کتاب ہے۔ غور وخوض اور خلوص نیت کے ساتھ پڑھنے والے کے لیے اس میں قطعاً کوئی اُلجھن نہیں۔ اس کے احکام اور اوامر ونواہی بالکل واضح ہیں۔ قرآن مجید کو المبین اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ حق کو باطل سے بالکل الگ تھلگ کر دیتی ہے۔

الکریم:

قرآن مجید کو الکریم بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں عزت واحترام والا۔ قرآن مجید کا ایک ادب واحترام تو یہ ہے کہ اس کو ترتیل وتجوید کے ساتھ پڑھا جائے اور اسے سمجھ کر اس کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ جو آدمی قرآن مجید کے خلاف زندگی بسر کر رہا ہے وہ قرآن کا ادب واحترام کرنے والا نہیں۔

دوسرا اس کا ظاہری ادب ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ لوگ جس قدر اس کی ظاہری عزت وتوقیر کرتے ہیں وہ کسی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔

کلام اللہ:

قرآن مجید کو کلام اللہ بھی کہا جاتا ہے جس کا معنی ہے: ''اللہ کا کلام۔'' کیا قرآن مجید کا یہ شرف کم ہے کہ یہ اللہ خالق و مالک کا کلام ہے۔؟

النور:

قرآن مجید کو النور بھی کہا گیا ہے جس کا معنی ہے: ''روشنی۔'' قرآن مجید جہالت و تعصب اور ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں واضح روشنی کا کام دیتا ہے۔

ہدیٰ:

قرآن مجید کو ہدیٰ بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں: ''ہدایت و رہنمائی۔'' ہدیٰ مصدر ہے اور اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی اس کا معنی ہے: ''رہنمائی کرنے والا رہنما۔'' قرآن مجید نے ہمیں زندگی کی تاریک راہوں میں رہنمائی اور روشنی فراہم فرمائی ہے۔ اسی رہنمائی کا نتیجہ ہے کہ قرآن مجید کے بتائے ہوئے حقائق کے بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید کی رہنمائی تمام انسانوں کے لیے ہے لیکن اس رہنمائی سے ایمان والے اور متقی ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

رحمۃ:

قرآن مجید فرقان حمید کا ایک اسم گرامی رحمۃ بھی ہے جس کے معنی ہیں: ''برکت، مہر و محبت۔'' انسانیت جہالت و ضلالت اور کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹک رہی تھی، ان حالات میں قرآن مجید فرقان حمید کتاب رحمت بن کر نازل ہوا۔ نقصانات اور نامرادی کے طوفانوں کے مقابل قرآن مجید فرقان حمید نے انسان کو اپنے دامن رحمت میں چھپالیا اور اس رحمت نے قیامت تک کے انسانوں کے لیے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی ناہمواریوں کو دور کر کے ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا۔

الفرقان:

قرآن مجید فرقان حمید کو فرقان بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں: ''حق و باطل کے درمیان

فرق کرنے والا کلام۔" قرآن مجید کو فرقان کہنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ تبدیل شدہ پہلی کتب سماویہ کی تعلیمات کو قرآن مجید نے الگ تھلگ کر دیا۔ حق و باطل اور توحید و شرک کے درمیان ٹھوس دلائل و شواہد کے ذریعے واضح خط کھینچ دیا۔

شفاء:

قرآن مجید فرقان حمید کا ایک اسم گرامی شفاء بھی ہے۔ جس کے معنی ہیں: "تندرستی۔" قرآن مجید فرقان حمید روح کے علاوہ جسم کی بیماریوں کے لیے بھی شفاء ہے۔ اس میں عجب تاثیر ہے۔ لاکھوں کروڑوں بیمار اس کی چند آیات یا چند سورتیں پڑھ کر شفاء یاب ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ اخبارات و رسائل میں بھی اس کے شواہد ملتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات یا دعائیں پڑھ کر دم کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

موعظۃ:

قرآن مجید کو موعظۃ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں: "نصیحت آموز کتاب۔" قرآن مجید سے ایک طرف تو عام انسانوں کو دین حق کے متعلق واضح حقائق معلوم ہوتے ہیں اور دوسری طرف مومنوں اور متقیوں کے لیے یہ کتاب ہدایت و موعظت ہے۔ ہدایت اور موعظت کا رشتہ حد درجہ منطقی ہے۔ جو چیز رہنمائی کرے گی وہ راہ کے خطروں سے بھی ڈرائے گی۔

موعظۃ کے معنی ہیں: "اعمال کے اچھے اور بُرے نتائج سے اس طرح باخبر کرنا کہ دلوں کی کیفیت بدل جائے۔"

لغوی لحاظ سے وعظ کے معنی حکم دینا اور (برے کام سے) روکنا بھی ہیں۔ گویا قرآن نیک اعمال کا حکم دیتا ہے اور بُرے اعمال، غلط روش کے نتائج سے بھی آگاہ کرتا اور حکماً ان سے روکتا ہے۔

ذکر:

قرآن مجید کو ذکر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں: "یاد۔" ذکر اس شے کو کہتے ہیں جو ذہن میں ایسے محفوظ ہو کہ بھلائی نہ جا سکے اور نہ ہی اسے فراموش کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی

حفاظت اس طرح کی کہ لوگوں کے سینوں میں اسے محفوظ کر دیا۔

دنیا میں یہ واحد کتاب ہے جسے لوگ زبانی یاد کرتے ہیں۔ آج بھی بے شمار بڑوں اور بچوں کے سینوں میں یہ کتاب موجود ہے یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیوں سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود آج تک کوئی قرآن مجید میں ایک حرف بھی تبدیل نہیں کر سکا۔ صاحب تاج علامہ ابن مکرم نے لکھا ہے کہ جو کتاب تفاصیل دینی اور قوانین امم پر حاوی ہو وہ ذکر ہے۔ قرآن مجید میں دین کی تفصیلات بھی ہیں اور پہلی امتوں کے حالات بھی اس لیے بھی، اسے ذکر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مبارک:

قرآن مجید فرقان حمید کو مبارک کتاب کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں: "برکت والی کتاب۔" برکت کے مفہوم میں خیر وفلاح، کثرت ونمو اور ثبات ودوام شامل ہیں۔ جو کتاب رشد وہدایت کا مرقع، حکمت ودانائی کا منبع، دینی تفصیلات کا گنجینہ، روحانی اور جسمانی بیماریوں کی دوا، بیماریوں کی شفاء، پڑھنے، وعظ ونصیحت اور عبرت حاصل کرنے میں انتہائی سہل اور آسان ہو، جس کی تعلیمات تمام انسانیت کے لیے ہوں، جسکا ایک حرف پڑھنے سے دس دس نیکیاں ملیں اور جس پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت کی کامیابی وکامرانی کا سرٹیفکیٹ ملے، وہ یقیناً مبارک لقب والی کتاب قرآن مجید ہی ہے۔

علی:

عربی زبان کا مقولہ ہے:

"كلام الملوك ملوك الكلام"

"بادشاہ کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔"

اللہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے تو اس کا کلام بھی فصاحت وبلاغت، وعظ ونصیحت، نظم وترتیب، اثر انگیزی، سہل انداز بیان، اعجاز اور دیگر خوبیوں کی بناء پر تمام کلاموں سے ارفع واعلیٰ ہے۔

حکمۃ:

قرآن مجید فرقان حمید کو حکمت کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ حکمت کا مفہوم عام طور

پر دانائی ہی بیان کیا جاتا ہے جب کہ اس کے مفہوم میں قوت فیصلہ، انصاف، حسن اور تناسب بھی شامل ہیں۔ قرآن حکیم کو حکمت و بالغہ کہا گیا ہے، کیونکہ یہ انسان کو ان فیصلوں، اس تناسب اور مقام عدل تک پہنچاتا ہے جو اس کی منزل ہے۔ حکمت میں قوت کا عنصر بھی شامل ہے اور یہی عنصر اسلامی نظام مملکت کو ایک نظام حکمت بنا دیتا ہے۔

حکیم:

حکیم کا معنی ہے: ''کتاب حکیم یعنی دانائی والی کتاب۔'' حکیم اگر حکمت والی کتاب کے مفہوم میں ہو تو حکمت کی وضاحت ہو چکی ہے اور حکیم اگر محکم (مضبوط، ٹھوس اور پختہ) کے معنی میں ہو تو اس سے مراد وہ کتاب ہے جس کے حلال و حرام اور حدود و محکم و مضبوط ہیں۔ ان میں بھی تبدیلی نہ آئے گی یا جو غلطیوں اور اختلاف سے پاک اور مبراء کتاب ہو، اس کو کتاب حکیم کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کیوں کہ ان تمام اوصاف سے متصف ہے اس لیے اسے کتاب حکیم کہا گیا ہے۔

مہیمن:

مہیمن کے معنی: ''نگران، محافظ اور گواہی دینے'' کے ہیں۔ باقی کتب سماویہ سے قرآن مجید کی یہ منفرد خوبی ہے کہ یہ ان کے لیے محافظ اور گواہی دینے والا ہے۔ پہلی آسمانی کتب میں چونکہ تحریفات ہو چکی ہیں اس لیے قرآن مجید کی بات فیصلہ کن ہے۔

حبل اللہ:

حبل اللہ کے معنی: ''اللہ کی رسی'' کے ہیں۔ جو قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اس پر عمل کرنا شروع کر دے وہ ہدایت و رہنمائی حاصل کرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا و آخرت میں کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ قرآن مجید کو حبل اللہ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پہنچانے والی کتاب ہے۔

صراط مستقیم:

صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ۔ قرآن مجید پر عمل ایک ایسا راستہ ہے جو سیدھا جنت کو جاتا ہے۔ اس میں کوئی کجی اور ٹیڑھ نہیں ہے۔ بیشک جو قرآن کے احکامات پر عمل کرتا ہے وہ صراط

مستقیم پر ہے۔

قیم:

قرآن مجید کو قیم کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے، جس کے معنی سیدھا اور صاف ہونے کے ہیں۔قرآن مجید کیونکہ جھوٹ، زنا، غیبت، چغل خوری اور تمام گناہوں سے پاک صاف زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے اس لیے اسے کتاب قیم کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں اہم معلومات

قرآن مجید فرقان حمید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے آخری اور مکمل کتاب ہے اور صرف یہی ایک کتاب ہے جو بغیر کسی تغیر و تبدل کے بعینہٖ موجود و محفوظ ہے۔اس میں آج تک کسی ایک لفظ کا کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔یہ لفظ و معنی دونوں اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے۔خود قرآن مجید فرقان حمید میں صراحتاً موجود ہے کہ اس کی حفاظت خود خالق کائنات نے اپنے ذمہ لی ہے۔صرف الفاظ ہی نہیں بلکہ اس کے تلفظ اور اس کے بیان مقصود کی ذمہ داری بھی خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ اپنی طرف سے ایک لفظ کی کمی یا بیشی قرآن مجید میں کر دیں۔

دنیا کی کسی زبان میں کوئی ایسی مذہبی کتاب موجود نہیں جو ابتداء سے اب تک الفاظ و معانی دونوں اعتبار سے بغیر کسی تغیر و تبدل کے بالکل محفوظ ہو۔یہ معجزانہ فضیلت صرف قرآن مجید فرقان حمید کو حاصل ہے۔اس کے سوا کسی دوسری کتاب کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔

جمع و حفاظت قرآن:

قرآن مجید نجماً نجماً" تھوڑا تھوڑا" نازل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لکھوا لیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس کی تعلیم دیتے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین قرآن مجید فرقان حمید نہ صرف یاد کر لیتے بلکہ جو ان میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ لکھ کر محفوظ کر لیتے۔خود سرکار دو عالم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ آیات کو بایں تصریح لکھوا دیتے تھے کہ یہ فلاں سورت کی آیات ہیں اور ان کو فلاں آیات سے پہلے اور فلاں کے بعد لکھو۔اس طرح جب کوئی آیت نازل ہوتی تو ایک ہی دن میں اس کے بہت سے حافظ ہو جاتے اور مکتوبہ نسخے بھی

تیار ہو جاتے۔

اگر قرآن مجید فرقان حمید سارا ایک بار نازل ہوتا یا لکھا ہوا کتابی صورت یا الواح کی صورتوں میں آتا تو اس کی حفاظت ایسی نہ ہوسکتی تھی جیسی آج ہے۔کون سارے قرآن مجید کو ایک دن میں یاد کر سکتا تھا؟اور کون ایک ہی دن میں متعدد نسخے تیار کر سکتا تھا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بعد نہ کوئی اور کتاب نازل فرمانی تھی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی بھیجنا تھا اس لیے قرآن مجید فرقان حمید کو نازل کرتے حفظ کرنے اور تحریری صورت میں محفوظ رکھنے کا بے مثال طریقہ اختیار فرمایا کہ نمازوں میں قرآن مجید کا بلفظہٖ پڑھنا ضروری اور فرض قرار دیا اور اولین دور کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کو یہ شوق عطا فرما دیا کہ جس قدر قرآن مجید نازل ہو چکا ہوتا اسے اپنی نمازوں میں دہراتے اور بار بار پڑھتے۔مرد ہی نہیں بلکہ صحابیات رضی اللہ عنہن بھی قرآن مجید فرقان حمید کو حفظ کر لیا کرتی تھیں اور جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں وہ لکھ کر رکھ لیتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پُر ملال سے پہلے ہی سارا قرآن مجید لکھا جا چکا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسے ایک کتاب کی شکل میں سورتوں کی ترتیب سے مرتب کیا گیا،یہ کام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سرانجام پایا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی قرآن مجید کے متعدد نسخے لکھے گئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو از سر نو مرتب فرمایا۔آپ نے قرآن مجید کے تیار شدہ نسخوں کو دور دراز کے ممالک تک پہنچایا۔ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھا اور بقیہ نسخوں میں سے ایک ایک مکہ مکرمہ،بصرہ،کوفہ،شام،یمن اور بحرین میں بھجوائیں۔

قرآن مجید عربوں میں نازل ہوا اور وہ عربی جانتے تھے اس لیے اعراب سے مستغنی تھے ،لیکن جوں جوں اسلام پھیلتا گیا اور عجمی اسلام قبول کرتے گئے تو عجمی کیونکہ عربی کم جانتے تھے اور قرآن مجید پر اعراب بھی نہیں تھے اس لیے ان سے قرآن مجید میں اعرابی غلطیاں ہونے لگیں۔ اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے حجاج بن یوسف نے 86 ہجری میں قرآن مجید پر اعراب تحریر کروائے تو وہ موجودہ صورت میں ہو گیا۔

نزول کے دو دور:

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید کے نزول کے دو تاریخی مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ ہے جب قرآن مجید رمضان المبارک کی ایک برکت والی شب میں (جسے قرآن نے لیلۃ القدر کہا ہے) لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر یکبارگی اکٹھا نازل کیا گیا۔ پھر دوسرے مرحلے میں تھوڑا تھوڑا کر کے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونا شروع ہوا اور یہ سلسلہ عرصہ تیئس سال تک جاری رہا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پورا قرآن شب قدر میں آسمان دنیا پر اتارا گیا اور وہ مواقع نجوم کے مطابق تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کے بعد نازل فرماتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید مختلف مناسبتوں کے پیش نظر ایک طویل مدت میں نازل ہوا۔ کبھی آیتوں کا ایک مجموعہ نازل ہوا، کبھی دس آیتیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صرف چند الفاظ کا اضافہ ہو پاتا۔

یہ مناسبتیں کئی طرح کی ہوتیں کبھی کچھ لوگ از خود مسائل چھیڑ لیتے اور ان کا کئی کئی دن تک چرچا رہتا۔ پھر قرآن نازل ہوتا اور فیصلہ کن رائے سے بہرہ مند کرتا۔ کبھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امتحاناً بعض سوالات پوچھے جاتے اور آپ قرآن مجید کی زبان فیض ترجمان سے جواب مرحمت فرماتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ کچھ مسائل معاشرہ میں ایسے ابھر آتے کہ ان کا جواب دینا ضروری ہو جاتا اور وحی الٰہی کے ذریعے ان مسائل کا حل پیش کر دیا جاتا۔

ان سوالات اور مناسبتوں کے علاوہ نزول قرآن کی ایک اپنی رفتار بھی تھی جس کی رعایت سے تھوڑا تھوڑا اور حسب ضرورت نازل ہوتا رہا تا آنکہ تکمیل تک پہنچا۔ چنانچہ قرآن مجید کے احکام وقوانین حالات کے مطابق درجہ بدرجہ نازل ہوئے جن میں اس بات کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا کہ اہل عرب پرانے اطوار وعادات چھوڑنے اور نئے احکام وقوانین پر عمل کرنے کے لئے کہاں تک تیار ہیں۔

قرآن کا موضوع:

قرآن مجید کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پڑھنے والوں کو اس کا موضوع معلوم ہو، اس کے مقصد، مدعا، اس کے مرکزی مضمون کا علم ہو اور اس کے انداز بیان سے واقفیت ہو، کیونکہ قرآن مجید تمام دنیا کے لٹریچر میں اپنے طرز کی ایک ہی کتاب ہے، اس کی تصنیف دنیا کی

ساری کتابوں سے بالکل مختلف انداز پر ہوئی ہے۔ اپنے موضوع مضمون اور ترتیب کے لحاظ سے بھی یہ ایک نرالی چیز ہے۔

اس کا موضوع انسان ہے، اس اعتبار سے کہ اس کی فلاح اور اس کا خسران کس چیز پر ہے۔

اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہر بین یا قیاس آرائی یا کسی اور سبب سے انسان نے جو نظریات کائنات اور اپنے بارے میں قائم کئے ہیں وہ سب غلط اور خود انسان کے لئے تباہ کن ہیں۔

اس کا مدعا اس صحیح رویہ کی طرف دعوت دینا اور اللہ کی اس ہدایت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے جسے انسان اپنی غفلت سے گم اور شرارت سے مسخ کرتا رہا ہے۔

ان تین بنیادی امور کو ذہن میں رکھ کر اگر کوئی شخص قرآن کو دیکھے تو اسے صاف نظر آئے گا کہ یہ کتاب کہیں اپنے موضوع اور اپنے مدعا یا مرکزی مضمون سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹی۔ اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطبات کا اسلوب تھا پھر یہ خطبات بھی ایک داعی کے خطبوں جیسے تھے، جسے دل اور دماغ، عقل اور جذبات ہر ایک سے اپیل کرنا ہوتا ہے اور ایک دعوت کے مناسب حال ہوتا ہے۔

ترتیب قرآن مجید:

قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں اور چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتوں کو تیس سپاروں، سات منزلوں، ساٹھ احزاب اور پانچ سو چالیس رکوع کی صورت میں مرتب کیا گیا۔

اب قرآن مجید فرقان حمید کی سورتوں کی فہرست بحساب نزول مع زمانہ اور مقام کے اس غرض سے دی جاتی ہے کہ قارئین کو یہ بات بآسانی معلوم ہو جائے کہ قرآنی سورتیں کس ترتیب سے نازل ہوئیں اور کون سے اوامر و نواہی پہلے نازل ہوئے اور کون سے بعد میں۔

نام سورت	شمار بحساب نزول	شمار موجودہ ترتیب	تعداد آیات	زمانہ نزول	مقام نزول
العلق	1	96	19	مکی قبل ہجرت	مکہ
المدثر	2	74	56		
المزمل	3	73	20		
الضحی	4	93	11		

انشراح	5	94	8
الفلق	6	113	5
الناس	7	114	6
الفاتحہ	8	1	7
الکافرون	9	109	6
الاخلاص	10	112	4
اللھب	11	111	5
الکوثر	12	108	3
الھمزۃ	13	104	9
الماعون	14	107	7
التکاثر	15	102	8
اللیل	16	92	21
القلم	17	68	52
البلد	18	90	20
الفیل	19	105	5
القریش	20	106	4
القدر	21	97	5
الطارق	22	86	17
الشمس	23	91	15
عبس	24	80	42
الاعلیٰ	25	87	19
التین	26	95	8
العصر	27	103	3
البروج	28	85	22
القارعۃ	29	101	11

الزلزال	30	99	8
الانفطار	31	82	19
التکویر	32	81	29
الانشقاق	33	84	25
العدیٰت	34	100	11
النزعٰت	35	79	46
المرسلات	36	77	50
النباء	37	78	40
الغاشیۃ	38	88	26
الفجر	39	89	30
القیمۃ	40	75	40
التطفیف	41	83	36
الحاقۃ	42	69	52
الذاریٰت	43	51	60
الطور	44	52	49
الواقعۃ	45	56	96
النجم	46	53	62
المعارج	47	70	44
الرحمٰن	48	55	78
القمر	49	54	55
الصّٰفّٰت	50	37	182
نوح	51	71	28
الدھر	52	76	31
الدخان	53	44	59
ق	54	50	45

طٰہٰ	55	20	135	،	،
الشعراء	56	26	227	،	،
الحجر	57	15	99	،	
مریم	58	19	98	،	
ص	59	38	88	،	
یٰسین	60	36	83	،	
الزخرف	61	43	89	،	
الجن	62	72	28	،	
الملک	63	67	30	،	
المومنون	64	23	118	،	
الانبیاء	65	21	112	،	،
الفرقان	66	25	77	،	
بنی اسرائیل	67	17	111	،	
النمل	68	27	93	،	
الکہف	69	18	110	،	
السجدۃ	70	32	30	،	
حم السجدۃ	71	41	54	،	
الجاثیۃ	72	45	37	،	
النحل	73	16	128	،	
الروم	74	30	60	،	
ہود	75	11	123	،	
ابراہیم	76	14	52	،	
یوسف	77	12	111	،	
المومن	78	40	85	،	
القصص	79	28	88		

الزمر	80	39	75	//	//
العنکبوت	81	29	69	//	//
لقمان	82	31	34	//	//
الشوریٰ	83	42	53	//	//
یونس	84	10	109	//	//
السباء	85	34	54	//	//
الفاطر	86	35	45	//	//
الاعراف	87	7	206	//	//
الاحقاف	88	46	35	//	//
الانعام	89	6	166	//	//
الرعد	90	13	43	//	//
البقرة	91	2	286	مدنی بعد ہجرت	مدینہ
البیّنہ	92	98	8	//	//
التغابن	93	64	18	//	//
الجمعہ	94	62	11	//	//
الانفال	95	8	75	//	//
محمد	96	47	38	//	//
ال عمران	97	3	200	//	//
الصف	98	61	14	//	//
الحدید	99	57	29	//	//
النساء	100	4	177	مدنی بعد ہجرت	مدینہ
الطلاق	101	65	12	//	//
الحشر	102	59	24	//	//
الاحزاب	103	33	73	//	//
المنافقون	104	63	11	//	//

النور	105	24	64
المجادلہ	106	58	22
الحج	107	22	78
الفتح	108	48	29
التحریم	109	66	12
الممتحنہ	110	60	13
النصر	111	110	3
الحجرات	112	49	18
التوبۃ	113	9	129
المائدۃ	114	5	120

چند قرآنی اصطلاحات

القرآن:

قرآن ''قرء'' کاایک مصدر ہے، جس کے معنی ''پڑھنا'' کے ہیں۔یہ پڑھی جانے والی چیز کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے خوداپنے کلام کوقرآن کے نام نامی سے موسوم فرمایاہے۔قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ لفظ آیا ہے۔اس کے علاوہ قرآن مجید کے مختلف پچاسی صفاتی نام ہیں۔مثلاً: البیان، البرہان، الذکراور التبیان وغیرہ۔یہ بھی قرآن مجید میں آئے ہیں۔

السورۃ:

سورۃ کے لغوی معنی احاطہ باغ اور شہر پناہ کے ہیں۔قرآن مجید نے اپنے ایک سوچودہ الگ الگ حصوں کے لیے یہ نام تجویز کیا۔یہ اصطلاح خود قرآن مجید نے مقرر کی ہے، کسی انسان نے یہ نام قرآن مجید کی سورت کے لیے تجویز نہیں کیا۔یہ نام سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر تئیس میں ذکر کیا گیا ہے۔

الآیۃ

آیت کے لفظی معنی نشان اور ممتاز علامت کے ہیں۔یہ قرآن مجید کے فقروں کے لیے

استعمال ہوتا ہے اور یہ نام بھی خود قرآن مجید نے اپنے لیے استعمال کیا ہے۔ "الآیۃ" کی جمع "الآیات" آتی ہے۔ قرآن مجید نے خود اپنے لیے آیت کا لفظ سورت محمد کی آیت نمبر بیس اور سورت عنکبوت کی آیت نمبر انچاس میں استعمال کیا ہے۔

تفصیل:

یہ تینوں اصطلاحات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے لیے استعمال فرمائی ہیں۔ فقروں کے لیے آیت کا لفظ، پورے حصہ خطاب کے لیے سورت کا لفظ اور ساری کتاب کے لیے قرآن مجید کا لفظ خود رب العزت نے مختلف مقامات پر ذکر فرمایا ہے، کسی انسانی ذہن ودماغ کی کوئی کاروائی اس میں شامل نہیں۔

وحی:

نزول وحی کی ابتداء رمضان المبارک کے مہینے میں ولادت رسول اللہ سے اکتالیس سال بعد بمطابق 610 عیسوی بعد از مغرب ہوئی۔ اس وقت رسول اللہ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ سے تین میل دور وادی محصب کی اس پہاڑی کے غار میں یاد الٰہی میں مشغول تھے جسے اس زمانہ میں جبل الحراء کہتے تھے اور آج کل اسے جبل النور کہتے ہیں۔ آج کل وادی محصب میں بڑے بڑے محلات تعمیر ہو چکے ہیں اور اس کو محصب کی بجائے المعابدۃ کہا جاتا ہے۔

جو پہلی آیات نازل ہوئی تھیں وہ قرآن مجید کی سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں، اس کے بعد سے وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا قرآن مجید نازل ہوتا رہا، کبھی کوئی سورۃ پوری بھی نازل ہو جاتی لیکن اکثر یہ ہوا کہ تھوڑا تھوڑا حصہ نازل ہوتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ارشاد الٰہی اس نازل ہونے والی آیات کو قرآن مجید کی سورتوں میں ترتیب سے لکھواتے رہے۔ یہاں تک کہ آخری وحی بمقام عرفہ شام کے وقت جمعہ کے دن نو ذوالحجہ دس ہجری بمطابق چھ سو بتیس عیسوی نازل ہوئی۔ یہ آخری وحی سورۃ المائدہ کی آیت نمبر تین ہے۔ اس طرح پوری مدت نزول قرآن بائیس سال اور دو مہینے ہوتی ہے۔

نزول قرآن کے دو دور:

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چون سال کی عمر میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف

ہجرت فرمائی اور وہیں تریسٹھ برس کی عمر مبارک میں انتقال فرمایا اس لیے نزول قرآن کی مدت بھی دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ پہلا مکی دور اور دوسرا مدنی دور۔

مکی دور: رمضان المبارک اکتالیس میلادی (جس وقت حضور کی پیدائش کو اکتالیس سال ہو گئے) سے ربیع الاول چون میلادی تک یعنی بارہ سال اور پانچ مہینے کی مدت میں جو حصہ قرآن یعنی سورتیں نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے سورۃ العلق نازل ہوئی اور سب سے آخر میں سورۃ المطففین نازل ہوئی۔

مدنی دور: ربیع الاول چون میلادی (جس وقت حضور کی عمر مبارک چون برس تھی) سے لے کر ذوالحجہ تریسٹھ میلادی تک یعنی نو سال اور نو مہینے کی مدت میں جو آیات اور سورتیں نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں۔

مکی مدنی سورتوں کی تعداد:

اس طرح قرآن مجید کی جملہ ایک سو چودہ سورتوں میں سے 93 سورتیں مکی ہیں اور اکیس مدنی ہیں۔ مدینہ منورہ میں پہلے سورۃ البقرۃ نازل ہوئی اور آخر میں سورۃ النصر نازل ہوئی۔

منازل:

قرآن مجید میں آپ سات منازل کے نشانات حاشیہ پر دیکھتے ہیں۔ یہ تقسیم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہفتہ وار تلاوت کے نشان سے بنائی گئی ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک ہفتہ میں ایک بار قرآن مجید کو ختم کرتے تھے۔ یہ تقسیم اس طرح ہے:

ہفتہ	پہلی منزل	سورۂ فاتحہ تا سورۂ نساء
اتوار	دوسری منزل	سورۂ مائدہ تا سورۂ توبہ
پیر	تیسری منزل	سورۂ یونس تا سورۂ نحل
منگل	چوتھی منزل	سورۂ بنی اسرائیل تا سورۂ فرقان
بدھ	پانچویں منزل	سورۂ شعراء تا سورۂ یٰسین
جمعرات	چھٹی منزل	سورۂ والصّٰفّٰت تا سورۂ حجرات
جمعہ	ساتویں منزل	سورۂ قٓ تا سورۂ الناس

پارے:

عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی میں ایک ماہ مکمل کے تیس دنوں میں تلاوت کے لیے پارے کی تقسیم کی گئی، یعنی روزانہ ایک پارے کی تلاوت ہو تو تیس دنوں میں قرآن مجید کی تلاوت کو مکمل کر لیا جائے۔ اس کو جزء یا پارہ کہتے ہیں۔ یہ قریب قریب تعداد میں آیتوں کی گنتی کر کے بنائے گئے ہیں۔ پھر ہر پارے کو تقریباً برابر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اور انہیں حزب (نصف) کا نام ملا۔ اس طرح قرآن مجید کے تیس پارے (یا جزء) اور ساٹھ احزاب (نصف) ہوئے۔ اس کے علاوہ ربع اور ثلاثہ کے الفاظ حاشیے میں ملتے ہیں، جن کا معنی ہے کہ اب پارے کی پوری تقسیم میں سے اتنا حصہ آپ نے پڑھ لیا ہے۔ اگر آپ نے ربع تک پڑھا تو مطلب یہ ہے کہ آپ نے پارے کے چار حصوں میں سے ایک حصہ تلاوت کر لیا ہے اور اگر آپ نصف پر پہنچ گئے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے چار حصوں میں سے دو کی تلاوت کر لی ہے اور اگر ثلاثہ پر پہنچتے ہیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ آپ نے پارے کے چار حصوں میں سے تین کی تلاوت کر لی ہے۔

زمانہ تابعین میں پانچ پانچ آیات کے بعد نشان لگائے گئے اور انہیں خماسی کا نام دیا گیا۔ کسی نے دس دس آیات کے بعد نشان لگائے اور انہیں عشریات کا نام دیا۔ پھر پاک و ہند کے حافظوں نے اپنے نسخوں پر رکوع کے نشان لگائے۔ مقصد یہ تھا کہ رمضان میں تراویح پڑھاتے ہوئے ایک رکعت میں اتنی آیتیں پڑھیں گے۔ اس طرح رمضان کی ستائیس راتوں میں ہر ایک رات میں بیس تراویح ان کے جملہ نشان پانچ سو چالیس رکوع ہوئے۔

حروف مقطعات:

قرآن مجید کی 29 سورتوں کی ابتداء میں مفرد حروف ہجی ہیں جو مقطعات کہلاتے ہیں۔ مثلاً "الم، حم، الر، کھیعص" وغیرہ۔ انہیں مفرد ہی تلاوت کیا جاتا ہے۔ یہ حروف عرب خطابت میں تنبیہ و تخاطب کا مخصوص انداز ہے۔ یہ مفرد حروف اللہ اور اس کے رسول کے درمیان راز ہیں۔

رموزِ اوقاف:

اہل زبان جب گفتگو کرتے ہیں تو کہیں نہیں ٹھہرتے، کہیں کم ٹھہرتے ہیں، کہیں زیادہ

اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے۔قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے اسی لیے اہل علم حضرات نے اس کے ٹھہرنے نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دیں ہیں جن کو ''رموزِ اوقاف قرآن مجید'' کہا جاتا ہے۔ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ان رموز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں۔

○: جہاں بات پوری ہو جاتی ہے وہاں چھوٹا سا دائرہ لکھ دیتے ہیں۔یہ حقیقت میں گول ''ت'' ہے جو اس صورت ''ۃ'' لکھی جاتی ہے اور یہ وقف تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہیے۔اب ۃ تو نہیں لکھی جاتی بلکہ چھوٹا سا حلقہ ڈال دیا جاتا ہے اس علامت کو آیت کہتے ہیں۔

م: یہ وقف لازم کی علامت ہے۔اس پر ضرور ٹھہرنا چاہیے۔اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے گا۔اس کی مثال اردو میں یوں سمجھنی چاہیے کہ مثلاً: کسی کو یہ کہنا ہو کہ اٹھو مت بیٹھو۔جس میں اٹھنے کا حکم اور بیٹھنے کی نفی ہے،اس طرح اٹھو پر ٹھہرنا لازم ہے،اگر نہ ٹھہرا جائے تو جملہ ہوگا: ''اٹھو مت بیٹھو۔''جس میں اٹھنے کی نہی اور بیٹھنے کے حکم کا احتمال ہے اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہے۔

ط: وقف مطلق کی علامت ہے۔اس پر ٹھہرنا چاہیے مگر یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور کہنے والا ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج: وقف جائز کی علامت،یعنی اس علامت پر ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز: وقف مجوز کی علامت ہے۔یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص: وقف مرخص کی علامت ہے۔یہاں ملا کر پڑھنا چاہیے،لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت سے معلوم ہے کہ ص پر ملا کر پڑھنا ز کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

صلے: یہ الوصل اولیٰ کا اختصار ہے۔یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق: یہ قیل علیہ الوقف (ضعیف قول ہے کہ یہاں ٹھہرا جا سکتا ہے) کا خلاصہ ہے۔یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے۔

صل: یہ قد یوصل کی علامت ہے،یعنی یہاں کبھی ٹھہرا بھی جاتا ہے اور کبھی نہیں بھی ٹھہرا جاتا لیکن ٹھہرنا بہتر ہے۔

قف: یہ لفظ قِف ہے جس کے معنی ہیں: ''ٹھہر جاؤ'' اور یہ علامت وہاں استعمال ہوتی ہے جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔

س (سکت): یہ سکتے کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہئے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفہ: یہ لمبے سکتے کی علامت ہے۔ یہاں سکتے کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہئے لیکن سانس نہیں ٹوٹنا چاہئے۔ سکتے اور وقفے میں یہ فرق ہے کہ سکتے میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے اور وقفے میں زیادہ۔

لا: لا کے معنی ہیں: ''نہیں۔'' یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہئے اور اگر آیت کے اوپر ہو تو اختلاف ہے بعض کے نزدیک ٹھہرنا چاہئے اور بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہئے۔ لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

ك: کذلک کی علامت ہے یعنی جو رمز پہلے ہے وہی یہاں سمجھی جائے۔

قرآن مجید کا مختصر تعارفی خاکہ

کل تعدادِ کلمات	(چھیاسی ہزار چار سو تیس) 86430
کل تعدادِ حروف	(تین لاکھ تیئس ہزار سات سو ساٹھ) 323760
کل پارے	(تیس) 30
کل منزلیں	(سات) 7
کل سورتیں	(ایک سو چودہ) 114
کل رکوع	(پانچ سو چالیس) 540
کل آیات	(چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ) 6666
کل فتحات (زبریں)	(ترپن ہزار دو سو تیئس) 53223
کل کسرات (زیریں)	(انتالیس ہزار پانچ سو بیاسی) 39582
کل ضمات (پیشیں)	(آٹھ ہزار آٹھ سو چار) 8804
کل مدات (~)	(ایک ہزار سات سو اکہتر) 1771
کل تشدیدیں (شدیں)	(ایک ہزار دو سو چوہتر) 1274
کل نقاط (نقطے)	(ایک لاکھ پانچ ہزار چھ سو چوراسی) 105684

اقسامِ آیات:

آیاتِ وعدہ	1000	آیاتِ وعید	1000
آیاتِ نہی	1000	آیاتِ امر	1000
آیاتِ مثال	1000	آیاتِ قصص	1000
آیاتِ تحلیل	250	آیاتِ تحریم	250
آیاتِ تسبیح	100	آیاتِ متفرقہ	66

کل مدتِ نزول — بائیس سال پانچ ماہ۔

جملہ کاتبانِ وحی — چالیس صحابہ کرام۔

وحیِ اول...... "اقراء باسم ربك الذی خلق٥"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 96 (العلق)، آیت نمبر 1 تا 5)

آخری وحی...... "واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 3، سورۃ نمبر 2 (البقرۃ)، آیت نمبر 281)

یا پھر......

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"

(القرآن المجید، پارہ 6، سورۃ نمبر 5 (المائدہ)، آیت نمبر 3)

منازل کی تقسیم:

پہلی منزل ...... سورۂ فاتحہ تا سورۂ نساء

دوسری منزل...... سورۂ مائدہ تا سورۂ توبہ

تیسری منزل...... سورۂ یونس تا سورۂ نحل

چوتھی منزل...... سورۂ بنی اسرائیل تا سورۂ فرقان

پانچویں منزل...... سورۂ شعراء تا سورۂ یٰسین

چھٹی منزل...... سورۂ والصّٰفّٰت تا سورۂ حجرات

ساتویں منزل...... سورۂ قٓ تا سورۂ الناس

تعدادِ حروف:

حرف	تلفظ	تعداد استعمال
ا	(الف)	(اڑتالیس ہزار آٹھ سو چوہتر) 48874
ب	(باء)	(گیارہ ہزار چار سو اٹھائیس) 11428
ت	(تاء)	(ایک ہزار ایک سو ننانوے) 1199
ث	(ثاء)	(ایک ہزار دو سو چھہتر) 1276
ج	(جیم)	(تین ہزار دو سو تہتر) 3273
ح	(حا)	(نو سو تہتر) 973
خ	(خا)	(دو ہزار چار سو سولہ) 2416
د	(دال)	(پانچ ہزار چھ سو دو) 5602
ذ	(ذال)	(چار ہزار چھ سو ستتر) 4677
ر	(را)	(گیارہ ہزار سات سو ترانوے) 11793
ز	(زا)	(ایک ہزار پانچ سو نوے) 1590
س	(سین)	(پانچ ہزار نو سو اکانوے) 5991
ش	(شین)	(دو ہزار ایک سو پندرہ) 2115
ص	(صاد)	(دو ہزار بارہ) 2012
ض	(ضاض)	(ایک ہزار تین سو سات) 1307
ط	(طاء)	(ایک ہزار دو سو ستتر) 1277
ظ	(ظاء)	(آٹھ سو بیالیس) 842
ع	(عین)	(نو ہزار دو سو بیس) 9220
غ	(غین)	(دو ہزار دو سو آٹھ) 2208
ف	(فاء)	(آٹھ ہزار چار سو ننانوے) 8499
ق	(قاف)	(چھ ہزار آٹھ سو تیرہ) 6813
ک	(کاف)	(نو ہزار پانچ سو) 9500

ل	(لام)	(تین ہزار چار سو بتیس)	3432
م	(میم)	(چھتیس ہزار پانچ سو پینتیس)	36535
ن	(نون)	(چالیس ہزار ایک سو نوے)	40190
و	(واؤ)	(پچیس ہزار پانچ سو چھتیس)	25536
ہ	(ہاء)	(انیس ہزار ستر)	19070
لا	(لا)	(تین ہزار سات سو بیس)	3720
ی	(یاء)	(پینتالیس ہزار نو سو انیس)	45919

سجدۂ تلاوت:

متفق علیہ ...... چودہ مقامات۔

اختلافی ...... ایک مقام۔

قرآنِ مجید خود اپنی نظر میں

(مختصر تعارفی خاکہ)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں قرآنِ مجید کے فضائل ومناقب بھی بیان فرمائے ہیں۔ ان مناقب کا ایک تعارفی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ سورت نمبر کے ساتھ سورت کا نام اور آیت نمبر بھی لکھی دی گئی ہے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

(سورت نمبر 20، آیت نمبر 4) (سورت نمبر 20، آیت نمبر 8) (سورت نمبر 26، آیت نمبر 192) (سورت نمبر 33، آیت نمبر 2) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 2) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 42) (سورت نمبر 56، آیت نمبر 80) (سورت نمبر 69، آیت نمبر 43)

قرآن مجید جرائیل علیہ السلام لے کر آئے:

(سورت نمبر 26، آیت نمبر 193)

قرآن مجید رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا:

(سورت نمبر15،آیت نمبر6)(سورت نمبر20،آیت نمبر2)(سورت نمبر47،آیت نمبر 2)(سورت نمبر 26،آیت نمبر 194)(سورت نمبر 69،آیت نمبر 40)(سورت نمبر76،آیت نمبر23)

نزول قرآن کا مہینہ:

(سورت نمبر2،آیت نمبر185)

نزول قرآن کی رات برکت والی ہے:

(سورت نمبر97،آیت نمبر1)(سورت نمبر44،آیت نمبر3)

قرآن مجید کی زبان عربی ہے:

(سورت نمبر 26،آیت نمبر 195)(سورت نمبر 39،آیت نمبر 28)(سورت نمبر42،آیت نمبر7)(سورت نمبر43،آیت نمبر3)(سورت نمبر46،آیت نمبر12)

قرآن مجید عربی میں ہی کیوں:

(سورت نمبر 41،آیت نمبر 44)(سورت نمبر 44،آیت نمبر 58)(سورت نمبر42،آیت نمبر77)

قرآن مجید میں کیا ہے:

(سورت نمبر14،آیت نمبر52)

قرآن مجید شک وشبہ سے بالاتر ہے:

(سورت نمبر2،آیت نمبر2)

قرآن مجید سنتے وقت خاموش رہو:

(سورت نمبر 7،آیت نمبر 204)(سورت نمبر 75،آیت نمبر 16)(سورت نمبر46،آیت نمبر29)(سورت نمبر41،آیت نمبر4)

قرآن مجید نہ سننا کفار کا طریقہ ہے:

(سورت نمبر 31، آیت نمبر 7) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 26)

قرآن مجید کا نام:

(سورت نمبر 41، آیت نمبر 44) (سورت نمبر 56، آیت نمبر 77) (سورت نمبر 43، آیت نمبر 3) (سورت نمبر 17، آیت نمبر 60) (سورت نمبر 42، آیت نمبر 7) (سورت نمبر 59، آیت نمبر 21) (سورت نمبر 27، آیت نمبر 1) (سورت نمبر 15، آیت نمبر 1) (سورت نمبر 25، آیت نمبر 32)

صفات قرآن، صفات رسول:

(سورت نمبر 16، آیت نمبر 89)

قرآن کو پاک لوگ مس کریں:

(سورت نمبر 56، آیت نمبر 79)

قرآن مجید کا چیلنج:

(سورت نمبر 2، آیت نمبر 23) (سورت نمبر 10، آیت نمبر 38) (سورت نمبر 11، آیت نمبر 13) (سورت نمبر 17، آیت نمبر 88) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 42) (سورت نمبر 52، آیت نمبر 34)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو حدیث بھی فرمایا:

(سورت نمبر 56، آیت نمبر 81)

قرآن مجید یاد کرنے کے لیے آسان ہے:

(سورت نمبر 54، آیت نمبر 17) (سورت نمبر 54، آیت نمبر 22) (سورت نمبر 54، آیت نمبر 32) (سورت نمبر 54، آیت نمبر 40) (سورت نمبر 44، آیت نمبر 58)

قرآن پاک ترتیل سے پڑھنے کا حکم:

(سورت نمبر20،آیت نمبر114)(سورت نمبر73،آیت نمبر4)

قرآن مجید کی طرف پیٹھ کرنا:

(سورت نمبر75،آیت نمبر32)

قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے والوں کی سزا:

(سورت نمبر15،آیت نمبر91)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا محافظ ہے:

(سورت نمبر15،آیت نمبر9)(سورت نمبر75،آیت نمبر16)(سورت نمبر75،آیت نمبر19)

قرآن مجید کا چرچا پہلی کتابوں میں:

(سورت نمبر26،آیت نمبر196)

قرآن مجید اور بزرگوں کی طرف پیٹھ نہیں کرنی چاہئے:

(سورت نمبر80،آیت نمبر14)(سورت نمبر88،آیت نمبر23)

نبی کریم ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی باتیں قرآن ہے:

(سورت نمبر69،آیت نمبر40)

قرآن مجید نصیحت ہے:

(سورت نمبر73،آیت نمبر19)(سورت نمبر80،آیت نمبر12)(سورت نمبر80،آیت نمبر16)(سورت نمبر38،آیت نمبر1)(سورت نمبر38،آیت نمبر87)(سورت نمبر41،آیت نمبر41)(سورت نمبر45،آیت نمبر20)

قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو نیچا دکھانے والے کو عذاب دیا جائے گا:

(سورت نمبر34،آیت نمبر38)

قرآن مجید ہدایت اور خوشخبری ہے مومنوں کے لیے:

(سورت نمبر 16،آیت نمبر 64)(سورت نمبر 27،آیت نمبر 2)(سورت نمبر 31،آیت نمبر 1)(سورت نمبر 31،آیت نمبر 5)(سورت نمبر 17،آیت نمبر 82)(سورت نمبر 10،آیت نمبر 57)(سورت نمبر 27،آیت نمبر 77)(سورت نمبر 41،آیت نمبر 44)(سورت نمبر 6،آیت نمبر 157)(سورت نمبر 39،آیت نمبر 41)

علم القرآن:

(سورت نمبر 6،آیت نمبر 38)(سورت نمبر 6،آیت نمبر 59)(سورت نمبر 35،آیت نمبر 11)(سورت نمبر 16،آیت نمبر 89)(سورت نمبر 10،آیت نمبر 37)(سورت نمبر 10،آیت نمبر 61)(سورت نمبر 27،آیت نمبر 75)(سورت نمبر 54،آیت نمبر 53)(سورت نمبر 34،آیت نمبر 3)(سورت نمبر 12،آیت نمبر 111)(سورت نمبر 17،آیت نمبر 12)(سورت نمبر 22،آیت نمبر 70)

تلاوت قرآن اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے:

(سورت نمبر 35،آیت نمبر 29)

قرآن مجید کو شیطان لے کر نہیں اترا:

(سورت نمبر 26،آیت نمبر 210)

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا:

(سورت نمبر 4،آیت نمبر 82)(سورت نمبر 3،آیت نمبر 118)(سورت نمبر 2،آیت نمبر 219)(سورت نمبر 2،آیت نمبر 242)(سورت نمبر 2،آیت نمبر 266)(سورت نمبر 7،آیت نمبر 176)(سورت نمبر 10،آیت نمبر 24)(سورت نمبر 16،آیت نمبر 44)(سورت نمبر 23،آیت نمبر 68)(سورت نمبر 24 ،آیت نمبر 1)(سورت نمبر 29،آیت نمبر 43)(سورت نمبر 30،آیت نمبر 28)(سورت نمبر 47،آیت نمبر 24)(سورت نمبر 38،آیت نمبر 29)(سورت نمبر 12،آیت نمبر 2)(سورت نمبر 39،آیت نمبر 28)(سورت نمبر 43،آیت نمبر

3)(سورت نمبر 41، آیت نمبر 3)(سورت نمبر 59، آیت نمبر 2)(سورت نمبر 59، آیت نمبر 21)

قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے والوں کی سزا:

(سورت نمبر 15، آیت نمبر 91)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قسم ارشاد فرمائی:

(سورت نمبر 38، آیت نمبر 1)

قرآن مجید پر کافر جھگڑتے ہیں:

(سورت نمبر 40، آیت نمبر 4)(سورت نمبر 41، آیت نمبر 40)

قرآن مجید بہتوں کے کفر کو ترقی دیتا ہے:

(سورت نمبر 5، آیت نمبر 64)(سورت نمبر 5، آیت نمبر 68)

قرآن میں ہر قسم کی مثل طرح طرح سے بیان کی گئی ہے:

(سورت نمبر 18، آیت نمبر 54)(سورت نمبر 17، آیت نمبر 89)(سورت نمبر 30، آیت نمبر 58)(سورت نمبر 17، آیت نمبر 41)

قرآن مجید سے منہ موڑنے والوں سے ہدایت سلب کرلی جاتی ہے:

(سورت نمبر 18، آیت نمبر 57)(سورت نمبر 45، آیت نمبر 23)

قرآن مجید متصل اور مسلسل ہے:

(سورت نمبر 28، آیت نمبر 51)

قرآن مجید سے عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں:

(سورت نمبر 38، آیت نمبر 29)(سورت نمبر 14، آیت نمبر 3)(سورت نمبر 50، آیت نمبر 45)(سورت نمبر 14، آیت نمبر 52)

یہ قرآن نصیحت ہے کیا تم اس کے منکر ہو:

(سورت نمبر 38، آیت نمبر 29)(سورت نمبر 21، آیت نمبر 50)(سورت

نمبر 41، آیت نمبر 41) (سورت نمبر 6، آیت نمبر 92) (سورت نمبر 6، آیت نمبر 155)

قرآن مجید اگر غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف ہوتا:

(سورت نمبر 4، آیت نمبر 82)

قرآن مجید اچھی کتاب ہے، اس کی تلاوت ذکر اللہ کی طرف راغب کرتی ہے:

(سورت نمبر 39، آیت نمبر 23)

جنات کا قرآن مجید سننا:

(سورت نمبر 46، آیت نمبر 29)

قرآن مجید کو کفار بھی سنتے تھے، ان کے سننے کی وجہ:

(سورت نمبر 17، آیت نمبر 47)

قرآن مجید کفار کی ہدایت کے لیے اترا:

(سورت نمبر 6، آیت نمبر 114)

جھوٹ کی تائید میں قرآن پیش کرنے والا دوزخی ہے:

(سورت نمبر 22، آیت نمبر 51)

جو قرآن مجید سے اندھا بن جائے اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے:

(سورت نمبر 43، آیت نمبر 36)

قرآن مجید لوح محفوظ میں پہلے سے موجود ہے:

(سورت نمبر 43، آیت نمبر 4)

قرآن مجید سیدھی راہ ہے:

(سورت نمبر 6، آیت نمبر 126)

قرآن مجید سے منہ پھیرنے والے کی سزا:

(سورت نمبر 6، آیت نمبر 157)

قرآنی آیات میں حکمت بھی ہے اور تفصیل بھی:

(سورت نمبر 11، آیت نمبر 1) (سورت نمبر 54، آیت نمبر 5)

سورہ فاتحہ اور قرآن مجید کی عظمت:

(سورت نمبر 15، آیت نمبر 87)

قرآن مجید حق کی وضاحت کرنے والی کتاب ہے:

(سورت نمبر 23، آیت نمبر 62)

قرآن مجید لوگوں کی تعلیم کے لیے ہے:

(سورت نمبر 17، آیت نمبر 106)

پہلی آسمانی کتابوں کے عالم حضور کی آمد اور قرآن مجید کے نزول کے منتظر اور معترف تھے:

(سورت نمبر 17، آیت نمبر 107) (سورت نمبر 26، آیت نمبر 196)

ظالم قرآن مجید نہیں سمجھتے:

(سورت نمبر 18، آیت نمبر 57)

قرآن مجید میں حضور کے صحابیوں کا ذکر ہے:

(سورت نمبر 21، آیت نمبر 24)

قرآن مجید کے معنی حضور ﷺ کے دل پر نازل ہوئے:

(سورت نمبر 26، آیت نمبر 194)

عابدوں کی ہدایت کے لیے قرآن مجید کافی ہے:

(سورت نمبر 21، آیت نمبر 106)

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سکھایا:

(سورت نمبر 27، آیت نمبر 6) (سورت نمبر 55، آیت نمبر 2)

قرآن مجید کمپیوٹر اور ریاضی کی روشنی میں

القرآن

تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی پیغمبران دین آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا کو دیا تو لوگوں نے ہمیشہ ان سے اس پیغام کی صداقت کے لیے ثبوت طلب کیا۔ چنانچہ جب ہادی برحق خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کا اعلان کیا تو لوگوں نے اسی طرح کا مطالبہ شروع کر دیا جیسا کہ پہلے لوگ کیا کرتے تھے۔ ان کے مطالبات کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

"وقالوا لولا انزل علیه ایٰت من ربه"

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 29 (العنکبوت)، آیت نمبر 50)

"اور ان (کفار) نے کہا کہ کیوں نہ اتاری گئیں اس (محمد) پر نشانیاں اس کے رب کی طرف سے۔؟"

ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ آسمان تک سیڑھی لگائیں اور ہمارے سامنے اس پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی کتاب لے آئیں تب ہم ایمان لائیں گے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا:

"قل انما الاٰیٰت عند الله و انما انا نذیر مبین ○"

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 29 (العنکبوت)، آیت نمبر 50)

"آپ فرما دو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں بیشک میں تو کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔ ○"

قرآن مجید نے کافروں کے مافوق الفطرت نشانیوں کے مطالبے کے جواب میں فرمایا:

"الم یکفهم انا انزلنا علیك الکتٰب یتلیٰ علیهم ان فی ذٰلك لرحمة و ذکریٰ لقوم یؤمنون ○"

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 29 (العنکبوت)، آیت نمبر 51)

"کیا ان لوگوں کیلئے یہ (نشانی) کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے، در حقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔o"

کلام الٰہی

قرآن مجید اپنے کلام الٰہی ہونے کے متعلق دو دلائل بیان فرماتا ہے:

1: حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے پڑھا نہیں تھا، کہیں کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی (اس بات کی تصدیق بیشمار غیر مسلم مورخین و محققین نے بھی کی ہے) اس لیے ایسی عظیم کتاب کی تصنیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ممکن ہی نہیں۔

چنانچہ قرآن مجید گواہی دیتا ہے:

"وما کنت تتلوا من قبلہ من کتب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلونo"

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 29 (العنکبوت)، آیت نمبر 48)

"اور (اے نبی!) آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست شک میں پڑ سکتے تھے۔o"

اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم ہوتے اور پڑھے لکھے ہوتے تو اس شبہے کی کوئی گنجائش ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور نصرانیوں کی کتابوں اور افلاطون وارسطو کی تصنیفوں کا مطالعہ کر کر کے خوبصورت ترین زبان میں قرآن کی تصنیف کی ہے، لیکن قرآن مجید اور تاریخ نے اس شبہے کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔

2: قرآنِ مجید فرقان حمید خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے۔ وہ کافروں کو چیلنج کرتا ہے کہ تم قرآن مجید جیسی کم از کم ایک سورت ہی لے آؤ۔ اگر ایک سورت بھی نہیں لا سکتے تو ایک آیت ہی قرآن جیسی لے آؤ! لیکن تم اور ساری دنیا کے لوگ مل کر بھی قرآن جیسی ایک آیت نہیں لا سکتے کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے اور مخلوق خالق جیسا کلام نہیں لا سکتی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"وان كنتم في ريب ممانزلناعلى عبدنافاتوابسورةمن مثله و ادعوا شهداء كم من دون الله ان كنتم صدقين ٥ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوالنار التى وقودها الناس والحجارة اعدت للكفرين٥"

(القرآن الجید،پارہ نمبر 1،سورۃ نمبر 2 (البقرۃ)،آیت نمبر 23-24)

"اوراگر(اے کافرو!) تم اس کتاب میں شک کرتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو تم بھی اس کی مثل ایک سورت لے آؤ اور بلالو اپنے دوستوں کو اللہ کے مقابلے میں اگر تم سچے ہو۔ ٥ پس اگر تم نہ کرسکے اور ہرگز نہ کرسکو گے تو پھر ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔٥"

مزید فرمایا:

"قل لئن اجتمعت الانس والجن على ان ياتوابمثل هذاالقران لاياتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا٥"

(القرآن الجید،پارہ نمبر 15،سورۃ نمبر 17 (بنی اسرائیل)،آیت نمبر 88)

"اے محبوب! فرمادو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو لے آئیں۔ وہ اس جیسا نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔٥"

مزید برآں قرآن مجید کافروں سے کہتا ہے کہ اس کا مطالعہ کرو اور کسی زاویہ نظر سے دیکھو تمہیں ماننا پڑے گا کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"افلايتدبرون القران ولو كان من عند غير الله لوجدوفيه اختلافا كثيرا٥"

(القرآن الجید،سورۃ نمبر 4 (النساء)،آیت نمبر 82)

"کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔٥"

کسی انسان کی تصنیف جو تیس سالوں پر پھیلی ہوئی ہو یکساں اور یک رنگ نہیں رہ سکتی بالخصوص جب کہ مصنف زندگی کے بے شمار مسائل میں گھرا ہوا ہو۔ سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دفاعی امور رات دن جس کے پیش نظر ہوں، دشمن کی ریشہ دوانیاں جس کے خلاف مسلسل جاری ہوں، ایسے شخص کی تصنیف میں یقیناً کہیں نہ کہیں تضاد ہوگا، الجھاؤ، اختلاف اور اونچ نیچ ہوگی اور زبان اور لہجے کا فرق بھی ضرور ہوگا لیکن قرآن مجید سارے کا سارا یکرنگ و یکساں ہے، کہیں کوئی اختلاف نہیں، تضاد نہیں، کوئی جھول نہیں ہے، زبان کی شیرینی اور بلاغت شروع سے آخر تک جاری وساری ہے، اس طرح قرآن مجید فرقان حمید اپنی صداقت کا آپ نشان ہے، برہان قاطع ہے، ایک زندہ، لازوال اور قطعی معجزہ ہے۔

عصری سائنس کی شہادت

آج دنیا میں تقریباً نوے کروڑ سے زیادہ مسلمان ہیں اور ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید الہامی کتاب اور ایک ابدی معجزہ ہے۔ مسلمانوں ہی پر کیا منحصر ہے دنیا کے کئی بڑے بڑے غیر مسلم سکالرز بھی اس کے اعجاز کے قائل ہیں۔ پادری باسورتھ سمتھ کہتا ہے:

"بلاشبہ قرآن حکیم انداز بیان فراست اور صداقت کا ایک معجزہ ہے۔"

ایک اور انگریز اے جے بیری لکھتا ہے:

"قرآن کی تلاوت میں مجھے نغمے کا سرور اور دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے۔"

لیکن ایک عام تعلیم یافتہ غیر مسلم یا ملحد سائنس دان یہ کہہ سکتا ہے کہ میں عربی زبان سے ناواقف ہوں، اس لیے مجھے قرآن مجید کی زبان کی عظمت اور تعلیم کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ جب میں اسے سمجھ ہی نہیں سکتا تو پھر میں یہ کس طرح باور کروں کہ قرآن بذریعہ وحی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا ہے اور یہ ایک معجزہ ہے۔؟

ایسے تعلیم یافتہ سائنسدان سے آپ کائنات کی تخلیق کے بارے میں سوال کریں تو جواب ملے گا کہ اربوں سال پہلے یہ کائنات مادے کی اکائی تھی اور مادے کا ایک ہی بہت بڑا ٹکڑا (MASS) تھی، پھر اس عظیم الشان ٹکڑے کے اندر ایک دھماکا ہوا تو مادے کے بڑے بڑے ٹکڑے ٹوٹ کر خلا کی تمام سمتوں میں اڑنے لگے۔ اسی دھماکے کے نتیجے میں ہمارا نظام شمسی اور کہکشاں بھی وجود میں آئے اور تمام سیارے اپنے اپنے مدار پر گھومنے لگے۔

پھر آپ اسی سائنسدان سے پوچھیئے کہ آپ کو اس بات کا علم کب ہوا؟ تو وہ جواب دے گا کہ کوئی پچاس سال پہلے ہی اس امر کا انکشاف ہوا ہے۔اس سے مزید سوال کیجئے کہ کیا ساڑھے چودہ سو سال پہلے ریگستان عرب کے ایک امی کو اس بات کا علم ہوسکتا تھا؟ تو جواب آئے گا کہ ہرگز نہیں! تب آپ اس کو بتایئے کہ عرب کے اسی نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو تیس سال پہلے اس بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر سنائی تھی:

"اولم یرالذین کفروا ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقناھما"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 17، سورۃ نمبر 21 (الانبیاء)، آیت نمبر 30)

"کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبی کی بات ماننے سے) انکار کردیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر انہیں جدا کیا۔"

اور یہ آیت بھی قرآن مجید میں ہے جسے اسی نبی امی نے تلاوت کیا تھا:

"وھو الذی خلق الیل والنھار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون ○"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 17، سورۃ نمبر 21 (الانبیاء)، آیت نمبر 33)

"اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا سب ایک ایک فلک میں تیر رہا ہے۔ ○"

قرآن مجید فرقان حمید کی یہ آیات سائنسدانوں اور ماہرین فلکیات کے لیے دعوت فکر ہیں۔ کیا وہ نہیں سمجھ سکتے کہ سائنس نے جن واقعات کا انکشاف عہدِ حاضر میں کیا ہے ان واقعات کا انکشاف آج سے چودہ سو سال سے بھی پہلے صحرائے عرب کے ایک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید کے ذریعے کردیا تھا اور اس نبی امی نے اسی وقت ان آیات کی تلاوت کرکے ساری دنیا کو اس بات سے آگاہ فرمادیا تھا جس کا انکشاف سائنس نے آج کیا ہے۔

پھر کسی ماہر حیاتیات (BIOLOGIST) سے پوچھئے کہ اس دنیا میں زندگی سب سے پہلے کس جگہ وجود میں آئی۔؟ جواب ملے گا کہ کروڑوں سال پہلے سمندری مادے میں مادہ حیات بننا شروع ہوا جس سے ایمیبا (AMOEBA) پیدا ہوا اور اسی ایمیبا سے تمام جاندار پیدا ہوئے

یعنی زندگی کا آغاز سمندر یا بالفاظ دیگر پانی سے ہوا۔ استفسار پر ماہر حیاتیات یہ بھی بتائے گا کہ اس حقیقت کا علم عہد حاضر میں ہوا ہے اور اگر آپ اسے سے پوچھیں کہ کیا اس بات کا علم صحرائے عرب میں رہنے والے کسی امی کو آج سے چودہ سو تیس پینتیس سال پہلے ہو سکتا تھا؟ تو وہ یقیناً نفی میں جواب دے گا، پھر اسے کہئے کہ اس بات کا انکشاف تو اللہ تعالیٰ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی نبی امی پر کر دیا تھا اور اگر وہ نہ مانے تو پھر اسے قرآن مجید کی یہ آیت سنائیے:

"وجعلنامن الماء كل شيء حي افلايؤمنون ○"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 17، سورۃ نمبر 21 (الانبیاء)، آیت نمبر 30)

"اور پانی سے ہم نے ہر زندہ چیز پیدا کی کیا وہ (ہماری اس خلاقی کو) نہیں مانتے۔○"

اسی طرح ماہرین نباتات (B O T O N I S T)، ماہرین حیوانیات (ZOOLOGIST) اور ماہرین طبعیات (PHYSICISTS) سے سوال کیجئے کہ جاندار اشیاء کی تخلیق کا کیا اصولِ فطرت ہے۔؟ سب یہی جواب دیں گے کہ عصر جدید میں ثابت ہوا ہے کہ انسانوں اور حیوانوں کی تخلیق کی طرح نباتات کی تخلیق بھی ازواج سے یعنی مذکر اور مؤنث سے ہوتی ہے، لیکن اس حقیقت کا انکشاف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سینکڑوں سال پہلے کیا تھا جس کا علم خدا نے وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ غور کیجئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

"سبحن الذى خلق الازواج كلهامماتنبت الارض ومن انفسهم وممالايعلمون○"

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 36 (یٰسین)، آیت نمبر 36)

"پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے، خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (نوع انسانی) میں سے ہوں یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں۔○"

مندرجہ بالا چند مثالوں سے واضح ہو گیا کہ سائنس اور انسانی دماغ کے ہر ہر انکشاف سے قرآن مجید فرقان حمید کے معجزوں کا ثبوت ملتا جلتا ہے۔ یہی وہ نشانیاں ہیں جن کا ذکر اہل نظر کے لیے خدا کی اس ابدی کتاب قرآن مجید میں بار بار آتا ہے:

"ان فی ذلک لایت للعلمین ۝"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 30 (الروم)، آیت نمبر 22)

"یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لیے۔ ۝"

ریاضی اور کمپیوٹر کی شہادت

کمپیوٹر کہتا ہے کہ............

626000000000000000000000000

انسان مل کر بھی قرآن جیسی عظیم کتاب نہیں لکھ سکتے۔

بیان کردہ قرآنی معجزات تو بیسویں صدی کے نصف اول کے لوگوں کے لیے تھے لیکن آج جبکہ کمپیوٹر ایجاد ہو چکا ہے اور سائنس اور ریاضی میں انقلاب آ گیا ہے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا کمپیوٹر کے اس عہد کے لیے بھی قرآن مجید میں معجزات موجود ہیں۔؟

"معجزہ" کے لغوی معنی ہیں:

"وہ کام جو انسانی قدرت وبساط سے باہر ہو۔"

مقام شکر ہے کہ اس عصر کے سائنسدانوں، ملحدوں اور غیر مسلمانوں پر سائنس، ریاضی اور کمپیوٹر کی مدد سے ہم یہ واضح کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید آخری اور ابدی معجزہ ہے۔

ریاضی کے اصول ہمیشہ یکساں اور غیر جانبدار ہوتے ہیں اور کمپیوٹر بلا کسی لحاظ کے حقائق بیان کرتا ہے۔ اس دور میں قرآن مجید فرقان حمید کو مکمل طور پر کمپیوٹرائز کیا گیا ہے۔

ریاضی کے نقطہ نظر سے قرآنی معجزے کو سمجھنے کے لیے عربی زبان کا جاننا ضروری نہیں ہے۔ بس اتنا کافی ہے کہ انسان اس معجزے کو دیکھنے کے لیے آنکھیں رکھتا ہو اور ایک سے انیس تک گنتی جانتا ہو۔

قرآن مجید کی ترتیب نزول وحی کے مطابق وارد نہیں بلکہ روایاتی ہے۔ حضور نبی کریم رؤف ورحیم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں اسے مرتب فرمایا ہے۔ آیات الٰہی وقت کی ضروریات کے مطابق نازل ہوتی رہی ہیں۔ پہلی وحی غار حرا میں رمضان کی ستائیسویں تاریخ کو آئی جبکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھوائیں۔

قرآن مجید میں یہ 97 نمبر سورت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غیر معمولی واقعے کے بعد پریشان گھر لوٹے اور ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو ساری بات بتائی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت، اپنی رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی تبلیغ شروع کی جو کفار مکہ کے لیے قابل قبول نہیں تھیں۔ جواب میں کفار مکہ نے پروپگنڈا کیا کہ (نعوذ باللہ) محمد دیوانہ اور مجنون ہے۔ کفار مکہ کے اس پروپگنڈے کے دور میں سورۃ القلم نازل ہوئی۔ قرآن مجید میں یہ 68 نمبر سورت ہے۔ اس میں اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ آپ مجنون ہیں اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور عالی مرتبے کا ذکر کیا گیا ہے۔

تیسری وحی سورۃ المزمل کی چند ابتدائی آیات کی شکل میں آئی۔ یہ تہترنمبر سورۃ ہے اس وحی کی آخری آیت یہ ہے:

"انا سنلقی علیک قولا ثقیلا○"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 73 (المزمل)، آیت نمبر 5)

"ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔○"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت بدستور جاری رکھی۔ لوگ آہستہ آہستہ اس دعوت کی طرف مائل ہونے لگے اور سمجھنے لگے کہ قرآن مجید کسی مجنون کا کلام نہیں ہوسکتا بلکہ یہ تو رب العالمین کا کلام عالیشان ہے، کیونکہ اتنا فصیح و بلیغ کلام کسی مجنون کا نہیں ہوسکتا۔ جب لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ اور قرآن کی حقانیت کو ماننے لگے تو اس پر کفار مکہ نے یہ کہنا شروع کیا کہ محمد جادوگر ہے اور قرآن محمد کا ہی کلام ہے اللہ کا کلام نہیں ہے۔

اس وقت چوتھی وحی آئی جو کہ قرآن مجید میں 74 نمبر سورت ہے یعنی سورہ مدثر کی ابتدائی تیس آیات نازل ہوئی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورت کی ابتدائی تیس آیات دے کر تیسویں آیت پر رک گئے جو ذیل میں درج ہے:

"علیہا تسعۃ عشر○"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 74 (مدثر)، آیت نمبر 30)

"اس پر انیس ہیں۔○"

جو بیسویں اور چھبیسویں آیت میں کفار مکہ کے پروپگنڈے کا ذکر کیا گیا ہے، جو کہتے تھے کہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو بیان کرتے ہیں وہ جادو ہے اور یہ کہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ہی کلام ہے......اور چھبیسویں آیت میں کفار مکہ کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ نے اپنے غیظ وغضب کا اظہار کیا اور فرمایا کہ آپ پر ایسے الزامات لگانے والوں کو بہت جلد دوزخ میں ڈالا جائے گا......اٹھائیسویں اور انتیسویں آیت میں دوزخ کی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ اس میں انسان کا رنگ سیاہ پڑ جاتا ہے......اور اس کے فوراً بعد تیسویں آیت میں فرمایا گیا:

"علیہا تسعۃ عشر o"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 74 (مدثر)، آیت نمبر 30)

"اس پر انیس ہیں۔ o"

حضرت جبرئیل علیہ السلام یہاں سورۃ مدثر کی تیسویں آیت پر رک گئے اور اس کے فوراً بعد سورہ اقراء (جس کی پہلی پانچ آیات نازل ہو چکی تھی) کی باقی چودہ آیات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے جاتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔؟ قرآن مجید کی اس آیت "اس پر انیس ہیں۔" کا مطلب کیا ہے اور اس کی ماہیت کیا ہے۔؟

مفسرین نے اس آیت کے مختلف معانی لیے ہیں۔ کسی نے کہا کہ دوزخ کے ذکر کے بعد یہ آیت آئی ہے اس لے اس کا مطلب وہ انیس فرشتے ہیں جو دوزخ پر مامور ہیں کسی نے کہا کہ یہ اسلام کے انیس اساسی اصول ہیں لیکن ہر ایک نے لکھا کہ حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشیت الٰہی نے اس عقدے کا حل بیسیوں صدی کے کمپیوٹر کے عہد کے لیے چھوڑ رکھا تھا۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے پہلی وحی سورۃ اقرء کی پانچ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھوائیں۔ چوتھی وحی میں سوہ مدثر کی تیس آیات دیں اور پھر رک گئے اور پھر اسکے بعد سورہ اقراء (جس کی پہلی پانچ آیات پہلی وحی میں نازل ہو چکی تھی) کی باقی چودہ آیات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں۔ اس طرح سورۃ اقراء کی انیس آیات مکمل ہو گئیں یعنی سوہ مدثر میں علیہا تسعۃ عشر o "اس پر انیس ہیں۔ o" کہنے کے فوراً بعد انیس آیات کی سورہ اقراء مکمل ہو گئی۔

انیس کا ہندسہ

ارشاد ربانی ہے:

"علیھا تسعۃ عشر o"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 74 (مدثر)، آیت نمبر 30)

"اس پر انیس ہیں۔ o"

اس انیس کے ہندسے کی ذرا تفصیل میں جائیں تو حیرت انگیز باتیں سامنے آتی ہیں اور انسانی ذہن تحیرات کی گہرائی میں ڈوب جاتا ہے اور ضمیر بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ یہ کتاب...... یہ قرآن...... کسی انسان کا کلام نہیں ہے! بلکہ یہ تو اللہ رحمٰن ورحیم کا ہی کلام مبارک ہے۔

کچھ تفصیلات ملاحظہ کیجئے۔

سورۃ اقرء اور انیس کا ہندسہ:

1: سورہ اقراء کی پہلی پانچ آیات میں انیس الفاظ ہیں اور ان انیس الفاظ میں چھہتر حروف ہیں جو انیس پر پورے پورے تقسیم ہو جاتے ہیں۔

2: قرآن مجید کی آخری سورت یعنی ایک سو چودہ نمبر سورت سے اُلٹا گننا شروع کیا جائے یعنی 113، 112، 111 وغیرہ تو ٹھیک 19 نمبر پر سورہ اقرء (96 نمبر سورت) آتی ہے۔

سور قرآنیہ:

قرآن مجید میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ یہ ہندسہ بھی پورا پورا انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

آغاز کلام:

1: یہ بات کس قدر اہمیت رکھتی ہے کہ قرآن مجید کا آغاز ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے جس میں انیس حروف ہیں۔

2: تسمیہ میں چار الفاظ ہیں:

اسم   اللہ   الرحمٰن   الرحیم

اس آیت کا ہر لفظ جتنی دفعہ قرآن حکیم میں آیا ہے وہ انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایسا ہونا محض

اتفاقی بات نہیں ہے۔

3: آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۃ النمل میں دو مرتبہ آئی ہے، ایک مرتبہ آغاز میں اور دوسری مرتبہ متن میں...... اس لیے سورہ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ہے۔ ورنہ اس کی تعداد ایک سو پندرہ ہو جاتی اور ایک سو پندرہ کا ہندسہ انیس پر تقسیم نہیں ہو سکتا۔ (قرآن مجید کی تمام سورتوں کی تعداد ایک سو پندرہ ہے اور سوائے سورۃ توبہ کے باقی تمام سورتوں کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آئی ہے)

حروف مقطعات:

قرآن مجید کی انتیس سورتوں کی ابتدا حروف تہجی کے مفرد اعداد یعنی حروف مقطعات سے ہوتی ہے۔ عربی زبان کے اٹھائیس حروف میں سے چودہ حروف تہجی مختلف جوڑ میں ان سورتوں کے آغاز میں واقع ہوئے ہیں۔ یہ حروف تہجی ذیل میں درج ہیں:

1: الف 2: ح 3: ر 4: س 5: ص

6: ط 7: ع 8: ق 9: ک 10: ل

11: م 12: ن 13: ھ 14: ی

اور ان چودہ حروف میں سے جو چودہ سیٹ حروف مقطعات کے بنتے ہیں وہ یہ ہیں:

ایک حرف والے:

ص، ق اور ن ہیں...... یہ تین سیٹ ہوئے۔

دو حرف والے:

طٰہٰ، یٰس، طٰس اور حٰم ہیں...... یہ چار سیٹ ہوئے۔

تین حروف والے:

الٓمٓ، الٓر، طٰسٓمٓ، اور عٓسٓقٓ ہیں...... یہ چار سیٹ ہوئے۔

چار حروف والے:

الٓمٓر اور الٓمٓصٓ ہیں...... یہ دو سیٹ ہوئے۔

پانچ حروف والے:

کٓھٰیٰعٓصٓ ہیں...... یہ صرف ایک سیٹ ہے۔

مذکورہ خاکے پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حروف مقطعات جو انتیس سورتوں میں استعمال ہوئے ہیں، یہ چودہ حروف ہیں اور ان کے مجموعہ سیٹ بھی چودہ ہی ہیں۔ اب 14 حروف +14 سیٹ +29 سورتیں =57۔

یہ حاصل جمع 57 بھی انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

حرف قاف:

حروف مقطعات میں " ق" کو لیجئے۔ یہ حرف ق دو سورتوں کے شروع میں آیا ہے، یعنی سورۃ ق میں اور سورۃ شوریٰ میں "حٰمٓ عٓسٓقٓ" کی صورت میں۔ ان میں سے ہر سورت میں حرف ق ستاون (57) مرتبہ آیا ہے جو انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

خود سورۃ ق میں بھی حرف ق 57 مرتبہ آیا ہے اور "حٰمٓ عٓسٓقٓ" والی سورت میں بھی حرف ق 57 دفعہ ہی آیا ہے، حالانکہ آخر الذکر سورت بہت طویل ہے۔

دونوں سورتوں میں حرف ق کا مجموعہ ایک 114 ہوتا ہے اور قرآن مجید کی جملہ سورتوں کی تعداد بھی ایک سو چودہ (114) ہی ہے۔

قرآن مجید میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور حرف ق جو لفظ قرآن کا پہلا حرف ہے اور اس کی نمائندگی کرتا ہے وہ بھی ایک سو چودہ مرتبہ آیا ہے۔

اس طرح یہ کہنا جائز ہو گیا کہ قرآن کی انوکھی تشکیل حسابی نظام کے تحت 114 سورتوں پر ہوئی ہے۔

قرآن مجید میں زمانہ قدیم کی قوموں کو لفظ قوم ہی سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً قوم نوح قوم ثمود قوم عاد قوم لوط وغیرہ مگر سورہ ق کی تیرھویں آیت میں قرآن فرماتا ہے:

"وعاد وفرعون اخوان لوط"

(القرآن المجید، پارہ، سورۃ نمبر (ق)، آیت نمبر 13)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر قرآن میں لفظ قوم ہی سے عموماً کیا گیا ہے لیکن صرف اس آیت میں لفظ قوم کی بجائے لفظ اخوان خصوصاً کیوں استعمال کیا گیا ہے۔؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہاں لفظ قوم استعمال ہوتا تو ایک ق بڑھ جاتا اور اس سورت میں حرف ق کی تعداد ستاون کی بجائے اٹھاون ہو جاتی جو انیس پر پوری پوری تقسیم نہ ہو سکتی اور اس

طرح قرآن کا حسابی نظام درہم برہم ہو جاتا۔

حرف نون اور سورۃ القلم:

سورۃ القلم کے شروع میں حرف ن آیا ہے۔ اس پوری سورت میں حرف ن کی تعداد ایک سو تینتیس ہے جو انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

حرف صاد:

حرف صاد قرآن مجید کی ان تین سورتوں کے شروع میں آیا ہے:

1: سورۃ الاعراف میں الٓمٓصٓ کی شکل میں۔

2: سورہ مریم میں کٓھٰیٰعٓصٓ کی صورت میں۔

3: سورہ صٓ میں حرف صٓ کے طور پر۔

ان تینوں سورتوں میں حرف صاد کی تعداد اسو باون ہے جو انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

سورۃ الاعراف کی انہترویں آیت میں ایک لفظ "بَصۜطَةً" آیا ہے۔ عربی میں یہ لفظ س کے ساتھ لکھا جاتا ہے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ حکم بھی ہوا کہ اس لفظ کو ص کے ساتھ لکھا جائے اس کی کیا وجہ تھی۔؟

وجہ یہ تھی کہ اگر اس لفظ کو س کے ساتھ لکھا جاتا تو اس سورت میں ایک ص کم ہو جاتا اور ص والی متذکرہ بالا سورتوں میں حرف ص کی کل تعداد 152 کی بجائے 153 ہو جاتی جو انیس پر پوری پوری تقسیم نہ ہوتی اور قرآن حکیم کا حسابی نظام غلط ہو جاتا۔!

حروف مقطعات والی سورتیں:

جن سورتوں کی ابتداء ایک حرف سے زیادہ حرفوں والے حروف مقطعات سے ہوتی ہے ان سورتوں میں ہر حرف علیحدہ علیحدہ جمع کیا جائے تو ان کا مجموعہ انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ حروف جن جن سورتوں کے شروع میں آئے ہیں ان سورتوں میں ان حروف کی اپنی اپنی تعداد کو یکجا کیا جائے تب بھی مجموعی تعداد انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثلاً:

1: سورۃ طٰہٰ میں دو حروف ''ط'' اور ''ہ'' ہیں۔اس سورت میں حرف ''ط'' اٹھائیس دفعہ اور ''ہ'' تین سو چودہ مرتبہ آیا ہے اور دونوں کا مجموعہ تین سو بیالیس ہے جو انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

2: سورۃ یٰسین میں حرف ''ی'' کی تعداد دو سو سینتیس، حرف ''س'' کی تعداد اڑتالیس ہے اور دونوں کا مجموعہ دو سو پچاسی ہے جو انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

مجموعی حروف مقطعات:

قرآن مجید کی انتیس سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں اور یہ حروف جتنی بھی دفعہ ان سورتوں میں آئے ہیں ان کا مجموعہ انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

1: حروف الم مندرجہ ذیل سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں اور ان حروف کی تعداد جو ان سورتوں میں آئی ہے ساتھ ہی درج ہے۔

سورت	حروف	تعداد
البقرۃ	الٓمٓ	9991
آل عمران	الٓمٓ	5714
العنکبوت	الٓمٓ	1685
الروم	الٓمٓ	1259
لقمان	الٓمٓ	823
السجدۃ	الٓمٓ	580
الرعد	الٓمّٓرٰ (''ر'' کے علاوہ)	1364
الاعراف	الٓمّٓصٓ (''ص'' کے علاوہ)	5260

جملہ تعداد: 26676

یہ مجموعی تعداد 26676 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

2: حروف ''الٓـر'' مندرجہ ذیل سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں۔ان سورتوں میں ان حروف کی تعداد کا مجموعہ ذیل میں دیا جاتا ہے اور سورۃ الرعد میں حرف ''ر'' کے سابق میں حذف

شدہ ٹوٹل کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

سورۃ	حروف	تعداد
یونس	الرٰ	2522
ھود	الرٰ	2514
یوسف	الرٰ	2405
ابراہیم	الرٰ	1206
الحجر	الرٰ	925
الرعد	المرٰ (صرف "ر" کی تعداد)	135
	جملہ تعداد:	**9709**

یہ مجموعی تعداد 9709 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

3: مندرجہ ذیل سورتوں میں حروف حم آغاز میں آتے ہیں۔ان کی تعداد بھی ساتھ ہی لکھی گئی ہے۔ملاحظہ کیجئے:

سورۃ	حروف	تعداد
المومن	حم	453
حم السجدۃ	حم	334
الزخرف	حم	362
الدخان	حم	161
الجاثیۃ	حم	231
الاحقاف	حم	264
الشوریٰ	حم عسق (میں سے صرف "حم" کی تعداد)	361
	جملہ تعداد:	**2166**

یہ مجموعی تعداد 2166 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

4: سورۃ الشوریٰ میں پانچ حروف حٰم عسق ہیں۔ان پانچوں حروف ح،م،ع،س اور ق کی اس سورت میں جملہ تعداد 570 ہے جو انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

سورۃ	حروف	تعداد

یونس	الرٰ	2522
ہود	الرٰ	2514
یوسف	الرٰ	2405
ابراہیم	الرٰ	1206
الحجر	الرٰ	925
الرعد	المرٰ (صرف "ر" کی تعداد)	135

جملہ تعداد: 9709

یہ مجموعی تعداد 9709 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

5: درج ذیل سورتوں میں حروف "ط" اور "س" آتے ہیں۔ان کی جملہ تعداد پر غور فرمائیے:

سورۃ	حروف	تعداد
النمل	طٰسٓ	120
الشعراء	طٰسٓمٓ ("م" کو حذف کرکے)	126
القصص	طٰسٓمٓ ("م" کو حذف کرکے)	119
طٰہٰ	طٰہٰ ("ہ" کو حذف کرکے)	28
یٰسٓ	یٰسٓ ("ی" کو حذف کرکے)	48
الشوریٰ	حٰمٓ عٓسٓقٓ (صرف "س" کی تعداد)	53

جملہ تعداد: 494

یہ مجموعی تعداد 494 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

6: سورۃ "ص" میں حرف "ص" 28 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔سورۃ الاعراف کا آغاز "المص" سے ہوتا ہے اور اس سورت میں حرف ص اٹھانوے مرتبہ آیا ہے۔سورہ مریم کا آغاز "کھیعص" سے ہوتا ہے، اس سورۃ میں حرف "ص" 26 مرتبہ آیا ہے۔ملاحظہ کیجئے:

سورۃ	حرف	تعداد
ص	ص	28
اعراف	ص	98

مریم	ص	26

جملہ تعداد: 152

یہ مجموعی تعداد 152 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہوجاتی ہے۔

7: سورہ مریم کا آغاز کھیعص سے ہوتا ہے۔اس سورت میں ان تمام حروف کی تعداد یہ ہے۔

حرف	تعداد
ک	137
ھ	168
ی	345
ع	122
ص	26

جملہ تعداد: 798

یہ مجموعی تعداد 798 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہوجاتی ہے۔

8: جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ قرآن مجید کی 29 سورتوں میں حروف مقطعات آتے ہیں۔حیرت کی انتہا ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام سورتوں میں ہر ایک حرف کو علیحدہ علیحدہ جمع کیا جائے تو ہر حرف کی جملہ تعداد انیس پر تقسیم ہوجاتی ہے۔

مثلاً ان حروف مقطعات والی سورتوں میں الف کی تعداد سترہ ہزار چار سو نناوے ہے جو انیس پر پوری پوری تقسیم ہوجاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف "ل" کی تعداد گیارہ ہزار سات سو اسی ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہوجاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف "م" کی تعداد آٹھ ہزار چھ سو تیراسی ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہوجاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف "ر" کی تعداد ایک ہزار دو سو پینتیس ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہوجاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف "ص" کی تعداد ایک سو باون ہے جو کہ انیس

پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف ''ح'' کی تعداد تین سو چار ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف ''ق'' کی تعداد ایک سو گیارہ ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف ''ن'' کی تعداد ایک سو تینتیس ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

انیس کا ہندسہ ایک اور نو سے مرکب ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات ظاہر و باطن سے منسوب ہے۔ ایک کا عدد اللہ تعالیٰ کی وحدت کا آئینہ دار ہے اور نو کا عدد اس کی مخفی صفات کا علمبردار ہے۔ چنانچہ انیس کا عدد جو ایک اور نو کا مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ کی صفات ظاہر و باطن کو واضح کرتا ہے۔ حسابی نقطہ نظر سے ایک سے پہلے کوئی ہندسہ نہیں ہے اور نو کے بعد بھی کوئی منفرد ہندسہ نہیں ہے یعنی انیس کا ہندسہ ابتداء و انتہاء کو حاوی ہے اور غالباً اسی لیے قرآن کے حسابی نظام کی اساس اسی ہندسے پر رکھی گئی ہے۔

نتیجہ گفتگو

اس تمام تفصیل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کا حسابی نظام اتنا پیچیدہ مگر منظم ہے کہ یہ انسانی عقل و دانش کے بس کی بات نہیں ہے۔ اُلو ہی بصیرت کو قرآن کے ایک ایک لفظ پر کنٹرول ہے۔ فی الحقیقت یہ ساری حسابی ترتیب حیرت انگیز ہے اور بلاشبہ سارے انسان اور جن مل کر بھی ایسی محیر العقول کتاب تصنیف نہیں کر سکتے۔!

اس دور میں قرآن مجید کو پوری طرح کمپیوٹرائز کیا گیا ہے۔ چنانچہ کمپیوٹر سے سوال کیا گیا کہ اگر انسان قرآن جیسی کتاب کی تصنیف کرنا چاہے تو کتنی مرتبہ کوشش کرنے سے یہ بات ممکن ہو سکتی ہے۔؟

کمپیوٹر نے جواب دیا کہ.....................

"626000000000000000000000000000000000"

مرتبہ کوشش کرنی پڑے گی۔!

بالفاظ دیگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی انسان یا دنیا کے سارے انسان اور جن مل کر بھی ایسی کتاب تصنیف کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القران لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا٥"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 15، سورۃ نمبر 17 (بنی اسرائیل)، آیت نمبر 88)

"اے محبوب! فرما دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو لے آئیں وہ اس جیسا نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔٥"

حفاظت...... قرآن اور دیگر مذہبی کتب کا تقابل

ویدیں:

کتابت اور حفاظت کے ضمن میں قرآن مجید کو دیگر مذہبی کتب میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ دیگر مذہبی کتب زمانے کی خرد برد کے ہاتھوں نہ بچ سکیں اور ناپید ہو گئیں۔ مثلاً: ہندوؤں کے مقدس کتب ویدوں کا زمانہ آج تک متعین نہیں ہو سکا۔ خود ہندو قوم اس کو عدم صحت کی بجائے ایجاد بندہ خیال کرتے ہیں۔

بدھ مت کی کتب:

بدھ مت کا معاملہ اس سے بھی بدتر ہے۔ گوتم بدھ نے کوئی کتاب نہیں چھوڑی۔ صرف ان کی زبانی تعلیمات تھیں جو سینہ بہ سینہ چلتی رہیں اور سینکڑوں سال کے بعد جا کر مدون ہوئیں۔

تورات:

یہودیوں کی کتاب مقدس تورات کو لیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کتاب کے بارے میں بے شمار تاریخی شہادتیں ملتی ہیں کہ یہ کتاب طویل طویل عرصوں کے لئے بالکل نیست و نابود ہو گئی تھی۔ مثال کے طور پر بخت نصر نے جب بیت المقدس پر حملہ کیا تو ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ تورات کا صرف ایک نسخہ تھا جو ہیکل میں تھا وہ بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ بخت نصر پوری یہودی قوم کو بابل پکڑ کر لے گیا جہاں انہیں اپنی مذہبی رسموں کے بجا لانے کی

بالکل اجازت نہ تھی۔

ایران کے بادشاہ سائرس نے جب بابل فتح کر کے یہودیوں کو رہائی دی تو پھر انہوں نے نہ جانے کہاں سے تورات کا ایک نسخہ ڈھونڈ لیا۔ اس کے بعد بھی کم از کم تین مرتبہ تورات کا نسخہ دنیا سے بالکل تباہ کر دیا گیا اور یہودیوں نے دوبارہ پیدا کر لیا۔ ظاہر ہے کہ اس عمل میں نہ جانے کتنی تبدیلیاں ہو گئیں۔ تحریفات کا ایک معمولی اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تجہیز و تکفین کے واقعات تک درج ہیں۔

اگر یہ وہی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی تو پھر اس میں یہ واقعات کہاں سے آ گئے؟ معلوم ہوا کہ یہ کتاب سراسر مبدل و متغیر ہے۔

انجیل:

یہی معاملہ انجیل کا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آپ کے شاگردوں نے آپ کی سوانح عمری مرتب کرنے کی کوشش کی اور انہی کوششوں کا نتیجہ بائبل کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس زمانے میں اس قسم کی اناجیل کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ ایک روایت کی رو سے اس طرح کی 34 اناجیل کا پتہ چلتا ہے۔ اسکے علاوہ ایک بڑی تعداد حواریوں کے خطوط کی ہے۔ ۳۲۵ء میں نیقہ کی کونسل کے سامنے یہ سارا لٹریچر رکھا گیا۔ کافی جنگ و جدال کے بعد ان ساری انجیلوں کو اوپر تلے رکھ دیا گیا اور صبح آ کر دیکھا گیا تو چار انجیل اور کچھ خطوط کو چھوڑ کر باقی سب نیچے پڑی ہوئی تھیں۔ ان ہی چار انجیل انجیل متی، انجیل لوقا، انجیل مرقس اور انجیل یوحنا کو صحیح قرار دیا گیا۔ ان کے ساتھ ساتھ کچھ خطوط بھی بچے تھے انہیں بھی درست قرار دیا گیا، لیکن اس نیقہ کی انجیل کا آج بھی پتہ نہیں۔ آج کل قدیم ترین انجیل چوتھی پانچویں صدی کی ملتی ہے اور وہ بھی یونانی زبان میں، جب کہ حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کی زبان آرامی تھی۔

حفاظت قرآن مجید...... معجزۂ قرآن مجید:

ان سب کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن اپنی اصل زبان (عربی) میں آج تک اسی صورت سے محفوظ ہے جیسے وہ اترا تھا۔ قرآن دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی زمانے میں مرتب ہو گیا تھا۔ اس کے بعد صحابہ کرام نے اس کے مختلف نسخے کرا کر مختلف جگہوں پر بھیجے۔ چنانچہ اس کے قدیم ترین اور جدید ترین نسخوں میں ایک شوشے کا فرق بھی نہیں ملتا۔ اسلام کے کٹر

مخالف بھی اس بات کے معترف ہیں کہ قرآن ہر قسم کی تحریف سے پاک اور منزہ ہے۔

جمع وتدوین کے اعتبار سے معجزہ:

جمع کے معنی ہیں:

"قرآن کو حفظ کرنا اور سینہ میں محفوظ کرنا۔"

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"انا علینا جمعه و قرانه"

"بیشک اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترنی شروع ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو یاد کرنے کی غرض سے جلدی جلدی پڑھتے تو یہ آیت حضور پر اتری:

"ہم اسے آپ کے دل میں جمع کردیں گے اور اسے آپ کی زبان سے پڑھائیں گے۔"

اس طرح دوسری آیت میں ایسی ہی تاکید کہ آپ زبان تیز نہ کریں، ہم اس کو حفظ کرائیں گے۔ ارشاد ہے:

"لاتحرك به لسانك لتعجل به"

دوسری جگہ ہے آپ جلدی نہ کریں۔ ارشاد ہے:

"و لاتجعل بالقران انما نعدهم عدا"

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ امی تھے مگر آپ فصیح ترین کلام دنیا کو سنا رہے تھے۔ اسی وجہ سے حفاظ قرآن کو جماع قرآن بھی کہتے ہیں۔

حفاظت کے اعتبار سے معجزہ:

قرآن مجید اتنا جامع اور مختصر کلام الٰہی ہے کہ اسے سینوں میں محفوظ رکھنا آسان ہے۔ یہ بھی اس کا اعجاز ہے کہ بے شمار علوم کا مخزن ایک مختصر سے مجموعہ میں سمویا ہوا ہے۔ یاد کرنے میں آسان ہے اور سمجھنے میں مشکل نہیں۔ ان دونوں باتوں کی طرف قرآن کا ارشاد ہے:

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ"

(سورۃ القمر، آیت نمبر 17)

قرآن مجید کے علاوہ دنیا کی کوئی ایسی مذہبی کتاب نہیں جسے حفظ کیا جاتا ہو۔ عیسائیوں نے

جب قرآن مجید کو ضائع کرنے کا منصوبہ بنایا تو انہوں نے اس کے لئے خطیر رقم شروع کی مگر انہیں بتایا گیا کہ پہلے تو یہ بہت مشکل ہے، اگر معاذ اللہ یہ تم کر بھی لو تو قرآن مجید ان لاکھوں حفاظ کے دلوں سے کیسے نکالو گے جو ان کو محفوظ رکھے ہیں؟ اس پر انہوں نے منصوبہ ہی ترک کر دیا۔

خدا تعالیٰ نے خود قرآن مجید کی حفاظت کا اعلان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

''انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون''

''ہم ہی اس قرآن کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

ایک دور وہ بھی آیا کہ قرآنی آیات کے حوالہ سے باتیں ہوتیں تھیں۔ سوال کرنے والا قرآنی آیت پڑھتا جو اس کے سوال کو ظاہر کرتی اور جواب دینے والا بھی ایسی قرآنی آیت پڑھتا جس سے اس کا جواب واضح ہوتا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ شامل ہونے آئے تو انہوں نے حفظ قرآن کی شرط بیان کی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان شریف میں اکسٹھ قرآن ختم کر لیتے تھے۔ دن اور رات میں دو اور پورے ماہ میں اس کے برعکس۔ ہمیں کسی مقدس کتاب کے متعلق ایسا انگاؤ تا حال دریافت نہیں ہو سکا ہے۔

تواتر کے اعتبار سے معجزہ:

جب سے قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک پہنچایا ہے، اس دن سے آج تک کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ قرآن مجید اس میں نہ پڑھا گیا ہو۔ لاکھوں مسلمان روزانہ اس کی تلاوت کرتے ہیں اور یہ شان صرف قرآن مجید کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

''فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ''

''پس پڑھو (نماز میں) جو قرآن کا حصہ آسانی سے پڑھ سکو۔''

(سورۃ المزمل، آیت نمبر 20)

یہ بات مسلمہ ہے کہ قرآن مجید سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا آف برطینیکا میں ہے:

"The Holy Quran is the most

read book in the World"

قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور اس کے برعکس انجیل سب سے زیادہ چھاپی جاتی ہے۔ قرآن مجید دنیا کی واحد کتاب ہے کہ جو زمانہ کے ساتھ متواتر ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی۔

قرآن مجید کا بے مثل ہونا:

قرآن مجید وہ کتاب ہے جس نے ہر پہلو سے بے مثل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

"قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا o"

(بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۸۸)

"کہہ دیجئے کہ اگر انس و جن جمع ہو جائیں اور کوشش کریں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تو وہ ہرگز اس کی مثل نہ بنا سکیں خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔ o"

سورۂ بقرہ میں منکرین کو صرف ایک سورت کی مانند کلام پیش کرنے کا چیلنج دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداء کم من دون الله ان کنتم صدقین o فان لم تفعلوا ولن تفعلوا"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۳)

"اگر تمہیں اس امر میں شک ہو کہ جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے تو تم اس کی مانند کوئی سورت بنا لاؤ اور اپنے گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم نے اس کی مثل پیش نہ کی اور یاد رکھو کبھی نہ کر سکو گے۔"

یہ دونوں آیات قرآن کا بے مثل ہونا ثابت کرتی ہیں۔

دلائلِ اعجاز

قرآن مجید کن کن پہلوؤں کے لحاظ سے معجزہ ہے ان تمام کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے، صرف چند ایک اعجازی پہلوؤں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

علمی لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید علوم کا خزانہ ہے جس کو بوجہ خارق عادت ہونے کے علمی اعجاز کہنا چاہیے۔ قرآنی علوم کو چار عنوانات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے:

1: جن میں خدا کی توحید اور اس کی صفات کا علم، تعلق باللہ کا علم، ملائکہ کا علم، مبداء و معاد کا علم، اخلاق فاضلہ کا علم اور عبادات کا علم شامل ہے۔

2: جن میں عمرانیات، علم سیاسیات، علم اقتصاد، علم قانون، علم تمدن، علم ہندسہ اور علم مناظرہ شامل ہیں۔

3: جن میں علم کیمیا، علم طبیعات، علم نباتات، علم طبقات الارض، علم الجبال، علم الحیوان، علم ہیئت اور علم طبابت شامل ہیں۔

4: جس میں صرف ونحو اور معانی و بیان کے علم شامل ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین"

"کوئی خشک اور تر چیز ایسی نہیں جو اس روشن کتاب میں نہ ہو۔"

اس آیت میں "رطب" سے مراد روحانی علوم اور "یابس" سے مراد بقیہ تمام علوم ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

"مافرطنا فی الکتاب من شیء"

"ہم نے کتاب میں بیان کرنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔"

(سورۃ الانعام، آیت نمبر:۳۸)

قرآن مجید میں یہ سب علوم خدمت دین کے لئے بطور خارق عادت بیان ہوئے ہیں، جن سے بڑے بڑے دقیق مسائل حل کیے جاسکتے ہیں۔ خاص طور پر ہستی باری تعالیٰ ثابت کرنے کے

لئے یہ علوم دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔

برکات روحانیہ کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید کے نزول سے قبل اہل عرب ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ اس گمراہی اور ظلمت کے زمانے میں قرآن مجید نے عربوں کو ہر قسم کی بدی سے نجات دلا کر با اخلاق اور باخدا انسان بنا دیا۔ موسیو سیڈیو فرانسیسی لکھتا ہے:

''اسلام کو جو وحشیانہ مذہب کہتے ہیں انہوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا جس کے اثر سے عربوں کی تمام بری اور معیوب عادتوں کی کایا پلٹ گئی۔''

مسٹر ٹامس کارلائل انگلستان کے فاضل اپنی کتاب ''لیکچرز آن ہیروز'' میں لکھتے ہیں:

''اسلام قوم عرب کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے پہل اس کے ذریعے سے زندہ ہوا۔''

فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ اس کا اعتراف نہ صرف مسلمانوں کو ہے بلکہ مخالفین کو بھی ہے۔ نزول قرآن کے وقت عرب میں بے شمار فصیح اللسان خطیب اور شاعر تھے۔ جن کی زبان آوری مسلمہ تھی، سب فصحاء و بلغاء قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے اپنے آپ کو ضعیف اور پست سمجھنے لگ پڑے۔ لبید معلقہ کا شاعر تھا۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے شعر کہنے ترک کر دیئے اور کہا کرتا تھا:

''جب خدا نے مجھے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران سکھائی ہے تو اب مجھے شعر کہنا موزوں نہیں۔''

''Popular Enecyclopedia'' میں لکھا ہے:

''قرآن کی زبان بلحاظ لفظ عرب نہایت فصیح ہے۔ اس کی انتہائی خوبیوں نے اسے اب تک بے مثل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔''

قرآن مجید اثر ڈالنے، یقین دلانے کی طاقت، فصاحت و بلاغت اور تراکیب و بندش الفاظ میں بے نظیر ہے اور دنیائے سائنس کے تمام شعبوں کی حیرت انگیز ترقی کا باعث ہے۔

چنانچہ سر جارج لکھتا ہے:

"انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے۔"

قوت تاثیر کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید کے الفاظ میں خارق عادت تاثیر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

"ولقدجاء هم من الانبیاء ما فیه مزدجر حکمة بالغه فماتغن النذر"

(سورۃ نمبر۵۴، آیت نمبر۴ اور ۵)

"اور یقیناً ان کو (قرآن کے ذریعے) وہ باتیں پہنچ چکی ہیں جن میں تنبیہ ہے۔ یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے مگر ڈرانا کسی کام نہ آیا۔"

اس وقت تاثیر سے ڈر کر مخالفین لوگوں کو قرآن مجید کے سننے سے روکتے تھے اور کہتے تھے:

"جب کوئی مسلمان قرآن پڑھ کر سنائے تو شور کرو۔"

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قال الذین کفروا لاتسمعوا لهذاالقرآن والغوافیه لعلکم تغلبون٥"

(حم السجدہ: آیت نمبر۲۶)

"کفار نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنا کرو اور اس کے پڑھنے کے وقت شور وغل کیا کرو، شاید تم غالب آجاؤ۔٥"

جان ویسک جرمن فلاسفر کہتا ہے:

"جب قرآن پیغمبر کی زبان سے منکر سنتے تھے تو بے تاب ہو کر سجدے میں گر جاتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔"

عدم اختلاف کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید تیئس برس دکھ اور سکھ کے مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا ہے، کیا کوئی انسان یہ بات ذہن میں لا سکتا ہے کہ اس قسم کے حالات میں انسان ایک ہی حالت پر قائم رہے اور جو وہ کلام پیش کرے اس میں اختلاف نہ ہو۔؟ قرآن مجید منافقوں اور مخالفوں کو مخاطب کر کے کہتا

ہے:

"افلا یتدبرون القران لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا○"

(سورۃ النساء: آیت نمبر ۸۲)

"پھر کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے کہ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں ضرور اختلاف پاتے۔○"

غیب کی خبروں کا اعلان کرنے کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید غیب کی خبروں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو علیم وخبیر ہے۔ بعض وہ خبریں ہیں جو ماضی سے تعلق رکھتی ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان خبروں کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا اور بعض وہ خبریں ہیں جو مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں۔

1: قرآن مجید نے بائبل میں تحریف وتغیر کا دعویٰ اس وقت کیا جب دنیا اس علمی حقیقت سے نا آشنا تھی۔ آج دنیا کے تمام محققین نے اس امر کا اعتراف کرلیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"افتطمعون ان یومنوا لکم وقد کان فریق منھم یسمعون کلم اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون○"

"پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے اور ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اللہ کے کلام کو سنتا ہے پھر سمجھ لینے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں۔○"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۷۵)

رومن تاریخ کلیسا، مطبوعہ مرزا پور ۱۸۵۶ء کے صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے:

"بہت سے مسیحی کتابیں خود لکھ کر کسی حواری مسیح یا حواری مسیح کے کسی خادم یا کسی بڑے اسقف کے نام سے مشہور کردیتے تھے، ایسی جعلی کارروائیاں تیسری صدی عیسوی سے شروع ہوئیں اور کئی سو برس تک جاری رہیں۔ یہ نہایت ہی خلاف حق اور قابل

شرم حرکت تھی۔"

2: قرآن مجید نے فرعون کی لاش کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ موجود ہے۔ یہ اس زمانہ کی خبر ہے جب کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ فرعون کی لاش محفوظ ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فالیوم ننجیك ببدنك لتكون لمن خلفك ایة وان كثیرا من الناس عن ایتنالغافلون"

"ہم تیری لاش کو باہر نکال دیں گے تا کہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشان رہے اور بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے بے خبر ہیں۔"

(سورۃ یونس، آیت نمبر:۹۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جو فرعون تھا اس کا نام رعمیس ثانی تھا۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا میں مضمون "ممی" کے تحت لکھا ہے کہ رعمیس ثانی کی لاش آج بھی محفوظ ہے۔

قوت دلائل کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید کا نام "بینة" ہے جس کے معنی ہی واضح اور کھلی دلیل ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

"فقد جاء كم بینة من ربكم"

(سورۃ الانعام: آیت نمبر ۱۵۷)

قرآن کا قاری آسانی سے یہ جان سکتا ہے کہ قرآن مجید ہر دعویٰ کو دلائل و براہین قاطعہ کے ساتھ منواتا ہے۔

نسل انسانی کی وحدت کا پیغام:

قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو نسل انسانی کی وحدت کا پیغام دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"كان الناس امة واحدة فاختلفوا"

"سب لوگ ایک ہی امت تھے پس انہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔"

(سورۃ الیونس، آیت نمبر:۵۳)

اکمل ہونے کا دعویٰ:

سماوی کتب میں سے قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے مکمل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ارشادالٰہی ہے:

''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا''

''آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر راضی ہو ہوں۔''

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر:۳)

تکریمِ انسانیت:

جو بلند مقام قرآن مجید نے انسان کو دیا ہے کسی دوسری کتاب نے نہیں دیا۔قرآن مجید میں آتا ہے:

''ولقد کرمنا بنی ادم''

''اور ہم نے نوع انسان کو قابل تکریم بنایا۔''

اس کے برعکس ہندو اچھوتوں کو انسانیت کا درجہ دینے کو تیار نہیں، یہود غیر یہود کو بے دین کافر کہتے ہیں اور انجیل غیر بنی اسرائیلیوں کو کتا اور سور کا نام دیتی ہے۔یہ قرآن مجید کا احسان ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو انسانیت میں داخل کر کے قابل تکریم قرار دیا ہے۔

قرآن پہلی کتب کا مصدق ہے:

قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے، جو پہلی آسمانی کتب کی تصدیق کرتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وامنوا بماانزلت مصدقا لما معکم''

''ایمان لاؤ جو میں نے اتارا ہے۔اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے۔''

(سورۃ البقرہ: آیت نمبر۴۱)

اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی کتب کی تصدیق کا ذکر ہے۔دوسری جگہ ارشاد ہے:

"مصدقالما بين يديه من الكتاب"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۴۸)

قرآن مجید پہلی شرائع کو منسوخ کرتا ہے:

قرآن مجید میں ہے:

"ماننسخ من اية اوننسهانات بخير منها او مثلها"

"جو پیغام ہم منسوخ کردیتے ہیں یا اسے فراموش کرادیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسا لے آتے ہیں۔"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر:۱۰۶)

اس آیت کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ یہاں یہود یا شرائع سابقہ کے متبعین مخاطب ہیں۔ اس وجہ سے آیت سے مراد شرائع سابقہ ہیں۔ آیت کا لفظ رسالت اور پیغام کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

عالمگیر ہونے کا دعویٰ:

متعدد مقامات پر قرآن مجید لوگوں کو "یاایھاالناس" سے مخاطب کرتا ہے۔ قرآن مجید کسی خاص قوم یا نسل کو مخاطب نہیں کرتا۔ دوسرے مذہب کے برعکس کسی آسمانی کتاب نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ایک تو وجہ یہ ہے کہ تمام سابقہ کتب کسی ایک قوم کی رہنمائی کے لئے آئی تھیں، جس زمانہ میں وہ کتب نازل ہوئیں تھیں وہ عالمگیر دعویٰ کا متقاضی نہیں تھا۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا۔ ارشاد باری ہے:

"ان هو االاذ كر للعالمين"

"یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔"

(سورۃ الیوسف، آیت نمبر:۱۰۴)

قرآن میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے:

قرآن مجید اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں راہِ اعتدال پر چلنے کی دعا سکھائی ہے:

"اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم"

"اے اللہ! ہمیں سیدا راستہ چلا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرے انعام ہوئے۔"

(سورۃ الفاتحہ، آیت نمبر ۶ اور ۷)

اس وجہ سے امت مسلمہ کو امت وسطیٰ کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"و کذلک جعلنکم امۃ وسطا"

"اور اس طرح ہم نے امت وسط بنایا ہے۔"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر:۱۴۳)

امت وسط سے مراد ایسی جماعت ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہونے کی وجہ سے ارفع سے ارفع مقام پر پہنچتی ہو۔

پہلی کتب کا شارح:

پہلی کتب سماوی میں جو اجمال اور ابہام رہ گیا تھا قرآن مجید اس کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"وما کان ھذا القران ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل الکتب لاریب فیہ من رب العالمین"

"اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے، اللہ کے سوا اوروں کا افترا ہو، اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے اور کتاب کی تفصیل ہے جس میں کوئی شک نہیں، یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔"

(سورۃ الیونس، آیت نمبر:۳۷)

اس آیت میں قرآن مجید کی دو شانیں بیان ہوتی ہیں:

1: تصدیق بین یدیہ۔ 2: تفصیل کتاب۔

عقائد باطلہ کی تردید:

ارشاد باری ہے:

"ما انزلنا علیک الکتب الالتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقوم یومنون"

"ہم نے اس کتاب کو تجھ پر اس لئے نازل کیا ہے کہ تا کہ جو عقائد باطلہ عقول ناقصہ کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں ان سب کا رد کیا جائے۔ یہ قرآن ایمان داروں کے لئے ہدایت اور رحمت کا موجب ہے۔"

(سورۃ النحل، آیت نمبر:٦٤)

لہٰذا قرآن مجید نے عقائد باطلہ، اقسام شرک، تثلیث، ثنویت، کفارہ اور تناسخ کا مدلل رد کیا ہے۔

کفارہ کا عقیدہ اور اس کا رد: عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ رحم بلا بدل نہیں کر سکتا، اس لئے بیٹا (عیسیٰ) انسانوں کے گناہوں کے معاوضے کے طور پر صلیب پر چڑھ گیا۔ اب جو بھی کفارہ پر ایمان لے آئے گا وہ نجات کا مستحق ہوگا۔ قرآن میں ارشاد ہے:

"لاتزر وازرۃ اُخریٰ ثم الی ربکم مرجعکم"

"کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

(سورۃ الزمر، آیت نمبر:٧)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی بھی دوسرے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، تمام انسان خود اپنے گناہوں کے ذمہ دار ہوں گے۔

عقیدۂ تثلیث کا رد: یہ بھی عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ کی رد میں قرآن مجید میں آتا ہے:

"فامنوا باللّٰہ ورسولہ ولاتقولوا ثلثۃ انتھو خیر الکم انما اللّٰہ الٰہ واحد"

"پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو خدا تین ہیں۔ اس سے رک جاؤ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ صرف ایک ہی معبود ہے۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر:١٧١)

عقیدۂ ابنیت کا رد: یہ یہود اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا لیا تھا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو۔ اس کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"ماینبغی للرحمن ان یتخذ ولدا"

"خدائے رحمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ بیٹا بنائے۔"

(سورۃ مریم، آیت نمبر:۹۲)

عقیدۂ ثنویت کارد: یہ عقیدہ زرتشت مذہب کا ہے۔وہ دو خدا ہرمن اور یزدان کا قائل تھا۔اس کے رد میں ارشاد باری ہے:

"قال اللہ لا تتخذوا الھین اثنین انما ھو الہ واحد"

"اور اللہ نے کہا کہ دو معبود مت بناؤ۔وہ صرف اکیلا ہی معبود ہے۔"

(سورۃ النحل: آیت نمبر ۵۱)

عقیدۂ تناسخ: یہ عقیدہ ہندوؤں کا ہے۔اس عقیدہ کی رو سے خدا گناہ معاف نہیں کرسکتا۔اس وجہ سے ایک انسان کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے مختلف جونوں میں تبدیل ہونا پڑتا ہے۔قرآن مجید نے "ملک یوم الدین" میں اس عقیدہ کا رد کردیا ہے۔پھر قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"غافر الذنب وقابل التوب"

"اللہ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

(سورۃ نمبر ۴۰: آیت نمبر ۳)

روح و مادہ کی ابدیت کا عقیدہ: یہ عقیدہ ہندو مذہب کا ہے،اس کی رو سے خدا کی صفات میں شرک لازم آتا ہے۔ارشاد باری ہے:

"الا نعبدوا الا اللہ ولا نشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ"

"یہ کہ ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے۔"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:۶۴)

☆☆☆

سنتِ رسول ﷺ وفقہ کی اہمیت

مأخذِ دوم...... اجمالِ قرآن کی تشریح

بعد از قرآن:

قرآن کے بعد سنت اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ ہے اور قرآن کے بعد اس کا درجہ آتا ہے، کیونکہ سنت اپنی اصل حیثیت سے قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے اشکال کی توضیع وتفسیر ہے۔

مستقل قانون:

قرآن مجید سے مرتبہ میں مؤخر ہونے کے باوجود حدیث مبارکہ ایک جہت سے بجائے خود ایک مستقل مصدر قانون ہے، کیونکہ سنت میں ایسے احکام بھی وارد ہوئے ہیں جن پر قرآن خاموش ہے مگر اس لحاظ سے مستقل قانون سازی کا منبع ہونے کے باوجود سنت قرآن کے تابع ٹھہرتی ہے، کیونکہ وہ قرآن کا بیان وتفسیر ہونے کے علاوہ قرآن کے مبادی اور اس کے قواعد عامہ سے متجاوز نہیں ہوتی۔

حجیت حدیث وسنت

واجب التسلیم:

سنت کی حیثیت دین میں مستند اور حجت ہے اور ہر ثابت شدہ سنت اور ہر وہ ارشاد یا عمل جس کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ہو اور وہ قرآنی معیار اور اصول روایت ودرایت کی رو سے ظن غالب بھی صحیح ٹھہرے تو وہ جمہور امت مسلمہ کے عقیدے میں واجب التسلیم ہے۔

خدا، اس کے رسول پر ایمان اور اسکے تقاضے:

یہ بات ایسی نہیں جس کے لئے کسی قسم کی باریک بینی اور علم وبصیرت کی ضرورت ہو، بلکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خدا کو خدا مان لینے کے بعد اس کی فرماں برداری ضروری ہو جاتی ہے، کیونکہ عقل تک اس بات کو جائز اور ممکن نہیں سمجھتی کہ رسول مان لینے کے بعد رسول کے ہر قول اور ہر عمل کو رضائے الٰہی کی یقینی اور واحد کلید باور کرنا ضروری ہے۔ رسول پر ایمان بھی اپنے اندر رسول کی اطاعت واتباع کا مطالبہ رکھتا ہے۔ خواہ رسول کا جسمانی وجود بھی ہو یا اسکا صرف ارشاد یا طریق

عمل سامنے ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں تاکید اور تکرار سے ہدایت کی گئی ہے۔

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

قرآن مجید میں جابجا اطاعتِ رسول کی تاکید کی گئی ہے۔ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم حب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اطاعت الٰہی ہے۔ نیز دین و دنیا میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ لہٰذا اطاعت رسول و اتباع رسول کے لئے حدیث وسنت ضروری ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"

"اے نبی! کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو! اللہ تم سے محبت کرے گا۔"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:۳۱)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون"

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی تاکہ تم رحمت الٰہی کے حقدار ٹھہرو۔"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر۳۲)

اور جگہ فرمایا:

"ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما"

"اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔"

(سورۃ الاحزاب)

اسی طرح سورۂ محمد میں ارشاد ربانی ہے:

"یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم"

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔''

(سورۃ محمد، آیت نمبر:۳۳)

ایک اور جگہ تو اس تفریق کو یکبارگی اٹھا دیا اور فرمایا:

''ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ''

''اور جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۱۶۴)

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر صرف اللہ ہی کی اطاعت کافی تھی یا محض قرآن ہی ہمارے لئے کافی تھا تو یہ " اطیعوا الرسول " کا اتنی بار حکم کیوں دیا گیا؟ اس تاکید کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کے مطابق فرماتے تھے۔ چنانچہ حکم باری تعالیٰ ہے:

''وما ینطق عن الھویٰ''

''وہ میری مرضی کے سوا بولتے بھی نہیں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

''ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا''

''رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ۔''

(سورۃ الحشر، آیت نمبر ۷)

الغرض فہم قرآن، علم دین اور اطاعت رسول کے لئے حدیث کا علم نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر نہ تو دین اسلام کا فہم ہو سکتا ہے اور نہ اس پر عمل۔ اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جب تک ان پر قائم رہو گے گمراہ نہ ہو گے، کتاب اللہ اور اپنی سنت۔''

کتابت وحفاظت حدیث

میثاق مدینہ کی تحریر:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور زندگی میں ہی کتابت حدیث کا کام شروع ہو گیا تھا جیسا کہ مندرجہ ذیل شہادتوں سے ثابت ہے۔ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی میثاق مدینہ کتابت حدیث کا پہلا ثبوت ہے۔

جس میں قریش مکہ، مدینہ کے مسلمانوں اور انصار یہود کے حقوق کا تعین ہے۔

تحریری مردم شماری:

اسی طرح ہجرت کے ابتدائی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردم شماری کرائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں:

"مجھے ان لوگوں کے نام لکھ دو جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔"

تمیم داری کو پروانہ:

سرکاری دستاویزوں، معاہدوں اور پروانوں وغیرہ کا آغاز تو ہجرت سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری کو فلسطین کا شہر حبرون بذریعہ پروانہ جاگیر میں دیا تھا۔

پروانہ بنام سراقہ بن مالک:

اسی طرح سفر ہجرت میں سراقہ بن مالک کو پروانہ امن عطا فرمایا تھا۔

دیگر قبائل سے معاہد:

اس سے قطع نظر ایک ہجری میں قبیلہ جہنیہ سے حلیفی کا معاہدہ اور بنی صفرہ سے معاہدہ کا مخطوطہ اب تک ملتا ہے۔ یہ معاہدوں کا سلسلہ زندگی بھر جاری رہا۔ ۵ ہجری میں خندق کے زمانے میں بنی فزارہ اور غطفان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک توثیق طلب یا مسودہ معاہدہ کیا تھا جسے بعد میں محو کر دیا گیا۔ ۶ ہجری میں آل اکیدر دومۃ الجندل سے اطاعت کا معاہدہ کیا۔

تحریری خطوط:

قیصر، کسریٰ، مقوقس اور نجاشی وغیرہ حکمرانوں کو تبلیغی خطوط روانہ فرمائے۔

گورنروں کے نام خطوط:

انتظامی ضرورتوں سے اکثر مواقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نمائے عرب کے اطراف واکناف میں اپنے ہر جگہ کے گورنروں اور قاضیوں کو وقتاً فوقتاً جو ہدایات وفرامین تحریری صورت میں روانہ کیے، آج بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ خطوط پر ثبت کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مہر تیار کرانا بھی معروف واقعہ ہے۔

سیاسی وغیر سیاسی تحریروں میں احادیث:

غرض ایسی سیاسی وغیر سیاسی دستاویزوں وغیرہ میں تحریری حدیثوں کو اکٹھا کرنے کی کوششوں کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ ہی میں شروع ہو چکا تھا۔

خطبہ حجۃ الوداع کی تحریر:

عہد نبوی میں ان مندرجہ بالا سرکاری طور پر لکھی ہوئی احادیث کے علاوہ نجی طور پر اور اتفاق حیثیت سے مرتب شدہ احادیث کے نسخوں کی بھی یہ بکثرت شہادتیں ملتی ہیں۔ مثلاً: فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اہم خطبہ دیا تھا، ایک یمنی شخص ابوشاہ کی درخواست پر انہیں لکھوا کر دے دیا۔

صحیفہ صادقہ:

اس طرح عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات لکھا کرتے تھے اور ان کی تحریر کردہ احادیث کا مجموعہ "صادقہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے علاوہ دیگر صحابہ کا بھی احادیث لکھنا مستند روایات سے ثابت ہے۔

جمع وتدوین حدیث کا ارتقاء:

غرض حدیث کی کتابت، اس کی حفاظت اور جمع تدوین کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں شروع ہو چکا تھا جسے صحابہ کرام نے وسعت دی اور تابعین نے اضافے کیے لیکن

صحاح ستہ کے مرتبین نے اسے بام عروج پر پہنچا دیا۔

صحیح ترین انسانی ذخیرۂ علم:

آج خدا کی کتاب کے بعد انسانی ذخیرۂ علم میں جو چیز سب سے زیادہ معتبر اور صحیح ترین شکل میں محفوظ ہے وہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔

فقہ و اجتہاد

مجتہد صحابہ:

اسلامی قوانین کی تدوین کا کام بہت پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کچھ ایسے تھے جن کو اجتہاد میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ جن میں حضرت عمر، حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فقہاء اور معتزلہ و اشاعرہ کا فلسفہ:

معتزلہ اور اشاعرہ کی باہمی رسہ کشی کے دوران فقہاء نے اپنا کام نہ صرف جاری رکھا بلکہ اپنی سرگرمیوں کو فلسفہ کے ردعمل کے طور پر اور تیز کر دیا۔ وہ فلسفہ کو یکسر نظر انداز کر کے اسلامی قوانین کے وضع میں مشغول ہو گئے۔

فقہاء کے دو حصے:

فقہاء بھی دو حصوں میں منقسم ہو گئے۔ حجاز کے لوگ اہل حدیث کہلائے اور عراق والے اہل الرائے کے نام سے موسوم ہوئے۔ اول الذکر نے اپنی زندگی کو اقوال و افعال رسول کے سانچے میں ڈھال لیا۔ پھر مدینہ کا ماحول بھی ان کے لئے سازگار تھا۔ جہاں جدید ثقافت کی حکمرانی نہ تھی۔ اس لئے انہیں نئے نئے مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی واضح ہدایت نہیں تھی۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے انہوں نے رائے یا قیاس پر تکیہ کیا۔ جس کی بنیاد قرآن و احادیث پر رکھی گئی۔

اہل الرائے اور اہل حجاز:

اہل الرائے کے سربراہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے اور حجازیوں کی سربراہی امام مالک بن

انس رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد تھی۔

امام شافعی اور ابن حنبل:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما نے بھی جداگانہ فقہی مذاہب کی بنیاد رکھی۔

چار فقہی مذاہب:

یہی چار فقہی مذاہب یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی آج بھی دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں رائج ہیں۔

فقہاء کی محنت:

ان آئمہ اور ان کے شاگردوں نے اسلامی فقہ کی تدوین کی اور انہوں نے ایسے مسائل جو پیش آ چکے ہیں یا جن کے پیش آنے کے دور کے بھی امکانات تھے، سب کے حل پیش کرنے کی کوشش کی۔

اجتہاد اور تقلید جامد:

فقہ اسلامی کی تدوین سے جہاں مسلمانوں کے علمی ذخیرے میں گراں بہا اضافہ ہوا، وہاں اس کی وجہ سے مسلمانوں کو زبردست خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔ وہ یہ کہ اجتہاد کا دروازہ بالکل بند ہو گیا۔ تقلید کے اسباب میں اہم ترین سبب علماء متاخرین میں مجتہدانہ صلاحیتوں کا فقدان ہے، جس کے نتیجہ کے طور پر وہ کسی ایک امام کی تقلید کرنے پر مجبور ہو گئے اور روز بروز علمی صلاحیتوں کی کمی تقلید کی ترقی کا باعث بنی۔ مناظروں کی گرم بازاری ہو گئی۔ فروعی مسائل پر مناظروں کی محفلیں برپا ہوتیں، جن کا مقصد افہام و تفہیم کے بجائے اپنے دلائل سے حریف کو زیر کرنا ہوتا اور انجام جنگ و جدل اور سر پھوڑ کے سوا کچھ نہ تھا جس سے اسلام کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے زوال کا اہم ترین سبب اجتہاد کا خاتمہ ہے۔

نوٹ:- یہ مصنف (غیر عالم دین) کی ذاتی رائے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں اجتہاد کا دروازہ آج بھی کھلا ہے مگر اس کے لئے جن علوم میں مہارت تامہ درکار ہے ☆☆☆ وہ علوم امتداد زمانہ کے ساتھ اٹھ گئے جس کی وجہ سے علماء اجتہاد کی صلاحیت سے محروم ہو گئے۔ جید علماء دین مفسرین، محدثین اور فقہاء کے فوت ہو جانے سے یہ علوم ختم ہو گئے۔ حدیث کے مطابق پہلی تین صدیاں مسلمانوں کیلئے بہترین تھیں اسکے بعد تدریجاً مسلمانوں پر زوال آنا تھا جو مسلمانوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے آ کر رہا، تقلید کو الزام دینا غلط ہے نیز فقہی اختلافات پر مسلمانوں میں کبھی بھی سر پھٹول نہیں ہوئی [illegible]

تعلیماتِ اسلام

پانچ بنیادی تعلیمات:

اسلام نے درج ذیل پانچ اہم ترین تعلیمات پیش کیں:

1: ایمانی تعلیمات۔

2: اخلاقی تعلیمات۔

3: سیاسی تعلیمات۔

4: معاشی تعلیمات۔

5: معاشرتی تعلیمات۔

اسلام کی اہم ترین ایمانی تعلیمات

ایمانیات

عقل اور الہامی صلاحیت:

قرآن مجید اگرچہ عقل سے کام لینے کی بار بار تلقین کرتا ہے اور اپنے دعوؤں پر عقلی استدلال بھی کرتا ہے، کیونکہ انسانوں کے پاس تلاشِ حقیقت کے لئے فانوسِ عقل کے سوا اور کوئی روشنی نہیں ہے۔ الہامی صلاحیت جو عقل کی کمی کو پورا کرتی ہے، اسے وہ عقل ہی کے ذریعے ہی پہچان سکتا ہے، مگر وہ اپنے ماننے والوں کو جس حالت تک پہنچانا چاہتا ہے وہ محض ایک فلسفیانہ شعور نہیں ہے، جس میں ظن وتخمین اور تامل وتذبذب اور بار بار کا ادل بدل کارفرما رہتا ہے۔ وہ اندھی جذباتیت اور اوہام پرستی سے بھی انسان کو بچانا چاہتا ہے۔ اس کا مطلوب ''حالت ایمان'' ہے۔ محض تعقل، غیر عملی تفلسف، اوہام پرستی اور یکسر جذباتیت انسانی زندگی کو ہرگز نہیں سنوار سکتی۔

انسانی زندگی ایمان کی محتاج:

انسانی زندگی ہر حال میں حالت ایمان کی محتاج ہے۔ ایمان وہ اعلیٰ کیفیت ہے جو عقلیت، یقین محکم، اعلیٰ تر جذبات اور بھرپور ذوق عمل کے ایک نقطے پر مجتمع ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے۔

ایمان وہ قوت ہے جو انسان کی شخصیت کے تمام شعبوں کو ایک مقصد کے لئے متحرک کر دیتی ہے۔ ایمان سے بہرہ مند آدمی راستی، عدل، محبت اور احسان کی قدروں سے سرشار ہو کر اپنے مسلکی حقائق و مقاصد کے لئے شہادت علی الناس کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔ پھر اپنے فرائض بے لوث ایثار کے ساتھ ادا کرتا ہے اور خواہشات اور مفاد کی قربانی دیتا ہے، مخالفتوں کا مقابلہ کرتا ہے اور ہنسی خوشی سے دکھ جھیلتا ہے۔ یہاں تک کہ پوری متاع زندگی کو قربان کر دیا جائے۔

قرآن مجید جن حقیقتوں کی طرف بلاتا ہے اور ان پر مبنی جس نظام زندگی کی دعوت دیتا ہے ان کے لئے اس قسم کے زندہ و فعال ایمان کا مطالبہ کرتا ہے۔

اجزائے ایمان:

ایمان کے درج ذیل اجزاء ہیں:

1: توحید پر ایمان۔
2: رسالت پر ایمان۔
3: الہامی کتب پر ایمان۔
4: فرشتوں پر ایمان۔
5: تقدیر پر ایمان۔
6: آخرت پر ایمان۔

عقیدۂ توحید پر ایمان اور اس کے تقاضے

کائنات اور اس کا نظام:

اسلام کی تعلیم کا اولین محور ہے کہ اس کائنات کا نظم، اس کے ضابطے، اس کا سلسلہ، علت و معلول، اس کے اجزا کا توافق، اس کا حسن و جمال اور اس کے اندر ہونے والے ہر واقعہ کا کسی نہ کسی نتیجے پر منتج ہونا ایسی کھلی شہادتیں ہیں کہ یہ کھربوں سالہائے نور کی وسعتیں رکھنے والی مادی دنیا ایک خالق کے خلق کرنے سے پیدا ہوئی ہے اور ایک منتظم کے حسن تدبیر سے چل رہی ہے۔

اللہ کی رعیت:

پھر قرآن مجید بتاتا ہے کہ تم بھی خدا کی اس سلطنت کائنات کے اندر خدا کی پیدا کردہ مخلوق ہو، اس لیے تم خدا کے رزق پر پلنے والی راعیت میں اس کی عطا کردہ قوتوں سے زندگی کے تقاضے پورے کرنے پر قادر ہوئے ہو، لہٰذا تمہارے لئے واحد راستہ یہ ہے کہ تم اس کی عبادت و اطاعت میں زندگی گزارو۔

حقیقی معبود تو بس ایک ہی ہے:

قرآن مجید بتاتا ہے کہ ایسی منظم و حسین کائنات کئی مختلف خداؤں کی موجودگی میں ایک لحظہ کے لئے نہیں چل سکتی، ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو اس کے ہر گوشے میں تصادم رونما ہو جاتا۔ پس تمہارا خدا ایک ہی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عبادت بھی کرو تو اسی ایک خدا کی اور مدد بھی مانگو تو اسی ایک خدا سے۔ وہی ا خدا تمہارا خالق ہے، رازق ہے، مالک ہے، حاکم ہے، جزا اور سزا دینے والا ہے۔ پس اسی ایک کو اپنا ر ب اور اپنا الٰہ مانو۔ اس کے ساتھ کسی دوسری قوت کی الٰہیت کا پیوند نہ لگاؤ۔ یہ شرک ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی صفات اور اپنے حقوق میں کسی دوسرے کی شرکت کو تسلیم نہیں کرتا اور نہ بطور امر واقعہ کے ایسی کوئی شراکت موجود ہے۔

وحدت انسانیت کا واحد تصور:

خدا کی توحید کا یہ تصور ہی وہ واحد نقطہ ہے جس پر دنیا کی تمام قومیں، تمام نسلیں، اپنی بولیوں اور رنگوں کے اختلافات کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔ یہی وحدت انسانیت کا واحد راستہ ہے۔ یہ خدائے واحد جو انسانوں سے محبت کرتا ہے اور محبت کرنے کی وجہ ہی سے ان کے سامنے ہدایت کی راہیں اسلامی تعلیم کے ذریعے واضح کرتا ہے، ان کی دعائیں سنتا ہے اور ان کی مصیبتوں میں سہارا بنتا ہے، اس پر ایمان لانا ایسی قوت کا سرچشمہ ہے کہ جس کے بل پر انسان زندگی کی کشاکش کے پر صعوبت مراحل کو جرأت و ہمت سے طے کرتا چلا جاتا ہے۔

توحید فی الذات:

اللہ تعالیٰ پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات اور عبادات میں وحدہٗ لاشریک سمجھا جائے۔ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے نہ اولاد، ماں ہے نہ باپ اور نہ تو وہ کسی کی ذات کا حصہ ہے نہ کوئی اس کی ذات کا جزء۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے واضح ہوتا ہے:

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝"

(القرآن المجید، پارہ 30، سورۃ نمبر 112 (الاخلاص)

''تم فرما دو وہ اللہ ہے۔٥ اللہ بے نیاز ہے۔٥ نہ اسکی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا٥ اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔٥''

اس کے برعکس کسی کو اللہ کا بیٹا، بیٹی، بیوی وغیرہ ماننا یا مخلوق میں سے کسی کو اللہ کی ذات کا حصہ اور جزء اعتقاد کرنا وغیرہ ''شرک فی الذات'' ہے۔

توحید فی الصفات:

اللہ تعالیٰ کو صفات میں واحد تسلیم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام صفات میں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں یکتا، بے مثل و مثال اور لاشریک مانا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ''رَزَّاقٌ'' (ہمیشہ رزق دینے والا) اور ''سَمِیْعٌ'' (ہمیشہ سننے والا) ہے۔ یہ حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں کسی دوسرے میں ان کا پایا جانا محال ہے۔

مخلوق اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں یہ فرق ہے کہ ہم مخلوق اللہ تعالیٰ کی عطا سے سنتے ہیں نہ کہ حقیقی طور پر، لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ حقیقی طور پر سننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی صفات میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات کے ساتھ ازلی و ابدی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ دنوں، مہینوں، سالوں اور صدیوں سے نہیں بلکہ ازل سے سننے والا ہے اور ہمیشہ سنتا رہے گا، لیکن ہم نہ تو ہمیشہ سے سنتے ہیں اور نہ ہی ہمیشہ سنتے رہیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات میں بے مثل و مثال اور یکتا ہے۔ کوئی بھی اس کی صفات میں شریک نہیں۔ اس کی صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا ''شرک فی الصفات'' کہلاتا ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھی صفات کا مالک ہے۔ وہ تمام صفات رذیلہ یعنی بری صفات سے پاک ہے۔ مثلاً: جھوٹ بولنا بری صفت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

توحید فی العبادۃ:

وحدتِ عبادت سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک سمجھا جائے، ہر قسم کی عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص تسلیم کیا جائے اور کسی دوسرے کو اس میں شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکوۃ، سجدہ، رکوع، صدقہ، قربانی، خیرات، طواف، اعتکاف اور دعا صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادات ہیں۔ اگر کوئی غیر اللہ کی عبادت کی نیت سے نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، حج کرتا ہے، صدقہ دیتا ہے، قربانی کرتا ہے، طواف کرتا ہے، اعتکاف کرتا ہے تو یہ عبادات میں اللہ

کے غیر کو اللہ کا شریک بناتا ہے۔ اسے "شرک فی العبادت" کہا جاتا ہے۔

رسالت پر ایمان اور اس کے تقاضے

نظام رسالت:

انسان الہامی ہدایت کا اسی طرح محتاج ہے جس طرح سورج کی روشنی، ہوا، پانی اور روٹی کا محتاج ہے۔ اس کے رب واللہ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام بھی اسی طرح کر دیا ہے جس طرح اس کی جسمانی ضرورتوں کا انتظام فرمایا۔ اسی انتظام کا عنوان نظام رسالت ہے۔

ہر قوم میں ہادی:

خدائے واحد نے اولین انسان کو اپنی ہدایت سے نوازا اور پھر جوں جوں نسل انسانی پھیلتی گئی، ہر دور میں ہر قوم کے لئے وقت کے بہترین کردار کے انسانوں کو منتخب فرما کر انہیں فریضہ رسالت تفویض کیا۔

عملاً تبلیغ:

خدا کے مبعوث کردہ انبیاء و رسل علیہم السلام نہ صرف اس کی ہدایت اور صحیفے انسانوں کو پہنچاتے رہے بلکہ ان کے مطابق نمونے کی زندگیاں بسر کر کے دکھاتے رہے کہ خدا کو بندوں سے کیسی زندگی مطلوب ہے اور اسے کیا چیز پسند ہے۔

صحیفے اور مشہور چار کتب:

انبیاء کے ذریعے جو "ہدایت نامے" انسان تک پہنچے ہیں ان میں صحف ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے علاوہ چار بڑی کتابیں معروف ہیں۔ ان کتب کے نام یہ ہیں:

1: تورات۔ 2: زبور۔ 3: انجیل۔ 4: قرآن مجید۔

تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو، زبور حضرت داؤد علیہ السلام کو، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور قرآن مجید آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا۔

تحریف اور صحیح و مکمل ترین تعلیمات:

اول الذکر تینوں کتب کی حفاظت ان کے علمبردار نہ کر سکے، بلکہ الٹا ان میں تحریف کی گئی۔

آخر کار قرآن مجید کے ذریعے ان کی تعلیمات کو صحیح ترین اور مکمل ترین شکل میں انسانیت کے سامنے رکھ دیا گیا، جسے سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور صرف لائے ہی نہیں بلکہ اپنی ذات سے لے کر ایک مکمل نظام حیات کے دائرے تک میں اس کے ایک ایک شوشے کو جلوہ گر کر کے دکھا دیا کہ ہدایت یافتہ انسان اور ہدایت یافتہ معاشرے کی ساخت کیا ہونی چاہیے۔

جمیع انبیاء پر ایمان:

نبیوں اور رسولوں پر ایمان یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور چنے ہوئے بندے ہیں۔ وہ تمام مخلوق سے معزز و مکرم اور ساری مخلوقوں سے اعلیٰ واشرف ہیں۔

ان سب انبیاء ورسل علیہم الصلوۃ والسلام نے اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام رسائی کا حق ادا کیا ہے۔ اس پیغام رسانی میں کوئی کمی کی نہ کوئی زیادتی۔ ہو بہو اسی کی تبلیغ کی اور وہی کچھ سکھایا اور بتایا جو اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء ورسل کو ارسال فرمایا۔ انہوں نے جو دعوت اپنی اپنی قوم کو دی وہ حق تھی، پہلے انبیاء ورسل سارے کے سارے سچے تھے۔ ان کی تبلیغ اور دعوت حق تھی۔ کوئی بھی انسان چاہے جتنا بھی عبادت گزار ہو کسی بھی نبی و رسول سے بڑھ نہیں سکتا بلکہ ان کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ ان سب کا ادب واحترام کرنا فرض اور عین دینِ حق ہے۔ ان کے ذکرِ خیر کے وقت "علیہ الصلوۃ والسلام" کہنا ضروری ہے۔ سارے انبیاء ورسل "معصوم عن الخطاء" ہیں، یعنی ان سے کوئی بھی غلط کام صادر نہیں ہوتا۔ یہ صرف نیک کام کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ یہ سب دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ ان انبیاء ورسل کی کل تعداد کے متعلق حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، البتہ حدیث میں ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم وبیش) ہے۔ جن میں سے تین سو تیرہ (اور ایک روایت کے مطابق تین سو پندرہ) رسول ہیں۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 5، باب مسند ابی ذر، عربی صفحہ نمبر 265)

انبیاء کرام علیہم السلام کے مراتب:

انبیاء ورسل میں بھی مراتب ہیں کہ نبی سے افضل رسول، رسول سے افضل اولوالعزم رسول، اولوالعزم رسول سے افضل کلیم، کلیم سے افضل خلیل اور خلیل سے افضل حبیب (علیہم الصلوۃ والسلام) ہیں۔

سرورِ کائنات ﷺ پر ایمان اور اس کے تقاضے:

سرورِ کون و مکاں، احمدِ مجتبیٰ، ہادیٔ کل جہاں، دانائے سبل، خاتمُ الرسل، آمنہ کے لال، پیکرِ حسن و جمال، منبعِ شرف و کمال، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، سیدُ الاولین والاخرین، خیرُ الوریٰ، شمسُ الضحیٰ، بدرُ الدجیٰ، والیٔ بطحاء، صاحبُ المعراج والاسراء، خاتمُ الرسل والانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان یہ ہے کہ اس بات کو دل و جان سے مانا اور تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو نبی و رسول بنا کر بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم تمام انبیاء و رسل کے سردار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی بعثتِ سعید سے لے کر قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کا ہی دورِ نبوت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے تبلیغ کا حق ادا فرما دیا۔ کوئی ایک چھوٹی سے چھوٹی بات کی بھی تبلیغ کرنے سے دریغ نہیں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے بغض رکھنے والا کافر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی شان تمام مخلوق سے اعلیٰ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی شان میں ذرا سی بھی گستاخی ایمان سے خارج کر دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے خطا کبھی بھی سرزد نہیں ہوئی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم تو "معصوم عن الخطاء" ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سید البشر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو اپنے جیسا سمجھنا یا کہنا جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام علوم آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو عطا فرما دیئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے غیب بھی جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 33 (الاحزاب)، آیت نمبر 40)

"محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمام کائنات سے زیادہ آپ

صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے محبت کی جائے اور اس محبت اور پیار کو دل کی دھڑکن بنایا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ"

(صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، جلد نمبر 1، عربی صفحہ نمبر 7)

"اس وقت تک تم میں سے کوئی بھی ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، والدین اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانیت کے بلوغ کے موقع پر اور بین الاقوامی دور کے سرے پر ہوئی ہے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب جامع اور مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ تحریف کے تمام خطرات سے محفوظ کر دی گئی ہے۔ پس یہ کتاب آخری کتاب ہے اور اس کے لانے والے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فرشتوں پر ایمان

فرمانبردار مخلوق:

فرشتوں پر ایمان یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی فرماں بردار مخلوق ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

فرشتے اور ان کی ڈیوٹیاں:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مختلف کاموں پر ڈیوٹیاں لگا رکھی ہیں۔ مثلاً حضرت جبرئیل علیہ السلام انبیاء و رسل تک وحی پہنچانے پر مامور تھے۔ حضرت میکائیل علیہ السلام بارش برسانے، بادل کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے (وغیرہ) پر مامور ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام روح کو قبض کرنے پر ماموہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کے دن صور پھونکنے پر مامور ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ فرشتے جن کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔ وہ ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں، وہ انسانوں کے اعمال کا ریکارڈ تیار کرتے ہیں۔ کچھ فرشتے منکر نکیر کے نام سے جانے جاتے ہیں اور یہ قبر میں سوال و جواب کے لیے مخصوص ہیں۔ یہ تمام فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حکم

کی بجا آوری کے لیے تیار رہتے ہیں۔

کتابوں اور صحیفوں پر ایمان

مشہور کتب اور کلام الٰہی پر ایمان:

کتابوں پر ایمان لانا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی کتب یا صحائف انبیاء ورسل پر نازل فرمائے وہ حق ہیں، ان کے احکام صحیح تھے۔ ان میں کوئی بھی جھوٹی بات نہ تھی۔ اب جو کتب وصحائف موجود ہیں قرآن مجید کے سوا ان میں تغیر وتبدیلی کی جا چکی ہے، لیکن اس تغیر وتبدیلی کے باوجود آج بھی جزوی طور پر ان میں جو کلامِ الٰہی موجود ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مشہور کتب یہ ہیں:

1: توراۃ 2: انجیل 3: زبور 4: قرآن مجید

نبی اور ان کی کتب:

توراۃ: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
انجیل: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
زبور: حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
قرآنِ مجید: خاتم الانبیاء والرسل احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

قرآن مجید پر ایمان اور اس کے تقاضے:

قرآن کریم پر ایمان یہ ہے کہ تسلیم کیا جائے کہ قرآن مجید تمام کتب سے اعلیٰ کتاب ہے۔ اس کے تمام احکام پر عمل کرنا فرض ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم پر نازل فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے حرف بحرف اسی طرح امتِ مسلمہ تک پہنچایا۔ اس میں کوئی تبدیلی وتغیر نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی ہو سکتا ہے، کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم خاتم المرسلین ہیں، اسی طرح قرآن بھی "خَاتَمُ الْکُتُبِ" ہے۔ قرآنِ مجید ایک کامل دین اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ قرآن مجید کے نزول سے دین مکمل ہو چکا۔ اسی لیے اب کسی نبی ورسول یا کتاب کی ضرورت باقی نہیں۔ قرآن

مجید پر ایمان اور عمل ہی جنت کی ضمانت ہے۔

قضاء وتقدیر پر ایمان

نازک اور اہم ترین مسئلہ:

تقدیر کا مسئلہ بڑا نازک اور اہم ہے۔ تقدیر پر ایمان ہونے سے یہ مراد ہے کہ مخلوق کے ہر فرد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے ازلی وابدی علم سے لکھا ہے اسے حق وسچ مانا جائے۔

تقدیر لکھی جا چکی ہے:

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی وابدی سے لکھا ہے وہ حق ہے اور وہ کام جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھے ہیں وہی ہم سے صادر ہوتے ہیں۔

اعتراض اور اس کا جواب:

اعتراض: اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مجبور محض ہیں کہ جو کچھ لکھ دیا گیا ہم اسی کو کر سکتے ہیں اس کے خلاف نہیں۔ اگر معاملہ ایسا ہے تو پھر ہمیں سزا وجزا کیوں۔؟

جواب: یہ مت سمجھیے کہ انسان مجبور محض ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو بھی اختیار عطا فرمایا ہے۔ بات کو سمجھنے کے لیے یہ جملہ یاد رکھیے کہ......

"جو کچھ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے ہم وہ نہیں کرتے بلکہ جو ہم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی وابدی علم سے پہلے ہی وہ لکھ دیا ہے۔"

یہ ایسا اہم اور نازک مسئلہ ہے کہ اس پر بحث کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

آخرت پر ایمان اور اسکے تقاضے

آخرت پر ایمان:

آخرت پر ایمان لانا یہ ہے کہ انسان اس بات کا اعتقاد رکھے کہ ہر شخص کو مرنا ہے اور موت کے بعد قبر کی پرخار وادی سے گزرنا ہے۔ قبر کے بعد حشر کے روز دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے اور اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ جہاں ایمان کے بعد نیک کام کرنے والوں کو ان کے اعمال صالحہ کی جزا (جنت) دی جائے گی اور ایمان لانے کے بعد برے کام کرنے والوں کو سزا دیکر بالآخر جنت

عطا کی جائے گی۔ لیکن بے ایمانوں، کافروں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ نہ تو انہیں نکالا جائے گا، نہ انہیں موت آئے گی اور نہ ہی جہنم سے آزادی ملے گی۔ سارے مسلمان بالآخر جنت میں جمع ہو جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے اور سارے کافر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے۔

مذہب کی عقلی جانچ......اور تصورِ آخرت:

کسی عقیدہ کی صحت کی ایک عقلی جانچ یہ بھی ہے کہ اس سے زندگی بہتر شکل اختیار کرتی ہے یا اس میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔؟ اس معیار کو سامنے رکھ کر سوچیں تو انسانی زندگی کا محض اس کرۂ ارضی کے جسمانی دور تک محدود ہونا ایسے نتائج تک پہنچاتا ہے جو فساد اور بگاڑ کے سوا کوئی نتیجہ نہیں دے سکتے۔ اگر زندگی بس یہیں تک ہے اور محض جسمانی ہے تو پھر انسان کے لئے اس سے بڑا کوئی نصب العین نہیں ہو سکتا کہ وہ اس مختصر دور میں اپنی ساری قوتیں زیادہ سے زیادہ فوائد اور لذات حاصل کرنے میں کھپا دے۔ کہیں وہ شرافت کا بہروپ بھرے، کہیں غنڈہ گردی سے کام لے اور کہیں ظلم و جبر کی قوتیں استعمال کرے۔ عقلاً اس کا موقف صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ جسم و دماغ، دولت و کاروبار، تقریر و تحریر، قیادت و تنظیم، ادب و شعر اور سائنس کی جو بھی قوتیں رکھتا ہو ان کو زیادہ سے زیادہ مفاد حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے۔ وہ میکاؤلی کا پرنس بن کر سحر آفرین نفسیاتی حربوں سے کام لے کر انسانوں کا شکار کرے اور افراد سے آگے نکل کر یہ تصور تقاضا کرتا ہے کہ ہر طبقہ دوسرے طبقے کے خلاف اور ہر قوم دوسری قوم کے خلاف اور ہر عالمی بلاک دوسرے عالمی بلاک کے خلاف جبر و قوت اور ساز باز کی مختلف ترکیبیں آزما کر اپنے مفاد کی بنیاد دوسروں کے دکھ پر رکھے۔

اسی تصور نے سرمایہ داری سوشلزم کی مصیبتیں پیدا کیں اور اسی نے فلسفہ ارتقاء کے "اصول تنازع" اور "بقائے اصلح" کو اٹل صداقتیں بنا دیا۔ جنہیں اختیار کر کے افراد، اقوام اور طبقوں نے لاکھوں انسانوں پر ایسے ایسے عذاب ڈھائے ہیں کہ درندے شرما جائیں۔

جس تصور کے نتیجے میں انسانیت صدیوں سے مصائب کے چکر میں مبتلا ہو اور جس نے امن اور انصاف کھو دی ہو، تاریخ خود عقل انسانی کے سامنے شہادت دیتی ہے کہ وہ قطعی طور پر باطل ہے اور جو نظریات اس سے ہم آہنگ ہوں وہ بھی قابل استرداد ہیں۔

یہی وہ تصور تھا جس نے نمرود اور شداد پیدا کیے، جس نے طاقتور قوموں کا شکاری بنایا، جس نے سیاسی، اقتصادی اور فکری وثقافتی غلامی کے قلاوے مزدور ملتوں کی گردنوں میں ڈلوائے، جس نے سرمایہ داری اور مزدور سے ناجائز نفع اندوزی کرنا سکھایا اور جس نے اشتراکیت کو اس منزل تک پہنچایا کہ وہ محنت کش انسانوں کو جانوروں کے گلے میں بدل دے۔ قرآن مجید نے اس تصور کو توڑ کر رکھ دیا اور اس کے بخلاف آخرت کا شعور دلایا۔

اسلام کا تصورِ آخرت:

قرآن مجید کا تصور آخرت یہ ہے کہ خدا کی طرف سے "اجل مسمّٰی" پوری ہونے پر انسانی دنیا ایک دن ختم کر دی جائے گی اور تمام کے تمام مردہ انسان زندگی کے اس دور میں داخل ہوں گے جس کا آغاز حشر یا بعث بعد الموت سے ہوتا ہے۔ پھر خدا کی عدالت لگے گی اور اس عدالت کے سامنے ہر آدمی کی زندگی کا پورا ریکارڈ پیش ہوگا۔ اس کے مظالم، اس کے ماحول کے تمام عناصر گواہی دیں گے اور پھر فیصلہ صادر ہوگا کہ اس شخص نے زندگی نیکی کی راہ پر گزاری یا بدی اور ظلم کے راستے پر۔ پہلی صورت میں اسے رحمت خداوندی سے نوازے گی اور دوسری صورت میں طویل عذاب ہے۔

دنیا امتحان گاہ:

یہ عقیدۂ آخرت جس کے تمام پہلوؤں کو قرآن مجید نے تفصیل سے بیان کیا ہے، اس زندگی کو ایک امتحانی زندگی قرار دیتا ہے۔ یہاں ہم ایک امتحان گاہ میں اتارے گئے ہیں اور ہماری جانچ ہو رہی ہے کہ خدا کی عطاء کردہ حیات، علم، قوت واختیار اور اسکی نعمتوں سے ہم کس طرح کے مقاصد کے لئے کیا کام لیتے ہیں۔؟ یہ تصور امتحان ایمان وتقویٰ کی راہ اختیار کرنے کا محرک بھی بنتا ہے اور بدی کی قوتوں کے خلاف کشمکش کرنے اور راستی اور نیکی کے خدائی نظام کو برپا کرنے کی جدوجہد کا درس بھی دیتا ہے۔ اس عقیدے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دوسروں سے محبت کرو اور کی خدمت انجام دو۔ نہ یہ کہ ان پر ظلم کرو اور ان سے ناجائز فائدے اٹھاؤ۔ یہ عقیدہ آدمی کے سینے میں ایک پولیس چوکی، ادارۂ احتساب اور ایک نظام عدالت قائم کر دیتا ہے جو اسے تنہائیوں میں بھی نیکی پر قائم رہنے کے رضا کارانہ جذبے سے آراستہ کرتا ہے۔

تصور آخرت سے منہ موڑنے کا انجام:

اسلامی تصور آخرت اگر ہمارے سامنے نہ ہو تو ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں کہ جن کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔

وہ شخص جس نے ساری عمر ظلم و معصیت میں گزار کر ہزارہا انسانوں کو مصائب کا شکار بنایا ہے اس کو آخر کون پوچھنے والا ہے؟ کسی استعمار یا آمریت کے علمبردار جو قوموں کی قوموں کو خونریزی اور جبر و تشدد کے تلخ تجربوں سے گزارتے ہیں آخر کونسا دنیوی اقتدار اور قانون اور عدالتی نظام ان کے ایک ایک فعل اور اس کے اثرات کا احاطہ کر کے انہیں کما حقہ پوری سزا دے سکتا ہے۔؟

عقلی بنیاد پر آخرت کو ماننا ضروری ہے...... تصور آخرت اور امن وامان کا قیام:

اسی طرح وہ شخص یا گروہ جو نوع انسانی کو سچائی اور نیکی سے بہرہ مند کرنے اور ان کی بہترین خدمات انجام دینے کے لئے عمروں قربانیاں دیتا ہے، کونسی حکومت اور اس کے ذرائع و وسائل اسے پوری پوری جزا دے سکتے ہیں۔؟

قرآنی تصور حیات کو چھوڑ دینے سے ایسا خلا پیدا ہوتا ہے کہ زندگی عقل کی نگاہ میں لایعنیت بن جاتی ہے اور زندگی کو لایعنی ماننے کے بعد انسان کا اچھا انسان بننا ناممکن ہے۔

بہت سے لوگ اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ ایک ایسا شخص جو سائنسی اور عقلی مزاج رکھتا ہو، کس طرح موت کے بعد زندگی پر یقین کو قبولیت کا درجہ دے سکتا ہے۔؟ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آخرت پر کسی شخص کا یقین، اس کے اندھے عقیدے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔

تاہم آخرت پر مسلمانوں کا یقین عقلی دلائل کی بنیاد پر ہے۔

قرآن مجید کی ایک ہزار سے زائد آیات ایسی ہیں جن میں سائنسی حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ گزشتہ چند صدیوں کے دوران قرآن مجید میں بیان کردہ بہت سے حقائق دریافت ہو چکے ہیں۔ لیکن سائنس ابھی اتنی ترقی یافتہ نہیں ہو سکی ہے کہ قرآن مجید میں بیان کردہ تمام حقائق کی تصدیق کر سکے۔

اب ذرا فرض کیجئے کہ اگر قرآن پاک میں بیان کیے گئے اسی (80) فیصد حقائق سو فیصد درست ثابت ہو گئے ہیں، باقی کے بیس فیصد حقائق کے بارے میں سائنس نے کوئی واضح نتیجہ اخذ

نہیں کیا ہے کیونکہ سائنس ابھی تک اتنی ترقی یافتہ نہیں ہو سکی کہ قرآن میں بیان کردہ باقی حقائق کو صحیح یا غلط ثابت کر سکے۔ اس محدود علم کے ساتھ، جو ہمارے پاس ہے، ہم پورے وثوق سے یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اس بیس فیصد حصے کا بھی صرف ایک فیصد حصہ یا کوئی ایک آیت ہی غلط ہے۔ لہٰذا جب قرآن مجید کا اسی فیصد حصہ (عقلی بنیادوں پر) سو فیصد درست ثابت ہو چکا ہے اور باقی کا بیس فیصد حصہ غلط ثابت نہیں کیا جا سکا تو منطق یہی کہتی ہے کہ وہ بیس فیصد حصہ بھی درست ہے۔

آخرت کا وجود جسے قرآن مجید نے بیان کیا ہے، اسی بیس فیصد مبہم حصے میں شامل ہے جو منطق کی رو سے صحیح ہے۔

ڈکیتی اچھا عمل ہے یا برا؟ اس سوال کے جواب میں کوئی بھی نارمل اور متوازن شخص یہی کہے گا کہ یہ برا عمل ہے۔ لیکن اس سے بھی اہم سوال یہ کہ کوئی ایسا شخص جو آخرت پر یقین نہ رکھتا ہو، وہ کسی انتہائی طاقتور اور اثر ورسوخ والے مجرم کو کیسے قائل کرے گا کہ ڈاکے ڈالنا ایک برائی، ایک گناہ ہے۔؟

فرض کیجئے کہ میں دنیا کا سب سے طاقتور اور اثر ورسوخ والا مجرم ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ میں نہایت ذہین اور منطقی شخص بھی ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ ڈاکے ڈالنا بہت اچھا ہے کیونکہ اس سے مجھے اپنی پر تعیش زندگی گزارنے میں مدد ملتی ہے۔ لہٰذا میرے لیے تو ڈاکہ زنی بہت اچھا عمل ہے۔

اگر کوئی میرے سامنے اس بات کے حق میں ایک منطقی دلیل بھی پیش کر دے (جو میرے لیے بھی یکساں طور پر قابل قبول ہو) کہ ڈاکہ ڈالنا برا ہے۔ تو میں فوراً یہ کام چھوڑ دوں گا۔ اس کے جواب میں لوگ عموماً درج ذیل دلائل دیتے ہیں:

بعض لوگ یہ دلیل دے سکتے ہیں کہ لٹنے والے شخص کو مشکلات کا سامنا ہوگا۔ یقیناً میں اس بات سے اتفاق کروں گا کہ لٹنے والے فرد کے حق میں ڈاکہ زنی کا عمل بہت برا ہے۔ لیکن میرے لیے تو بہر حال یہ اچھا ہے۔ اگر میں ہزار ڈالر کی ڈکیتی ماروں تو میں کسی مہنگے فائیو سٹار ہوٹل میں مزے سے کھانا کھا سکتا ہوں۔

کچھ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی دن کوئی دوسرا ڈاکو آپ کو بھی لوٹ سکتا ہے۔ لیکن میں تو خود بہت اثر ورسوخ والا مجرم ہوں اور میرے سینکڑوں باڈی گارڈ ہیں تو پھر بھلا کوئی دوسرا مجھے کیسے لوٹ سکتا ہے؟ یعنی میں تو دوسروں کو لوٹ سکتا ہوں مگر مجھے کوئی نہیں لوٹ سکتا۔ ڈاکہ زنی ایک عام آدمی کے لئے تو پر خطر پیشہ ہو سکتا ہے مگر مجھ جیسے طاقتور اور بااثر شخص کے لئے نہیں۔

ایک دلیل یہ بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ کسی نہ کسی دن آپ کو پولیس گرفتار کر لے گی۔ ارے بھئی! پولیس تو مجھے گرفتار ہی نہیں کر سکتی! پولیس کے چھوٹے بڑے افسران سے لے کر حکومتی وزراء تک میرے پے رول پر ہیں۔ میرے نمک خوار ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ اگر کوئی عام آدمی ڈاکہ ڈالے تو وہ گرفتار کر لیا جائے گا اور ڈاکہ زنی اس کیلئے بری ثابت ہو گی۔ لیکن میں تو غیر معمولی طور پر بااثر اور طاقتور مجرم ہوں۔

مجھے کوئی ایک منطقی دلیل دیجئے کہ یہ عمل برا ہے تو میں ڈاکہ زنی چھوڑ دوں گا۔

ایک اور دلیل یہ بھی آ سکتی ہے کہ یہ بغیر محنت کے یا کم محنت سے کمائی گئی آمدنی ہے، جس کے حصول کیلئے بہت مشقت نہیں کی گئی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ڈاکہ زنی کی کمائی میں کچھ خاص محنت کیے بغیر اچھی خاصی رقم ہاتھ لگتی ہے اور یہی تو میرے ڈاکے ڈالنے کی بڑی وجہ بھی ہے۔ اگر کسی شخص کے سامنے زیادہ پیسہ کمانے کا آسان اور باسہولت راستہ ہو اور وہ راہ بھی ہو کہ جس سے پیسہ کمانے میں اسے بہت زیادہ محنت کرنا پڑے، تو منطقی ذہن رکھنے والا کوئی بھی شخص آسان راستے ہی کا انتخاب کرے گا۔

بعض لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکہ زنی انسانیت کے خلاف ہے اور یہ کہ ایک شخص کو دوسرے انسانوں کا خیال کرنا چاہیے۔ اس کا رد کرتے ہوئے میں یہ سوال کروں گا کہ "انسانیت" کہلانے والا یہ قانون کس نے لکھا ہے اور میں اس کی پاسداری کس خوشی میں کروں گا؟

یہ قانون کسی جذباتی اور حساس قسم کے انسان کیلئے تو اچھا ہو سکتا ہے لیکن میں منطقی انسان ہوں اور مجھے دوسرے انسانوں کی پروا کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

کچھ لوگ ڈاکہ زنی کو خود غرضانہ عمل بھی قرار دے سکتے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ڈاکہ زنی ایک خود غرضانہ عمل ہے لیکن میں خود غرض کیوں نہ بنوں؟ اسی سے تو مجھے زندگی کے مزے اڑانے میں مدد ملتی ہے۔

لہٰذا، ڈاکہ زنی کو برا عمل ثابت کرنے کی غرض سے دیئے گئے تمام عقلی دلائل بے سود رہتے ہیں۔ ان دلائل سے ایک عام اور کمزور انسان کو تو قائل کیا جا سکتا ہے مگر مجھ جیسے طاقتور اور بااثر شخص کو نہیں۔ ان میں سے کسی ایک دلیل کا دفاع بھی عقل اور منطق کی طاقت پر نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ دنیا میں بہت جرائم پیشہ افراد پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح دھوکہ دہی اور زنا جیسے جرائم، مجھ سے کسی شخص کیلئے اچھے ہونے کا جواز پا سکتے ہیں اور کوئی

منطقی دلیل مجھے اس کے برا ہونے پر قائل نہیں کر سکتی۔

چلیے! اب ہم جگہیں بدل لیتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ آپ دنیا کے طاقتور ترین اور بااثر مجرم ہیں، جس کے پے رول پر پولیس کے سپاہی سے لے کر وزراء تک سب موجود ہیں۔ آپ کے پاس اپنی حفاظت کیلئے ٹھگوں کی ایک پوری فوج ظفر موج ہے۔ میں ایک مسلمان ہوں جو آپ کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ عصمت دری، ڈاکہ زنی اور دھوکہ دہی وغیرہ برے اعمال ہیں۔

اگر میں وہی تمام دلائل (جو پہلے دیئے جا چکے ہیں) ڈاکہ زنی کو برا ثابت کرنے کے لیے پیش کروں تو مجرم بھی اسی انداز سے جواب دے گا جیسے میں نے پہلے کیا تھا۔

میں مانتا ہوں کہ مجرم ذہین ہے اور منطقی سوچ رکھتا ہے اور اس کے تمام دلائل صرف اسی وقت صحیح ہوں گے جب وہ دنیا کا سب سے طاقتور اور بااثر مجرم ہو۔

ہر ایک انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے انصاف ملے۔ حتیٰ کہ وہ دوسروں کے لئے انصاف کا خواہش مند نہ بھی ہو تب بھی وہ اپنے لیے انصاف چاہتا ہے۔ بعض لوگ طاقت اور اثر و رسوخ کے نشے میں اس قدر بدمست ہوتے ہیں کہ دوسروں پر صعوبتیں اور تکالیف مسلط کرتے رہتے ہیں، لیکن یہی لوگ اس وقت شدید اعتراض کرتے ہیں کہ جب خود ان کے ساتھ کوئی ناانصافی کی جائے۔ ان کے دوسرے لوگوں کی تکالیف اور صعوبتوں کی طرف سے بے حس ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ طاقت اور اثر و رسوخ کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں یہ طاقت اور اثر و رسوخ ہی ہے جو نہ صرف انہیں دوسروں سے ناانصافی کرنے کے قابل بناتا ہے بلکہ دوسروں کو ان کے ساتھ ویسا ہی کرنے سے باز بھی رکھتا ہے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے میں اس مجرم کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود پر قائل کروں گا۔ (اس بارے میں دلائل علیحدہ ہیں) اللہ تعالیٰ آپ سے بھی کہیں زیادہ طاقتور ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ منصف ترین بھی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

''ان الله لا يظلم مثقال ذرة وان تك حسنة يضعفها و يوت من لدنه اجرا عظيما○

(القرآن المجید، پارہ نمبر 5، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 40)

''اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اسے دوگنا کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔○''

منطقی اور سائنسی شخص ہونے کے ناطے جب اس کے سامنے قرآن مجید سے دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو وہ انہیں تسلیم کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کر لیتا ہے۔ وہ سوال کر سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سب سے طاقتور اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے تو پھر وہ مجھے سزا کیوں نہیں دیتا۔؟

ہر وہ شخص، جس کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہو، یقیناً یہ چاہے گا کہ ناانصافی کے مرتکب کو اس کے مال و دولت اور معاشرتی مرتبے کا لحاظ کیے بغیر سزا ملنی چاہیے۔ ہر نارمل انسان یہ چاہے گا کہ ڈاکو اور بدکار کو سبق سکھایا جائے۔ اگرچہ بہت سارے مجرموں کو سزا مل جاتی ہے لیکن پھر بھی ان کی ایک بڑی تعداد قانون سے بچنے میں کامیاب رہتی ہے۔ یہ لوگ بڑی پرلطف اور پرتعیش زندگی گزارتے ہیں اور بسا اوقات بڑے اطمینان سے رہتے ہیں۔ اگر کسی طاقتور اور با اثر شخص کے ساتھ اس سے بھی زیادہ با اثر اور طاقتور شخص ناانصافی کرے تو وہ بھی یہی چاہے گا کہ اس زیادہ طاقتور اور زیادہ با اثر شخص کو (جس نے ناانصافی کا ارتکاب کیا ہے) سزا دی جائے۔

دنیا کی یہ زندگی، آخرت کے لئے امتحان ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلو کم ایکم احسن عملا وھو العزیز الغفور ○"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 67 (الملک)، آیت نمبر 2)

"اللہ وہ ہے جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔○"

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

"کل نفس ذائقة الموت وانما توفون اجور کم یوم القیمة فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور ○"

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 3 (آل عمران)، آیت نمبر 185)

"آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے

والے ہو، کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کردیا جائے، رہی یہ دنیا تو یہ محض ایک ظاہر فریب ہے۔"

حتمی انصاف قیامت کے روز کیا جائے گا۔ مرنے کے بعد ہر شخص کو یوم حساب (روز قیامت) ایک بار پھر دوسرے تمام انسانوں کے ساتھ زندہ کیا جائے گا۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی سزا کا کچھ حصہ اس دنیا ہی میں بھگت لے، لیکن سزا اور جزا کا آخری اور حتمی معاملہ تو آخرت ہی میں کیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی لٹیرے یا بدکار کو اس دنیا میں سزا نہ دے لیکن اسے روز محشر میں اپنے ایک ایک عمل کا اور ایک ایک گناہ کا حساب چکانا ہوگا اور وہ آخرت میں موت کے بعد کی زندگی میں اپنے ایک ایک جرم کی سزا پائے گا۔

جنگ عظیم کے دوران ہٹلر نے لگ بھگ ساٹھ لاکھ یہودیوں کو زندہ جلوایا تھا۔ بالفرض اگر پولیس اسے گرفتار بھی کر لیتی تو قانون کی پاسداری کرتے ہوئے (انسانی قانون کے مطابق) عدالت اسے زیادہ سے زیادہ کیا سزا دے سکتی تھی؟ بہت سے بہت یہی ہوتا کہ اسے بھی کسی گیس چیمبر میں بند کر کے ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن یہ تو صرف ایک بے گناہ یہودی کو قتل کرنے کی سزا ہوتی، باقی کے 5999999 یہودیوں کے قتل کی سزا اسے کس طرح دی جاسکتی تھی۔؟ اسے صرف ایک بار ہی سزائے موت دی جاسکتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ ہٹلر کو جہنم کی آگ میں ساٹھ لاکھ سے بھی زیادہ مرتبہ جلا دے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"ان الذین کفروا بایتنا سوف نصلیھم نارا کلما نضجت جلودھم بدلنھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب ان اللہ کان عزیزا حکیماo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 5، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 56)

"جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کردیا انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کردیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں، بیشک اللہ قدرت والا حکمت والا ہے۔o"

یعنی اللہ تعالیٰ چاہے تو ہٹلر کو جہنم کی آگ میں محض ساٹھ لاکھ مرتبہ نہیں بلکہ لاتعداد بار جلا سکتا

ہے۔

یہ واضح رہے کہ کسی شخص کو تصورِ آخرت یا موت کے بعد زندگی کے یقین پر قائل کیے بغیر اسے انسانی اقدار یا نیک و بد اعمال کے تصور پر قائل کرنا بھی ممکن نہیں۔ خصوصاً جب ان طاقتور اور با اختیار لوگوں کا معاملہ درپیش ہو جو ناانصافی میں پڑے ہوں۔

دین

دین کا معنی اور لوازمات:

اسلام کی اساسی تعلیمات میں سے ایک یہ ہے کہ چونکہ دین نام ہے پوری زندگی بسر کرنے کے انداز و اطوار کا اور اس کے مفہوم میں مسلک حیات اور نظامِ حیات کے تصورات شامل ہیں۔ اس لئے انسان بیک وقت کسی ایک ہی دین کا پیرو ہو سکتا ہے۔ وہ دین حق پر چلے گا یا دین باطل پر، وہ خدا پرستی کی راہ اختیار کرے گا یا خدا فراموشی کی اور وہ ایماندار ہو گا یا کفر کیش۔

نظریہ دین کا عکاس:

ہر نظریہ اور فلسفہ ایک خاص قسم کے دین کی بنیاد ہوتا ہے اور ہر قوم اور ہر فرد کی زندگی جس نقشے پر بسر ہو رہی ہے وہی اس کا دین ہے۔

اسلام کا تصورِ دین:

ہماری کتابِ ہدایت (قرآن مجید) میں خدا نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ تمہارے لئے قرآنی تصورِ آخرت کو چھوڑ دینے سے ایسا خلا پیدا ہوتا ہے کہ زندگی عقل کی نگاہ میں لایعنیت بن جاتی ہے اور زندگی کو لایعنی ماننے کے بعد انسان کا اچھا بننا ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"میں نے تمہارا خالق، مالک، حاکم اور ہادی ہونے کی حیثیت سے اسلام کو تمہارا دین مقرر کر دیا ہے اور اس کے خلاف جس بھی نظامِ زندگی کو اختیار کیا جائے گا وہ خدا کی بارگاہ (اور عدالتِ آخرت) میں جائز (Valid) تسلیم نہیں کیا جائے گا۔"

پس قرآن کا مطالبہ خدا پرستوں سے یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر دین حق کے لئے یکسو ہو جائیں اور اس پر خود جم جائیں اور اسے معاشرے میں بھی غالب کرنے کی جدوجہد

کریں۔

تصورِ عبادت

اسلام کا غیر محدود تصورِ عبادت:

اسلام کا تصورِ عبادت دوسرے محدود مذاہب سے مختلف ہے۔ اسلامی تصورِ عبادت صرف اتنا نہیں ہے کہ خاص انفرادی دائرے میں پوجاپاٹ کے چند مقررہ طریقوں کو پورا کر دیا جائے گا بلکہ یہاں کا تصورِ عبادت پوری زندگی کو محیط ہے۔

اسلامی حدود واحکام کے تحت انجام پانے والا ہر فعل عبادت ہے:

اسلام کے نزدیک زندگی کا ہر فعل خواہ وہ فرد سے تعلق رکھتا ہو یا خاندان سے، معاشرے سے یا ریاست سے، مسجد کے اندر کی ذمہ داریوں سے یا کھیت سے، کارخانے و بازار سے تعلق رکھتا ہو یا دفتر کے مشاغل سے، بال بچوں کے معاملات سے یا تھانے، کچہری اور اسمبلی کی سرگرمیوں سے، اگر اسے خدا کے احکام وحدود کے تحت انجام دیا جائے تو وہ عبادت کے دائرے میں ہے۔ بصورت دیگر معصیت کے دائرے میں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے حدود میں رہ کر بال بچوں کے نفقہ کا انتظام کرنا، ازدواجی تعلقات استوار کرنا، امارت وقیادت کے منصب پر فائز ہونا، میدان جنگ میں حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا، عدالت کی کرسی سے حق کے مطابق فیصلے دینا اور صدق ودیانت کے ساتھ تجارت کرنا بھی عبادت کی وسیع تعریف میں داخل ہے۔

نیکی کا جامع تصور:

عبادت ہی کے تصور کے مطابق قرآن مجید نیکی کا جامع تصور دلاتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ رسوم کا بیرونی خول اصل نیکی نہیں بلکہ اصل نیکی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور پھر اس ایمان کے تقاضے پورے کرنا ہے۔ جائے نماز سے لے کر میدان جہاد تک۔!

نصب العین

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

اسلام انسانی زندگی کو ایک بے مقصد کھیل تماشے کی حیثیت نہیں دیتا، بلکہ با مقصد کائنات میں رہنے والی مخلوق کو بھی وہ ایک اعلیٰ نصب العین سے بہرہ مند کرتا ہے۔ وہ نصب العین امت وسط، شہداء علی الناس اور حزب اللہ ہونے کے منصب جلیلہ پر ساری دنیا کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا ہے، وہ بھی کسی ذاتی غرض اور کسی گروہی مفاد سے بالاتر ہو کر۔!

فریضہ تبلیغ ہر فعل وعمل سے:

ہمارے لئے قرآن مجید کا عطا کردہ مقصد حیات یہ ہے کہ ہم جس مقام پر بھی ہوں، جس حیثیت کے مالک بھی ہوں، جیسی صلاحیتیں بھی رکھتے ہوں اور جس پیشے میں بھی مصروف ہوں ہماری تمام سرگرمیوں کا مقصود ساری دنیا تک صلاح کا وہ پیغام بذریعہ قول وعمل پہنچانا ہے جس پر قرآن مجید مشتمل ہے۔

قوم وزبان اور رنگ ونسل سے ہٹ کر تبلیغ:

تمام قومی منافرتیں، تمام نسلی عصبیتیں، تمام لسانی اور لونی دیواریں ہٹادی گئی ہیں اور تمام دوسرے مفاد ومقاصد کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید پر ایمان لانے والے کا ایک ہی مقصد ہے کہ وہ ہر شخص، ہر گروہ، ہر قوم اور ساری انسانیت کو قرآنی نظام عدل واحسان کے قریب لائے۔

اس نصب العین سے ہٹنے والوں کا انجام:

اس قسم کے بلند، پاکیزہ اور اخلاقی نصب العین سے جو لوگ محروم رہ گئے ہیں ان کے سامنے دولت پرستی، نفس پرستی، جاہ پرستی اور جنس پرستی کے علاوہ دلچسپی کا کوئی اور عنوان ہی باقی نہیں رہا اور اس بیماری میں مبتلا اقوام اور تحریکوں کا حال یہ ہے کہ وہ جارحیت، بے علمی وعملی اور بداخلاقی کو تیزی سے فروغ دے رہی ہیں۔

اسلام کی اہم ترین اخلاقی تعلیمات

ا۔ اخلاقی تعلیمات اپنانے کا حکم

اصل سنوارنے والا...... حسن اخلاق:

انسان کو باقی حیوانی دنیا سے ممیز کرنے والی چیز اخلاق ہی ہے۔ اس کے سنوارنے سے انسان کا سنوار ہے اور اس کے بگاڑنے سے انسان کا بگاڑ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ تہذیب میں معاشرے جس چیز پر متفق نظر آتے ہیں وہ "حسن اخلاق" ہے۔

اخلاقیات وغیر اخلاقیات کا تصور...... اسلام کے معروفات اور منکرات:

سچائی، پاس عہد، رحم، فیاضی، صبر، تحمل، بردباری، اُولوالعزمی، شجاعت، ضبط نفس، خودداری، میل ملاپ، شائستگی، فرض شناسی، اتفاق اور دوسری اچھی صفات کو سب معاشروں نے سراہا ہے اور اس کے برعکس تمام معاشروں نے جھوٹ، بدعہدی، ظلم، بخل، بے صبری، بزدلی، ذلت، ترش روئی، خیانت، چغلی، غیبت اور تمام دوسری برائیوں کو برا سمجھا ہے۔ یہ اقدار انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہیں اور اسلام نے ان معروفات اور منکرات کو اپنے نظام میں سمولیا ہے۔ البتہ جس پہلو سے قرآن مجید کا نظام اخلاق منفرد ہے وہ یہ ہے کہ اس نے فلسفہ اخلاق کے تمام بنیادی امور کے بارے میں ایک منظم اور مربوط نظریہ پیش کیا ہے اور وہ اپنا ایک خاص اخلاق اور قوت محرکہ رکھتا ہے۔ نظریہ اور خاص قوت محرکہ مل کر اس کے فلسفۂ اخلاق کی مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔

نظریۂ آخرت اور معیار خیر وشر:

اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی پہلی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش اور امتحان کے لئے بھیجا ہے اور ایک دن انسان کو پوری زندگی کا حساب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرنا ہوگا۔ اسلام نے اخلاقی امور کا کمال یہ قرار دیا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ادا کئے جائیں کہ یہ خدا کے احکام ہیں اور انسانوں کو خدا کے بتائے ہوئے معیار خیر وشر کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اسی میں ان کی فلاح ہے۔

آفاقی وضع شدہ اخلاقیات:

انسان خود اپنے برے بھلے کے متعلق محض اپنی عقل کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کو اچھی اور مفید سمجھتا ہے لیکن در حقیقت وہ مضر ہوتی ہے اور بعض چیزوں کو وہ مضر سمجھتا ہے حالانکہ وہ اس کے لئے حد درجہ مفید ہوتی ہیں۔ قرآن مجید کے یہ الفاظ اسی مضمون کی ترجمانی کرتے ہیں:

"وعسیٰ ان تکرھوا شیاء وھو خیرلکم وعسیٰ ان تحبوا اشیاء وھو کرہ لکم واللہ یعلم وانتم لاتعلمون"

"عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھی بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۲۱۶)

آخر میں وجہ بھی بتا دی کہ اللہ ہی حقائق اشیاء سے کما حقہ باخبر ہے اور تمہارے علم کا دائرہ محدود ہے۔ اگر ہر انسان یا انسانی گروہ اپنے لئے خود اخلاقی ضابطے وضع کرنے لگے تو انسانی معاشرہ انتشار کا شکار ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاق کا تعلق باہمی معاملات و مسائل سے ہے۔ دنیا کی ساری خوشی، خوشحالی اور امن وامان اسی اخلاق کی بدولت ہے۔ اسی دولت کی کمی کو حکومت اپنی قوت اور طاقت کے قانون سے پورا کرتی ہے۔ اگر انسانی جماعتیں اپنے اخلاق و فرائض کو پوری طرح خود انجام دیں تو حکومت کے جبری قوانین کی کوئی ضرورت ہی نہ ہو۔ اس لئے بہترین مذہب وہ ہے جس کا اخلاقی دباؤ اپنے ماننے والوں پر اتنا ہو کہ وہ ان کے قدم بہ قدم کو سیدھے راستے سے بھٹکنے نہ دے۔

اس اعتبار سے اسلام دنیا کے تمام مذاہب اور نظاموں سے کہیں زیادہ جامع ہے۔ اخلاق کے دائرے میں تو زندگی کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی پہلو بھی آ جاتے ہیں لیکن ہم اپنے مطالعے کی آسانی کے لئے اخلاق کو اس کے معروف تصور تک محدود رکھیں گے اور اس ضمن میں قرآن مجید کی بنیادی تعلیمات کو اختصار کے ساتھ پیش کریں گے۔

ذاتی اغراض اور اسلامی اخلاقیات:

اسلام میں چونکہ اخلاق بھی دوسرے مذہبی امور کی طرح ایک عبادت ہے، اس لئے اس کی

غرض وغایت بھی ہر قسم کی دنیاوی اور ذاتی اغراض سے پاک ہونی چاہئے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کی حیثیت کچھ ہے اور نہ ہی ان اخلاقی امور کا کوئی اخروی فائدہ ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"ومن یرد ثواب الدنیا نوته منها"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۱۴۵)

"اور جو شخص دنیا میں (اپنے اعمال) کا بدلہ چاہے اس کو ہم یہیں بدلہ دیں گے۔"

ریا کاری اور اسلام:

کوئی بھلائی کا کام اگر بدنیتی اور ریا کاری سے کیا جائے وہ باطل ہوگا اور اس کا کوئی اجر نہ ملے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"یایها الذین امنوا لاتبطلوا صدقتکم بالمن والاذی"

"مومنو! اپنے صدقات کو احسان رکھنے اور ایذا دینے سے برباد نہ کرو۔"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۲۶۴)

معاشرت، رہبانیت اور اسلامی تعلیمات:

اخلاق درحقیقت انسانوں کے باہمی تعلقات میں اچھائی برتنے کا نام ہے۔ انسانوں کے باہمی میل جول سے جو فرائض اور ذمہ داریاں ایک دوسرے پر عائد ہوتی ہیں ان کا بحسن ادا کرنا اخلاق کہلاتا ہے۔ اس لئے اخلاق کے وجود کے لئے انسانوں کا باہمی میل جول ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے رہبانیت کو جائز قرار نہیں دیا۔ قرآن کریم کہتا ہے:

"ورهبانية ابتدعوها ما کتبنها علیهم"

(سورۃ الحدید، آیت نمبر: ۲۷)

"اور رہبانیت جسے انہوں نے از خود گھڑا ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔"

فریضۂ امت...... امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

اسلام میں جماعت کے افراد پر جماعت کے دوسرے افراد کی نگرانی فرض ہے۔ اس اخلاقی اور شرعی فرض کا نام "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہے۔ قرآن کریم کی وضاحت کے پیش نظر امت مسلمہ کی فضیلت اس بات پر ہے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ

سرانجام دیتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر"

"تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔"

(سورۃ آل عمران)

لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جہاں بھی برائی کو دیکھے اسے مٹانے کی کوشش کرے اور ہر حالت میں حق بات کہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر"

"اور مومن ایک دوسرے کو حق کی اور صبر کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔"

(سورۃ العصر، آیت نمبر: ۳)

عدل وانصاف:

1: عدل وانصاف کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے، کسی فرد یا قوم کی دشمنی کی وجہ سے راہ اعتدال سے ہٹنا یا سچی شہادت سے گریز کرنا ناجائز ہے، خواہ اس کی خاطر رشتہ داروں، دوستوں اور انتہا یہ کہ اپنی ذات کے خلاف ہی گواہ کیوں نہ بننا پڑے۔ اسی طرح اگر دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا معاملہ پیش آئے تو بے لاگ فیصلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل"

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۵۸)

"اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو۔"

2: سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے:

"ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: ۸)

"اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف چھوڑ دو۔"

3: پھر فرمایا:

"کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین"

"انصاف پر قائم رہو! اللہ واسطے کے گواہ بنو! خواہ تمہاری گواہی تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔"

اخلاقیات کی جان...... حکم احسان:

اس سے بھی آگے بڑھ کر قرآن مجید نے عدل کے ساتھ احسان کو بھی مسلمانوں کی ایک اخلاقی خصوصیت بتایا ہے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی کمی کو پورا کر دینا تاکہ معاشرے اور زندگی میں حسن قائم رہے۔ اسلامی مملکت میں عدل کا تعلق بڑی حد تک ریاست کے ہاتھ میں ہوگا، لیکن احسان ہر شخص کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان اللہ یامر کم بالعدل والاحسان"

(القرآن الکریم)

"بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔"

شیریں بات کہنے کی تاکید:

اسلام کہتا ہے کہ باہمی میل ملاپ میں اور بات چیت میں تواضع اور شیریں زبانی سے کام لو اور غرور اور بدمزاجی سے پرہیز کرو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قولوا للناس حسنا"

"سب لوگوں سے اچھی بات کہو۔"

تواضع اختیار کرنے کا حکم:

1: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور مومنین کے لئے اپنے بازو جھکا لو۔"

(سورۃ الحج، آیت نمبر:۸۸)

2: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین"

"ان مومنوں کے ساتھ خاطر تواضع سے پیش آؤ جو آپ کے تابع ہیں۔"
(سورۃ الشعراء، آیت نمبر:۲۱۵)

غصہ پی لینا اور معاف کرنا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"والكاظمين الغيظ"

"اور وہ (مومن) غصہ پی جانے والے ہوتے ہیں۔" (سورۃ آل عمران، آیت نمبر:۱۳۴)

معاف کرنا:

1: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والعافين عن الناس"

"اور وہ (مومن) لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں۔"
(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:۱۳۴)

2: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وان تعفوا اقرب للتقوا"

"اگر تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔"

3: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وليعفوا واليصفحوا"

"انہیں چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔"

(سورۃ النور، آیت نمبر:۲۲)

صبر واستقامت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولمن صبر وغفران ذلك لمن عزم الامور"

"اور جو صبر کرے اور درگزر سے کام لے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔"
(سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر:۴۳)

میانہ روی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما"

"اور (حقیقی مومن) وہ لوگ (ہیں کہ) جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی اور بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ اس کے درمیان اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔"

۲۔ اخلاق مذمومہ سے بچنے کی تاکید

اخلاق مذمومہ کی بیخ کنی:

قرآن مجید کے نزدیک وہ تمام صفات مذموم ہیں جو معاشرے کی اخلاقی فضاء کو مکدر کریں، مسلمانوں کے اتحاد وضبط ونقصان پہنچائیں اور جن سے اس بات کا خطرہ ہو کہ پوری سوسائٹی ناقابلِ اعتبار قرار پائے گی۔ مثلاً: جھوٹ، انتشار وافتراق، افتراپردازی، بدگمانی، چغلی، غیبت، نفاق اور تحقیر وغیرہ کہ یہ محرکات ہیں جن سے کسی سوسائٹی کی فضا مکدر ہو سکتی ہے۔ ان سب سے بچنے کے لئے ہدایات دی گئیں ہیں۔

اسلام میں مسلمانوں کی جان، مال، عزت اور آبرو، سب محترم ہیں۔ ناحق کسی کی جان لینا، بے عزت کرنا یا ذلیل وخوار کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ خیانت، بددیانتی، ظلم، فخر وغرور، خودستائی، حسد، بغض، ناپ تول میں کمی بیشی، انتقام اور قتل ناحق وغیرہ قرآن مجید کے نزدیک یہ سب مذموم صفات ہیں۔

خیانت کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لاتخونوا اللہ والرسول وتخونوا امنتکم"

"اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہو۔" (سورۃ الانفال، آیت نمبر: ۲۷)

غصہ کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولا تصعر خدك للناس"

"اور لوگوں سے گال پھیلائے نہ رکھو (غصہ میں نہ رہو)۔"

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:۳۷)

تکبر کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولا تمش فی الارض مرحا"

"اور نہ زمین پر اکڑ کر چلو۔" (سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:۳۷)

اپنے منہ میاں مٹھو:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فلا تزکوا انفسکم"

"پس اپنی پاکبازی نہ جتاؤ۔" (سورۃ النجم، آیت نمبر:۳۲)

حسد کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ومن شر حاسد اذا حسد"

"اور حاسد کے حسد سے پناہ مانگتا ہوں جب وہ حسد کرے۔"

(سورۃ الفلق، آیت نمبر:5)

تہمت کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان الذین یرمون المحصنت الغفلت المومنت لعنوا فی الدنیا والاخرة"

"جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی اور بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت دونوں میں لعنت ہے۔" (سورۃ النور، آیت نمبر: ۲۳)

ظلم کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"واللہ لا یحب الظالمین"

"اللہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا۔"

کم ناپنے اور تولنے کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم"

"ناپ تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو۔"

رشوت کی بیخ کنی:

قرآن مجید کا یہ بھی حکم ہے کہ جائز سفارش کرو اور کسی کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ یعنی بطور رشوت یا کسی اور ناجائز ذریعہ سے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون o"

(سورہ البقرۃ)

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو حاکموں کے پاس پہنچاؤ تا کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور اسے تم جانتے بھی ہو۔"

مذاق کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ"

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر: 11)

"اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اُڑائے ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو۔ اور نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔"

جھوٹ کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"واجتنبوا قول الزور"

"اور بچتے رہو جھوٹی بات سے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

"کونوا مع الصادقین"

"سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"

برا نام ڈالنے کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ"

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر: 11)

"اور برے نام نہ ڈالو۔ ایمان لانے کے بعد کسی کا برا نام ڈالنا بہت بڑا فسق ہے۔"

قیاس آرائی کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"

"قیاس آرائیوں سے بچو۔ بعض قیاس آرائیاں یقیناً گناہ ہوتی ہیں۔"

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر 12)

غیبت کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ

مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ"

"اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم اسے ناپسند کرتے ہو (تو پھر غیبت بھی نہ کیا کرو)۔"

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر 12)

ناجائز جاسوسی کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَجَسَّسُوا"

"ٹوہ میں نہ لگے رہو۔" (سورۃ الحجرات، آیت نمبر 12)

عیب لگانے کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ"

"ایک دوسرے کے عیب نہ لگاؤ۔" (سورۃ الحجرات، آیت نمبر:11)

اسلام کا معاشی نقطہ نظر:

اسلام کہتا ہے کہ مسلمان معاشی نقطہ نظر سے ایسی روش اختیار کریں جس میں قناعت ہو، خرچ میں اعتدال ہو اور اسراف سے دور رہیں۔ اگر اللہ نے کسی کو زیادہ دیا ہے تو لالچ نہ کریں اور نہ اس سے حسد کریں۔ اگر اللہ نے انہیں زیادہ دیا ہے تو اسراف نہ کریں اور نہ بخل سے کام لیں۔

حسد کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ام یحسدون الناس علی ما اٰتاھم اللّٰہ من فضلہ"

"یا وہ جلے مرتے ہیں اس نعمت پر جو خدا نے لوگوں کو عطا کی۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر:۵۴)

ناجائز طلب وہوس کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض"

"اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو فضیلت دی ہے اس کی ہوس مت کرو۔" (سورۃ النساء، آیت نمبر:۳۲)

کنجوسی کی بیخ کنی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک"

"اور نہ اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو (کنجوسی وبخل نہ کرو)۔"

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:۲۹)

فضول خرچی کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولا تبسطھا کل البسط"

"اور نہ اپنے ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دو (فضول خرچی نہ کرو)۔"

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:۲۹)

اسلام کی اہم ترین سیاسی تعلیمات

اسلام کا تصور کائنات

فلسفۂ سیاست اور اس کے اہم ترین قرآنی نکات:

فلسفۂ سیاست کے نقطہ نظر سے اگر تصور کائنات کا جائزہ لیا جائے تو حسب ذیل نکات ہمارے سامنے آتے ہیں:

1: اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کا اور خود انسان اور ان تمام چیزوں کا خالق ہے۔ جن

سے انسان اس دنیا میں مستفید ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کہو اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی یکتا ہے، سب کو مغلوب کر کے رکھنے والا۔"

(سورۃ نمبر۲۱، آیت نمبر:۱۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"اسی اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کی تہہ میں ہے۔" (سورۃ نمبر۲۰، آیت نمبر:۸)

2: اس کائنات میں حاکمیت ایک اللہ کے سوا کسی کی ہے، نہ ہو سکتی ہے اور نہ کسی اور کا یہ حق ہے کہ حاکمیت میں اس کا کوئی حصہ ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں ہے، سوائے اللہ کے۔" (سورۃ نمبر۶، آیت نمبر۵۷)

3: حاکمیت کی جملہ صفات اور اختیارات صرف اللہ ہی میں مرکوز ہیں۔ اس کائنات میں کوئی ان صفات اور اختیارات کا حامل سرے سے ہی نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"وہی اپنے بندوں پر غلبہ رکھنے والا اور وہی دانا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔"

(سورۃ نمبر۶، آیت نمبر:۱۸)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"وہ اللہ بادشاہ ہے ہر عیب ونقص سے پاک ہے، غلطی سے مبرا ہے۔ وہ امن دینے والا، نگہبان، غالب، بزور حکم نافذ کرنے والا اور کبریائی کا مالک ہے۔"

(سورۃ نمبر۵۹، آیت نمبر۲۳)

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

"کہو خدایا! ملک کے مالک! تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے! ساری بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

(سورۃ نمبر۳، آیت نمبر۲۶)

حاکمیتِ الٰہیہ

کائنات کا حاکم وفرمانروا:

کائنات کے اسی تصور کی بنیاد پر قرآن مجید کہتا ہے کہ انسانوں کا حقیقی فرمانروا اور حاکم بھی

وہی ہے جو کائنات کا حاکم و فرمانروا ہے، انسانی معاملات میں بھی حاکیت کا حق اسی کو پہنچتا ہے اور اس کے سوا کوئی انسانی طاقت بطور خود حکم دینے اور فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

مسئلہ ربوبیت:

اسلام کہتا ہے کہ کائنات کا رب ہی درحقیقت انسان کا رب ہے اور اس کی ربوبیت تسلیم کی جانی چاہئے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ٥ مَلِكِ النَّاسِ ٥ اِلٰهِ النَّاسِ ٥"

"کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی، انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کی۔" (سورۃ الناس، آیت نمبر 1 تا 3)

حکم فقط اللہ کا:

1: اسلام کہتا ہے کہ حکم اور فیصلہ کا حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ اسی کی بندگی انسانوں کو کرنی چاہئے اور یہی صحیح طریق کار ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"حکم اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی صحیح دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

(سورۃ نمبر ۱۲، آیت نمبر: ۴۰)

2: سورۃ آل عمران میں فرمایا:

"وہ کہتے ہیں کہ ہمارا بھی کچھ اختیار ہے۔؟ کہو اختیار سارا اللہ ہی کا ہے۔"

(سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر ۱۵۴)

3: دوسری جگہ ہے:

"خبردار! اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔" (سورۃ نمبر ۷، آیت نمبر: ۵۴)

4: اسلام کہتا ہے کہ حکم دینے کا حق اللہ کو اس لئے ہے کہ وہ کائنات کا بادشاہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"چور مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کے لئے ہے۔؟" (سورۃ نمبر ۵، آیت نمبر ۳۸ تا ۴۰)

5: اسلام کہتا ہے کہ اللہ کا حکم اس لئے برحق ہے کہ وہی حقیقت کا علم رکھتا ہے اور وہی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے ایک چیز تمہیں پسند ہو اور تمہارے لئے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

(سورۃ نمبر۲، آیت نمبر:۲۱۶)

مقصد اسلام:

اسلام کا مقصد اتنا ہی نہیں کہ افراد کی اخلاقی اصلاح کردی جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تدریجی مگر بنیادی انقلاب بنی نوع انسان کی پوری اجتماعی زندگی میں برپا کیا جائے۔ اسلام نے قومی ونسلی زاویہ نظر کو بدل کر اس کی جگہ خالص انسانی احساس وشعور پیدا کیا۔

اسلام.....قومیت کی اساس وبنیاد:

قرآن مجید کہتا ہے کہ صرف اسلام ہی بنیاد واساس ہے قومیت کی، خواہ اسے تہذیبی مفہوم میں لیا جائے، خواہ سیاسی مفہوم میں۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید نے صاف صاف اعلان کردیا کہ اگر کسی شخص نے اسلام کے سوا کسی اور ضابطہ حیات ودین کو اختیار کیا تو یہ بات ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔

اللہ کی قانونی حاکمیت:

1: ان وجوہ سے قرآن مجید فیصلہ کرتا ہے کہ اطاعت خالصۃً اللہ کی اور پیروی اسی کے قانون کی ہونی چاہئے۔ اس کو چھوڑ کر دوسروں کی یا اپنی خواہشات نفس کی پیروی ممنوع ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے نبی! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے۔ پس تم دین کو اللہ کیلئے خالص کر کے اس کی بندگی کرو۔ خبردار! دین خالص اللہ ہی کیلئے ہے۔" (سورۃ نمبر۳۹)

2: اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی معاملات کو منضبط کرنے کے لئے جو حدیں مقرر کردی ہیں ان سے تجاوز کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز

کریں وہی ظالم ہیں۔" (سورۃ نمبر۲، آیت نمبر:۲۲۹)

3: نیز اسلام کہتا ہے کہ اللہ کے خلاف جو حکم بھی ہے نہ صرف غلط اور ناجائز ہے بلکہ کفر اور ظلم و فسق ہے۔ اس طرح کا ہر فیصلہ جاہلیت کا فیصلہ ہے جس کا انکار لازمہ ایمان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔"

(سورۃ نمبر۵، آیت نمبر۴۴)

4: ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔"

(سورۃ نمبر۵، آیت نمبر:۴۵)

5: پھر ارشاد فرمایا:

"اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔"

(سورۃ نمبر۵، آیت نمبر:۶۴)

مقام رسول ﷺ

ہدایات کا ذریعہ:

اللہ کا وہ قانون جس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، انسان تک اس کے پہنچنے کا ذریعہ صرف اس کا رسول ہے۔

خدا کی قانونی حاکمیت کا نمائندہ:

رسول ہی خدا کی طرف سے اس کے احکام اور اس کی ہدایات انسانوں کو پہنچاتا ہے اور اپنے قول اور عمل سے ان احکام و ہدایات کی تشریح کرتا ہے۔ پس رسول انسانی زندگی میں خدا کی قانونی حاکمیت کا نمائندہ ہے اور اس بنا پر اس کی اطاعت لازمی ہے۔

اطاعت رسول...... حکم الٰہی:

1: اللہ تعالیٰ ہی کا یہ حکم ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو بے چون وچرا تسلیم کیا جائے حتیٰ کہ ان پر دل میں ناگواری پیدا نہ ہو۔ ورنہ

ایمان کی خیر نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔"

(سورۃ نمبر۴، آیت نمبر:۸۰)

2: پھر فرمایا:

"جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔" (سورۃ نمبر۵۹، آیت نمبر۷)

3: پھر فرمایا:

"پس نہیں! تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ (اے نبی!) وہ تجھے اپنے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور پھر جو تو فیصلہ کرے اس پر اپنے دل میں بھی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ تسلیم کرلیں۔" (سورۃ نمبر۴، آیت نمبر:۶۵)

بالاتر قانون......اطاعت ہی اطاعت:

اللہ اور رسول کا حکم قرآن کریم کی رو سے وہ بالاتر قانون ہے جس کے مقابلہ میں اہل ایمان صرف اطاعت ہی کا رویہ اختیار کر سکتے ہیں۔ جن معاملات میں خدا اور رسول اپنا فیصلہ دے چکے ہیں ان میں کوئی مسلمان خود آزادانہ فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے اور اس فیصلے سے انحراف ایمان کی ضد ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کردیں تو اس معاملے میں ان کے لئے کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔"

(سورۃ نمبر۳۳، آیت نمبر:۳۶)

خلافت

انسانی حکومت کی صحیح ترین صورت:

انسانی حکومت کی صحیح صورت قرآن کریم کے مطابق یہ ہے کہ ریاست اللہ اور رسول کی قانونی بالادستی مانے، اس کے حق میں حاکمیت سے دست بردار ہو جائے اور حاکم حقیقی کے تحت

"خلافت" کی حیثیت قبول کر لے۔ اس حیثیت میں اس کے اختیارات تشریعی ہوں، عدالتی ہوں یا انتظامی لازماً حدود میں محدود ہوں گے جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے نبی! ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے جو تصدیق کرتی ہے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی اور نگہبان ہے ان پر۔ پس جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے تم اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی میں اس حق سے منہ نہ موڑو جو تمہارے پاس آیات ہے۔"

(سورۃ نمبر ۲۳، آیت نمبر: ۵۵)

خلافت کی حقیقت:

اس خلافت کا جو تصور قرآن مجید میں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ زمین میں انسان کو جو قدرتیں بھی حاصل ہیں اس کی عطا اور بخشش سے حاصل ہیں۔ خدا نے خود ان کو اس حیثیت میں رکھا ہے کہ وہ اس کی بخشی ہوئی طاقتوں کو اس کے دیئے ہوئے اختیار سے اس کی زمین میں استعمال کرے۔ اس لئے انسان یہاں خود مختار مالک نہیں، بلکہ اصل مالک کا خلیفہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً"

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 30)

لیکن یہ خلافت صحیح اور جائز خلافت صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ مالک حقیقی کے حکم کے تابع ہو۔ اس سے روگردانی کر کے جو خود مختارانہ نظام حکومت بنایا جائے وہ خلافت کے بجائے بغاوت بن جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تم میں جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا، انہیں چاہیے کہ وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی

چیز کو شریک نہ کریں۔"

(سورۃ نمبر ۲۴، آیت نمبر ۵۵)

اجتماعی خلافت اور جمہوریت:

اس جائز اور صحیح نوعیت کی خلافت کا حامل کوئی ایک شخص یا خاندان یا طبقہ نہیں ہوتا بلکہ وہ جماعت اپنی مجموعی حیثیت میں ہوتی ہے جس نے مذکورہ بالا اصولوں کو تسلیم کر کے اپنی ریاست قائم کی ہو۔ سورۃ نمبر ۲۴ کی آیت نمبر ۵۵ کے الفاظ اس معاملہ میں صریح ہیں۔ ان کی رو سے اہل ایمان کا ہر فرد خلافت میں برابر کا حصہ دار ہے۔ کسی شخص یا طبقہ کو عام مومنین کے اختیارات خلافت سلب کر کے انہیں اپنے اندر مرکوز کر لینے کا حق نہیں ہے، نہ کوئی شخص یا طبقہ اپنے حق میں خدا کی خصوصی خلافت کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ یہی چیز اسلامی خلافت کو ملوکیت، طبقاتی حکومت اور تھیا کریسی سے الگ کر کے اسے جمہوریت کے رخ پر موڑتی ہے، لیکن اس میں اور مغربی تصور جمہوریت میں اصولی فرق یہ ہے کہ مغربی تصور کی جمہوریت عوامی حاکمیت کے اصول پر قائم ہوتی ہے اور اس کے برعکس اسلام کی جمہوریت خلافت میں خود عوام حاکم کی ملکیت تسلیم کر کے اپنے اختیارات کو برضا و رغبت قانون خداوندی کی حدود میں محدود کر لیتے ہیں۔

ریاست کی اطاعت کی حدود:

اس نظام خلافت کو چلانے کے لئے جو ریاست قائم ہوگی عوام اس کی صرف اطاعت فی المعروف (نیکی کے کام میں اطاعت کرنے) کے پابند ہوں گے۔ معصیت میں نہ کوئی اطاعت ہے اور نہ تعاون۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی اطاعت نہ کرو۔"

(سورۃ نمبر ۷۶، آیت نمبر ۲۴)

حدیث مبارکہ میں ہے:

"لا طاعة فى المعصية"

"گناہ کے معاملے میں اطاعت نہیں کی جائے گی۔"

ریاست اور اس کی ذمہ داریاں

شوریٰ:

اس ریاست کا پورا کام، اس کی تاسیس و تشکیل سے لے کر رئیس مملکت کے انتخاب اور انتظامی معاملات تک، اہل ایمان کے باہمی مشوروں سے چلنا چاہئے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ مشاورت بلاواسطہ ہو یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ سے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور ان مومنوں کا کام آپس کے مشوروں سے چلتا ہے۔"

(سورۃ نمبر ۴۲، آیت نمبر ۳۸)

اولی الامر کی صفات:

اس ریاست کا نظام چلانے کے لئے اولی الامر کے انتخاب میں جن امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے وہ یہ ہیں:

1: وہ ان اصولوں کو جانتا ہو جن کے مطابق خلافت کا نظام چلانے کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جارہی ہے۔ اس لئے کہ ایک نظام کو چلانے کی ذمہ داری اس کے اصولی مخالفین پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"اے ایمان والو! اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں اولی الامر ہوں۔"

(سورۃ نمبر ۴، آیت نمبر: ۵۹)

2: یہ کہ وہ ظالم، فاسق و فاجر، خدا سے غافل اور حد سے گزر جانے والا نہ ہو، بلکہ ایماندار، خداترس، نیکوکار ہوں۔ کوئی ظالم یا فاسق اگر امارت کے منصب پر قابض ہوجائے تو اس کی امارت اسلام کی نگاہ میں باطل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور تو اطاعت نہ کر کسی ایسے شخص کی جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کی ہے اور جس کا کام حد سے گزرا ہوا ہے۔"

(سورۃ نمبر ۱۸، آیت نمبر: ۲۸)

3: وہ نادان اور جاہل نہ ہو، بلکہ ذی علم، دانا، ذی فہم اور کاروبار کو چلانے کے لئے کافی اور جسمانی اہلیت رکھتا ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"اپنے اموال جنہیں اللہ نے تمہارے لئے ذریعہ قیام بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالے نہ

کرو۔"

4: وہ ایسا امانت دار ہو کہ ذمہ داریوں کا بوجھ اس پر اعتماد کے ساتھ رکھا جا سکے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا"

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۵۸)

دستور کے بنیادی اصول:

اس ریاست کا دستور جن بنیادی اصولوں پر قائم ہے وہ یہ ہیں:

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔"

(سورت نمبر ۴، آیت نمبر ۵۹)

یہ آیت چھ دستوری نکات واضح کرتی ہے:

1: اللہ اور رسول کی اطاعت کا ہر اطاعت پر مقدم ہونا۔

2: اولی الامر کی اطاعت کا اللہ اور رسول کی تعلیمات کے تحت ہونا۔

3: اولی الامر اہل ایمان سے ہوں۔

4: لوگوں کو حکام اور حکومت سے نزاع کا حق ہے۔

5: نزاع کی صورت میں آخری سند اللہ اور اس کے رسول کا قانون ہے۔

6: خلافت ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیے جو اولی الامر اور عوام کے دباؤ سے آزاد ہو کر اس بالاتر قانون کے مطابق جملہ نزاعات کا فیصلہ کرے۔

منتظمہ اور اس کے اختیارات:

منتظمہ کے اختیارات لازماً حدود اللہ سے محدود اور خدا اور رسول کے قانون سے محصور ہوں گے، جس سے تجاوز کر کے وہ نہ کوئی ایسی پالیسی اختیار کر سکتی ہے، نہ کوئی ایسا حکم دے سکتی ہے جو معصیت کی تعریف میں آتا ہو، کیونکہ اس آئینی دائرے سے باہر جا کر اسے اطاعت کے مطالبہ

کا حق ہی نہیں پہنچتا (اس کے متعلق قرآن واحادیث کے واضح احکام ہم اوپر بیان کر چکے ہیں)

علاوہ بریں یہ منتظمہ لازماً شوریٰ یعنی انتخاب کے ذریعہ سے وجود میں آنی چاہیے اور اسے شوریٰ یعنی مشاورت دونوں کے متعلق قرآن مجید قطعی صورتیں مقرر نہیں کرتا بلکہ ایک وسیع اصول قائم کر کے اس پر عمل درآمد کی صورتوں کو مختلف زمانوں میں معاشرے کے حالات اور ضروریات کے مطابق طے کرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔

مقننہ اور اسکے اختیارات:

مقننہ لازماً ایک شوریٰ ہیئت ہونی چاہیے لیکن اس کے اختیارات قانون سازی بہر حال ان حدود سے محدود ہوں گے۔ جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جن میں خدا اور رسول نے واضح احکام دیئے ہیں یا حدود اور اصول مقرر کئے ہیں، یہ مقننہ ان کی تعبیر وتشریح کر سکتی ہے مگر ان میں ردوبدل نہیں کر سکتی۔ رہے وہ امور جن کے لئے بالاتر قانون ساز نے کوئی قطعی احکام نہیں دیئے ہیں، ان میں اسلام کی اسپرٹ اور اس کے اصولِ عامہ کے مطابق مقننہ ہر ضرورت کے لئے قانون سازی کر سکتی ہے، کیونکہ ان کے بارے میں کوئی حکم نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ شارع نے ان کو اہل ایمان کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

عدلیہ اور اس کے اختیارات:

عدلیہ ہر طرح کی مداخلت اور دباؤ سے آزاد ہونی چاہیے، تا کہ وہ عوام اور حکام سب کے مقابلہ میں قانون کے مطابق بے لاگ فیصلہ دے سکے۔ اسے لازماً ان حدود کا پابند رہنا ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ اپنی اور دوسروں کی خواہشات سے متاثر ہوئے بغیر ٹھیک ٹھیک حق اور انصاف کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کر اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔" (سورة نمبر ۵، آیت نمبر: ۴۸)

ریاست کا مقصد:

ریاست کو دو بڑے مقاصد کے لئے کام کرنا چاہیے۔ اول یہ کہ انسانی زندگی میں عدل قائم ہو اور ظلم وجور ختم ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھی نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت اور لوگوں کے لئے منافع ہے۔" (سورۃ نمبر ۵۷، آیت نمبر ۲۵)

ریاست کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ حکومت کی طاقت اور وسائل سے بھلائی اور نیکی کو ترقی دی جائے اور برائی کو دبایا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔" (سورۃ نمبر ۲۲، آیت نمبر:۴۱)

حدیث مبارکہ میں ہے:

"ان اللہ یزع بالسلطان مالا یزع بالقران"

"اللہ تعالیٰ (اپنے اطاعت گزاروں کی) حکومت کی قوت کے ذریعے وہ کام لیتا ہے جو وہ (محض) قرآن (کے تلقینی ذریعے) سے نہیں لیا کرتا۔"

بنیادی حقوق

اس نظام میں رہنے والے مسلم وغیر مسلم باشندوں کے بنیادی حقوق یہ ہیں جنہیں تعدی سے محفوظ رکھنا ریاست کا فرض ہے:

1: جان کا تحفظ۔
2: حقوق ملکیت کا تحفظ۔
3 عزت کا تحفظ۔
4 نجی زندگی کا تحفظ۔
5 ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق۔
6 امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔
7 آزادیٔ اجتماع۔
8 ضمیر واعتماد کی آزادی کا حق۔
9 مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق۔
10 بس اپنا جواب دہ ہونا۔
11 بغیر ثبوت کے کاروائی نہ کی جائے۔
12: حاجت مند اور معذور افراد کو ضروریات کی فراہمی۔
13: مساوات کا پرچار۔

جان کا تحفظ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے حق کے بغیر قتل نہ کرو۔"

(سورۃ نمبر ۱۷، آیت نمبر ۳۳)

حقوق ملکیت کا تحفظ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اپنے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ۔" (سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر: ۱۸۸)

عزت کا تحفظ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے اور نہ تم ایک دوسرے کو عیب لگاؤ، نہ ایک دوسرے کو برے لقب دو، نہ تم میں سے کوئی کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی بدی کرے۔"

(سورۃ نمبر ۴۹، آیت نمبر: ۱۱ اور ۱۲)

نجی زندگی کا تحفظ:

1: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو، جب تک کہ اجازت نہ لے لو۔"

(سورۃ نمبر ۲۴، آیت نمبر: ۲۷)

2: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور لوگوں کے بھید نہ ٹٹولو۔" (سورۃ نمبر ۴۹، آیت نمبر: ۱۲)

ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اللہ کسی پر زبان کھولنا پسند نہیں کرتا الا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو۔"

(سورۃ نمبر ۴، آیت نمبر: ۱۴۸)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں تنقید کا حق بھی شامل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تم وہ بہترین امت ہو جسے نکالا گیا ہے لوگوں کے لئے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" (سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر: ۱۱۰)

آزادی اجتماع:

اسلام میں آزادی اجتماع کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ نیکی اور بھلائی کے لئے استعمال ہو اور معاشرے میں تفرقے اور بنیادی اختلاف برپا کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور ہونا چاہئے تم میں سے ایک گروہ جو دعوت دے بھلائی کی طرف، حکم دے نیکی کا اور روکے بدی سے، ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو متفرق ہو گئے اور جنہوں نے اختلاف کیا، جبکہ ان کے پاس واضح ہدایت آچکی تھی۔ ایسے لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔" (سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر ۱۰۴ اور ۱۰۵)

ضمیر و اعتقاد کی آزادی کا حق:

1: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"دین میں جبر نہیں ہے۔" (سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر: ۲۵۶)

2: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔؟" (سورۃ نمبر ۱، آیت نمبر: ۹۹)

3: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فتنہ قتل سے بھی شدید تر ہے۔" (سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر ۱۹)

مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن معبودوں کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو۔"

(سورۃ نمبر ۶، آیت نمبر ۱۸)

اس معاملہ میں قرآن مجید یہ صراحت کرتا ہے کہ مذہبی اختلافات میں بحث تو کی جاسکتی ہے مگر وہ احسن طریقہ سے ہونا چاہیے۔

خود اپنا جواب دہ ہونا:

اسلام کہتا ہے کہ ہر شخص صرف اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ دوسروں کے اعمال کی ذمہ داری میں اسے نہ پکڑا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ہر متنفس جو کماتا ہے اس کا وبال اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔"

(سورۃ نمبر ۶، آیت نمبر ۱۶۴)

بغیر ثبوت کے کاروائی نہ کی جائے:

اسلام کہتا ہے کہ کسی شخص کے خلاف کوئی کاروائی ثبوت کے بغیر اور انصاف کے معروف تقاضے پورے کیے بغیر نہ کی جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو بے جانے بوجھے نقصان پہنچاؤ اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔"

(سورۃ نمبر ۴۹، آیت نمبر: ۶)

حاجت مند اور معذور افراد کو ضروریات کی فراہمی:

اسلام کہتا ہے کہ حاجت مند اور محروم افراد کو ان کی ناگزیر ضروریات زندگی فراہم کی جائیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور ان کے مالوں میں حق ہے مدد مانگنے والے اور محروم کا۔"

(سورۃ نمبر ۵۱، آیت نمبر: ۱۹)

مساوات کا پرچار

اسلام کہتا ہے کہ ریاست اپنی رعایا میں تفریق اور امتیاز نہ رکھے، بلکہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فرعون نے زمین میں سر اٹھایا اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کیا۔ جن

میں سے ایک گروہ کو وہ کمزور بنا کر رکھتا تھا۔ یقیناً وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔"

اسلامی ریاست کی خصوصیات

قرآن مجید کے ان نکات میں جس ریاست کی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے اس کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

حاکمیتِ الٰہیہ کی ماتحتی:

ایک آزاد قوم کی طرف یہ شعوری عہد اس ریاست کو وجود میں لاتا ہے کہ وہ پوری خودمختاری کے مالک ہوتے ہوئے اپنی مرضی سے خود رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گی اور اس کے ماتحت حاکمیت کی بجائے خلافت کی حیثیت قبول کر کے ان ہدایات واحکام کے مطابق کام کرے گی جو اس نے اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عطا کئے ہیں۔

تھیا کریسی کی مخالفت:

وہ حاکمیت کو اللہ کے لئے خاص کرنے کی حد تک تھیا کریسی سے الگ ہو جاتا ہے۔ مذہبی پیشواؤں کے کسی خاص طبقے کو خدا کی خصوصی خلافت ٹھہرانے اور حل وعقد کے سارے اختیارات اس طبقے کے حوالے کر دینے کے بجائے وہ حدود ریاست میں رہنے والے تمام اہل ایمان کو (جنہوں نے رب العالمین کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا شعوری عہد کیا ہے) خدا کی خلافت کا حامل قرار دیتی ہے اور حل وعقد کے آخری اختیارات مجموعی طور پر ان کے حوالے کرتی ہے۔

ریاست کے قوانین سب کے لیے:

وہ جمہوریت کے اس اصول میں "Democracy" سے متفق ہے کہ حکومت کا بننا، بدلنا اور چلایا جانا بالکل عوام کی رائے سے ہونا چاہئے، لیکن اس میں عوام مطلق العنان نہیں ہوتے کہ ریاست کا قانون، اس کے اصول حیات کو داخلی وخارجی سیاست اور اس کے وسائل وذرائع سب اس کی خواہشات کی تابع ہوں اور جدھر وہ مائل ہوں یہ ساری چیزیں بھی اس طرف مڑ جائیں، بلکہ اس میں خدا اور رسول کا بالاتر قانون اپنے اصول وحدود اور اخلاقی احکام وہدایات سے عوام کی خواہشات پر ضبط قائم رکھتا ہے اور ریاست ایک ایسے متعین راستے پر چلتی ہے جسے بدل دینے کے اختیارات نہ اس کی منتظمہ کو حاصل ہوتے ہیں، نہ عدلیہ کو، نہ مقننہ کو، نہ مجموعی طور پر

پوری قوم کو، الا یہ کہ قوم خود اپنے عہد کو توڑ دینے کا فیصلہ کر کے دائرۂ ایمان سے نکل جائے۔

مسلم وغیر مسلم کے مدنی حقوق:

وہ ایک نظریاتی ریاست ہے جس کو چلانا فطرتاً انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو اس کے بنیادی نظریئے اور اصول کو تسلیم کرتے ہوں، لیکن تسلیم نہ کرنے والے جتنے لوگ بھی اس کے حدود میں تابع قانون ہو کر رہنا قبول کر لیں انہیں وہ تمام مدنی حقوق اسی طرح دیتی ہے جس طرح تسلیم کرنے والوں کو دیتی ہے۔

ملکی اور عالمی ریاست بننے کی اہل:

اسلامی ریاست ایک ایسی ریاست ہے جو رنگ، نسل، زبان یا جغرافیہ کی عصبیتوں کے بجائے صرف اصول کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ زمین کے ہر گوشے میں نسل انسانی کے جو افراد بھی چاہئیں ان اصولوں کو قبول کر سکتے ہیں اور کسی امتیاز و تعصب کے بغیر بالکل مساوی حقوق کے ساتھ اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس نوعیت کی خالص اصولی ریاست کے لئے ایک عالمی ریاست بن جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن اگر زمین کے مختلف حصوں میں بہت سی ریاستیں بھی اس نوعیت کی ہوں تو وہ سب کی سب یکساں اسلامی ریاستیں ہوں گی۔ اس طرح کسی قوم سے کشمکش کے بجائے ان کے درمیان پورا پورا برادرانہ تعاون ممکن ہوگا اور وہ کسی وقت بھی متفق ہو کر اپنا ایک عالمگیر وفاق قائم کر سکیں گی۔

داخلی و خارجی نظام کے اصول:

سیاست کو مفاد اور اغراض کے بجائے اخلاق کے تابع کرنا اور اسے خدا ترسی و پرہیز گاری کے ساتھ چلانا اس ریاست کی اصل روح ہے۔ اس میں فضیلت کی بنیاد اخلاقی فضیلت ہے۔ اس کار خیر کے فرماؤں اور اہل حل و عقد کے انتخاب میں بھی ذہنی و جسمانی صلاحیت کے ساتھ اخلاق کی پاکیزگی سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے۔ اس کے داخلی نظام کا بھی شعبہ دیانت، امانت اور عدل و انصاف پر چلنا چاہئے اور اس کے خارجی نظام کا بھی ہر شعبہ دیانت و امانت اور عدل و انصاف پر چلنا چاہئے۔ اس کی خارجی سیاست بھی پوری راست بازی، قول و قرار کی پابندی، امن پسندی، بین الاقوامی عدل اور حسن سلوک پر قائم ہونی چاہئے۔

مقصدی ریاست:

یہ ریاست محض پولیس کے فرائض انجام دینے کے لئے نہیں ہے کہ اس کا کام صرف نظم و ضبط قائم کرنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا ہو، بلکہ یہ ایک مقصدی ریاست ہے جسے ایجابی طور پر اجتماعی عدل اور بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کے استیصال کے لئے کام کرنا چاہئے۔

ریاست کی بنیادی قدریں:

حقوق، مرتبے اور مواقع میں مساوات، قانون کی فرمانروائی، نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون، خدا کے سامنے ذمہ داری کا احساس، حق سے بڑھ کر فرض کا شعور، افراد، معاشرے اور ریاست سب کا ایک مقصد پر متفق ہونا اور معاشرے میں کسی شخص کو ناگزیر لوازم حیات سے محروم نہ رہنے دینا یہ ریاست کی بنیادی قدریں ہیں۔

فرد اور ریاست کا تعلق:

اسلام نے فرد اور ریاست کے درمیان اس نظام میں ایسا توازن قائم کیا ہے کہ نہ ریاست مختار مطلق اور ہمہ گیر اقتدار کی مالک بن کر فرد کو اپنا بے بس مملوک بنا سکتی ہے اور نہ فرد بے قید آزادی پا کر خود سر اور اجتماعی مفاد کا دشمن بن سکتا ہے۔ اس میں ایک طرف افراد کو بنیادی حقوق دے کر اور حکومت کو بالاتر قانون اور شوریٰ کا پابند بنا کر انفرادی شخصیت کے لئے نشو و نما کے پورے مواقع فراہم کئے گئے ہیں اور اقتدار کی بے جا مداخلت سے اس کو محفوظ کر دیا گیا، مگر دوسری طرف فرد کو بھی ضابطہ اخلاق میں کسا گیا ہے اور اس پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ قانون خداوندی کے مطابق کام کرنے والی حکومت کی دل سے اطاعت کرے۔ بھلائی میں اس کے ساتھ مکمل تعاون کرے، اس کے نظام میں خلل ڈالنے سے باز رہے اور اس کی حفاظت کے لئے جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔

اسلام کی اہم ترین معاشی تعلیمات

دین اور معاشی زندگی کا تعلق:

سب سے پہلے قرآن مجید فرد اور جماعت دونوں کے ذہن سے اس باطل نظریہ کو ختم کرتا ہے

کہ اخلاق اور مذہب کو معاشی زندگی سے بھلا کیا سروکار؟ قرآن مجید پاک بڑے بلیغ انداز میں معیشت اور اخلاق کا تعلق بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

" يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۞ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۞"

(سورۃ الجمعہ، آیت نمبر: 10-9)

"مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد (نماز جمعہ) کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو، تا کہ تم فلاح پاؤ۔"

معاش کے لیے قرآنی اصطلاح ...... فضل اللہ:

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر معاش کو "فضل اللہ" کہا گیا ہے اور اس سے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ سب اللہ کی عنایت سے ہے اور معاشی زندگی میں بھی انسان کو اسی طرح خدا کی حدود کا پابند بننا چاہیے جس طرح باقی تمام زندگی میں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله"

"(حقیقی متقی) وہ لوگ (ہیں) جنہیں خرید فروخت اور تجارت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔"

(سورۃ النور، آیت نمبر: ۳۷)

اسلام کا معاشی عدل:

قرآن مجید کی معاشی تعلیمات کا ایک اہم مقصد انسانوں کے درمیان عدل وانصاف کا قیام ہے۔ مثبت طور پر جو چیزیں ظلم وتعدی کا ذریعہ بنتی ہیں ان کا سدباب کیا گیا ہے۔ اس کام میں جو مرکزی قدر سامنے آتی ہے وہ معاشی عدل کا قیام ہے۔

اسلام کے مثبت معاشی نظام کے مقاصد:

اسلام کے مثبت معاشی مقاصد میں قیام عدل، معاشی فارغ البالی کا حصول، غربت کا انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع فراہم کرنا بھی شامل ہے۔

معاشی تنگی کا حل اور اس سے پیدا ہونے والی بدحالی کا سدباب:

اسلام معاشی تنگی کو دور کرنے کا طریقہ یہ بتاتا ہے کہ حصول رزق کی کوشش کی جائے اور پیداوار بڑھانے کے لئے ذرائع کو استعمال میں لایا جائے۔ اسلام محض غربت، افلاس یا معیار زندگی کے گرنے کے خطرے سے انسان کشی اور زندگی کو تلف کرنے کی پالیسی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کہتا ہے کہ معاشی مسئلہ کا حل انسانوں کو کم کرنا نہیں بلکہ معیشت کو فروغ دینا ہے۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

”ولاتقتلوااولادکم خشية املاق نحن نرزقهم وایاکم ان قتلهم کان خطا کبیرا“

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:۳۱)

”اور تم اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں اور ان کو، سب کو رزق دیں گے۔ بیشک ان کو مار ڈالنا بہت بڑی خطا ہے۔“

اسلام میں غربت وافلاس کا حل:

یہاں یہ بات خصوصیت سے قابل غور ہے کہ غربت اور افلاس اور معیار زندگی کے گرنے کے خطرے کے سبب قتل اولاد سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن مجید آبادی کے حقیقی مسئلے کا حل اضافۂ پیداوار کی شکل میں کرتا ہے، انسان کو کم کرنے کی شکل میں نہیں۔

آمدنی کے جائز ذرائع اختیار کرنے کا حکم:

اسلام پیداوار کے اضافے اور معیشت کے ہمہ جہتی فروغ کی پالیسی اختیار کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی شرط بھی لگاتا ہے کہ آمدنی جائز ذرائع سے حاصل کی جائے۔ وہ اس نفع کو جو حرام ذرائع سے حاصل ہو دوزخ کی آگ قرار دیتا ہے۔ قرآن وحدیث میں رزق حلال کی جتنی اہمیت بیان کی گئی ہے وہ اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ اسلامی آئیڈیالوجی صرف جائز

اور حلال رزق کے فروغ کی کوشش کرے گی اور تمام ذرائع کا بھی انسداد کرے گی جو حرام ہیں اور جن کو شریعت ناجائز و ناروا قرار دیتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر:۱۶۸)

"اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔"

سود کی بیخ کنی:

پھر ان چیزوں کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے جو حرام ہیں۔ ان میں سب سے بڑھ کر سود ہے۔ خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو۔ قرآن مجید نے سود کو خدا اور اس کے رسول کے خلاف جنگ قرار دیا ہے۔ اس طرح اسلام آمدنی کے اُن تمام ذرائع کو بند کر دیتا ہے جو غیر منصفانہ ہیں اور جس کی وجہ سے معاشرہ میں فساد اور عدم استحکام رونما ہوتا ہے۔

حلال و طیب اور جائز ذرائع:

اسلام نے حلال کے ساتھ "طیب" کی بھی قید لگائی ہے۔ مطلب یہ کہ کسب معاش میں محض یہ احتیاط کافی نہیں ہے کہ چیز اللہ کی حرام کی ہوئی اشیاء کی فہرست میں سے نہ ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ چیز جائز ذریعہ سے حاصل کی جائے، ورنہ اگر جائز ذریعہ سے حاصل نہ کی جائے گی تو وہ بھی حرام ہی قرار پائے گی۔

جائز مصارف پر خرچ:

طلب حلال کے ساتھ ساتھ اسلام انسان کو جائز مصارف پر دولت خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے اور اسراف و تبذیر سے روکتا ہے، جس کی وجہ سے دولت کا بے جا استعمال اور ضیاع رک جاتا ہے اور وہ تعمیری مقاصد کے لئے استعمال ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیطن"

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:۲۶ اور ۲۷)

"اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ، کیونکہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے

بھائی ہیں۔"

سرمایہ درانہ نظام کی بیخ کنی:

اسلام نے دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہو جانے کو بھی پسند نہیں کیا اور اس بات کا انتظام کیا ہے کہ مختلف قانونی اور اخلاقی تدابیر سے دولت کی تقسیم زیادہ منصفانہ ہو اور وہ پورے معاشرہ میں گردش کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ"

(سورۃ الحشر، آیت نمبر: ۷)

"ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف تم میں سے امیروں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔"

گردش دولت کے مختلف طرائق:

اسلام میں دولت کی تقسیم کے لئے مندرجہ ذیل صورتیں تجویز کی گئی ہیں:

1: زکوۃ۔ 2: صدقات واجبہ۔
3: انفاق۔ 4: وراثت۔
5: حق سوی الزکوۃ۔ 6: العفو۔

۱۔ زکوۃ:

زکوۃ ہر صاحب نصاب مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اس کے ذریعہ دولت مستقل امراء سے غربا کی طرف منتقل ہوتی ہے اور اس طرح اس کی گردش پورے معاشرہ میں عمل میں آتی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ یہ کوئی خیرات نہیں بلکہ فقراء و مساکین کا "حق" ہے۔

۲۔ صدقات واجبہ:

بہت سے صدقات مقرر کئے گئے ہیں جو مختلف مواقع پر ہر صاحب حیثیت مسلمان کو ادا کرنے ہوتے ہیں۔ جیسے صدقہ فطر وغیرہ۔ یہ صدقات بھی مندرجہ بالا مقاصد کو پورا کرتے ہیں۔

۳۔ انفاق:

اسلام مسلمان میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اسلام مال سے محبت کو کم کرتا ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ تقسیم دولت کو منصفانہ کرنے کا یہ ایک موثر ذریعہ ہے۔

٤۔ وراثت:

اسلام میں میت کے وارثوں کے لیے میت کے چھوڑے ہوئے مال سے حصے مقرر کیے ہیں۔ اسلام نے وراثت میں عورت اور مرد دونوں کو شریک کیا ہے حتیٰ کہ اسلام میں خنثیٰ بھی وراثت کا حصہ پاتا ہے۔ وراثت کا معنیٰ ہے کہ ایک شخص کی وفات پر اس کی دولت کی منصفانہ تقسیم اس کے پورے خاندان میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ۔

۵۔ حق سوی الزکوٰۃ:

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ اگر ضرورت محسوس ہو تو حکومت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں سے مزید مال بطور ٹیکس لے اور اسے استحکام حکومت اور قیام انصاف کیلئے صرف کرے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ان فی المال حقا سوی الزکوٰۃ" (جامع الترمذی)

"بیشک مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حق ہے۔"

٦۔ العفو:

اسلام نے انسان کو صرف انفاق ہی کی ترغیب نہیں دی بلکہ اس میں یہ جذبہ بھی پیدا کیا ہے کہ اگر اس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ ہو تو وہ اسے خدا کی راہ میں اور دوسروں کی بہتری کے لئے خرچ کردے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۱۹)

"وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کتنا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے العفو (جو ضرورت سے زیادہ ہو)۔"

اسلام کے دو بنیادی اصول:

اسی طرح قرآنی تعلیم پورے معاشرے میں دولت کی تقسیم کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی پالیسی کے دو بنیادی اصول "فروغ پیداوار" اور "دولت کی منصفانہ تقسیم" ہیں۔

انسان کی حیثیت......امین متصرف:

کتاب الٰہی تمام زمین اور وسائل فطرت کو اصلاً خدا کی دین اور اس کی ملکیت قرار دیتی

ہے۔اس کے ساتھ ساتھ تمام معاشی معاملات میں انسان عظیم کوتر ملکیت کے تصور کے تحت ''امین متصرف'' کی حیثیت سے انفرادی ملکیت کا حق دیتی ہے۔ یہی وہ شکل ہے جس میں انسان کی معاشی آزادی محفوظ رہ سکتی ہے اور اچھے اخلاق پروان چڑھ سکتے ہیں، لیکن یہ حق غیر محدود نہیں ہے یعنی اگر ملکیت آلہ ظلم بن جائے یا دوسروں کے حقوق پر اس کا غلط اثر پڑ رہا ہو تو ریاست کو مداخلت کا بھی حق ہے۔

تصور ملکیت:

بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں ملکیت کی حیثیت ایک امانت کی سی ہے جسے خالق کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال کرنا ہے جو ایک انقلابی تصور ہے۔ یہ انقلابی تصور سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے تصور ملکیت سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

اسلامی ریاست کے معاشی وظائف کا مثبت تصور:

اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا بھی ایک مثبت تصور پیش کرتا ہے اور سماجی، فلاحی اور معاشی انصاف کے قیام کو اس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ زکوۃ ایک سماجی فلاح کی اسکیم ہے جس کے نظام کو ریاست کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے۔ معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعہ ریاست معاشی انصاف قائم کرتی ہے۔

اسلامی ریاست کے معاشی فرائض:

اسلام کے مطابق جس کا کوئی وارث نہیں، اس کی ریاست وارث ہے۔ ناداروں اور اپاہجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرنے کی ذمہ داری لے۔

اسلام کی اہم ترین معاشرتی تعلیمات

عقیدہ اور عمل:

اسلام نے معاشرت کے جو اصول وضع کیے ہیں وہ ہمہ گیر بنیادوں پر استوار کیے گئے ہیں۔

اسلام نے معاشرتی تعلیمات میں سب سے زیادہ اہمیت عقیدہ اور مقاصد کی ہم آہنگی کو دی ہے۔ دو مختلف انسانوں کے درمیان تعلقات اسی وقت استوار ہو سکتے ہیں جب ان کے درمیان عقیدہ اور عمل کا اتحاد پایا جاتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے انسانی سوسائٹی کو صرف دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

1: مومن۔ 2: کافر۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن"

(سورۃ التغابن، آیت نمبر ۲)

"وہی اللہ ہے جس نے تم کو پیدا فرمایا۔ تو تم میں کچھ کافر ہیں اور کچھ مومن۔"

اسلام نے مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انما المومنون اخوۃ"

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر: ۱۰)

"بیشک مومن بھائی بھائی ہیں۔"

دوسری جگہ قرآن کریم نے یہ حکم دیا ہے کہ کوئی مومن دوسرے مومن کو چھوڑ کر کافر سے دوستی پیدا نہ کرے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان عقیدہ اور مقاصد میں سے کسی کی بھی یگانگت نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے

"لایتخذ المومنون الکفرین اولیاء من دون المومنین"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۲۸)

"مومنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ہمدرد و ہمساز ہرگز نہ بنائیں۔"

خاندانی زندگی کے متعلق تعلیمات:

اسلام نے انسانی زندگی کی تنظیم کرتے وقت خاندان کو خشت اول قرار دیا ہے۔ اس طرح وہ معاشرت کی بنیاد مرد اور عورت کے تعلقات کے توازن پر رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے مرد کے لئے جو دائرہ کار موزوں تھا وہ اس کے لئے اور عورت کے لئے جو دائرہ کار فطری طور پر مناسب تھا وہ اس کے لئے مقرر کر دیا۔ اس سلسلے میں گھر کی دیکھ بھال، بچوں کی پرورش اور دیگر امور خانہ داری

کو سرانجام دینا عورت کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اس فریضہ کی خاطر خواہ تکمیل اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ عورت گھر کے دائرہ کو اپنی مملکت سمجھے۔ یہ دائرہ محدود نہیں بلکہ نہایت وسیع ہے اور انسانی معاشرہ کی بنیاد ہے کیونکہ خاندان انسانی معاشرہ کی اکائی ہے۔

درس مساوات:

قرآن کریم کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور سارے حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان رنگ ونسل اور زبان وغیرہ کی بنیاد پر فرق وامتیاز جائز نہیں۔ ایمان اور عمل صالح یعنی تقویٰ ہی وہ بنیاد ہے جس کی رو سے ایک انسان دوسرے انسان کے مقابلے میں فضیلت اور برتری حاصل کرسکتا ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے:

"یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم"

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر:۱۳)

اور اس نکتہ کی وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی:

"لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الا بالتقویٰ"

"کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے، مگر صرف تقویٰ کے لحاظ سے۔"

عظمتِ انسان...... مرد اور عورت دونوں یکساں قابلِ عزت:

قرآن کریم نے اپنی معاشرتی تعلیمات کی بنیاد تمام انسانوں کی مساوات اور انسانی شرافت پر رکھی ہے اور پوری انسانیت کے فطری شرف کا یوں اعلان عام کیا ہے:

"ولقد کرمنا بنی ادم"

"بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔"

اور فرمایا:

"فضلنهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا"

"اور ہم نے انسان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔"

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۷۰)

اس شرف وفضیلت میں قرآن مجید کی رو سے مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ قرآن مجید اس بات کا انکار کرتا ہے کہ عورت اولین گناہ کا سبب بنی، صنف نازک انسانی نقطہ نظر سے مرد کے مقابلے میں فروتر ہے یا وہ کوئی ناگزیر برائی ہے جیسا کہ بعض فلاسفرا سے اسی طرح پیش کرتے ہیں۔ اسلام تمام مخلوق کو "عیال اللہ" سمجھتا ہے جس سے اللہ کو یکساں محبت ہے۔

عائلی زندگی کے متعلق تعلیمات:

مرد اور عورت کے باہمی تعلق سے ایک خاندان بنتا ہے، جو کہ اسلامی معاشرت میں ایک اہم اور مستقل یونٹ قرار پاتا ہے اور اس کی تشکیل رشتہ ازدواج سے ہوتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے رشتہ ازدواج معاشرتی زندگی کی اولین بنیاد ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلم معاشرے میں نکاح کو سہل بنایا جائے۔ اسلام میں چند مخصوص قریبی رشتہ دار عورتوں اور مشرکات کو چھوڑ کر باقی تمام عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اگر ازدواجی زندگی میں کشیدگی ہو تو مرد کے لئے طلاق اور عورت کے لئے خلع کا راستہ کھلا رکھا ہے۔ اس طرح مرد وعوت کے آزادانہ اور بے لگام میل جول کی جڑ کاٹ دی گئی۔

خاندانی زندگی کے بارے میں قرآن کریم نے جو خصوصی ہدایات دی ہیں یا مرد اور عورت کے لئے جو حدود کار اور فرائض اور حقوق مقرر کئے ہیں وہ مختصراً حسب ذیل ہیں:

1: مرد کو خاندان کے معاش، تمدنی اور سیاسی زندگی کا نگران مقرر کیا گیا ہے اور عورت کو خاندان کی گھریلو زندگی، بچوں کی تربیت، نشوونما، ان کی تعلیم اور دوسری ضروریات کا نگہبان مقرر کیا گیا ہے۔

2: عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ پردہ کریں، اندرونہ خانہ کے فرائض سرانجام دیں، حتی الامکان عام حالات میں مرد کے ساتھ گھر سے باہر کی تگ ودو میں شریک نہ ہوں اور آرائش و

زیبائش کا برملا اظہار نہ کریں۔ اگر انہیں کسی کام کے لئے باہر جانا بھی پڑے تو پردہ کریں۔ چنانچہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن الجاهلية الاولیٰ"

"اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح پہلے جاہلیت کے دنوں میں اظہار تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔"

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر:۳۳)

3: مرد اور عورت کا باہمی تعلق نہایت مقدس ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو حکم ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مخلص اور وفادار رہیں، بلکہ یک جان دو قالب ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"هن لباس لكم وانتم لباس لهن"

"وہ (عورتیں) تمہارا (مردوں کا) لباس ہیں اور تم (مرد) ان (عورتوں) کا لباس ہو۔"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر:۱۸۷)

سورۃ الروم میں ارشاد ہے:

"ومن ايته ان خلق لكم من انفسكم ازواجا لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمة"

"اور اس کے نشانات میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے ازدواج پیدا کیں تا کہ تم ان کی طرف مائل ہو کر آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔" (سورۃ الروم، آیت نمبر:۲۱)

4: عورتیں اپنے شوہروں کے لئے وجہ تسکین ہوتی ہیں۔ مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق کا مقصد محض شہوت اور تسکین نفس قرار نہیں دیا گیا بلکہ اسے تمدنی فریضہ قرار دیا گیا ہے، جس سے نسل انسانی کا ارتقاء ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب عورت کا فرض بچے پیدا کرنا ہی نہ ہو بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کی مناسب پرورش بھی ہو۔

5: اسلام نے وسیع تر انسانی مفاد اور ضرورت کے تحت ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی ہے۔ اسلام نے اس صورت میں حکم دیا ہے کہ اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو مرد کو چاہئے کہ ان کے درمیان ممکنہ حد تک انصاف وعدل کا رویہ اختیار کرے۔ ایک ہی طرف نہ جھک جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقة"

"اور ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا ہوا چھوڑ دو۔"

6: اسلام کا حکم ہے کہ اگر مرد اور عورت کے درمیان جدائی ناگزیر بھی ہو تو بھی شرافت اور ہمدردی کے ماحول میں ہو۔ اگر اس سے قبل عورت کو ہدایہ اور تحائف دیئے گئے ہوں تو وہ واپس نہ لئے جائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیاء"

"اور تمہارے لیے حلال نہیں کہ جو تم نے ان کو دیا اس میں سے کچھ لو۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"فمتعوھن وسرحوھن سراحا جمیلا"

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر:۴۹)

"ان کو کچھ متاع اور کوئی فائدہ دے کر اچھی طرح سے رخصت کرو۔"

اسلام میں عورتوں کے حقوق

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"ان المسلمین والمسلمت والمومنین والمومنت والقنتین والقنتت والصدقین والصدقت والصبرین والصبرت والخشعین والخشعت والمتصدقین والمتصدقت والصائمین والصائمت والحفظین فروجھم والحفظت والذکرین اللہ کثیرا والذکرت اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیماo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 33 (الاحزاب)، آیت نمبر 35)

"بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمان بردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، ڈرنے والے مرد اور ڈرنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں،

اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار فرما رکھا ہے۔"

سب سے پہلے ہم حقوق اور جدیدیت وغیرہ کے معانی پر غور کرتے ہیں۔ چنانچہ "آکسفورڈ" ڈکشنری کے مطابق "حقوق نسواں" (Women's Rights) سے مراد وہ حقوق ہیں جو عورتوں کو وہی قانونی اور سماجی مقام دلائیں جو مردوں کو حاصل ہے۔ عورتیں مردوں کی برابری میں جن حقوق کی آواز اٹھاتی ہیں ان میں ووٹ ڈالنے کا حق اور وراثت میں حصہ وغیرہ شامل ہیں۔

"ماڈرن" (Moderneze) کے معنی جدید بنانے، ڈھالنے اور عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے ہیں یعنی جدید آسائشوں اور ضروریات کو اپنانا "ماڈرن" کہلانے کے مترادف ہے۔

"Webster's" ڈکشنری کے مطابق ماڈرن (Modernising) کا مطلب ایک جدید انداز اور ظاہری طور طریقے اپنانے کا نام ہے۔ مثال کے طور پر اپنے نظریات کو جدید بنانا وغیرہ۔ مختصر طور پر ماڈرن (Modernising) وہ عمل ہے جس کے ذریعے موجودہ قائم شدہ حالات کو نیا کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی موجودہ حالت کو برقرار رکھنے کا نام نہیں ہے۔!

کیا ہم خود کو جدید بنا سکتے ہیں؟ کیا ہم خود کو مشکلات سے نکال سکتے ہیں کہ تمام نسلِ انسانی کو زندگی کا ایک نیا روپ بخش سکیں۔؟؟ میرا موضوع ان جدید خیالات پر مشتمل نہیں ہے جس میں ضعیف سائنسدانوں اور نا تجربہ کار نا اہلوں کے تجربات و نتائج کا نچوڑ شامل ہو۔ جس میں بتایا گیا ہو کہ ایک عورت کو زندگی کیسے گزارنی چاہیے۔

میں اُن نتائج کو اپنے موضوع کی بنیاد بناؤں گا جو کہ سچائی پر مشتمل ہیں اور جن کو تجربے کی آنکھ سے پرکھا جا سکتا ہے۔ تجربہ اور غیر جانبدارانہ مخلص تجزیہ ہی سچائی کی جانچ کیلئے آزمودہ نسخہ و تھیوری ہے۔

ہمیں اپنی سوچ کو حقیقت کے آئینے میں پرکھنا ہوگا۔ نہیں تو اکثر ہماری سوچ و بچار حقیقت کی راہ سے بھٹک جائیگی۔ مغربی میڈیا جس طرح اسلام میں عورتوں کے حقوق کو پیش کرتا ہے اگر آپ اس سے اتفاق کیا جائے تو کوئی شک نہیں کہ آپ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ اسلام میں عورتوں کے

حقوق فرسودہ ہیں۔ مغرب عورت کی جس آزادی کی بات کرتا ہے وہ اصل میں ایک گمراہی کی راہ ہے جس میں عورت کے جسم کی نمائش کر کے اس کو عزت سے محروم کرنا اور اس کی روح کو پامال کرنا مقصود ہے۔

مغربی معاشرہ اسلام میں عورتوں کے حقوق کو جدید دور کے متقاضی بنانے کی جو بات کرتا ہے اس نے عورت کو محض داشتہ اور طوائف بنا کر رکھ دیا ہے، جو کہ جنس کے کاروبار کرنے والوں اور جنسی لذت والوں کیلئے محض کھلونا ہیں۔ یہ عورتیں آرٹ اور کلچر کے رنگین پردے کی آڑ میں بھٹک چکی ہیں۔

اسلام کے انقلابی نظام نے عورت کو اس کے حقوق بخشے اور عورت کو آج سے 1428 سال قبل کے جاہلیت کے معاشرے میں عزت و احترام بخشا۔ اسلام کا مقصد ہماری سوچ، ہمارے رہن سہن، ہماری سماعت و بصارت، ہمارے جذبات و احساسات کو ان رویوں سے نجات دلانا تھا جو کہ عورت سے متعلق معاشرے میں موجود تھے۔ اس سے پہلے کہ میں اپنے موضوع کو تفصیلاً بڑھاؤں میں آپ کی توجہ چند اہم نکات کی طرف دلانا چاہوں گا:

1: دنیا کا 1/5 حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ان میں مختلف معاشرے ہیں۔ جن میں کچھ اسلام سے زیادہ نزدیک ہیں اور کچھ اسلام سے دور ہیں۔

2: اسلام میں بیان کیے گئے عورتوں کے حقوق کا مصدقہ ذرائع سے جائزہ لینا چاہیے بجائے اس کے کہ یہ دیکھتے ہوئے کہ ایک مسلم معاشرے میں مسلمان کیا کرتے ہیں۔

3: اسلام کو سمجھنے کا مصدقہ ذریعہ قرآن مجید ہے جو کہ کلام الٰہی ہے اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو کہ مسلمانوں کا حقیقی ورثہ ہے۔

4: قرآن مجید میں کوئی بھی بیان کی گئی بات دوسرے سے متصادم نہیں ہوگی اور نہ ہی یہ دونوں ماخذاتِ دین (قرآن وحدیث) آپس میں متصادم ہوں گے۔

5: بعض اوقات مختلف علماء کے مابین کچھ تفرقہ ہو اور اکثر اوقات یہ فرق قرآن مجید کو مجموعی طور پر سمجھتے ہوئے ختم کیا جا سکتا ہے بجائے اس کے کہ آپ صرف ایک مخصوص آیت کا حوالہ دیتے رہیں کیونکہ اگر کسی جگہ قرآنی آیت میں کچھ وضاحت طلب بات ہو تو اکثر اوقات اس کا جواب قرآن مجید میں کسی اور جگہ پر دے دیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ ایک آیت کا حوالہ دے کر باقی تمام حوالوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

6: ہر مسلمان چاہے وہ مرد ہو یا عورت اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کا طالب ہو اور اس کا نائب بن کر اس دنیا میں رہے۔ بجائے اس کے کہ شہرت حاصل کرنے یا نفس اور اَنا بلند کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔

اسلام عورت اور مرد کی برابری کا یقین دلاتا ہے۔ اس برابری کا مطلب یکساں ہونا نہیں۔ اسلام میں عورت اور مرد کا کردار توصیفی ہے۔ یہ کسی فساد کو لئے ہوئے نہیں بلکہ باہمی تعاون پر مشتمل ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں کہ اس میں کوئی ایسی نزعی کیفیت ہو کہ ہم میں سے بہتر کون ہے۔؟ جہاں تک اسلام میں عورتوں کے حقوق کی بات ہے تو اسلام انہیں درج ذیل چھ بنیادی حصوں میں تقسیم کرتا ہے:

1: مذہبی وروحانی حقوق۔ 2: معاشی حقوق۔
3: معاشرتی حقوق۔ 4: تعلیمی حقوق۔
5: قانونی حقوق۔ 6: سیاسی حقوق۔

اسلام اور عورتوں کے مذہبی وروحانی حقوق:

مغرب کی سب سے بڑی غلط فہمی اسلام سے متعلق یہ ہے کہ جنت صرف مردوں کیلئے ہے اور عورتوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ اس غلط فہمی کو سورۃ نساء آیت نمبر 124 کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"من یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مومن فاولئك یدخلون الجنة ولا یظلمون نقیرا o"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 5، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 124)

"اور جو کوئی نیک عمل کرے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ہو صاحب ایمان تو ایسے لوگ جنتی ہیں اور ان کی تل (ذرہ) برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔ o"

یہی بات سورت نحل کی آیت نمبر 97 میں دہرائی گئی ہے۔ فرمایا:

"من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینه حیوۃ طیبة و لنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون o"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 97)

"جو کوئی نیک اعمال کرے چاہے مرد ہو یا عورت، ہو ایمان والا تو ہم اس کو پاک زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔o"

اسلام جنت میں جانے کیلئے مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں کرتا۔

اسلام کے متعلق اہل مغرب کو جو دوسری غلط فہمی ہے وہ یہ ہے کہ عورت میں کوئی روح نہیں ہے۔ اصل میں یہ بات سترھویں صدی عیسوی میں روم میں منعقد کی گئی داناؤں کی مجلس میں متفقہ طور پر منظور کی گئی کہ عورت کوئی روح نہیں رکھتی۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں میں روح کی فطرت یکساں ہے۔ اس کے بارے میں قرآن مجید کچھ یوں کہتا ہے:

"یایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة و خلق منها زوجها وبث منهما رجالاً کثیرا ونساء واتقوا الله الذی تسآءلون به والارحام ان الله کان علیکم رقیبا o"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 1)

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے زمین میں بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم آپس میں ناطے جوڑتے ہو اور (خیال رکھو) رشتوں کا بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔o"

سورۃ النحل میں فرمایا گیا:

"والله جعل لکم من انفسکم ازواجا وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدة و رزقکم من الطیبت"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 72)

"اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لئے تمہاری بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں پاک چیزیں عطا کیں۔"

سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

"فاطر السموات والارض جعل لکم من انفسکم ازواجا ومن الانعام ازواجا یذرؤکم فیه لیس کمثله شیء وهو

السمیع البصیرo"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 25، سورۃ نمبر 42 (الشوریٰ)، آیت نمبر 11)

"وہ (اللہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے، اسی نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے جوڑے اور چوپایوں کے جوڑے بنائے، وہ تمہیں اس دنیا میں پھیلاتا ہے، اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔o"

کیا آپ اسلام کو محض اس بات پر فرسودہ کہیں گے کہ اس نے مرد اور عورت کی روح کو فطرت میں یکساں کہا ہے۔؟ قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح انسانوں میں پھونکی۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مرد تھے یا عورتیں۔ ارشاد ربانی ہے:

"پھر اس نے اس کے اعضاء کو ٹھیک کیا اور اس میں پھونکی اپنی (طرف سے) روح اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، پھر بھی تم بہت کم شکر کرتے ہو۔o"

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 32 (السجدۃ)، آیت نمبر 9)

ہم قرآن مجید میں یہ پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ جیسا کہ سورۃ الاسراء میں ہے:

"ولقد کرمنا بنی ادم و حملنھم فی البر و البحر و رزقنھم من الطیبت و فضلنھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاًo"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 15، سورۃ نمبر 17 (الاسراء)، آیت نمبر 70)

"اور تحقیق ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ رزق عطا کیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی۔o"

غور کیجئے گا اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام کہتا ہے:

"آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو شرف بخشا گیا ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو۔!"

کچھ مقدس صحیفے مثلاً: انجیل میں حضرت حواء رضی اللہ عنہا پر یہ بہتان تراشی کی گئی ہے کہ ان کی وجہ سے نوع انسانی پر زوال آیا۔ حقیقت میں اگر آپ قرآن مجید کی سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 19 سے لے کر 27 تک کا مطالعہ کریں تو حضرت آدم علیہ السلام اور حوا رضی اللہ عنہا سے تقریباً درجن سے زیادہ بار خطاب کیا گیا ہے۔ دونوں کو شیطان نے پھسلایا، دونوں نے معافی

مانگی، دونوں نادم ہوئے اور دونوں کو معاف کر دیا گیا۔ اگر آپ بائبل میں "Genesis" کے باب نمبر 3 کا مطالعہ کریں تو اس میں صرف حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو انسانی معراج کے زوال کا قصوروار ٹھہرایا گیا ہے۔ بائبل میں "Genesis" کے باب نمبر 3 کی آیت 16 میں ہے۔

"حمل اور بچے کی پیدائش عورت کی تحقیر کا باعث ہیں۔"

بقول بائبل:

"دردِ زہ عورت کیلئے سزا کی مانند ہے۔"

اصل میں اگر آپ قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو اس میں حمل اور بچے کی پیدائش کے ذریعے عورت کی شان بڑھائی گئی ہے۔ سورۃ النساء میں ہے:

"واتوا النساء صدقتهن نحلة فان طبن لكم عن شیء منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 4)

"اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھالو۔"

سورۃ لقمان میں ہے:

"ووصينا الانسان بوالديه حملته امه وهنا على وهن من فصله فی عامين ان اشكر لی ولوالديك الی المصير ○"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 31 (لقمان)، آیت نمبر 14)

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کی، اسے اس کی ماں تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے پھر اس کو دودھ پلاتی ہے اور آخر کار دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے، میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ ○"

سورۃ احقاف میں ارشاد فرمایا:

"ووصينا الانسان بوالديه احسانا ط حملته امه كرها ووضعته كرهاً وحمله و فصله ثلثون شهرا"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 26، سورۃ نمبر 46 (الاحقاف) آیت نمبر 15)

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے جنا اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا ڈھائی برس کو پہنچ جاتا ہے۔"

اسلام کہتا ہے کہ عورت کا حاملہ ہونا اس کیلئے عزت افزائی اور فخر کا باعث ہے نہ کہ تحقیر کا۔ حمل عورت کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔ اس نظریہ کو آپ فرسودہ کہیں گے یا جدید۔؟

سورۃ الحجرات میں ہے:

"یاایھاالناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر o"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 26، سورۃ نمبر 49 (الحجرات)، آیت نمبر 13)

"اے لوگو! بیشک ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، بیشک اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے، بیشک اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔ o"

جنس، رنگ، نسل، قوم، قبیلے، ذات، علاقے، ملک، اور دولت کسی کا بھی اسلام میں کوئی معیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف تقویٰ ہی معیار ہے۔ کوئی جنس کی تفریق نہیں کہ جنس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کے لیے سزا یا جزا ہو۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی"

"بیشک میں کسی عمل کرنیوالے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، وہ (عمل کرنے والا) مرد ہو یا عورت۔"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 3 (آل عمران)، آیت نمبر 195)

قرآن مجید میں ہے:

"ان المسلمین والمسلمت والمومنین والمومنت والقنتین والقنتت والصدقین والصدقت والصبرین والصبرت والخشعین والخشعت والمتصدقین والمتصدقت

والصآئمین والصائمت والحفظین فروجھم والحفظت والذکرین اللہ کثیرا والذکرت اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیماo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 33 (الاحزاب)، آیت نمبر 35)

"بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمان بردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، ڈرنے والے مرد اور ڈرنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار فرما رکھا ہے۔"

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام میں مرد اور عورت کے روحانی و اخلاقی اقدار یکساں ہیں۔ دونوں کیلئے ایمان لازمی ہے۔ دونوں کیلئے نماز و روزہ وغیرہ لازم ہیں۔

البتہ! عورت کیلئے اسلام میں ایک خصوصی گنجائش ہے، وہ یہ کہ اگر عورت ماہانہ ایام یا حمل کے دور سے گزر رہی ہے تو اس کیلئے روزہ نہیں ہے وہ روزہ بعد میں رکھے گی جب وہ صحت مند ہوگی۔ رہا نماز کا مسئلہ تو ماہانہ ایام اور حیض و نفاس کے ایام میں عورت کو نماز بالکل معاف ہے۔ روزے کی قضا لازم ہے لیکن نماز کی قضا کسی بھی صورت لازم نہیں۔

اسلام میں عورتوں کے معاشی حقوق:

اسلام نے عورت کو مغرب سے تیرہ سو سال قبل ہی معاشی حقوق دے دیئے تھے۔ ایک بالغ مسلم عورت اپنی مرضی سے کسی کے مشورے کے بغیر جائیداد کی خرید و فروخت کر سکتی ہے۔ اس سے مستثنیٰ کہ وہ شادی شدہ ہے یا کنواری۔ 1970 میں انگلینڈ میں پہلی بار مغرب نے شادی شدہ عورت کے حقوق سمجھے اور اس بات کو منظور کیا کہ وہ خود جائیداد کی خرید و فروخت کر سکتی ہے۔

اسلام میں عورت اگر چاہے تو کام کر سکتی ہے۔ قرآن مجید اور صحیح احادیث میں ایسا کوئی متن نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ عورت کو کام کرنے سے روکا گیا ہے۔ بلکہ بعض امہات المومنین

رضی اللہ عنہا چڑا رنگنے کا کام کیا کرتی تھیں۔ کام جب تک اسلامی شریعت کی حدود میں ہو اور عورت اپنا اسلامی لباس پورے اہتمام کے ساتھ قائم رکھے تو وہ کام کر سکتی ہے۔ شرعی طور پر عورتیں ایسی نوکری نہیں کر سکتی جس کیلئے انہیں اپنی خوبصورتی اور جسم کی نمائش کرنی پڑے۔ مثلاً ماڈلنگ اور فلمی اداکاری یا ایسی دوسری "Jobs" مثلاً ساقیا وغیرہ کی۔ بہت سے شعبے اور نوکریاں ایسی ہیں کہ جو شریعتاً مرد اور عورت دونوں کیلئے ممنوع ہیں۔ مثال کے طور پر جواء خانوں میں کام کرنا یا غیر اخلاقی، غیر مہذبانہ کاروبار۔ ایسی تمام نوکریاں مرد وعورت کیلئے منع قرار دی گئی ہیں۔ ایک صحیح اسلامی معاشرے کی رو سے عورت کو چاہیے کہ وہ ڈاکٹری کے شعبے کو اپنائے۔ ہمیں خواتین گائنا کالوجسٹ، نرسوں اور خواتین اساتذہ کی ضرورت ہے لیکن سلام میں عورت پر کسی قسم کا معاشی بوجھ (ذمہ داری) نہیں ہے۔ معاشی ذمہ داری کا بوجھ مرد کے ذمے ہے۔ لہٰذا عورت کو زندہ رہنے کیلئے کسی جتن کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام میں کوئی عورت کو نوکری کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ہاں!! اگر وہ چاہے تو اپنی مرضی ورضامندی سے یا اپنی کسی مجبوری کے باعث نوکری کر سکتی ہے۔ وہ ان شعبوں میں نوکری نہیں کر سکتی جو حرام ہوں، جس میں اس کی عزت وآبرو کو خطرہ ہو یا جس میں اسے اپنی جسمانی نمائش کرنی پڑے۔ وہ گھر بیٹھ کر سینے کا کام کر سکتی ہے، کندہ کاری کر سکتی ہے، برتن سازی کر سکتی ہے اور وہ ٹوکریاں بنا سکتی ہے۔ اسے فیکٹریوں اور ان انڈسٹیز میں کام کرنے کی اجازت ہے جو کہ خصوصی طور پر عورتوں کیلئے مخصوص ہوں۔ وہ ان جگہوں پر کام کر سکتی ہے جہاں پر "Gents" اور "Ladies" کے علیحدہ "Section" (حصے) ہوں، کیونکہ اسلام مرد وزن کے آپس میں گھلنے ملنے کو پسند نہیں کرتا۔ وہ کاروبار بھی کر سکتی ہے اور جہاں اسے کسی غیر مرد سے لین دین کی ضرورت پیش آئے جو کہ نامحرم ہو تو وہ اس کام کو اپنے باپ، بھائی، شوہر یا بیٹے کے ذریعے کرا سکتی ہے۔ اگر چنداں ایسا نہ ہو سکتا ہو تو اسلامی تقاضوں کے مطابق چل کر وہ خود بھی اس سے لین دین کر سکتی ہے۔ میں آپ کو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہترین مثال دوں گا جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ وہ اپنے زمانے کی نہایت کامیاب تاجرہ تھیں اور وہ اپنے شوہر کے ذریعے تجارت کیا کرتی تھیں۔

اسلام میں عورت کو بہ نسبت مرد کے زیادہ معاشی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ معاشی ذمہ داری اس کے کندھوں پر نہیں ہے بلکہ خاندان کے مرد کے ذمہ ہے۔ شادی سے پہلے یہ ذمہ داری عورت کے باپ، بھائی، دادا، چچا، ماموں اور تایا پر عائد ہوتی ہے اور

شادی کے بعد اس کے شوہر یا بیٹے پر۔ شادی کے بعد اسے اپنے گھر کا خیال رکھنا ہوتا ہے، بچوں کی نگہداشت، کپڑوں وغیرہ کی دیکھ بھال اور معاشی ضروریات کا دھیان رکھنا اس کی ذمہ داری بنتی ہے۔ جب وہ شادی شدہ ہو جاتی ہے تو وہ لینے والوں میں شامل ہو جاتی ہے۔ وہ تحفہ لیتی ہے یعنی ''مہر'' جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے:

''واتوا النساء صدقتهن نحلة فان طبن لكم عن شيء منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا''

''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھالو۔''

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 4)

شادی کا فریضہ انجام دینے کیلئے مہر لازم ہے لیکن بدقسمتی کی بات ہے کہ مسلم معاشرے میں محض نام کا ''مہر'' ادا کیا جاتا ہے۔ 151 روپے، بعض لوگ 186 روپے اور بعض تو لوگ سوا 32 روپے دیتے ہیں اور وہ لاکھوں روپے زیب و آرائش، استقبالیے، پھولوں اور دعوت طعام پر خرچ کر دیتے ہیں۔ اسلام میں مہر کی نہ کوئی کم سے کم حد ہے اور نہ زیادہ سے زیادہ لیکن ظاہر ہے کہ جو شخص استقبالیے پر لاکھوں خرچ کر سکتا ہے وہ یقیناً کافی زیادہ مہر ادا کر سکتا ہے۔

مسلم معاشرے خاص طور پر برصغیر پاک و ہند میں بعض بے معنی و فضول رسومات عود کر آئی ہیں۔ وہ شادی کے موقع پر بالکل معمولی ''حق مہر'' ادا کرتے ہیں اور اپنی بیوی سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ جہیز میں فریج، ٹی وی لے کر آئے گی اور ان کو فلیٹ دلائے گی۔ بعض تو سوچتے ہیں کہ وہ کار لے کر دے گی وغیرہ وغیرہ اور بہت زیادہ جہیز لا کر شوہر کے معیار زندگی کو تبدیل کر دے گی۔ اگر بیوی گریجویٹ ہے تو وہ ایک لاکھ کی توقع رکھتے ہیں، اگر وہ انجینئر ہے تو 3 لاکھ کی اور اگر وہ ڈاکٹر ہے تو پانچ چھ لاکھ کی توقع رکھتے ہیں۔ شوہر کا بیوی سے جہیز کا بالواسطہ یا بلاواسطہ مطالبہ اسلام میں ممنوع ہے۔ اگر لڑکی کے والدین اپنی مرضی سے کچھ دینا چاہتے ہیں تو اس کی اجازت ہے لیکن اصرار سے بالواسطہ یا بلاواسطہ مانگنا اسلام میں قطعاً منع ہے۔ اگر عورت کام کرتی ہے تو وہ جو بھی کماتی ہے اس کی اپنی ملکیت ہے۔ اگر چاہے تو خاوند کو دے اور اگر چاہے تو نہ دے۔ اسے گھر کی ضرورت پر ایک پائی خرچ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتی ہے تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ بیوی کتنی ہی دولت مند ہو اس کے باوجود اسلام میں خرچ شوہر کی ذمہ داری

ہے۔ اسلام میں لازم ہے کہ مرد عورت کی نگہداشت، کپڑے اور معاشی ضروریات کا خیال رکھے۔ طلاق کی صورت میں یا اگر عورت بیوہ ہو جاتی ہے تو عدت کے دوران اسے معاشی طور پر سنبھالا دیا جاتا ہے اور اگر اس کے بچے ہیں تو بچوں کی کفالت بھی کی جاتی ہے۔ اسلام نے صدیوں پہلے عورت کو وراثت کے حقوق تفویض کر دیئے تھے۔ اگر آپ قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو کئی سورتوں کی آیات (جیسا کہ سورۃ النساء، سورۃ البقرہ، سورۃ المائدہ) میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ عورت چاہے وہ بیوی ہے، ماں ہے، بہن ہے یا بیٹی ہے اس کا جائیداد میں حصہ ہے۔

اسلام میں عورتوں کے معاشرتی اور سماجی حقوق

اس عنوان میں ہم معاشی حوالوں سے عورت کو دیئے گئے حقوق کا تجزیہ کریں گے۔ ان حقوق کو ان چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1: اسلام میں عورتوں کے معاشرتی حقوق بحیثیت ماں۔
2: اسلام میں عورتوں کے معاشرتی حقوق بحیثیت بہن۔
3: اسلام میں عورتوں کے معاشرتی حقوق بحیثیت بیوی۔
4: اسلام میں عورتوں کے معاشرتی حقوق بحیثیت بیٹی۔

۱۔ اسلام میں ماں کے معاشرتی حقوق:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یَاأَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِی خلقکم من نفس واحدة و خلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا و نساء واتقوا الله الذی تساء لون به والارحام ان الله کان علیکم رقیبا○"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 1)

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنے رشتوں کا ذریعہ بناتے ہو اور (قطع) ارحام سے (بچو) بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔○"

سورۃ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے:

"ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن وفصلہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیك الی المصیرo"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر (لقمان)، آیت نمبر 14)

"اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، اسے اسکی ماں تکلیف پر تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے پھر اس کو دودھ پلاتی ہے اور آخر کار دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے، میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو تمہیں میری ہی طرف پلٹنا ہے۔o"

سورۃ احقاف میں ہے:

"ووصینا الانسان بوالدیہ احسنا حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا وحملہ وفصلہ ثلثون شھرا"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 26، سورۃ نمبر 46 (الاحقاف)، آیت نمبر 15)

"اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اس کی ماں نے اسے تکلیف کے ساتھ اٹھائے رکھا اور اس نے اسے تکلیف کے ساتھ جنا اور اس کا حمل اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہوا۔"

ابن ماجہ اور مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

"ان الجنۃ تحت اقدام الامھات"

"بیشک جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔"

اس کا مطلب ومعنی یہ ہے کہ بنیادی فرائض ادا کرنے کے بعد اگر آپ اپنی والدہ کی عزت کرتے ہیں اور ماں کے ساتھ شفیق ہیں تو آپ انشاء اللہ جنت میں داخل ہوں گے۔!

الصحیح البخاری، باب نمبر 2 حدیث نمبر 2 میں ہے کہ ایک آدمی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون اس دنیا میں میری صحبت واحترام اور محبت کا سب سے زیادہ مستحق ہے تو آپ نے جواب دیا:

"تمہاری ماں......!!"

اس نے عرض کیا:

"اس کے بعد؟"

فرمایا:

"تمہاری ماں!!"

اس نے پھر عرض کیا:

"اس کے بعد؟"

ارشاد فرمایا:

"تمہاری ماں!!"

اس آدمی نے چوتھی بار پوچھا:

"اس کے بعد؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

"تمہارا باپ۔"

اس حدیث کے مطابق 75% عزت و احترام ماں کے لیے ہے اور 25% عزت و احترام باپ کے لئے۔ تین چوتھائی حصہ پیار و محبت کا ماں کیلئے اور ایک چوتھائی حصہ باپ کیلئے۔ مختصراً یہ کہ سونے کا تمغہ ماں کیلئے اور چاندی کا تمغہ باپ کیلئے۔ تانبے کا تمغہ ماں کیلئے اور باپ کی فقط تسلی و تشفی۔

۲۔اسلام میں بہنوں کے معاشرتی حقوق:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"والمومنون والمومنت بعضهم اولياء بعض م يا مرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلوٰة ويوتون الزكوٰة ويطيعون الله ورسوله اولئك سير حمهم الله ان الله عزيز حكيمo"

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ولی و مددگار ہیں، اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ

عنقریب رحم فرمائے گا، بیشک اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔o"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 10، سورۃ نمبر 9 (التوبۃ)، آیت نمبر 71)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومن مرد و عورت ایک دوسرے کی کفالت کرنے والے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے کفیل ہیں۔ مختصراً کہ وہ ایک دوسرے کے لئے بہن بھائی ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"صدقہ دینے سے بہتر ہے کہ اپنی بہن کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔"

ایک مرتبہ فرمایا:

"عورتیں شقات ہیں۔ شقات مطلب، بہن۔"

۳۔اسلام میں بیوی کے معاشرتی حقوق:

پہلی تمام تہذیبوں نے عورت کو شیطان کا آلۂ کار قرار دیا لیکن اسلام عورت کو "محسنہ" قرار دیتا ہے۔ محسنہ کا معنی ہے "شیطان کے خلاف قلعہ۔"

اسلام میں عورت کو بیوی کی صورت میں ایک اعلیٰ درجہ دیا گیا۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جن کے پاس شادی کی استطاعت ہے وہ شادی کریں کیونکہ شادی (میاں اور بیوی دونوں کی) شہوت کو کم کرتی ہے اور (ان دونوں کے) حیاء کا تحفظ کرتی ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس کسی (مرد و عورت) نے شادی کی تو گویا اس نے اپنا آدھا دین مکمل کر لیا۔"

اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ شادی تمہیں زنا سے روکتی ہے، زنا سے تحفظ فراہم کرتی ہے اور ہمیں جنس پرستی سے محفوظ رکھتی ہے جو کہ دنیا میں تقریباً آدھے جرائم کا باعث بنتی ہے۔ صرف اسی صورت میں آپ میاں بیوی بنتے ہیں جب آپ شادی کرتے ہیں اور اسی صورت میں آپ کو والد یا والدہ بننے کا موقع ملتا ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے دلوں میں محبت ڈال دی ہے۔ چنانچہ سورۃ الروم میں ہے:

"ومن اٰیتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا

وجعل بینکم مودۃ و رحمۃ ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرونo"

(القرآن الجید پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 30 (الروم)، آیت نمبر 21)

"اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے پیدا کیے تمہاری جنس سے جوڑے (بیویاں) تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (میاں بیوی کے) درمیان محبت اور مہربانی (پیدا) کی، بیشک اس میں تفکر کرنے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔o"

قرآن مجید کے مطابق نکاح ایک مقدس معاہدہ ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ہے:

"وکیف تاخذونہ وقد افضی بعضکم الی بعض واخذن منکم میثاقا غلیظاo"

(القرآن الجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 21)

"اور تم (بیویوں سے بطور مہر) دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو اور وہ تم سے عہد واثق بھی لے چکی ہیں۔"

اسی سورۃ میں ہے:

"یایھا الذین امنوا لا یحل لکم ما ترثوا النسآء کرھا ولا تعضلو ھن لتذھبوا ببعض مآ اتیتمو ھن الا ان یاتین بفا حشۃ مبینۃ وعاشر وھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکر ھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیراo"

(القرآن الجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 19)

"اے ایمان والو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور دیکھنا اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو انہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا، ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں (تو روکنا) نامناسب نہیں اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں (تمہارے لیے) بہت سی

بھلائی پیدا کر دے۔o"

اسلام میں عورت کی مرضی کے بغیر اس کی شادی نہیں کی جا سکتی۔ شادی کیلئے فریقین کی رضا مندی لازمی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ مرد اور عورت دونوں شادی کیلئے رضا مند ہوں یہاں تک کہ باپ بھی اپنی بیٹی کو اس کی مرضی کے بغیر شادی پر مجبور نہیں کر سکتا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مشہور و معروف کتاب مسند احمد میں ہے کہ ایک لڑکی کو باپ کی طرف سے شادی پر مجبور کیا گیا۔ جب وہ لڑکی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

"یہ بات تم پر منحصر ہے کہ تم یہ تعلق قائم رکھو یا توڑ دو۔"

(مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر 2469)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں شادی کے موقع پر عورت کی رضا مندی نہایت ضروری ہے ورنہ شادی وقوع پذیر نہیں ہوگی۔ اسلام کہتا ہے کہ عورت گھر سنوارنے والی ہے۔ اسے گھرداری کیلئے نہیں بنایا گیا کیونکہ اسکی شادی مکان سے نہیں بلکہ انسان سے کی گئی ہے۔ اس لیے عورت کو فقط گھرداری کے لیے سمجھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کے بھی احساسات اور تفکرات ہیں۔ اسلام ان کی قدر کرتا ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ عورت کی شادی مالی طور پر اس کے برابر والے خاندان میں ہونی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک غریب عورت کو ایک حاکم کے نکاح میں دے دیا جائے کہ وہ اس کے ساتھ باندیوں کا سا رویہ رکھے۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بہترین ایمان والے وہ ہیں جو کہ کردار میں بہترین ہیں اور اخلاق میں اور وہ جو کہ اپنے خاندان اور بیویوں کے ساتھ بہترین ہیں۔"

(مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 7396-7395)

اسلام میں عورتوں اور مردوں کو برابر حقوق دیئے گئے ہیں۔ قرآن مجید واضح طور پر بتاتا ہے کہ مرد و عورت، شوہر اور بیوی کے تمام جہات میں برابر حقوق ہیں، سوائے خاندان کی سربراہی کے۔

چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:

"الرجال قومون علی النساء"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 5، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 34)

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

لوگ کہتے ہیں لفظ "قوام" کا معنی حاکم ہونے کے ہیں۔ حالانکہ اصل میں لفظ قوام اقامۃ سے نکلا ہے۔ آپ جب نماز سے پہلے اقامت کہتے ہیں تو آپ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اقامۃ کا مطلب کھڑا ہونے کے ہیں۔ لہٰذا لفظ "اقامۃ" کا مطلب ہوا کہ مرد ایک درجہ ذمہ داری میں اونچا ہے نہ کہ فضیلت میں۔

بہت سے لوگوں نے اس آیت میں قوام کے معنی کو غلط انداز سے سمجھا۔ چنانچہ اس کی تفصیل قرآن مجید سورۃ البقرۃ میں کچھ اس طرح بیان فرماتا ہے:

"والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثة قروء ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن ان کن یومن باللہ و الیوم الاخرو بعولتھن احق بردھن فی ذلك ان اردوا اصلاحاولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجة و اللہ عزیز حکیم○"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 2، سورۃ نمبر 2 (البقرۃ)، آیت نمبر 228)

"اور طلاق یافتہ عورتیں (جن کو ایک یا دو طلاقیں دی گئی ہوں) اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، اور ان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اس کو چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا فرما دیا ہے اگر وہ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں، اور ان کے خاوند اگر پھر موافقت چاہیں تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں اور عورتوں کے لیے ویسا ہی مہر ہے جو اس طرح کی خواتین کا ہوتا ہے دستور کے مطابق اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔○"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قوام کا معنی ہے مرد کو ذمہ داری میں ایک درجہ زیادہ محتاط رہنا چاہیے۔

قرآن مجید کہتا ہے:

"ھن لباس لکم ولکم لباس لھن"

"تمہاری بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔"

لباس کا مقصد کیا ہے۔؟ یقیناً لباس ڈھانپنے اور خوبصورتی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کی غلطیوں کی پردہ پوشی کرنی چاہیے اور ایک دوسرے کے حسن کو افزودگی بخشنی چاہیے۔ یہ ہاتھوں اور دستانوں کا سا رشتہ ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

"اگر تمہیں اپنی بیویاں پسند نہ ہوں تو پھر بھی تمہیں ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہیے، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں تمہارے لیے بھلائی پیدا فرمادے۔"

(القرآن الجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 19)

سورۃ النساء میں عورتوں کے حق کو مردوں کے حق کے برابر قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

"یایھا الذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا و لا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اتیتموھن الا ان یاتین بفاحشة مبینة وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا و یجعل الله فیه خیرا کثیرا ٥"

"اے ایمان والو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور دیکھنا اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو انہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا، ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں (تو روکنا) نامناسب نہیں اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں (تمہارے لیے) بہت سی بھلائی پیدا کردے۔ ٥"

(القرآن الجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 19)

کیا اس بناء پر آپ اسلام کو فرسودہ کہیں گے کہ یہ بیوی کے حقوق کو مرد کے حقوق کے برابر قرار دیتا ہے۔؟

4. اسلام میں بیٹی کے معاشرتی حقوق:

اب ہم ان معاشرتی حقوق کی طرف بڑھتے ہیں جو اسلام نے بیٹی کے لئے مقرر کیے ہیں۔ اسلام نوزائیدہ بیٹی کو دفنانے سے روکتا ہے۔ لڑکی کو بچپن میں ہی قتل کر دینا اسلام میں قطعاً منع

ہے۔قرآن مجید میں ہے:

''بای ذنب قتلت''

''جس لڑکی کو دفن کیا گیا اسے پوچھا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ دفن کی گئی۔''

(القرآن المجید،سورۃ التکویر،آیت نمبر 8-9)

نہ صرف نوزائیدہ بچی کا قتل منع ہے بلکہ ہر طرح کے بچوں کا قتل اسلام میں ممنوع ہے۔ چاہے وہ بچہ لڑکا ہو یا لڑکی۔قرآن مجید فرماتا ہے:

''ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطا کبیراO''

''اور اپنی اولاد کو غربت کے ڈر سے قتل نہ کرنا،تم کو اور ان کو ہم ہی تو رزق دیتے ہیں۔بیشک ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔O''

(القرآن المجید،پارہ نمبر 15،سورۃ نمبر 17 (الاسراء)،آیت نمبر 31)

اسلام سے پہلے عرب میں جب بھی کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو عموماً اسے زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ الحمدللہ!اسلام کی اشاعت کے بعد اس مکروہ عمل کا خاتمہ ہوا لیکن بدقسمتی سے یہ ملک ہندوستان میں ابھی بھی جاری وساری ہے۔بی بی سی لندن کی رپورٹ کے مطابق ایک پروگرام ''اسے مرنے دو!'' (Let Her Die) میں ایک انگریز رپورٹر "Emily Bechenen" نے انگلستان سے ہندوستان آکر بچیوں کو قتل کرنے کے اعداد وشمار مہیا کیے۔یہ پروگرام آج سے ایک سال پہلے سٹار ٹی وی (Star TV) پر دکھایا گیا تھا اور!ہر مہینے دکھایا جاتا ہے۔چند دن پہلے ہی اس کو دوبارہ نشر کیا گیا تھا۔اس پروگرام میں دیئے گئے اعداد وشمار کے مطابق ہر روز تقریباً تین ہزار حمل اس وجہ سے گرائے جاتے ہیں کہ ان سے بچی پیدا ہوگی۔اگر آپ ان اعداد وشمار کو سال کے 365 دنوں سے ضرب دیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر سال ہندوستان میں ایک ملین سے زیادہ حمل گرائے جا رہے ہیں۔تامل ناڈو اور راجستھان کی ریاستوں میں بڑے بڑے اشتہاروں پر یہ تحریر ہے کہ پانچ سو خرچ کیجئے اور پانچ لاکھ بچایئے۔!!

اس کا کیا مطلب ہے کہ میڈیکل ٹیسٹ (Aminocententus) یا ''سونوگرافی'' پر پانچ سو خرچ کرکے یہ پتہ چلایئے کہ ماں کونسا حمل اٹھائے ہوئے ہے۔اگر تو یہ لڑکی ہے تو آپ اسے گرا کر پانچ لاکھ بچا سکتے ہیں کیونکہ دو لاکھ آپ اس کی پرورش پر خرچ کرتے ہیں اور باقی

اس کے جہیز پر۔

تامل ناڈو کے گورنمنٹ ہسپتال کی رپورٹ کے مطابق ہر دس نوزائیدہ لڑکیوں میں سے چار کو مار دیا جاتا ہے۔ اس بات پر کوئی حیرت نہیں کہ اسی وجہ سے ہندوستان کی آبادی میں عورتیں مردوں سے کم ہیں۔

نوزائیدہ بچیوں کا قتل عام اس ملک میں صدیوں سے جاری و ساری ہے۔ اگر آپ 1901 کے اعداد و شمار دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہر ہزار مردوں کی نسبت نوسو بہتر عورتیں تھی۔ 1981 کی رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں ہر ہزار مردوں کے مقابلے میں نوسو چونتیس عورتیں تھی۔ 1991 کی جدید رپورٹ کے مطابق ہر ہزار مردوں کے مقابلے میں نوسو ستائیس عورتیں تھی۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عورتوں کی تعداد ہر سال کم ہوتی جا رہی ہے اور جب سے میڈیکل سائنس نے ترقی کی ہے اس قبیح فعل کی تعداد میں اضافہ در اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کیا آپ اسلام کو اس بنا پر فرسودہ قرار دیں گے کہ یہ آپ کو بتاتا ہے کہ لڑکا ہو یا لڑکی اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے۔؟

اسلام صرف نوزائیدہ بچوں کے قتل ہی سے نہیں روکتا بلکہ آپ کو اس بات سے بھی منع کرتا ہے کہ آپ لڑکی کی پیدائش پر غم کریں۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

"واذابشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسودا وھو کظیم یتواری من القوم من سوء ما بشربہ"

(القرآن الجید، پارہ نمبر 14، سورۃ النحل، آیت نمبر 59-58)

"اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ روکھا ہو کر کالا ہو جاتا ہے اور اسے غم لاحق ہو جاتا ہے، وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس خبر کو برا جان کر جو اسے دی گئی۔"

اسلام میں بچیوں کی بہترین پرورش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو کوئی اپنی بچیوں کی مناسب پرورش کرے گا تو اسے قیامت کے دن میرا ایسا قرب نصیب ہوگا جیسا کہ ہاتھ کی ایک انگلی کو دوسری انگلی کا ہوتا ہے۔"

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

"جس نے دو بچیوں کی بہترین پرورش کی، انہیں اچھے اداب سکھائے اور ان کی شادی کی تو وہ قیامت کے دن جنت میں داخل ہوگا۔"

اسلام لڑکے اور لڑکی پرورش میں کوئی فرق بیان نہیں کرتا بلکہ ان میں سے ہر ایک کی پرورش بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ہمارے پیارے نبی علیہ السلام کی موجودگی میں ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو چوما اور اس کو گود میں بٹھالیا لیکن اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا نہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم ناانصافی کر رہے ہو۔ تمہیں چاہیے کہ اپنی بیٹی سے بھی پیار کرو اور اسے بھی اپنی گود میں جگہ دو۔"

الصحیح البخاری اور الصحیح المسلم کی حدیث میں ہے کہ خود نبی علیہ السلام کا اپنا عمل تھا کہ جب آپ علیہ السلام کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام کے پاس آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور انہیں اپنی جگہ بٹھاتے۔

اسلام میں عورتوں کے تعلیمی حقوق:

قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی پانچ آیات میں فرمایا گیا ہے:

"اقرا باسم ربك الذى خلق ○ خلق الانسان من علق ○ اقرا وربك الاكرم الذى علم بالقلم ○ علم الانسان مالم يعلم ○"

(القرآن الجید، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 95 (العلق)، آیت نمبر 1 تا 5)

"پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ○ انسان کو چپکنے والی چیز سے ○ پڑھئے اپنے رب کے نام سے جو کرم فرمانے والا ہے، جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سکھایا ○ جس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ ○"

قرآن مجید کی طرف سے پہلی ہدایت جو کہ بنی نوع انسان کو دی گئی وہ نماز کی نہ تھی، روزہ کی نہ تھی، زکوۃ کی نہ تھی، بلکہ تعلیم کے متعلق تھی۔ اسلام تعلیم کو خاص اہمیت دیتا ہے۔ اسلام نے

والدین کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو دین کی تعلیم دیں اور جب لڑکی کی شادی ہو جائے تو اسلام کے مطابق اس کے شوہر کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تعلیم سے آراستہ کرے۔

الصحیح البخاری کے مطابق عورتیں علم حاصل کرنے کیلئے بہت زیادہ پر جوش تھیں اور انہوں نے ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"آپ اکثر و بیشتر مردوں میں گھیرے رہتے ہیں۔ آپ ہمارے لئے ایک دن مخصوص کیوں نہیں کر دیتے تا کہ ہم بھی آپ سے سوال پوچھ سکیں۔؟"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی اس درخواست کو قبول فرما کر ان کے لیے ایک دن مخصوص فرما دیا جس دن وہ تعلیم حاصل کرتی تھیں۔

اندازہ کریں چودہ سو سال پہلے جب عورتیں جاہل تھیں اور وہ محض بطور ماں استعمال کی جاتی تھیں، اسلام نے ان کو تعلیم سے آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے پاس بعض مسلم خواتین کی مثالیں موجود ہے جو کہ سکالرز ہیں اور سب سے بہترین مثال جو میں آپ کو پیش کر سکتا ہوں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے جو کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم تک کو تعلیم دی۔ ان کے ایک مشہور شاگرد عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے:

"میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑا کوئی سکالر نہیں دیکھا جو کہ قرآن مجید میں بیان کئے گئے فرائض پر زیادہ عبور رکھتا ہو۔ وہ قانون اور دوسرے معاملات میں، ادب اور شاعری میں اور عرب کی تاریخ میں بھی مہارت رکھتی تھیں۔ وہ محض دینی معاملات میں ہی ماہر نہ تھیں بلکہ ان کو ادویات کا بھی گہرا علم تھا۔ وہ حساب کے معاملات میں بھی کافی دسترس رکھتی تھیں اور اکثر و بیشتر ان کے رفقاء ان سے میراث کے مسائل پوچھنے کیلئے آتے کہ کتنا حصہ تقسیم کیا جائے؟ اور ایک فرد کے حصے میں کتنا آتا ہے۔؟"

اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی تعلیم دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دو ہزار دو سو دس احادیث روایت کیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جب بھی ہم (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو کسی مسئلے پر علم کی کمی محسوس ہوتی تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلے جاتے اور ان کے پاس سے ضرور اس مسئلے کا حل نکل آتا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے 88 سے زائد سکالرز کو تعلیم دی۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عالموں کی استاذ تھیں۔

اس کے علاوہ اور بھی مثالیں ہیں۔ مثلاً حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ آپ اسلامی عدالتی فقہ کی ماہر تھیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

"حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے وقت کی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھیں۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتیس علماء کو تعلیم دی۔"

حضرتُ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سارا سارا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ فقہ پر بحث کیا کرتی تھیں اور وہ دونوں ان کی بات کو غلط ثابت نہ کر پاتے تھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق حضرت فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہا نے اول دنوں میں ہجرت کی اور اس وجہ سے ان کے پاس عمیق علم تھا۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ ان کو دعوت و تبلیغ میں بہت مہارت حاصل تھی۔

سیدہ نفیسہ رحمۃ اللہ علیہا کی مثال بھی موجود ہے جو کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو تعلیم دی۔

اس کے علاوہ ام دردہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کہ ابو دردہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سائنس میں ماہر تھیں اور یہاں تک کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں اس کا ماہر سمجھتے تھے۔

حدیث مبارکہ ہے:

"طلب العلم فريضة علىٰ كل مسلم و مسلمة"

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر یکساں فرض ہے۔"

وہ دور جب خواتین جاہل گردانی جاتی تھیں اور جب عورتوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، اس وقت اسلام کے پاس علماء خواتین تھیں۔ طب کے میدان میں، سائنس کے میدان میں اور دین کے میدان میں کیونکہ اسلام کہتا ہے کہ ہر خاتون کو پڑھا لکھا ہونا چاہیے۔ کیا آپ اس بنا پر اسلام کو فرسودہ کہیں گے۔؟

اسلام میں عورتوں کے قانونی حقوق:

اسلامی قوانین کے مطابق عورت اور مرد برابر ہیں۔ شریعت اسلامیہ عورت اور مرد دونوں کی زندگی اور وراثت کی حفاظت کرتی ہے۔ اگر ایک مرد عورت کا قتل کرتا ہے اس کو بھی "حرث" کی سزا ملے گی جو کہ قصاص کی سب سے سخت سزا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"یایھا الذین امنو کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر و العبد بالعبد و لانثی بالا نثی فمن عفی له من اخیه شی فاتباعم بالمعروف واداء الیه باحسان ذالك تخفیف من ربکم ورحمة فمن اعتدی بعد ذلك فله عذاب الیمo ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب لعلکم تتقونo"

"اے ایمان والو! تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ تم مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) لو، آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام مارا جائے اور عورت کے بدلے عورت اور اگر قاتل کو اس کے مقتول بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (اسے چاہیے کہ وہ مقتول کے وارث کو) دستور کے مطابق خوشی سے کچھ دے، یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لئے آسانی اور مہربانی ہے، جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کیلئے دردناک عذاب ہے۔o اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے عقل والو تاکہ تم (قتل وخونریزی) سے پرہیز کرو۔o"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 2، سورۃ نمبر 2 (البقرۃ)، آیت نمبر 178-179)

اگر مرد عورت کو قتل کرے تو اسے بھی مار دینا چاہیے۔ اسی طرح اگر عورت قتل کرتی ہے تو اس

کو بھی موت کی سزا ہے۔ اسلامی قوانین کے حکم ''قصاص'' کے مطابق عورت و مرد کی تخصیص کیے بغیر، ناک، کان، آنکھ، جسم سب کی سزا ایک ہی ہے۔ اگر مقتول کی ولی ایک عورت ہے، نہ وہ قاتل کو معاف کرتی ہے اور نہ ہی دیت قبول کرتی ہے تو اس کا فیصلہ خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مقتول کے ورثاء میں اختلاف ہے کہ دیت لی جائے یا قصاص تو لوگوں کو قصاص سے روکنا چاہیے اور بغیر تخصیص کیے کہ گواہ مرد ہے یا عورت ان دونوں کی اہمیت یکساں ہے۔

سورۃ المائدہ میں ہے:

''والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزآء بما كسبا نكالا من الله''

(القرآن المجید، پارہ نمبر 6، سورۃ نمبر 5 (المائدہ)، آیت نمبر 38)

''اور چور چاہے وہ مرد ہے یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کے کسب کی سزا اور عبرت ہے اللہ کی طرف سے۔''

معنی یہ ہے کہ اگر کوئی چوری کرتا ہے چاہے وہ مرد ہے یا عورت تو اس کے ہاتھ کاٹ دینے چاہیے۔ سزا دونوں کیلئے یکساں ہے۔

سورۃ النور میں ہے:

''الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة ولا تاخذ كم بهما رافة في دين الله ان كنتم تومنون بالله واليوم الاخر و ليشهد عذا بهما طائفة من المومنينo''

''(کنواری) زانی عورت اور (کنوارہ) زانی مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو درے مارو، اور ان پر نرمی نہ کرو اللہ تعالیٰ کے دین میں، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اور چاہیے کہ ان کی سزا پر مسلمانوں کی ایک جماعت کو گواہ بنالو۔o''

(القرآن المجید، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 24 (النور)، آیت نمبر 2)

کنوارے مرد اور کنواری عورت کے لیے زنا کی سزا اسلام میں ایک ہی ہے جو کہ سو کوڑوں پر مشتمل ہے۔

اسی طرح اگر عورت اور مرد شادی شدہ ہیں اور وہ زنا کرتے ہیں تو ہر ایک کے لیے رجم ہے۔ یہاں بھی سزا یکساں ہے اور مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔

سورۃ بقرۃ کی آیات کے مطابق عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ گواہی دے سکے۔ اسلام نے عورت کو یہ گواہی کا حق سوا چودہ سو سال پہلے تفویض کر دیا تھا۔ حالانکہ 1980 کی آخری دہائیوں میں یہودی ربی اس بات پر سوچ و بچار کر رہے تھے کہ کیا عورت کو گواہی کے حقوق دیئے جائیں یا نہیں۔ اسلام اس کے مقابلے میں یہ حقوق چودہ سو سال قبل عورت کو دے چکا ہے۔

سورۃ النور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتو باربعة شهدآء فاجلدو هم ثمنین جلدة"

"اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا عیب لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے مارو"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 24 (النور)، آیت نمبر 4)

اسلامی قوانین کے مطابق چھوٹے جرم کیلئے دو اور بڑے جرم کیلئے چار گواہ درکار ہیں۔ عورت پر غلط الزام دھرنا اسلام کی رو سے بڑے جرائم میں سے ایک ہے لہٰذا یہ چار گواہ طلب کرتا ہے۔ آج کل کی ماڈرن سوسائٹی میں آپ دیکھتے ہیں کہ مرد عورتوں کو برے برے ناموں مثلاً طوائف وغیرہ پکارتے ہیں اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ اسلامی ریاست میں اگر کوئی شخص کسی عورت کو طوائف کہتا ہے، عوام (Public) میں یا کسی اور جگہ۔ اگر وہ عورت اس شخص کو عدالت میں لے جاتی ہے اور وہ شخص چار گواہوں کو لانے میں ناکام ہو جاتا ہے اور اگر وہ چار گواہ لاتا بھی ہے اور ان میں سے کوئی ایک جھوٹا نکلتا ہے تو وہ سارے اسی اسی کوڑوں کی سزا پائیں گے اور مستقبل میں ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

اسلام عورت کی عزت کو خصوصی اہمیت دیتا ہے۔ عموماً جب لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو وہ شوہر کا نام ساتھ لگاتی ہے۔ اسلام میں اس کے پاس یہ (Choice) موجود ہے کہ چاہے وہ اپنے پہلے نام کو قائم رکھے یا شوہر کا نام ساتھ لگائے یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ اسلام پہلے نام کو قائم رکھنے کو "Recommend" کرتا ہے اور اگر آپ بعض مسلم معاشروں میں دیکھتے ہیں کہ شادی کے بعد عورت اپنا پہلا نام برقرار رکھتی ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ مرد و عورت کے حقوق برابر ہیں۔

اسلام میں عورتوں کے سیاسی حقوق:

سورۃ التوبہ میں ہے:

"والمومنون والمومنت بعضهم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینهون عن المنكر ویقیمون الصلوٰة ویوتون الزكوٰة ویطیعون الله ورسوله اولئك سیرحمهم الله ان الله عزیز حكیم ○"

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں کہ اچھائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا، بیشک اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔○"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 10، سورۃ نمبر 9 (التوبہ)، آیت نمبر 71)

اس آیت میں بیان ہوا کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کیلئے سہارا ہیں۔ محض معاشرتی سہارا نہیں بلکہ سیاسی بھی۔ سیاسی طور پر مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی مدد (Support) کرنی چاہیے۔

اسلام عورت کو ووٹ کا حق دیتا ہے۔ سورۃ الممتحنہ میں ہے:

"یایها النبی اذا جآء ك المومنت یبایعنك علی ان لا یشركن بالله شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادهن ولا یاتین ببهتان یفترینه بین ایدیهن وارجلهن ولا یعصینك فی معروف فبایعهن واستغفر لهن الله ان الله غفور رحیم○"

"اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ نہ تو شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ ہی اپنی اولاد کو قتل کریں گی، اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کوئی بہتان باندھیں گی تو ان سے بیعت لے لیجئے اور ان کیلئے اللہ سے بخشش طلب کیجئے! بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 28، سورۃ نمبر 60 (الممتحنہ)، آیت نمبر 12)

یہاں عربی کا لفظ"یبایعن"استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ ہمارے موجودہ دور کے انتخابات سے زیادہ جدیدیت کا حامل ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض اللہ تعالیٰ کے رسول ہی نہ تھے، بلکہ وہ ریاست کے سربراہ بھی تھے اور عورتیں آپ کے پاس آئیں اور وہ آپ کے سربراہ ہونے پر راضی ہوئیں۔لہٰذا اسلام عورت کو ووٹ دینے کا برابر حق دیتا ہے۔

عورت قانون سازی میں حصہ لے سکتی ہے۔مشہور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مہر کے متعلق بات کر رہے تھے کہ آج کل عورتوں نے زیادہ مہر مقرر کرنا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے اکثر غریب نوجوان مرد شادی کرنے کے معیار پر پورے نہیں اترتے تو پچھلی نشستوں سے ایک عورت اٹھی اور کہنے لگی:

"اے عمر! جب قرآن نے ہمیں زیادہ حق مہر باندھنے سے نہیں روکا تو آپ کون ہوتے ہیں جو ہمارا حق مہر کم مقرر کریں۔؟دیکھئے قرآن مجید میں ہے:

"وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احدھن قنطارا فلاتا خذوا منه شیئا اتا خذ ونه بھتانا واثما مبیناo"

"اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے شادی کرنا چاہو اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا، بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے۔o؟"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 20)

"اے عمر! جب اللہ تعالیٰ کو مہر کی حد پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو آپ کون ہیں جو مہر کی حد مقرر کریں۔؟"

اسی وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا:

"عمر غلط ہے اور وہ عورت صحیح۔"

حدیث میں عورت کا نام موجود نہیں ہے، لہٰذا آپ اسے ایک عام عورت سمجھ سکتے ہیں۔مطلب یہ ہوا کہ ایک ادنیٰ عورت بھی سربراہ ریاست پر اعتراض کر سکتی ہے۔اگر تکنیکی طور پر دیکھا جائے تو اس حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ وہ عام خاتون قوانین کے غلط پہلو پر اعتراض کر رہی تھیں۔

عورتوں نے میدان جنگ میں بھی حصہ لیا۔الصحیح البخاری میں عورتوں کے میدان جنگ کے

حالات کے متعلق ایک پورا باب ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ عورتوں نے زخمیوں کو پانی پلایا، انہوں نے مجاہدوں کو ابتدائی طبی امداد دی اور حضرت نصیبہ رضی اللہ عنہا کا نام خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"الرجال قوامون علی النساء"

"مرد عورتوں کے محافظ ہیں۔"

لہٰذا عام حالات میں عورتوں کو میدان جنگ میں نہیں جانا چاہیے کیونکہ ان کی حفاظت کرنا مردوں کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا عورتیں کو صرف اشد ضرورت کے موقع پر ہی میدان جنگ میں حصہ لینا چاہیے۔ ورنہ! دوسری صورت میں آپ کی پوزیشن ویسی ہی ہو جائے گی جیسا کہ "USA" کی ہے۔ وہاں عورتوں کو میدان کارزار میں حصہ لینے کی 1901 تک آزادی تھی لیکن وہ صرف نرسنگ تک محدود تھیں۔ جب 1973 میں "Feminst Movement" شروع ہوئی اور انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ عورتوں کو بھی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ بھی میدان جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ لہٰذا امریکہ حکومت نے 1976 کے بعد سے عورت کو جنگ کرنے کا اختیار دے دیا۔

پچھلے سال امریکہ کی وزارت دفاع کے جاری کئے گئے بیان کے مطابق 24 اپریل 1993 کے سال میں ایک کنونشن میں نوے افراد زنا (Sex Crime) کرتے پکڑے گئے۔ جن میں تراسی عورتیں اور ایک سو تیرہ آفیسر کو ڈسپلنری ایکشن چارج کیا گیا۔ اندازہ کریں کہ صرف ایک کنونشن میں تراسی عورتوں کو "Sexually Assault" کیا گیا۔ 117 آفیسرز کا جرم کیا تھا۔؟ انہوں نے عورتوں کو دوڑ لیا، ان کے کپڑے پھاڑ ڈالے، انہوں نے انہیں مادر زاد برہنہ مارچ کروائی اور ان کو پبلک کے سامنے سیکس کرنے پر مجبور کیا گیا۔ کیا آپ اسے "Women's Right" کہہ سکتے ہیں۔؟

اس واقعہ کی وجہ سے پارلیمنٹ میں ہنگامہ کھڑا ہوا اور صدر بل کلنٹن کو بذات خود عوام (Public) کے سامنے معذرت کرنا پڑی اور یہ کہنا پڑا:

"ضروری اقدامات کئے جائیں گے۔"

لہٰذا اسلام عورتوں کو اسی وقت میدان جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دیتا ہے جب ان کی

ضرورت ہو لیکن اس صورت میں بھی چاہیے کہ وہ اپنا حجاب، اسلامی حدود و قیود اور اپنی شرم وحیاء کا خیال رکھیں۔

میں نے اپنے گفتگو کے شروع میں کہا کہ اسلام مرد اور عورت کی برابری میں یقین رکھتا ہے۔یہاں برابری کا مطلب یکسانیت (IIdentical) نہیں ہے۔

مثال کے طور پر ایک کلاس روم میں دو طالب علم A اور B امتحان میں فرسٹ آتے ہیں۔ دونوں 100 میں سے 80 فیصد نمبر لیتے ہیں۔سینکڑوں طالب علموں میں دو طالب علم A اور B فرسٹ آئے۔جب آپ "Question Paper" دیکھتے ہیں تو "Question Paper" میں سوالات ہوتے ہیں۔ ہر ایک کے دس نمبر۔سوال نمبر 1 میں طالب علم A دس میں سے 9 نمبر حاصل کرتا ہے اور طالب علم B دس میں سے 7۔سوال نمبر 1 میں طالب علم A کے نمبر B سے زیادہ ہوئے اور سوال نمبر 2 میں A دس میں سے 7 نمبر لیتا ہے اور B دس میں سے 9۔لہٰذا دوسرے سوال میں B کے نمبر زیادہ ہوئے۔ البتہ سوال نمبر 3 میں دونوں آٹھ آٹھ نمبر حاصل کرتے ہیں۔دونوں برابر اور آخر میں جب ہم تمام نمبروں کو جمع کرتے ہیں تو دونوں طالب علم A اور B سو میں سے 80 نمبر لیتے ہیں۔

لہٰذا مختصراً "Student" ''اے'' اور ''بی'' آپس میں برابر ہیں اور بعض سوالات میں A کے نمبر B سے زیادہ ہیں اور بعض سوالات میں B کے نمبر A سے زیادہ ہیں۔باقیوں میں دونوں برابر ہیں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زیادہ طاقت دی ہے،مثلاً ایک چور گھر میں داخل ہوتا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ میں "Women's Right" میں یقین رکھتا ہوں تو کیا آپ اپنی والدہ،بہن یا بیٹی سے کہیں گے کہ آگے بڑھو اور چور سے لڑو۔؟ لہٰذا جسمانی طور پر مرد عورت سے ایک درجہ فضیلت رکھتا ہے۔

آیئے !ایک اور مثال سمجھتے ہیں جو کہ والدین کی عزت سے متعلق ہے۔بچوں کو اس بات پر ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ماں کا احترام باپ کی نسبت تین گنا زیادہ کریں۔یہاں عورتیں مردوں سے ایک درجہ اوراوپر ہیں۔

مجموعی طور پر دونوں برابر ہیں۔لہٰذا اسلام برابری میں یقین رکھتا ہے۔ یکسانیت (Identically) میں نہیں۔ مجموعی طور پر مرد اور عورت اسلام میں برابر ہیں۔یہ اسلام میں عورتوں کے حقوق کی محض چیدہ چیدہ خصوصیات تھیں۔

اس کے بعد مسلم معاشروں نے کیا امتیاز روا رکھا۔؟ بعض مسلم معاشروں نے عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم کیا اور انہوں نے قرآن اور سنت سے روگردانی کی۔ اس کی بڑی وجہ مغربی معاشرہ ہے کیونکہ مغربی معاشرے کی وجہ سے مسلم معاشرے زیادہ تحفظات و احتیاطوں کا شکار ہو گئے، وہ ایک انتہا پر چلے گئے اور اس طرح وہ قرآن و سنت سے دور چلے گئے۔ اس کے مقابلے میں بعض مسلم معاشروں نے مغربی کلچر کو اپنا لیا اور اسی رنگ میں رنگ گئے۔ میں مغربی معاشرے کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ قرآن و سنت کے مطابق عورتوں کے حقوق کا تجزیہ کریں تو آپ اسے جدید (Modern) پائیں گے نہ کہ فرسودہ۔

حقوقِ اولاد

والدین اور اولاد کے لیے احکام:

میاں بیوی کے دائرہ کار کی علیحدگی اور باہمی تعلقات کے انضباط کے بعد ان کا اور ان کی اولاد کا تعلق سامنے آتا ہے۔ والدین کے بارے میں قرآن مجید نے واضح تعلیمات دی ہیں اور کہا ہے کہ انہیں "اف" تک نہ کہو! یعنی انہیں اپنے کسی قول یا عمل سے ذرا بھی دکھ نہ پہنچاؤ اور جب تک وہ صریح اسلامی تعلیمات کے خلاف حکم نہ دیں ان کی حکم عدولی نہ کی جائے۔ دوسری طرف والدین کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کا خاص خیال رکھیں، بھوک، افلاس اور جاہلیت کے عار کی بنا پر بچوں کو قتل نہ کریں اور نہ ان کی ایسی تربیت کریں کہ وہ معاشرہ کے معزز فرد نہ بن سکیں۔

والدین کی دعا:

اسلام کے مطابق والدین کو اولاد کے لیے یہ دعا مانگنی چاہیے:

"واجعله رب رضیا"

"اے رب! اس (ہونے والے بچے) کو خوش اطوار بنا دے۔"

نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا:

والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وكان يامر اهله بالصلوٰة والزكوٰة"

"اور وہ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) اپنے اہل وعیال کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے۔"

(سورۃ نمبر ۱۹، آیت نمبر ۵۵)

اولاد و بیوی کے لیے دعا:

سورۃ الفرقان کے آخر میں مومنین کی یہ دعا درج ہے:

"وہ عرض کرتے ہیں:" اے پروردگار! ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی رکھ اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔"

(سورۃ الفرقان، آیت نمبر: ۷۴)

مفسرین کے نزدیک ان آیات میں متقین سے مراد "افرادِ خاندان" ہیں۔

اسلامی صلہ رحمی

رشتے دار اور خاندان:

خاندان کی تنظیم کے بعد اسلام نے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ صلہ رحمی میں تمام رشتہ دار شریک ہیں۔ اس دائرے میں ایک خاندان سے آگے بڑھ کر کئی خاندان شریک ہوجاتے ہیں جن میں باہمی خونی تعلق ہوتا ہے یا رشتے ناطے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے ایک خاندان کے افراد کے باہمی تعلق کے لئے "احسان" کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے بعد حکم دیا ہے کہ اپنی خوشیوں میں ذوالقربیٰ کو یاد رکھا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وبالوالدين احسانا وبذى القربى"

"اور والدین اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرو۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۳۶)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"واتى المال على حبه ذوى القربى"

"اور باوجود عزیز رکھنے کے مال اپنے رشتہ داروں کو دے۔"

(سورۃ البقرہ: آیت نمبر: ۱۷۷)

ہمسایہ اور اہل محلہ:

ایک خاندان اور اس کے قریبی رشتہ داروں کے بعد اس خاندان اور اس کے ہمسایہ خاندان کے تعلقات کا مرحلہ آتا ہے۔ اس میں ہمسایہ، اہل محلہ اور جان پہچان والے دوسرے لوگوں کا باہمی تعلق سامنے آتا ہے۔ قرآن کریم نے ہمسائے سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور یہی حکم ان لوگوں کے بارے میں بھی ہے جن سے معمولی میل جول ہو، اس دائرے میں اہل محلہ بھی آتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل"

"اور احسان کرو ہمسایوں، اجنبی ہمسایوں، پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں کے ساتھ۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر:۳۶)

اہل محلہ کے لئے مسجد کو پورے محلے کا محور بنایا گیا جہاں وہ پنج وقتہ نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں۔

ہر کس وناکس سے سلام:

اسلام میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں سے ملاقات کی ابتدا "سلام" سے کی جائے۔ اس طرح یہ تعلیم دی گئی ہے کہ آپ سے بات کرنے والا جس انداز سے بات کرتا ہے، آپ کا فرض ہے کہ آپ بھی اسی انداز سے بات کریں یا اس سے بھی اچھے انداز سے بات کریں۔ سلام کے لئے یوں تعلیم دی گئی:

"واذا حییتم بتحیه فحیوا باحسن منها اوردوها"

"جب کوئی احترام کے ساتھ سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اس کی طرح۔"

(سورۃ نمبر۴، آیت نمبر:۸۶)

نادار افراد کی نگہبانی:

معاشرے کے اندر نادار، اپاہج، یتیم اور بیوہ افراد کی نگہبانی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ الماعون میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ شخص خوف آخرت نہیں رکھتا:

"یدع الیتیم O ولا یحض علی طعام المسکین O"

"جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے اور ناداروں کا کھانا کھلانے کے لئے ترغیب نہیں دیتا۔"

اور دوسری جگہ ہے:

"وفی اموالھم حق للسائل والمحروم"

"ان (مسلمانوں) کے اموال میں سائل اور نادار کا بھی حق ہے۔"

(سورۃ نمبر ۵۱، آیت نمبر: ۱۹)

اس مقصد کے لئے شریعت نے زکوٰۃ اور صدقات کو مشروع قرار دیا ہے اور حکم ہوا کہ یہ فقراء و مساکین کا حق ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"انما الصدقات للفقراء والمساکین"

"بے شک صدقات فقراء اور مساکین کے لئے ہیں۔"

(سورۃ نمبر ۹، آیت نمبر: ۶۰)

اسلامی معاشرت کی بنیاد......عقائد و اخلاق:

اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد عالم گیر برادری، رنگ و نسل کے بجائے عقائد و اخلاق، عائلی نظام کی مضبوطی، جنسی تعلقات کے انضباط، مرد و عورت کے دائرہ کار کی علیحدگی اور عام انسانی دوستی کے قوائد اور اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ ایک مسلمان جس طرح اپنے خاندان اور اپنے محلے کا ہمدرد ہوتا ہے اسی طرح وہ انسانیت کا ہمدرد ہوتا ہے۔ قرآنی نقطہ نظر سے وہ معاشرہ اسلامی معاشرہ نہیں ہے جس میں پڑوسی ایک دوسرے کا دشمن ہو اور ایک ہی منزل کے دو مختلف حصوں میں رہنے والے ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوں اور یہ دونوں مسلمان ہوں۔

آج کے مسلم معاشرے میں قرآنی نظام کے آثار

یہ ہے ایک مجمل خاکہ قرآنی نظام معاشرت کا، اس کی جھلکیاں آج کسی حد تک مسلمانوں

کے معاشرے میں موجود ہیں۔ صدیاں گزر گئیں جب کہ مسلمانوں کا اجتماعی اور سیاسی نظام مختل ہو چکا ہے، بلکہ کئی مسلم معاشرے صدیوں غیر مسلم حکومتوں کی ماتحتی میں زندگی بسر کرتے رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود آج بھی مسلم معاشرے میں قرآنی نظام کے آثار موجود ہیں اور انہیں نہیں مٹایا جاسکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے اسلامی نظام معاشرت کے لئے کچھ خاص اور مستحکم حفاظتی تدابیر اختیار کیں جن کی بدولت نامساعد حالات کے باوجود آج اسلامی معاشرہ ہے۔ وہ تدابیر مختصراً حسب ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

اسلامی نظریہ اور نیک کام کی بنیاد:

اسلام نے قرآن وسنت کی شکل میں اسلامی نظریہ کے تصور کو زندہ رکھا۔ مسلمانوں کے عقائد درست ہیں اور سنت رسول نے ہمیشہ انہیں حسن سلوک اور حسن شہرت پر ابھارے رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

"من سن سنة فله اجرها واجر من عمل بها"

"جس نے بھی کسی اچھی روایت کی بنیاد رکھی، اسے اس کا اجر ملے گا اور اس پر قیامت تک جو بھی عمل کرے گا اس کا اجر بھی۔"

اچھی روایت قائم کرنا بھی اسلامی معاشرت کے بقا کا ضامن ہوا۔ چنانچہ مسلمانوں نے ہمیشہ ایسی روایات کو سینے سے لگائے رکھا جن کا تعلق حسن سلوک، فیاضی، مہمان نوازی، بڑوں اور اساتذہ کا ادب اور دوسرے آداب سے تھا۔

اشاعت تعلیم:

تعلیم کی وسعت اور اشاعت بھی اسلامی نظام معاشرت کے تحفظ کا اہم ذریعہ رہی۔ قرآن مجید نے علم، تدبیر اور حکمت کو حد درجہ اہمیت دی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول علم کو انسانی فریضہ قرار دیا اور مسلمان ہمیشہ علم دوست رہے۔

نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا:

مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دیں، اسے پھیلائیں اور برائی سے روکیں۔ یہ کام ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق فرض ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے معاشرے

میں ہمیشہ منکر پر نکیر کی اور اسے پنپنے نہیں دیا۔ اس کے برخلاف اسلام نے ہمیشہ معروف کی حوصلہ افزائی کی اور یہ شعور اس حد تک آج بھی موجود ہے کہ جو لوگ بذات خود منکر میں مبتلا ہیں ان کی اکثریت بھی معروف کو پسند کرتی ہے اور اس کا احترام کرتی ہے۔

خاندانی نظام:

شریعت نے قرآنی نظام معاشرت کی اولین بنیاد "خاندان" کو اس حد تک مضبوط کیا ہے کہ مسلمانوں میں خاندانی نظام اور خاندان کی گرفت آج تک مضبوط ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے سیاسی، معاشی، قانونی اور تعلیمی نظام کے اضمحلال کے باوجود اسلامی معاشرہ کسی قدر زندہ ہے۔

☆☆☆

اسلام اور عصرِ حاضر

جدت پسندی اور اسلام

جذبۂ جدت:

جدت پسندی بذات خود ایک مستحسن جذبہ اور انسان کی فطری خواہش ہے۔ اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو انسان پتھر کے زمانے سے ایٹم کے دور تک نہ پہنچتا اور قدیم ذرائع آمد و رفت سے جدید وسائل مواصلات تک اس کی رسائی نہ ہو سکتی۔ انسان کی تمام تر مادی ترقی اور سائنسی ایجادات ایک جذبے کے رہینِ منت ہیں کہ وہ ہمیشہ سے خوب سے خوب تر کا متلاشی رہا ہے۔

عہدِ رسالت اور جدت:

اسلام دین فطرت ہے۔ یہ کسی نئی بات یا جدت پر بحیثیت جدت کوئی پابندی عائد نہیں کرتا، بلکہ اس کی نوعیت اور افادیت کے مطابق اس کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صنعت و حرفت اور فنون جنگ کے بارے میں نئے طریقوں اور آلات کار کا استعمال متعارف ہوا۔ دفاع کے سلسلے میں عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ گہری خندق کھودی گئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے طائف کے محاصرے میں دو نئے آلات حرب استعمال کیے گئے، جن میں سے ایک منجنیق کی مانند تھا اور دوسرا دبابہ جسے موجودہ دور کے

ٹینک کی قدیم صورت قرار دیا جا سکتا ہے۔

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ان آلات کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خود بنایا تھا۔ اس کے علاوہ حافظ ابن کثیر کی روایات کے مطابق حضرت عروہ بن مسعود اور حضرت غسلان بن سلمہ رضی اللہ عنہما کو شام کے مشہور صنعتی شہر جرش بھیجا گیا تاکہ دبابے اور منجنیق کی صنعت سیکھ کر آئیں۔ دبابے کی طرح کا ہی ایک آلہ تھا جسے اہل روم جنگوں میں استعمال کرتے تھے۔

عہد رسالت اور کاشت کاری میں جدت:

زراعت کی ترقی کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ کاشت کا حکم دیا اور زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں سے رزق تلاش کرنے کی تاکید فرمائی۔

بحری بیڑے کی پیشن گوئی:

عرب لوگ بحری بیڑے کے تصور نا آشنا تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور یہ پیش گوئی فرمائی کہ میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے سمندر کی موجوں پر اس طرح سفر کریں گے جیسے تخت نشین بادشاہ اور پھر آپ نے ان کے فضائل بھی بیان فرمائے۔

اسلام اور جدید ایجادات:

عہد رسالت کے حوالے سے یہ چند مثالیں تھیں جن کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اسلام نے کسی جدید ایجاد اور شے پر نئے ہونے کی حیثیت سے کوئی قدغن نہیں لگائی، بلکہ صحیح مقاصد میں جائز حدود کے ماتحت اس کی ہمت افزائی کی ہے۔

جدت کی دورخی تلوار:

عصر حاضر نے جو صنعتی ایجادات اور سائنسی انکشافات پر مبنی ہے، انسان کی مادی ترقی کو بامِ عروج تک پہنچایا ہے۔ نئی ایجادات نے راحت و آسائش کے بہتر طریقے مہیا کئے ہیں۔ اس کی ان تمام تر خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کے تباہ کن نقصانات بھی ظاہر ہوئے ہیں۔ اس مادی ترقی اور جدت پسندی نے مختلف عنوانات سے ہوس، ملک گیری اور عریانی و فحاشی کے طوفان کھڑے کئے ہیں، گویا جدت پسندی ایک دودھاری تلوار ہے جو بنی نوع انسان کو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور اس کا کام تمام بھی کر سکتی ہے۔ اگر اسلامی تعلیمات کے مطابق تجزیہ کیا جائے تو عصر حاضر میں نہ تو

کوئی نئی چیز نئی ہونے کی بنا پر قابل قبول ہے اور نہ قابل تردید۔

معیار عقل یا آفاقی تعلیمات:

اہم سوال یہ ہے کہ وہ کیا معیار ہے جس پر یہ فیصلہ کیا جائے کہ جدت پسندی کی کونسی راہ قابل قبول ہے اور کونسی نقصان دہ اور نا قابل قبول۔

اس معیار کی تعین کے لئے ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ کام خالص عقل کے حوالے سے کیا جائے، چنانچہ لادینی معاشروں میں عقل کو قول فیصل کی حیثیت حاصل ہے، لیکن عقل و دانش کے دعویداروں نے ہی جدت پسندی کے نام پر انسانیت کے لئے اخلاق و شرافت کے سارے اوصاف لوٹے اور مقدس معاشرتی اداروں کی حرمت کو بھی پامال کیا ہے۔ بڑے سے بڑے نظریئے کی شاندار اور خوبصورت توجیہات پیش کیں۔

اگر جدت پسندی کی رو میں اچھے اور برے کا فیصلہ خالص عقل پر چھوڑ دیا جائے تو زندگی کی اقدار صحیح سالم باقی نہیں رہتی اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ہر شخص کی عقل کا پیمانہ دوسرے سے مختلف ہے۔ چنانچہ انسان متضاد آراء اور نظریات کی ایسی بھول بھلیوں میں پھنس جاتا ہے کہ جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو عقل وحی الٰہی کی راہنمائی سے آزاد ہو وہ حقیقتاً انسان کی بہیمی خواہشات اور نفسانی اغراض کی غلام بن جاتی ہیں اور یہ عقل کی غلامی کی بدترین شکل ہے۔ ایسی عقل کو قرآن حکیم میں ''ھویٰ'' یعنی خواہش نفس قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> ''اگر حق ان لوگوں کی خواہشات نفس کا تابع ہو جائے تو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں مخلوقات ہیں ان میں سخت بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔''

یہ حقیقت ہے کہ اگر اچھے اور برے تمام کا فیصلہ عقل کے حوالے کر دیا جائے تو انسان کے پاس کسی نئے رواج کو رد کرنے اور جدت پسندی کے ہاتھوں قیمتی سے قیمتی اخلاقی اقدار کو بچانے کا معیار باقی نہیں رہتا۔ خود اہل مغرب کو مہلک نتائج سامنے آنے پر سخت تشویش ہے کہ اس جدت پسندی کی عام روش میں کیا طریق کار اختیار کیا جائے جس کی بناء پر اعلیٰ انسانی اوصاف اور ادارے محفوظ رہ سکیں۔ ایک امریکی جج کردوزو (Carduzo) اپنی کتاب "The Growth of Law" میں لکھتے ہیں:

> ''قانون کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ایک ایسا فلسفہ مرتب کیا جائے جو ثبات اور

تغیر کے متضاد اور متحارب تقاضوں کے درمیان موافقت پیدا کر سکے۔"

ظاہر ہے کہ یہ کام کسی عقلی فلسفے کے بس کا نہیں، عقل کے سر پر وہ بوجھ لادا گیا جس کی وہ متحمل نہیں ہے، کسی قانون کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ وہ دائمی اور نا قابل تغیر ہے کسی دلیل کی بناء پر ہوتا ہے۔ انسانی عقل کی بناء پر کچھ لوگ عقل کو نا قابل تغیر قرار دیں گے لیکن کل کو دوسرے لوگ یہ اندازہ نہ لگائیں گے کہ وہ دائمی قانون بننے کے لائق نہ تھا۔ چنانچہ اس تجدد پسندی کے مسئلے کا حل صرف یہ ہے کہ عصر حاضر میں بھی اسلام کی قوت کو تسلیم کیا جائے اور انسان عقل کا غلام بننے کی بجائے عقل کو اس ذات کا غلام بنائے جس نے اسے اور پوری کائنات کو تخلیق کیا ہے۔

خالق کائنات تمام وقوع پذیر ہونے والے تغیرات سے پوری طرح باخبر ہے اور ذات عالی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا کہ کونسے اصول قانونی لحاظ سے نا قابلِ تغیر اور ثبات کے حامل ہیں۔ صرف مذہب میں ہمیں ایسی بنیاد ملتی ہے اور وہ بھی مذہب کے حقائق کو منطقی استدلال کے نتیجے کے طور پر نہیں بلکہ عقیدے کے ذریعے قبول کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون سے راہنمائی کے بغیر انسانیت کی نجات کے لئے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

چنانچہ سورۂ محمد کی آیت نمبر ۱۴ میں ارشاد ہے:

"جو شخص اپنے پروردگار کے واضح راستے پر ہو گیا وہ اس طرح ہو سکتا ہے جن کی بداعمالی ان کو بھلی لگتی ہے اور جو نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔؟"

گویا تمام جدت پسندیوں، نئے طور طریقوں اور رسوم ورواج کو ان کی ظاہری چمک دمک کی بناء پر نہیں بلکہ اس بنیاد پر جانچا جائے کہ وہ پروردگار کے راستے کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اگر شریعت کا حکم موجود ہو تو اس کو بلا حجت تسلیم کیا جائے کیونکہ سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۶ کے مطابق:

"کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو پھر اس معاملے میں اس کا اختیار باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ بڑی واضح قسم کی گمراہی میں جا پڑا۔"

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۶۵ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی قسم ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

"آپ کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ

ﷺ کو اپنے باہمی تنازعات میں فیصل نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس کے بارے میں اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور اسے پوری طرح تسلیم کرلیں۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر:۶۵)

کتاب وسنت کے ذریعے جو احکامات امت مسلمہ کو دیئے گئے وہ اکثر ان ہی مسائل سے متعلق ہیں کہ اگر انہیں خالص عقل کے حوالے کیا جاتا تو وہ انسان کو گمراہی کی طرف لے جاسکتی تھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ماضی اور مستقبل کے تمام احوال سے باخبر ہے اس لئے صرف اس کے احکام ہر دور میں واجب العمل ہو سکتے ہیں۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۷۶ میں بیان ہے:

"یبین اللہ لکم ان تضلو واللہ بکل شیء علیم"

"اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کھول کھول کر باتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہوجاؤ۔"

یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تجدد پسندی اور عصر حاضر کے تقاضوں کے سلسلے میں وحی اور شریعت کی ضرورت اس لئے بھی بہت زیادہ ہے کہ خالص عقل کے ذریعے ہدایت تک پہنچنا بہت مشکل ہے، لیکن یہ طرز عمل بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا کہ کسی طور طریقے، چلن یا جدت کو پہلے اپنی عقل کے مطابق صحیح یا بہتر قرار دے دیا جائے پھر اس کے بعد قرآن وسنت کو اپنے عقلی فیصلے پر پورا اتارنے کے لئے تاویلات کو اختیار کیا جائے۔ ایسا طرز عمل احکام الٰہیہ کے اتباع کے منافی ہے، بلکہ یہ تو اتباع کی بجائے ترمیم اور تغیر کہلائے گا جس کا اختیار کسی انسان کو نہیں۔

اتباع کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان ہر حال میں احکام الٰہی پر کامل یقین کر کے کسی ترمیم کے بغیر اسے قبول کرے اور مادی قوتیں اسے کسی صورت میں بھی احکام الٰہی کے اعراض پر آمادہ نہ کرسکیں۔ چنانچہ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۱۵ سے ۱۱۷ میں اس مضمون کو اس طرح واضح کیا ہے:

"اور آپ کے رب کی بات سچائی کے لحاظ سے پوری ہوچکی، اس کی باتوں کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں اور اس کی ذات سمیع اور علیم ہے اور اگر آپ زمین پر رہنے والوں کی اکثریت کی پیروی کریں گے تو وہ آپ کو راہِ خداوندی سے گمراہ کردیں گے، کیونکہ وہ تو ظن وگمان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ کہ وہ تو اٹکل کی بات کرتے ہیں، بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہے

اور وہ ہدایت کار کو بھی جانتا ہے۔"

یہ بھی وضاحت کر دی گئی:

"کہتے ہیں وہ لوگ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے کہ آپ قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ، یا اس کو بدل دو۔ تو اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اسے خود اپنی طرف سے تبدیل کر دوں۔ میں پیروی کرتا ہوں اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔"

اس اتباع خالص میں مخالفت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن جو لوگ آزمائشوں کا مقابلہ کرتے ہیں انہیں اللہ کی طرف سے دنیا اور آخرت دونوں میں ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور وہ لوگ جو ہماری خاطر کوشش کرتے ہیں تو ہم ضرور انہیں اپنے راستے کی طرف ہدایت دیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

(سورۃ العنکبوت، آیت نمبر ۶۹)

عصر حاضر کی مادی چکا چوند اور تجدد پسندی کے مقابلے میں یہ عمل درست نہیں کہ اگر کسی حکم الٰہی میں ظاہری فائدہ نظر آئے تو اسے قبول کر لیا جائے اور جہاں آزمائش یا تنقید کا خدشہ ہو وہاں اعراض یا تاویل سازی کی جائے۔

قرآن حکیم کے مطابق اس میں دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج کی آیت نمبر ۱۱ میں اس بارے میں ہدایت دی گئی ہے:

"اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کی بندگی کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ پس اگر ان کو کوئی دنیاوی فائدہ پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر آزمائش آگئی تو منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ اٹھاتے ہیں اور یہ کھلا نقصان ہے۔"

(سورۃ الحج، آیت نمبر:۱۱)

تجدد پسندی کے تمام تر لوازمات کے مقابلے میں شریعت کے مطابق طرز عمل اختیار کرنا عین اتباع ہے، چاہے استہزاء اور طعن کے مرحلوں سے گزرنا پڑے۔ مخالفانہ اعتراضات کا

مسلمان کے پاس صرف یہی جواب ہے:

"اللہ یستھزیء بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون"

(سورۃ البقرہ)

"اللہ ان (کفار) کے مذاق کا جواب دیتا ہے اور انہیں ڈھیل دیئے ہوئے ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹک رہے ہیں۔"

عصر حاضر میں عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ تجدد پسندی خواہ وہ کسی بھی شعبے میں ہو اس کی حدود کو پہنچانے اور ان معاملات میں دخل اندازی نہ کرے جن کو شریعت نے مکمل کر دیا۔

عالم اسلام کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مادی ترقی اور تجدد پسندی کی جن خوبیوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے ان کی طرف ہماری رسائی بہت سست روی کا شکار ہے اور جن خامیوں سے ہمیں احتراز کرنا چاہئے تھا وہ بہت تیز رفتاری سے مسلم معاشرے میں سرایت کر رہی ہیں۔

عصر حاضر کی ذمہ داریوں سے اسلامی فکر و نظر کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کی صورت میں یہ ثابت ہے کہ دین اسلام آج بھی اتنی قوت وطاقت رکھتا ہے۔ اسی طرح بہترین نتائج پیدا کر سکتا ہے اور عالمی قوت کی حیثیت سے اعلیٰ ترین کردار ادا کر سکتا ہے، جس طرح عہد رسالت اور عہد خلفائے راشدین کی مثالیں ہماری تاریخ کے اوراق میں جگمگا رہی ہیں۔

علوم جدید اور اسلام

بنی نوع انسان کی دو اہم بنیادی ضروریات:

زمانۂ قدیم کی سادہ زندگی سے لے کر دور جدید کی پیچیدہ زندگی تک بنی نوع انسان کی دو اہم بنیادی ضروریات رہی ہیں:

1: اسے کھانے پینے، رہنے سہنے کی آسائش اور محفوظ زندگی حاصل ہو۔ یہ ایک حیاتیاتی ضرورت ہے جو زندگی کی بقاء اور نسل انسانی کے تسلسل کے لئے ضروری ہے۔

2: اس حیاتیاتی ضرورت کے علاوہ انسان کی کچھ ذہنی احتیاجات بھی ہوتی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی دنیا ایک بامقصد نظر آئے، وہ اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کے حل کا متلاشی ہوتا ہے، زندگی، کائنات اور زمان و مکان کے حقائق سے چشم پوشی کرنا اور اس کے

مسائل حل نہ کرنا دنیا کو بے مقصد اور بے معنی بنا دینے کے مترادف ہے جس کے نتائج انسان کے حق میں مفید نہیں ہو سکتے۔

جدید ٹیکنالوجی:

محفوظ زندگی گزارنے کے لئے اور دیگر آسائشوں کی تلاش میں انسانی ذہن نے نئے نئے علوم کو جنم دیا۔ مثلاً: زراعت، طب اور انجینئرنگ۔ یہ سب ہی علوم دراصل قدرتی وسائل اور زمین کے ذرائع انسانی فائدے کے طور پر استعمال کرنے سے متعلق ہیں جو ٹیکنالوجی کہلائے۔

اسلام اور سائنس

سائنس کا مقصد اور معرض وجود میں آنا:

دنیا کو سمجھنے، اس کو بامعنی اور بامقصد بنانے کی ذہنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے جو علوم وجود میں آئے سائنس ان میں سے ایک ہے۔

سائنس کی تعریف:

1: سائنس کی نوعیت اور ماہیت کے بارے میں کئی تعریفیں کی گئیں۔:

"سائنس ایک لاطینی لفظ ہے جس کے معنی جاننا کے ہیں لیکن اصطلاحاً اس کے معنی نظامِ فطرت کے علم کے ہیں۔ جو مشاہدے، تجربے اور عقل سے حاصل ہوتا ہے۔"

2: مارٹن نے سائنس کی تعریف یہ کی ہے:

"Science is a systematized posipive knowledge."

3: کانٹ (Kant) کہتا ہے:

"سائنس تصورات اور تصوراتی منصوبوں کا ایک مربوط سلسلہ ہے۔ جس نے تجربات اور مشاہدات کے نتائج میں نشوونما و ارتقاء حاصل کیا اور اس سے مزید تجربات اور مشاہدات بارآور آئے۔"

4: رضی الدین کہتا ہے:

"سائنس مشتمل ہے تجربات کے نظریات کے مشاہدات اور ضبط اشار پر، یعنی

سائنس کی بنیاد صرف تجربے پر ہی مشتمل نہیں اور نہ ہی یہ محض عقل اور غور و فکر کا نتیجہ ہے، بلکہ ان سب اشیاء کی آمیزش ہے۔"

5: دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سائنس ہماری مادی دنیا پر تصرف حاصل کرنے اور ان قوتوں کی توضیح و تشریح کا ایک منظم اور مرتب نظام ہے۔ یہ حقائق کا ان کی اصل شکل میں مطالعہ ہے۔ یہ ایک متحرک علم ہے اور اگر یہ علم ترقی اور ارتقاء کو ترک کر دیتا ہے تو وہ جلد ہی اپنی سائنسی حیثیت کھو دیتا ہے۔

علم سائنس......علوم کی اہم ترین قسم:

علوم میں سے یہ ایک ایسی قسم ہے جو گرد و نواح کو سمجھنے اور مخصوص حقائق سے آگہی کی باشعور کوشش کا نام ہے۔ یہ مظاہرِ فطرت کا مشاہدہ ہے جو ہمارے حواسِ خمسہ کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ سائنس دان کائنات کے مشاہدے سے کچھ نتائج اخذ کرتا ہے، پھر ان نتائج کو ایک قابلِ فہم تنظیم اور ترتیب کے ساتھ جمع کرتا ہے، تجربات کے بعد درست سائنسی نتیجے کو ایک مستقل علمی حیثیت یا قانون سمجھا جاتا ہے، یعنی علمی حقائق یا مشاہدے سے دریافت ہونے والے نتائج کو جب مرتب اور منظم کر لیا جائے تو اسے ہم "علم سائنس" کہتے ہیں۔

سائنس اور اسلام کا طرزِ عمل......دو مختلف آراء:

سائنس کے بارے میں اسلام کا طرزِ عمل کیا ہے؟ اس کے متعلق دو مختلف آراء موجود ہیں۔ ایک گروہ کی رائے کے مطابق سائنس کا حصول دائرۂ اسلام سے اخراج کی قوی دلیل ہے، جبکہ دوسرے گروہ کے خیال میں ان میں باہم کوئی تناقض نہیں پایا جاتا۔

ترقی کی تین بنیادی شرائط:

ان دونوں آراء سے قطع نظر دین اسلام کا اگر ہم مطالعہ کریں تو یہ ایک صحت مند معاشرہ پیدا کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ ایک صحت مند معاشرے کے قیام اور اس کی بقاء و ترقی کے لئے تین شرائط بنیادی ہیں۔ وہ شرائط درج ذیل ہیں:

1 انسانی شخصیت کی نشو و نما۔ 2: ہیئت عمرانی کی تشکیل۔

3: ماحول کی تسخیر۔

پہلی دونوں شرائط کی تکمیل کے لئے وحی کی راہنمائی سے کامل ہدایت میسر آتی ہے اور ماحول کی تسخیر کے لئے سائنس کی گنجائش موجود ہے۔

مظاہر قدرت میں توحید کی نشانیاں:

قرآن حکیم نے علم کی اہمیت اور فضیلت سے روشناس کراتے ہوئے اس کے حصول پر زور دیا۔ حقائق میں تقویت اور استحکام پیدا کرنے کے لئے جو دلائل دیئے جا سکے ہیں، اس میں مطالعہ کائنات کے حق میں سب سے پہلی آواز دین اسلام کی تھی۔ قرآن حکیم میں یہ واضح بیان کیا گیا ہے کہ توحید کی نشانیاں اور علامات مظاہر قدرت میں نظر آئیں گی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار والفلك التی تجری فی البحر بماینفع الناس وماانزل اللہ من السماء من ماء فاحیابه الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابة وتصریف الریح والسحاب المسخرین بین السماء والارض لایت لقوم یعقلون٥"

(سورة البقرہ)

گویا مظاہر قدرت کے مشاہدے اور مطالعے کی دعوت دی گئی تا کہ حقیقت اور اصلیت کو پوری طرح سمجھ لیں۔

طبعیاتی علوم:

جب تمام اسرار و رموز سے آگاہ ہو گئے تو گویا تمام طبعیاتی علوم وجود میں آ گئے۔

حیاتیاتی علوم:

اسی طرح حیاتیاتی دلیل کے طور پر مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلاتی ہے۔

نباتاتی علوم:

زمین سے روئیدگی، لہلہاتے کھیتوں، پیداوار، غلہ اور اناج سب کے مشاہدے اور مطالعے سے گویا نباتاتی علوم معرض وجود میں آ گئے۔

قرآن مجید اور عصری علوم:

اسی طرح قرآن مجید نے دنیا اور انسان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں اور قوانین کا ذکر بھی کیا۔ یہ قرآن حکیم کا ہی فیض تھا کہ انسان کو علمی میدان میں قدم رکھنے کی تلقین کی، اس میں علمی روح بیدار کی، بحیثیت مجموعی علم سے بحث کی اور سائنس اس علم ہی کا ایک حصہ یا جزو ہے۔ اسلام نے وہ خطوط مہیا کیے جن کی راہنمائی میں صحیح نتائج تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ آئن سٹائن کا ایک مشہور مقولہ ہے:

"Science without religion is lame and
Religion without science is Blind."

احمد بن یعقوب...... بانی علم جغرافیہ:

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اسلامی دنیا نے اس وقت سائنسی علوم کو نکھارا جب پورا یورپ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بڑے بڑے سائنس دان علماء پیدا ہوئے۔ احمد بن یعقوب علم جغرافیہ کے بانی تھے اور ان کی تحریر کردہ کتابیں اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں جغرافیے کے نصاب میں شامل رہیں۔

ابن مسکویہ:

ابن مسکویہ نے حیات انسانی سے بحث کی اور یورپ کے چارلس ڈارون کے نظریات زیادہ تر انہی کے مرہون منت ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ابن مسکویہ نے صرف قرآنی تعلیمات کی روشنی میں بات کی تھی۔

ابن الہیثم ...... امام علم المناظر:

ابن الہیثم علم المناظر کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے انعطاف نور پر تجربات کیے۔

بابائے کیمیاء...... جابر بن حیان:

جابر بن حیان بابائے کیمیا کہلوائے اور انہوں نے بے شمار کیمیائی مرکبات ایجاد کیے۔

محمد بن زکریا رازی اور طب:

محمد بن زکریا رازی پہلے طبی انسائیکلوپیڈیا ''الحاوی'' کے مصنف تھے۔

ابوالقاسم الزہراوی:

ابوالقاسم الزہراوی وہ پہلے سرجن تھے جنہوں نے پوسٹ مارٹم کو انسانی اعضاء کی تحقیق کے لئے ضروری خیال کیا۔

دیگر مسلمان سائنس دان:

اسی طرح محمد بن موسیٰ خوارزمی، یعقوب بن اسحاق کندی، ابوموسیٰ علی الطبری، ابوعباس، احمد الفرقان البیرونی، بوعلی سینا اور ابن بیطار بہت ہی نامور مسلمان سائنس دان گزرے ہیں۔

سائنس، مسلمان اور اہل یورپ:

مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر دور میں علم اور سائنس کی بڑی خدمت کی اور یہی اسلامی اثرات اور یورپ پر اس کے نتائج اندلس کے ذریعے مختلف ممالک پر وارد ہوئے۔ اگر قرون وسطیٰ کے زمانے میں یورپ میں اسلامی خدمات ان کی تاریخ کے اوراق کو رنگین بنانے کے لئے دوبدو نہ ہوتیں تو آج برلن، واشنگٹن، لندن، ماسکو اور پیرس کی حالت کچھ اور ہوتی۔ یہ صرف مسلمانوں کی محنت کا نتیجہ تھا کہ یورپ نے اس سے آگے قدم رکھ کر گزشتہ خدمات کا سہرا بھی اپنے سر سجالیا اور سائنسی علوم وفنون میں پیش رو قرار پائے۔

سائنس اور اس کی حدود:

1: وجود خداوندی کے منکرین مادیت پرست سائنس دان جس غلطی کا شکار ہوئے، اس کی وجہ یہ تھی انہوں نے خود سائنس کی حدود کو نہ سمجھا اور اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ سائنس زندگی کے اس عقدہ کو حل کر سکتی ہے۔ جس طرح بحری جہاز ہوا میں نہیں اڑ سکتا اسی طرح طبعی دنیا کا مطالعہ کرنے والی سائنس مابعد الطبیعاتی حقائق کا ادراک نہیں کر سکتی۔

2: سائنس اپنے مخصوص دائرہ کار میں مفید خدمت سرانجام دے سکتی ہے، لیکن اس کے نام پر کسی ایسے معاملے کو موضوع بحث بنانا جو اس کی حدود سے متعلق نہ ہو، اس کے دائرہ کار سے

باہر ہو، بذاتِ خود ایک غیر سائنٹفک بات ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہنا کہ سائنس خدا کے وجود کی نفی کرتی ہے، ایک بے سروپا بات اور غیر عقلی دعویٰ ہے۔ درحقیقت یہ سوال ہی سائنس کے دائرہ عمل سے خارج ہے۔

چنانچہ فرانسیسی پروفیسر لیز نے لکھا ہے:

''کائنات کے آغاز وانجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں، اس لئے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا انکار کریں، جس طرح ہمارا کام یہ بھی نہیں کہ ہم اس کو ثابت کریں۔ ہمارا کام نفی اور اثبات دونوں سے الگ ہے۔''

سائنس کا علم اور توحید:

1: سائنس اور اسلام کی مخالفت کی ایک بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مغرب کے سائنس دانوں کے ایک گروہ نے خدا کے وجود سے انکار کیا اور مذہب سے فرار کی کوشش کی، لیکن اقلیتی گروہ کی اس کارروائی میں سائنس کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ یہ ایک ایسی لہر ہے جو زیادہ دیر بلند نہیں رہ سکتی۔

چنانچہ مورس (Maurice) نے اپنی کتاب "Man in not alone" میں لکھا ہے:

''ہم ابھی سائنس کی ترقی کے دور میں سے گزر رہے ہیں لیکن جیسے جیسے ہمارے علم میں اضافہ ہوتا جارہا ہے یہ بھی واضح ہوتا جاتا ہے کہ کائنات کا کوئی خالق ایسا ضرور ہے، جس کی دانائی اور حکمت کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ علم نے ہمارے سینوں میں یہ انکسار اور یقین پیدا کردیا ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہم خدا سے دور جانے کی بجائے خدا کے وجود کو تسلیم کرنے اور اس پر ایمان لانے کے قریب آرہے ہیں۔''

2: "Francis Beacon" نے بجا طور کہا تھا:

''سائنس کا نامکمل علم آپ کو ملحد بنادیتا ہے لیکن سائنس کا وسیع اور عمیق مطالعہ آپ کو خدا پر ایمان رکھنے والا بنادیتا ہے۔''

3: ڈاکٹر ڈوز لے نے اپنی کتاب ''The Human Destiny'' اس دعوے

کے ساتھ پیش کی تھی:

"اگر ہم سائنس کے جمع شدہ سرمائے کا تنقیدی مطالعہ کریں اور اس سے منطقی اور عقلی نتائج مستنبط کریں تو یہ لازمی طور پر ہمیں خدا تک لے آتے ہیں۔"

4: پروفیسر "Jude" نے "God and Evil" میں یہاں تک کہہ دیا:

"آج سائنس اور مذہب کائنات کی حقیقت کے بارے میں ایک ہی طرح کی بات کہہ رہے ہیں، گو اپنے نتائج فکر تک پہنچنے کے لئے دونوں کے طریقہ ہائے تحقیق و مطالعہ جدا جدا ہیں، بہرحال ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج سائنس نے خدا کے تصور کا اثبات کر دیا ہے۔"

مغربی علماء کی یہ آراء مذہب اور سائنس کے تعلق کی وضاحت کے سلسلے میں کافی وزنی ہے۔ اگر عقیدۂ توحید کو اساس بنا کر تحقیق و جستجو کی رغبت دلائی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ مذہب اور سائنس میں کسی تضاد کے واقع ہونے کا امکان نہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اگر ہم اپنی دنیا یا ماحول کا جائزہ لیں تو زیادہ بہتر اور مثبت نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ جہاں سائنس تہی دامن ہو وہاں مذہب کے اٹل حقائق سے مدد لے کر تمام عقدوں کو سلجھایا جا سکتا ہے۔ اس طرح زیادہ صحیح، زیادہ بہتر اور زیادہ مثبت نتائج تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اسلام اور فلسفہ

فلسفہ کیا ہے:

انسان بالطبع صاحب فکر و عقل ہے۔ انسانی شعور جب بیدار ہوتا ہے تو وہ اپنے مدمقابل ایک وسیع و عریض کائنات دیکھتا ہے جس کی حقیقت کو وہ سمجھنا چاہتا ہے۔ انسان مختلف آرزوؤں جستجو اور اشتیاق کے ساتھ کائنات کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہی غور و فکر کا نظام فلسفہ کہلایا۔

لفظ فلسفہ کے اجزاء:

فلسفہ ایک یونانی اصطلاح ہے جو ان دو الفاظ کا مرکب ہے:

1: فلو۔ 2: سفیہ۔

فلو (Philo) کے معنی حب کے ہیں اور سفیہ (Sphia) کے معنی دانش و حکمت کے ہیں۔ گویا اس کا مفہوم حب دانش ہے۔

فلسفی کی تعریف:

فلسفی کو فلسفی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ عقل و استدلال کے ذریعے کسی شے کی آخری اور انتہائی حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کا نام ہے۔

فلسفہ کی تعریف:

1: ڈی بوئر (De Boer) کہتا ہے:

"فطرت کے ایک جامع نقطہ نظر کی تلاش اور اشیاء کی ہمہ گیر توجیح کی کوشش فلسفہ کہلاتی ہے۔"

2: فلسفہ کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے:

"Philosophy is an inquiry into the nature of life and of existence."

فلسفے کا پہلا خاص مسئلہ:

فلسفے کا خاص مسئلہ یہ ہے کہ حکیمانہ طور پر علم و وجود کی اساس کی تحقیق کی جائے اور تمام موجود حقیقتوں کا ربط ان کے ساتھ واضح کیا جائے۔ دنیا کو بحیثیت مجموعی ایک کلی واقعہ اور مظہر سمجھ کر اس کی علت العال تلاش کی جائے۔

فلسفے کا دوسرا خاص مسئلہ:

فلسفے کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے:

"جزو اور کل کے درمیان کیا تعلق ہے؟ اگر کائنات کو کل اور انسان کو جزو قرار دیا جائے تو انسان کا اصل مقصد کیا ہے؟ اس کے مطابق انسان کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟ کائنات کل ہونے کی حیثیت سے ابتداء، انتہا، ماہیت اور مقصد کے اعتبار سے کیسی ہے؟ اس کا کوئی آغاز یا انجام ہے یا نہیں؟ انسانی

آرزوؤں کے ساتھ یہ کائنات سازگار ہے یا نہیں۔؟"

فلسفے کا تیسرا خاص مسئلہ:

فلسفے کا تیسرا اہم ترین مسئلہ یہ ہے:

"خیر و شر کی اصل حقیقت کیا ہے۔؟ انسان جس کی فطرت طلب خیر کا تقاضا کرتی ہے وہ خیر کے حصول میں ارادہ اور اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔؟ کائنات کا کوئی مقصد بھی ہے یا نہیں؟ اس کائنات کا کوئی خالق ہے یا نہیں؟ اور اس کے ہونے یا نہ ہونے کا ہماری زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔؟"

فلسفہ اور مذہب:

یہ تمام فلسفے کے مسائل ہیں اور اگر ایک خاص ترتیب سے ان میں نظم پیدا کر لیا جائے تو یہی سوالات مذہب کے دائرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

علماء کہتے ہیں:

"یہ عالم جس میں ہم رہتے ہیں اس کی نوعیت کیا ہے اور اس کی ترکیب کیا ہے۔؟ کیا اس کی ساخت میں کوئی دوامی عنصر موجود ہے۔؟ ہمیں اس سے کیا تعلق ہے؟ اور ہمارا اس میں کیا مقام ہے۔؟ باعتبار اس مقام کے ہی طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔؟ یہ سوالات ہیں جو مذہب، فلسفہ اور اعلیٰ شاعری میں مشترک ہیں۔"

اسلام اور فلسفے کا پہلا بنیادی مسئلہ:

جہاں تک فلسفے اور مذہب کے بنیادی مسائل کا تعلق ہے تو اس میں یہ قدر مشترک پائی جاتی ہے۔ اگر فلسفہ حکمت کا نام ہے تو یہ عین قرآنی چیز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کے جو چار تقاضے قرآن حکیم میں بیان کئے گئے، انہیں سے ایک تعلیم حکمت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"اے نبی! آپ کو حکمت اور خیر کثیر عطا کی گئی ہے۔"

دین اسلام اور فلسفے کے دیگر مسائل:

دین اسلام کو سمجھنے کے لئے جو منہاج یا طریق کار اختیار کیا جائے اس کے دو اجزا ہیں:

1: مذہب کو صاحب کے حوالے سے سمجھا جائے۔

2: موضوع زیر بحث کی اصل ماہیت، مقصد اور غایت کو سمجھا جائے۔

اسلام کا سرچشمہ اور ماخذ پیغمبرانہ ہدایت ہے جو وحی متلو اور وحی غیر متلو پر مشتمل ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جو نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو، اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی افراد پر مشتمل ہو۔ جن کی کوشش کا رخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف اور غم سے محفوظ رہے۔ اس معاشرے میں نمونہ تقلید اور استحکام کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خالص وفاداری ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کی استعداد عطا کی ہے۔ انسان اپنے حواس کے ذریعے خام مواد جمع کرتا ہے اور عقل کی خصوصیت کے ذریعے جب اسے منظم کیا جاتا ہے تو اس علم کو کہتے ہیں ”فلسفہ“۔ فلسفہ بھی علم کی ایک شاخ ہے جو انہی مسائل کو زیر بحث لاتا ہے جن سے مذہب بھی بحث کرتا ہے، لیکن علم اور عقل اپنی یہ انتہائی معراج کے باوجود حقائق کے ادراک کے لئے کافی نہیں ہو سکتے اور یہ کمی وحی پورا کرتی ہے۔ انسانی عقل کے ناقص ہونے کی تلافی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو ہدایات نازل فرمائیں وہ سلسلہ وحی کہلاتا ہے۔

فوقیت مذہب یا فلسفہ کی:

فلسفے کو مذہب پر فوقیت حاصل نہیں۔ فلسفہ کو مذہب کی جانچ کا حق ضرور حاصل ہے، لیکن مذہب ایسا معاملہ نہیں ہے جسے مختلف شعبوں میں تقسیم کیا جا سکے۔ لہٰذا مذہب کی قدر و قیمت کے پیش نظر فلسفے کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ مذہب کی تعمیر فکر میں مرکزی حیثیت کو تسلیم کرے۔

مسلم فلاسفہ اور ان کی خدمات:

”عام خیال ہے کہ مسلمانوں میں جو حکماء اور فلاسفہ پیدا ہوئے ان میں سے کچھ تو ملحد و بے دین اور اکثر ضعیف العقیدہ تھے، یا کم از کم ان کی مذہبی حالت بہتر نہ تھی۔ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ حکمائے اسلام نے بڑی خدمات سرانجام دیں کہ فلسفے کو مذہب اور اسلام سے قریب تر کر دیا، نبوت کا اثبات کیا اور روح واحساسات کو فلسفیانہ دلائل کے ذریعے ثابت کیا گیا۔ ابن عربی، الکندی، الفارابی، ابن سینا، امام الغزالی اور ابن رشد مشہور فلاسفہ اور حکیم تھے جن کے افکار سے تاریخ اسلام

جگمگاتی رہے گی۔"

فلسفہ..... اسلامی یا یونانی:

مسلمانوں میں فلسفیانہ فکر کی نشوونما کے سلسلے میں یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ یہ یونانیوں سے مستعار شدہ تھا۔ درحقیقت مستشرقین کی رائے مسلمانوں کے خلاف اس عناد کا نتیجہ ہے جو عیسائیوں اور یہودیوں کے دلوں میں پیدا ہوتا رہا۔ ان کا انداز فکر یہ ہے کہ جب تک اسلام کے خلاف منافرت پیدا نہ کی جائے مسیحیت مقبول نہیں ہو سکتی، وہ اسلام کے ثقافتی فضائل کے خلاف رائے قائم کرانا چاہتے ہیں۔

غیر مسلموں کے نظریئے کے مطابق اسلام نے اخلاق اور تصوف مسیحیت سے مستعار لیا ہے...... قانون یہودیت اور رومن لاء سے......اور فلسفہ یونانی فکر سے۔

غیر مسلموں کا رد:

فلسفے کے ضمن میں غیر مسلموں کی دلیل یہ ہے کہ اس کا آغاز مسلمانوں میں اس وقت ہوا جب عباسی خلافت کے زمانے میں مامون الرشید کے دور حکومت کے دوران بیت الحکمت قائم ہوا اور فلسفے کی یونانی کتابوں کے عربی میں ترجمے کیے گئے۔

حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان تراجم کی ابتدا سے تقریباً ۱۰۰ سال پیشتر معتزلہ نے فلسفیانہ بحثوں کا آغاز کیا تھا اور دیکھا جائے تو استعداد، عقل، فہم اور دانش کسی دوسری قوم سے مستعار لینے والی چیز نہیں۔ تبلیغ اسلام کے لئے اسلامی عقائد کو عقل و دانش کے ذریعے منوانے کی خاطر فلسفیانہ افکار کو نمو ملی اور اس نے ترقی کے مدارج طے کئے اور اس کی تردید کے لئے یہ دلیل بھی بہت وزنی ہے کہ یونانی مفکرین کی نسبت اسلامی مفکرین کی تصانیف بہت زیادہ ہیں اور زیر غور مسائل کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔

اس سلسلے میں قوی ترین دلیل یہ ہے کہ فلسفیانہ فکر کی نشوونما کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے قائم شدہ مفروضوں کو رد کیا جائے تاکہ بحث و تمحیص اور دلائل کے ذریعے نیا تجزیہ منظر عام پر آئے۔ اس بناء پر فکر اسلامی کا یونانی افکار سے ماخوذ ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ہر قوم میں فلسفیانہ غور و فکر کے محرکات الگ الگ ہوتے ہیں۔

یونانیوں کا بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ محسوس اور معقول کے درمیان کیا تعلق یہ ہے۔؟ مجوسیوں

میں خیر و شر کے متضاد اصولوں کی بنا پر ایک ہم آہنگ نظریہ جو حقیقت پر مبنی ہو غور و فکر کا محرک تھا۔ مسیحیوں میں علم اور ایمان کے درمیان ہم آہنگی کا مسئلہ تفکر و تدبر کا باعث بنا۔ مسلمانوں میں فلسفیانہ غور و فکر کے آغاز کا باعث یہ بات تھی کہ وہ دین کی تلقین کرنے سے پہلے مخالفین کے ساتھ علمی اشتراک پیدا کرنا چاہتے تھے اور ان کی نہج پر ان سے بات کرتے تھے۔ گویا دینی اشتراک سے پہلے علمی اشتراک پیدا کرنا بنیادی مقصد تھا۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ مسلمانوں نے دوسرے فلسفیانہ نظاموں کو جن کے محرکات کچھ اور تھے مستعار لے لیا۔

فلسفہ، سائنس اور اسلام میں عدم تضاد:

اس کا نتیجہ یہی نکالا جا سکتا ہے کہ فلسفہ اور سائنس اپنی حدود اور مخصوص دائرہ کار کے مطابق دینِ اسلام سے کوئی تضاد نہیں رکھتے۔ ان دونوں کا تعلق مذہب کے ساتھ بہت گہرا ہے اور مذہب ان دونوں کو وہ بنیاد مہیا کرتا ہے جس کی وجہ سے یہ اپنی اس کمی اور خامی کو دور کر سکتے ہیں جو محض حسی دائرہ کار کی وجہ سے اصولی طور پر ان میں موجود ہے۔

تفکر و تدبیر اور عقل و دانش کے ساتھ ساتھ تجربے اور مشاہدے کو دین کے حقائق سمجھنے میں راہ خیال نہیں کرنا چاہئے، بلکہ یہ ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ تضاد صرف اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب ان دونوں کو ان کے محدود دائرہ کار سے نکال کر مسائل حل کرنے کی کوشش کی جائے یا ان دونوں سے غلط توقعات وابستہ کر لی جائیں۔ بصورت دیگر سائنس اور فلسفہ دونوں علوم سے مفید کام لیا جا سکتا ہے۔

اسلام کی امتیازی خصوصیات

اسلام کا امتیاز:

گزشتہ اوراق کے مطالعے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ "اسلام" دوسرے تمام مذاہب سے ممتاز و مخصوص ہے۔ صرف اسلام ہی ہر حیثیت سے کامل دین ہے، یہ سارے انسانوں کے لئے خدا کا آخری پیغام ہے اور نجات کے لئے ضروری ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ خدا کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی جو دعوت پیش کی وہ مکمل اور ایسی جامع تھی جس کے

بعد کسی اور تعلیم کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور یہ ہدایت ہمیشہ کے لئے، ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے کافی وشافی ہے۔

دین اسلام کی اہم ترین خصوصیات درج ذیل ہیں:

1: عالمگیریت۔ 2: کاملیت۔

3: محفوظیت۔ 4: پسندیدہ دین۔

عالمگیریت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عالمگیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے کسی خاص خطے یا کسی ایک قوم کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لئے اور تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وما ارسلنک الا کافة للناس بشیرا و نذیرا"

"اے محمد! ہم نے تمہیں تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

(سورۃ السبا، آیت نمبر ۲۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلان خود بھی بحکم الٰہی یوں کیا تھا:

"یایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا"

"لوگو! میں تم سب لوگوں کے لئے اللہ کا رسول ہوں۔"

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۵۸)

یہ ایک ایسی بات ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے خاص ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء آئے تھے ان میں سے کسی کی حیثیت یہ نہ تھی۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

"کان النبی یبعث الی قومه خاصة وبعثت الی الناس عامة"

"مجھ سے پہلے کا ہر نبی مخصوص طور پر اپنی ہی قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جس طرح عالمگیر ہے اسی طرح ہمیشہ کے لئے بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحی و رسالت کا سلسلہ اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو گیا اور اب

قیامت تک کوئی رسول نہ آئے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"ولکن رسول اللہ وخاتم النبین"

"بلکہ وہ اللہ کے رسول اور سارے نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں۔"

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر:۴۰)

حدیث مبارکہ میں ہے:

"ختم بی النبیان و ختم بی الرسل"

"مجھ پر نبوت ورسالت ختم ہوگئی۔"

ایک اور جگہ فرمایا:

"انه لا نبی بعدی"

"بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔"

(بخاری، مسلم، مشکوۃ)

کاملیت:

اس کے مقابلے میں دوسرے پیغمبروں کی رسالت کا معاملہ کسی شرح کا محتاج نہیں پھر جیسا کہ ابتدا میں کہا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین وشریعت لے کر آئے وہ ہر پہلو سے کامل ہے جبکہ پچھلے تمام دینوں میں سے کسی کو یہ اعزاز نہ ملا تھا۔ یہ شرف اللہ تعالیٰ نے صرف اسلام کے لئے مخصوص کر رکھا تھا کہ وہ "دین کامل" ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"

"لوگو! آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور دین کی حیثیت سے تمہارے لئے اسلام کو پسندیدگی کی سند عطا کردی۔"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر۳)

واقعہ یہ ہے کہ پہلے جو دین بھی آیا وہ اس قوم، اس زمانے اور اس علاقے کی اصلاح و ہدایت کے لئے مخصوص تھا اور جس طرح اس کی مخاطبت کا دائرہ محدود تھا اسی طرح اس کی تعلیمات کا مجموعہ بھی مختصر اور محدود تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کا فیصلہ یہ ہوا کہ اب ایسا نبی

بھیجا جائے جو سب کے لئے ہو اور ہمیشہ کے لئے ہو تو اس فیصلے کا فطری تقاضا تھا کہ اس نبی پر نازل ہونے والے دین کا مزاج بین الانسانی ہو اور اس کی تعلیمات ہر زمانے، ہر ملک اور ہر طرح کے انسانی مسائل پر حاوی ہوں۔ قرآن کی مذکورہ بالا آیت اسی فطری تقاضے کی تکمیل کا اعلان کر رہی ہے۔

محفوظیت:

اسلام کا یہ بھی امتیاز ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوئی وہ جوں کی توں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی، جس پر خود قرآن، حدیث اور تاریخ گواہ ہیں اور یہ کتاب ایک ایسی زبان میں ہے جو زندہ اور انٹرنیشنل زبان ہے۔ کروڑوں آدمی اسے بولتے ہیں اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے جاننے، سمجھنے اور پڑھنے پڑھانے والے بے شمار انسان موجود ہیں۔ اس کے مقابلے میں کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو ان صفات کی حامل ہو۔

پسندیدہ دین:

رسالت محمدی کی اس امتیازی حیثیت کے پیش نظر کچھ لازمی تقاضے پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کا پہلا فطری اور لازمی تقاضا یہ ہے کہ دوسرے تمام مذاہب منسوخ ہو چکے ہیں اور اب اللہ کے نزدیک منظور شدہ دین صرف اسلام ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان الذین عند اللہ الاسلام"

"بلاشبہ اللہ کے نزدیک مقبول دین تو صرف اسلام ہے۔"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:۱۹)

اس لئے ضروری ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور ہر قوم، ہر ملک اور زمانے کا انسان اسی کی پیروی کرے ورنہ:

"من یبتغ غیر السلام دینا فلن یقبل منہ"

"جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا تو اللہ کے یہاں اس کی طرف سے یہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:۸۵)

کیونکہ جب یہ دین ساری دنیا کا دین اور اس کا لانے والا پیغمبر پوری نوع انسانی کا

پیغمبر قرار دیا گیا ہے تو اب کسی اور دین اور کسی اور پیغمبر کا زمانہ باقی نہیں رہ سکتا۔ رسول تو آتا ہی اس لئے ہے کہ جن لوگوں کی طرف وہ بھیجا گیا وہ اسے اللہ کا رسول تسلیم کریں اور اس کی غیر مشروط پیروی کریں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ"

"ہم نے جو رسول بھیجا صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۶۴)

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارے انسانوں کی طرف مبعوث ہونا اور پھر آخری رسول ہونا اس کا کھلا تقاضا کرتا ہے کہ ہر انسان، ہر زمانے کا انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین مان کر لازماً اس کی پیروی کرے۔ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نہیں مانتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا حلقہ اپنی گردن میں نہیں ڈالتا تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت نہیں بلکہ اس فرماں روائے کائنات اللہ تعالیٰ عزوجل کے خلاف بغاوت ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری دنیا کا ہادی اور آخری نبی بنا کر بھیجا ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ اسلام ہی کی پیروی ضروری ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی موجود ہے۔ اگر یہ بات قرآن مجید کے نزدیک بھی صحیح ہوتی ہے کہ سارے دین سچے ہیں اور کسی ایک رسول کی پیروی کافی ہے تو اس کا بالکل منطقی تقاضا یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہود اور نصاریٰ کو اسلام کی دعوت نہ دیتے، حالانکہ آپ نے جس طرح مشرکین عرب کو دعوت اسلام دی ہے اس طرح اہل کتاب، یہود و نصاریٰ کو بھی دی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ"

"اے اہل کتاب! اس کتاب پر جو ایمان لاؤ جسے ہم نے اتارا ہے جبکہ وہ اس کتاب (کی پیش گوئیوں) کے عین مطابق بھی ہے، جو تمہارے پاس ہے، قبل اس کے کہ ہم چہروں کو بگاڑ دیں اور انہیں پیچھے کی طرف پھیر دیں یا ان پر لعنت کریں۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۴۷)

نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام لانے کی دعوت دی بلکہ ان میں سے

جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا انہیں صاف لفظوں میں "کفر" کا مرتکب قرار دیا گیا، حتی کہ بعض مقامات پر تو ان کے اس انکارِ اسلام کو صرف کفر ہی نہیں بلکہ "بدترین کفر" اور انہیں صرف کافر ہی نہیں بلکہ "پکا کافر" کہا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝"

"جو لوگ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کر دیں اور کہتے ہیں کہ بعض رسولوں کو ہم مانیں گے اور بعض کو نہ مانیں گے اور اس طرح کفر و ایمان کے درمیان کی کوئی راہ اختیار کر لینا چاہتے ہیں، وہ پکے کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لئے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر 151-150)

پھر اہل کتاب کے انکارِ اسلام پر ایک جگہ یوں تبصرہ کیا گیا:

" وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ"

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے اللہ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی تھی اور اس طرح وہ اس کے ماسوا ہدایت الٰہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر جاتے ہیں۔"

(البقرہ، آیت نمبر 91)

دعوتِ اسلام کے جواب میں وہ جو کچھ کہتے تھے وہ ٹھیک وہی فلسفہ تھا جو آج وحدتِ ادیان کے نظریئے کی بنیاد ہے، یعنی یہ کہ جب ہمارے پاس بھی خدا ہی کا بھیجا ہوا دین ہے جو اپنی جگہ حق ہے اور اسلام اپنی جگہ حق ہے لیکن ان کے اس "فلسفے" کو اللہ تعالیٰ صاف طور سے "کفر کا فلسفہ" قرار دیتا ہے اور انہیں "یہ بھی حق وہ بھی حق" کہنے کے باوجود اصل حق کا منکر (کافر) ٹھہرایا۔

اس کے علاوہ جب قرآن مجید کے سوا اب کوئی دوسری کتاب بھی ایسی نہیں رہ گئی ہے جو پوری طرح محفوظ ہو اور جس کی اصل زبان دنیا کی مردہ زبانوں میں شامل نہ ہو چکی ہو تو دوسری کتابوں اور شریعتوں کی ٹھیک ٹھیک پیروی ممکن بھی کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ صورتحال تو گویا خود ان کتابوں اور شریعتوں کا اقراری بیان ہے کہ اب ہمارا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور ہمیں منسوخ قرار دیا جا چکا ہے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر شخص کے لئے اسلام ہی کی پیروی ضروری ہے اور اسلام ہی شرط نجات ہے۔ چنانچہ "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه" فرمانے کے بعد وہ اپنے اس فیصلے کا بھی اعلان کر چکا ہے:

"وھو فی الاخرۃ لمن الخسرین"

"اور ایسا شخص (جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی پیروی کرے وہ) آخرت میں قطعاً نامراد رہے گا۔"

(سورہ آل عمران، آیت نمبر: ۸۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی فیصلہ خداوندی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! اس امت (مراد گروہ انسانی) میں سے جس کسی بھی شخص (یہودی، نصرانی، کافر) تک میری نبوت کا پیغام پہنچا اور اس کے باوجود وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو وہ دوزخی ہوگا۔"

(صحیح مسلم)

اس فیصلہ خداوندی کے تحت جس طرح یہود و نصاریٰ آتے ہیں اسی طرح دوسری قومیں اور ملتیں بھی آتی ہیں، بلکہ ایک حیثیت سے تو دوسری قوموں اور ملتوں کا معاملہ اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے، کیونکہ دنیا کی ساری قوموں میں سے صرف یہود و نصاریٰ ہی وہ دو گروہ ہیں جن کو قرآن مجید نے اہل کتاب کہا ہے۔ ان قوموں اور ملتوں کے لئے اس کا شرط نجات ہونا اور زیادہ ضروری ہوگا جن کو قرآن مجید نے صاحب کتاب و شریعت کے نام سے یاد نہیں کیا ہے۔

غرض جہاں تک اسلام کے اپنے فیصلے کا تعلق ہے وہ بالکل دوٹوک انداز میں اپنی پیروی کو سارے انسانوں کے لئے ضروری اور شرط نجات قرار دیتا ہے اور اس سے مستثنیٰ وہی فرد ہے جس

تک اسلام کا پیغام ہی نہ پہنچا ہو۔ اب اس پیغام کو پوری نوع انسانی تک پہنچانے کا فریضہ امت مسلمہ کا ہے۔

دین اسلام کی دیگر اہم ترین خصوصیات

علاوہ ازیں دین اسلام میں مندرجہ ذیل امتیازی خصوصیات پائی جاتی ہیں:

1: توحید۔ 2: اخوت اسلامی۔
3: اسلامی مساوات۔ 4: اعتدال اور توازن۔
5: ابدی اور دائمی مذہب۔ 6: اصلاحی اور انقلابی دین۔

توحید

بنیاد توحید:

دین اسلام کی بنیاد اور محور عقیدۂ توحید ہے۔ توحید کے تین ذیلی عنوانات ہیں:

1: توحید ربانی۔ 2: توحید انسانی۔ 3: توحید ایمانی۔

توحید ربانی:

عقیدۂ توحید سے مراد ہے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے، وہ اپنی ذاتی صفات اور صفاتی کمالات میں بے مثل ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے، تمام کائنات کا وہ مالک ہے، وہ حی وقیوم ہے، حاضر وناظر ہے، عالم الغیب ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، تمام مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ ابد تک رہے گا، ہر عیب ونقص سے پاک ہے اور ہر صفت کمال سے متصف ہے۔ لہٰذا اصلی حاکم ومطاع وہی ہے، اس کے احکام وقوانین کی اطاعت ضروری ہے۔ اسلام میں توحید ربانی کے ساتھ ساتھ انسانی توحید ایمانی اور توحید مکانی پر بھی زور دیا گیا ہے۔

توحید انسانی:

توحید انسانی یہ ہے کہ تمام انسان اصل کے لحاظ سے ایک جان سے پیدا کئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"خلقكم من نفس واحدة"

حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں اور ان کا خمیر مٹی سے اٹھایا گیا۔ انسان کو مٹی سے ہی خوراک مہیا کی گئی اور بالآخر ایک دن اسے مر کر اسی مٹی میں جانا ہے۔ اس طرح تمام انسانوں کی ابتدا اور انتہا یکساں اور ایک جیسی ہے۔ اسلام نے یہ عقیدہ پیش کر کے تمام علاقائی اور جغرافیائی حدود کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

توحید ایمانی:

توحید ایمانی سے مراد یہ ہے کہ تمام اہل اسلام کے عقائد ایک ہی اجزائے ایمانی سے مرکب ہیں، یکساں ہیں اور ارکان اسلام میں تمام اہل ایمان شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک، رسول ایک، قرآن ایک اور خانہ کعبہ ایک ہے۔

نیز جملہ اسلامی احکام، حلال و حرام، نکاح و شادی کی تقریبات اور پیدائش و موت کی رسومات یکساں ہیں جس سے اہل اسلام میں اتحاد و یگانگت پیدا ہوتی ہے۔

اخوتِ اسلامی

اتحاد و یگانگت:

اسلام اونچ نیچ کے امتیازات صرف سلبی طور پر ہی ختم نہیں کرتا بلکہ وہ ایجابی طور پر اعلان کرتا ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسلامی معاشرہ کی بنیاد اتحاد و یگانگت ایثار و اخوت پر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"انما المومنون اخوة"

"تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔" (سورۃ الحجرات، آیت نمبر:۱۰)

معاشرتی برائیوں کی حرمت:

معاشرہ میں جو چیزیں تعلقات کو بگاڑنے والی ہیں اور دلوں میں کدورت پیدا کرتی ہیں مثلاً غیبت، خیانت اور غلط بیانی کو اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس سے خیانت نہیں کرتا، غلط بیانی نہیں کرتا، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت، مال اور خون حرام ہے۔"

نیز ارشاد فرمایا:

''مسلمان باہمی مروت، شفقت اور ہمدردی میں ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر ایک عضو بیمار ہو تو کل جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

مساواتِ انسانی

ایک شخصیت کی اولاد:

اسلام نے بنی نوع انسان کو وحدت اور مساوات کا سبق دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ''

''اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا۔''

مساوات بحیثیت انسان:

تمام بنی نوع انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ قبائل، خاندان اور اقوام محض باہمی تعارف کے لئے ہیں۔ اسلام میں مساوات سے دو باتیں مراد ہیں۔ ایک ہی قانون ہے امیر ہو یا غریب، سربراہ حکومت ہو یا عام انسان، کسی کو کسی بنا پر کوئی برتری حاصل نہیں۔

اجتماعی اور سوشل لائف میں مساوات:

معاشرتی مساوات سے مراد ہے کہ عام اجتماعی اور سوشل لائف میں کسی کو فضیلت حاصل نہیں۔ اسلام میں نہ اونچ نیچ ہے، نہ برتری و کمتری۔ عزت و اکرام کا معیار فقط تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ان اکرمکم عنداللہ اتقکم''

''بیشک تم میں سے سب سے معزز سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔''

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان العباد کلھم اخوۃ''

''سارے انسان بھائی ہیں۔''

اور فتح مکہ کے موقعہ پر فرمایا:

"اے لوگو! تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے ساتھ۔"

اعتدال اور توازن

اسلام کی امتیازی خوبی:

پوری کائنات اعتدال پر قائم ہے اور حیات انسانی میں بھی یہی توازن مطلوب ہے۔ اسلام کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ اس میں زندگی کی انتہاؤں کے درمیان ایک حسین توازن اور اعتدال پایا جاتا ہے۔

الہامی اعتدال:

انسانی زندگی میں اعتدال صرف الہامی ہدایت ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اسلام نے دین و دنیا، فرد و اجتماع اور روح و جسم کے درمیان توازن قائم کیا ہے اور افراط و تفریط کو ختم کیا ہے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"میں تو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور شادی بھی کرتا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو! تم پر تمہارے نفس کا حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمہارے اہل وعیال کا تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے، ہر حق اس کے حقدار کو ادا کرو (میری ہدایت یہ ہے کہ) روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھو اور سویا بھی کرو۔"

انفرادی اور اجتماعی زندگی کا توازن:

اسی طرح دین اسلام نے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بہترین توازن قائم کیا۔ ایک طرف فرد کی نشوونما کا پورا ساز و سامان کیا تو دوسری طرف اسے اجتماعی ذمہ داری کے نظام میں منظم کیا۔

اعتدال اور اسلامی تعلیمات:

اسلام نے حیات انسانی کے تمام شعبوں کے متعلق مفصل ہدایات دے کر ان تمام شعبوں

کے درمیان اعتدال قائم کیا۔ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شعبہ زندگی میں یہ سنہری ہدایت دی ہے:

"خیر الامور اوسطھا"

"معاملات میں بہترین معاملہ میانہ روی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

"اعتدال نبوت کا حصہ ہے۔"

تہذیب اسلامی کا امتیاز:

پھر اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو امت وسط (میانہ رو امت) قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ امتیاز صرف تہذیب اسلامی کو حاصل ہے کہ اس نے افراط و تفریط سے ہٹ کر زندگی کے فطری تقاضوں کو پورا کیا، ان میں توازن قائم کیا تاکہ انسانی زندگی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ ترقی کر سکے اور کہیں اس میں جھول، انتہا پسندی، عدام توازن اور بے اعتدالی پیدا نہ ہو۔

ابدی اور دائمی مذہب

اسلامی اصول:

زندگی ایک بدلنے والی چیز ہے، اسے گھڑی بھر کے لئے قرار نہیں۔ اسلامی تہذیب کا خالق رب العالمین ہے جو ازل سے ہے ابد تک رہے گا، اس لئے اسلام کے اصول و ضوابط بھی دائمی اور ابدی ہیں۔ یہ اصول انسانی معاشرے کی نت نئی بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق ہیں۔

انسانی اور الہامی اصول:

انسان کے لئے محض اپنی فکر اور تجربے کی بنا پر ایسے اصول وضع کرنا ممکن نہیں۔ زمان و مکان کی جو مجبوریاں انسان کو حق ہیں ان کی بنا پر وہ اس کے لئے نا اہل ہیں۔ یہ اسلامی نظریہ حیات کی خوبی ہے کہ جہاں وہ ایک طرف زندگی کی ابدی صداقتوں کو پیش کرتا ہے، وہیں انسانی معاشرے میں جو فطری تغیرات آتے رہتے ہیں ان سے پیش آمدہ مسائل کا حل بھی فراہم کرتا ہے۔

اجتہاد و قیاس اہم ترین اصول:

لہٰذا اجتہاد اور قیاس اسلامی فقہ کے اہم اصول ہیں جن کے ذریعے نت نئے مسائل کا حل نکالا جاتا ہے۔

اصلاحی اور انقلابی دین

غلبہ و اقتدار:

دین اسلام فقط ایک نظریہ ہی نہیں جو لوگوں کے ذہنوں میں ہے، بلکہ یہ ایک اسلامی اور انقلابی دین ہے جس کا مطالبہ یہ ہے کہ اسے دنیا میں رائج کیا جائے اور غلبہ و اقتدار خدا کے دین کو حاصل ہو۔ چنانچہ قرآن مجید کا اعلان ہے:

"ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون"

"وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ تمام ادیان پر غالب ہو خواہ مشرکین اسے ناپسند ہی کریں۔"

(سورۃ التوبہ، آیت نمبر:۳۳)

اصلاحی اور تبلیغی دین:

اس طرح دین اسلام ایک تبلیغی اور اصلاحی تحریک ہے جس کا مقصد ریاست اور نظم کا قیام ہے۔ مسلم معاشرے کا ہر فرد اصلاً معلم اور داعی الی الحق کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ چنانچہ ہر فرد کو ہدایت ہے:

"تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان"

"نیکی اور تقویٰ کے معاملے میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور برائی و سرکشی کے معاملے میں تعاون نہ کرو۔"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر:۲)

نیز امت مسلمہ کو خیر امت قرار دیتے ہوئے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے:

"کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون

عن المنکر"

"تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لئے میدان میں لائی گئی ہو۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۱۱۰)

اچھائی اور برائی کے بارے میں احکامات:

اخلاق میں متعدی تاثیر ہوتی ہے، اچھے اخلاق کو دیکھ کر دل میں نیکی کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور برے اخلاق والوں کے ہاتھوں دوسرے لوگ بھی برائی میں پڑ سکتے ہیں۔ اس لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ضمن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر کسی قوم میں کوئی گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس شخص کو گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے قبل دنیا میں عذاب الٰہی مسلط ہو جاتا ہے۔"

(مشکوٰۃ المصابیح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے جو برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس میں یہ استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل میں اسے برا سمجھے لیکن یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

(صحیح مسلم)

نظام اسلام کی برکتیں:

اسی طرح اسلام محض ایک فکری تہذیب ہی نہیں، بلکہ ایک اسلامی اور انقلابی تحریک بھی ہے، جس کا مقصد نیکیوں کی اشاعت اور برائیوں کی بیخ کنی ہے اور خدا کی زمین پر ظلم وستم، استحصال، ناجائز نفع اندوزی، جبر وتشدد، فحاشی اور گمراہی کو مٹا کر گلشن حیات کو اچھائیوں سے بھر دینا ہے اور ایک ایسا نظام قائم کرنا ہے جس میں حضرت عیسیٰ کے الفاظ میں زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے اور آسمان اپنی برکتیں برسانے لگتا ہے۔

اسلامی تعلیمات قوی وسریع التاثر ہیں:

یہی وجہ ہے کہ تمام عرب تیئیس سالوں کی مدت میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام

بہت جلد دور دور تک پھیلنا شروع ہوگیا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

"ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا"

"اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔"

(سورۃ النصر، آیت نمبر 2)

مسٹر سٹینل قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"دنیا میں اس دین کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی جس کی مثال اور نظیر نہیں ملتی۔ اس دین کو نا صرف ان لوگوں نے قبول کیا جو عربی تھے بلکہ انہوں نے بھی قبول کیا جو غیر عربی تھے، حالانکہ اس میں کوئی بات اس سے بڑھ کر نہ تھی جو ایک مذہب میں عموماً خیال کی جاتی ہے۔ بہرحال اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے عجیب ترقی حاصل کی۔"

حصہ نمبر4

یہودیت،عیسائیت اور اسلام کا تقابل

(عقائد، شعار، اعمال، رہنما اور کتب)

الجزء الاول:

یہودیت اور اسلام کا تقابل

یہودیت ابتدا تا انتہا

یہودیت یا اسرائیلی مذہب کے صاحب شریعت نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ حضرت یعقوب کا نام چونکہ اسرائیل تھا اس لئے یہ نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ ان کی تبلیغ سے جن دوسری اقوام نے ان کا دین قبول کیا، وہ نسلاً تو ان سے الگ رہی مگر مذہباً ان کے تبع رہی۔ اس طرح یہودیت نسلی دین ہے۔ پھر بنی اسرائیل پر جب تنزل کا دور آیا تو اس سے یہودیت پیدا ہوئی، جو حضرت یعقوب کے چوتھے بیٹے یہودا کی طرف منسوب ہے۔ قرآن مجید میں انہیں بنی اسرائیل اور الذین ھادوا کے الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا طویل سلسلہ مبعوث کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان میں صاحب شریعت رسول تھے۔ ان تمام انبیاء کی تعلیم خالص توحید، رسالت اور آخرت پر مبنی تھی۔ ان کا اصل دین دین اسلام ہی تھا لیکن مرور زمانہ سے بنی اسرائیل کے کاہنوں، ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات اور رجحانات، مطالعہ، شرکیہ عقائد، باطل رسوم اور خود ساختہ مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدہا برس میں تیار کیا اس کا نام یہودیت ہے۔ لہٰذا ہم اسلام کا موازنہ اسی یہودیت سے ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

تصورِ توحید

اسلام کا تصور توحید:

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور باقی تمام عقائد و ایمانیات عقیدۂ توحید کے تحت ہیں۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

”والھکم الہ واحد لاالہ الاھو الرحمن الرحیم“

(القرآن المجید)

”تمہارا معبود حقیقی صرف ایک اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ وہ رحمٰن

اور رحیم ہے۔"

اس کے علاوہ قرآن کریم کی سورۂ اخلاص اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا اتنا خالص بیان پیش کرتی ہے کہ جس کے بعد ہر قسم کے شک کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝"

(القرآن المجید، سورۃ الاخلاص، سورۃ نمبر 112)

"اے نبی! آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ کوئی دوسرا کسی بھی طرح اس کے برابر ہے۔"

نیز فرمایا گیا:

"يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 21)

"اے لوگو! اس رب کی اطاعت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا۔"

آگے چل کر اسلام خدا کی اہم صفت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 20)

"بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

یہودیت کا تصورِ توحید:

اس کے مقابلے میں یہودیوں کی مذہبی کتاب (تورات) میں خدا کا تصور ملاحظہ ہو:

"خداوند انسان کو اس سرزمین پر پیدا کر کے پچھتایا اور کہا: "میں نے جس انسان کو پیدا کیا نہ صرف اسے بلکہ حیوان اور پرندوں تک کو ہلاک کروں گا کیونکہ ان کے بنانے سے میں ملول ہوا ہوں۔"

تورات کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا بھی گویا انسانوں کی طرح ہے کہ ایک کام کرتا

ہے اور پھر کسی وجہ سے اپنے کیے پر پچھتاتا ہے۔ جہاں تک یہودیوں کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ عقیدہ توحید یہودی عقائد کا ایک اہم جزو ہے، اس کی نفی قرآن کریم نے کردی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"وقالت الیھود عزیر ابن اللہ"

"اور یہود کہتے ہیں کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔"

گویا یہودیت کے نزدیک خدا کو انسانوں کی طرح نسلی بقا کی ضرورت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عقیدہ توحید کو خالص طور پر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شرک کو بہت بڑا ظلم قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان الشرك لظلم عظیم"

"بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ عقیدہ توحید اپنے خالص رنگ میں صرف اور صرف اسلام ہی میں موجود ہے اور یہودی اس عقیدہ کو خالص نہ رکھ سکے۔

دینی کتب

مسلمانوں کی دینی کتاب قرآن مجید:

یہودیوں کے مذہبی ادب کی بنیاد تورات ہے اور مسلمانوں کی کتاب قرآن پاک ہے۔

قرآن مجید اپنی اصلی صورت میں آج تک موجود ہے اور تا قیامت موجود رہے گا کیونکہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں محفوظ کرایا اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کے سینوں میں بھی یہ محفوظ تھا۔ نیز خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہوئے اسے ہر طرح کی تحریف سے پاک رکھنے کی ضمانت بھی دے دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون"

"ہم نے اسے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔"

اور نہ صرف اس کی حفاظت کی گئی بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ اس جیسا کلام کوئی نہیں پیش کرسکتا اور کھلا چیلنج دیتے ہوئے فرمایا گیا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 23)

"اگر تمہیں ہمارے کلام کے بارے میں کوئی شک وشبہ ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ اور نہ صرف تم بلکہ اللہ کے علاوہ اپنے تمام حمایتیوں کو بھی لے لو۔ ۝"

اور پھر خود ہی اس چیلنج کے متعلق فرمایا کہ یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 24)

"پس اگر تم نہ لا سکے اور ہرگز نہ لا سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آگ اور پتھر ہے اور وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ۝"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وانہ لفی زبر الاولین"

"اور اس کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔"

جہاں تک قرآن کریم کے فوائد کا تعلق ہے تو اس ضمن میں بھی یہ بتا دیا گیا کہ یہ کسی ایک فرد یا قوم کی اصلاح کے لئے نہیں بلکہ تمام جہانوں کی نصیحت کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان هو الا ذکر للعالمین"

"یہ تو فقط تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔"

یہودیوں کی دینی کتاب عہد نامہ قدیم:

اس کے مقابلہ میں یہودیوں کے مذہبی ادب کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ موجودہ مذہبی ادب وہ نہیں جو یہودیوں کے انبیاء پر نازل ہوا تھا کیونکہ خود ان لوگوں نے اس میں ترمیم و تنسیخ کر دی اور خود اس میں اپنی مرضی سے باتیں شامل کرتے اور کہتے

کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جس کی گواہی قرآن نے ان الفاظ میں دی ہے:

"فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ○"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 79)

"تباہ و برباد ہوں وہ لوگ جو اپنے ہاتھ سے لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اس سے تھوڑی سی کمائی کریں۔ تباہی ہے ان کے اس لکھنے پر اور ان کی اس کمائی پر۔○"

قرآن کریم کے ساتھ ساتھ تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے کہ یہودیوں کی مذہبی کتاب تورات مختلف ادوار میں عرصہ دراز تک صفحۂ ہستی سے ناپید رہی اور پھر جو نہی یہودی سنبھلے تو انہوں نے تورات کو مرتب کر دیا اور ظاہر ہے کہ اس عمل میں جو ان کے جی میں آیا انہوں نے کیا اور انبیاء تک کو نہیں بخشا۔

لہٰذا مذہبی کتب کے سلسلے میں بھی اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس کی تعلیمات بلا ترمیم و تنسیخ آج بھی موجود ہیں۔ جبکہ یہودی مذہب کی بنیاد تورات ہی اپنی اصل صورت میں موجود نہیں تو انبیاء کی تعلیمات کے درست ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دینی رہنما

یہودیوں کے دینی رہنما:

کسی بھی مذہب یا نظریہ حیات کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پیچھے ایک ایسی ہستی کارفرما ہو جو اپنی عملی زندگی سے ان نظریات کو پیش کر سکے۔ جب اس معیار پر ہم یہود کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں مایوسی ہوتی ہے۔

یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا سب سے بڑا پیغمبر مانتے تھے جن کے متعلق ہمیں عہد نامہ عتیق کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی لیکن یہودیوں کی شرارتوں نے ان کو موقع ہی نہیں دیا کہ اس کی ترتیب اور اس کے قوانین کے عملی جامہ

کی طرف توجہ فرمائیں۔ تورات کی مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو حیرت کی انتہا نہیں رہتی، جب ان میں پیغمبروں کی عصمت کے بارے میں نعوذ باللہ یہاں تک کہا جاتا ہے:

"حضرت لوط نے اپنے بیٹیوں سے زنا کیا۔"

اسی طرح یہودا پر الزام لگایا گیا کہ اس نے حضرت یعقوب کی نسل کو بڑھانے کے لئے اپنے لڑکے کی بھاوج سے زنا کی ترغیب دی۔

خود موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کا رویہ یہ تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جہاد کی دعوت دی تو بڑی بے شرمی سے کہنے لگے:

"فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون"

(القرآن المجید)

"پس موسیٰ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔"

غرضیکہ یہودیوں نے ہر طرح سے اپنی نفسانی خواہشات کو اولیت دی اور اپنے انبیاء کی تعلیمات کے خلاف ہی چلتے رہے، جس کی وجہ سے انبیائے یہود کی پوری زندگی کا عملی رخ تاریخ محفوظ نہ کر سکی۔

اسلام کے مذہبی رہنما:

اس کے مقابلہ میں اسلام کے بانی کو لیجئے۔ مذہب کی بنیاد ہی میں رسول کی اہمیت کو واضح کر دیا گیا اور اسلام میں داخل ہونے کے لئے جس کلمہ کا پڑھنا ضروری ہے اس میں بھی رسول کی صداقت و رسالت کی گواہی رکھی گئی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ ایمان کا ایک لازمی جزو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ایمان ہے۔

اسلام نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط بنیادوں پر تعلق قائم رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کر دی کہ اگر تم اللہ سے مضبوط رشتہ جوڑنا چاہتے ہو، اس سے محبت کا دعوئی کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ تمہارے اعمال پر نظر کرم کی جائے تو محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنیاد بناؤ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله يغفر لكم ذنوبكم"

(القرآن المجید)

"اے نبی! کہہ دیجئے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو میری اتباع کرو جس کے صلہ میں اللہ نہ صرف تم سے محبت کرے گا بلکہ تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔"

اس کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو افراط سے بچانے کے لئے اللہ کی طرف سے اس بات کا اعلان بھی کر دیا:

"قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی"

(القرآن المجید)

"اے محمد! آپ فرما دیجئے کہ بے شک میں تمہاری طرح انسان ہوں اور تمہاری ہدایت کے لئے اس لئے مقرر کیا گیا ہوں کہ میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے جو عام انسانوں اور مجھ میں فرق واضح کرتی ہے۔"

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیت کے مقابلہ میں اسلام کا عقیدۂ رسالت واضح اور افراط و تفریط سے پاک ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی مکمل طور پر ہمارے سامنے موجود ہے جس پر ہم عمل کر کے دین و دنیا میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

عقیدۂ آخرت

یہودیت کا عقیدۂ آخرت:

اسلام کی طرح عقیدۂ آخرت کا تصور اگرچہ یہودیت میں بھی ہے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر وہ بھی یقین رکھتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں اس لئے عذاب سے محفوظ رہیں گے، چاہے نیک اعمال کریں یا نہ کریں۔ قیامت کا تصور ان کے یہاں اس طرح پایا جاتا ہے:

"جس دن گھر کے مالک تھر تھرانے لگیں گے، طاقتور لوگ کمزوری کے باعث جھک جائیں گے، جب چکی کی آواز دھیمی ہو جائے گی، انسان چڑیا کی آواز سے چونک

جائے گا، قبل اس کے کہ خاک میں مل جائے تو سمجھنا قیامت ہے۔"

عہد نامہ قدیم میں ہے:

"اللہ نے انصاف کے لئے اپنا تخت تیار کر رکھا ہے اور یہ وہ سچا ہے۔ پورے جہان کی عدالت کرے گا۔"

انسان کے دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے:

"میں جانتا ہوں کہ مجھے زندہ کرنے والا موجود ہے۔ میں بالکل نیست و نابود ہونے کے بعد بھی اپنے جسم سے خدا کو دیکھ سکوں گا۔"

یہودیت میں انسانی اعمال کے بارے میں جوابدہی کا تصور کچھ اس طرح ہے:

"اے جوانو! اپنی جوانی کے ایام میں خوش رہو! اپنے دل اور آنکھوں کو صحیح راستے پر چلاؤ۔ یاد رکھو اسب باتوں کے لئے تم کو خدا کے یہاں اس کی عدالت میں پیش ہونا پڑے گا۔"

اسلام کا عقیدہ آخرت:

اسلام میں عقیدۂ آخرت ایک اہم اور بنیادی عقیدہ ہے جس پر تمام اعمال کی عمارت قائم ہے۔ قرآن کریم میں جن لوگوں کو متقی بتایا گیا ہے ان کی اہم خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے:

"وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۝"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 4)

"اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔۝"

اسلام اس دنیا کی زندگی کو عارضی زندگی قرار دیتے ہوئے انسانوں کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"واتقوا يوما ترجعون فيه الى الله ثم توفى كل نفس ما كسبت وهم لا يظلمون"

(القرآن المجید)

"اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹو گے اور ہر شخص کو جو اس نے کیا ہے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوگی۔"

اس کے ساتھ ساتھ انسانی نجات کا واحد ذریعہ اس کے اعمال کو قرار دیا گیا ہے کہ تم خواہ معمولی سی اچھائی یا برائی کرو گے اس کا پورا صلہ تمہیں مل کر رہے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○"

(پارہ نمبر 30، سورۃ الزلزال، آیت نمبر 7 اور 8)

"پس جس نے ذرہ بھر بھلائی کی ہے وہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ دیکھ لے گا۔"

قیامت کا منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"اَلْقَارِعَةُ ○ مَا الْقَارِعَةُ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ ○ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ○ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ○ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ○ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ○ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا هِيَهْ ○ نَارٌ حَامِيَةٌ ○ "

(القرآن الجید، پارہ نمبر 30 سورۃ القارعہ)

"دل دہلانے والی اور کیا ہے دل دہلانے والی اور آپ نے کیا جانا کہ کیا ہے دل دہلانے والی۔ جس دن لوگ بکھرے پتنگوں کی مانند کھو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین روئی کی طرح۔ پس جس کا پلڑہ بھاری ہوگا تو اسے آرام واطمینان نصیب ہوگا اور جس کا پلڑہ ہلکا ہو جائے گا تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہو۔"

اس کے بعد قرآن کریم نے ہاویہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

" وَمَآ اَدْرٰكَ مَا هِيَهْ ○ نَارٌ حَامِيَةٌ ○ "

(القرآن الجید، پارہ نمبر 30 سورۃ القارعہ، آیت نمبر 11-10)

"وہ ہاویہ کیا ہے؟ وہ تو دہکتی ہوئی آگ ہے۔"

اعمال کی اس بازپرس میں اللہ کے نزدیک بڑائی کا صرف ایک معیار ہوگا اور وہ یہ کہ کونسا انسان اس دنیا میں اس سے ڈر کر نیک اعمال کرتا ہے اور برے اعمال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے

کیونکہ بحیثیت انسان تمام اولاد آدم ایک ہیں اور اللہ سب کا رب ہے۔ قرآن کریم نے اس کو بالکل واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یایھاالناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"

(القرآن المجید)

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پہچان کے لئے مختلف ذاتیں اور قبائل بنائے۔ بیشک اللہ کے نزدیک عزت اسی کو حاصل ہے جو اس سے ڈرتا ہے۔"

پھر یہ معیار مقرر کر کے انسانوں پر نہیں چھوڑ دیا کہ وہ فتویٰ لگاتے پھریں کہ کون متقی ہے اور کون نہیں، بلکہ فرمایا کہ ممکن ہے تم جسے بظاہر کچھ نہیں سمجھتے وہی اللہ کے نزدیک قابل قدر ہو، اس لئے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

یہود کا عقیدۂ آخرت قرآن کی رو سے:

اس کے برعکس اہل یہود کا عقیدہ آخرت بگڑ گیا اور ان کا تصور نجات غلط اور خود ساختہ ہے۔ ان کے ہاں نجات اعمال صالحہ کی بجائے بنی اسرائیل میں مختص اور محدود کر دی گئی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے خواہ ان کے اعمال کیسے ہی ہوں، کیونکہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں اور اللہ کی لاڈلی قوم ہیں۔ وہ ہرگز جہنم میں نہیں جائیں گے۔ بالفرض اگر سزا ملی تو وہ چند روزہ ہوگی۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ٥"

"اور وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہ چھوئے گی الایہ کہ چند روز۔ ان سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے جس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا؟ یا پھر تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔؟"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 80)

نیز فرمایا:

"وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 111)

"اور وہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی یا نصرانی نہ ہو۔ یہ ان کی تمنائیں ہیں۔ ان سے کہو کہ دلیل لاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ ۝"

فرشتوں اور کتابوں پر ایمان

یہودیت......فرشتوں اور کتابوں پر ایمان:

یہودیوں کے ایمان بالملائکۃ اور ایمان بالکتب میں بھی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ فرشتوں میں سے خصوصاً حضرت جبرائیل کو اپنا دشمن خیال کرتے تھے۔ اسی طرح آسمانی کتب میں سے تورات کے علاوہ دیگر کتب انجیل اور قرآن کا انکار کرتے تھے۔

اسلام......فرشتوں اور کتابوں پر ایمان:

اس کے برعکس اسلام تمام انبیاء پر ایمان کو لازمی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ سلسلہ نبوت کی آخری کڑی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نیز تورات، انجیل اور دوسرے آسمانی صحائف کو برحق تسلیم کرتا ہے جو اپنے اپنے وقت پر کتاب ہدایت تھیں اور اب صرف قرآن مجید آخری کتاب ہدایت ہے۔

قوم و نسل کا تصور

یہودیت میں قوم و نسل کا تصور:

یہودیت ایک نسلی مذہب ہے جس کی بنیاد نسل اور قوم ہے۔ ہر یہودی کے لئے یہودی باپ اور یہودی ماں کی اولاد ہونا ضروری ہے۔ کوئی دوسری قوم یا نسل کا شخص ان کے عقائد کو قبول کر کے یہودی نہیں بن سکتا۔ یہودی صرف وہی ہے جو پیدائشی اور نسلی یہودی ہو۔ ان کا دعویٰ ہے

کہ ان میں دوسری نسل انسانی کا خون شامل نہیں۔ یہ لوگ غیر یہودیوں سے رشتہ ازدواج بھی نہیں کرتے۔

اسلام میں قوم ونسل کا تصور:

اس کے برعکس اسلام ایک بین الاقوامی اور عالمگیر دین ہے، جس کا خدا رب العالمین، رسول رحمۃ للعالمین اور کتاب ذکر للعالمین ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری خطبہ میں فرمایا:

"کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ کسی کو کسی پر رنگ ونسل یا کسی اور وجہ سے فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔"

حقوق نسواں

اسلام اور حقوق نسواں:

اسلام حقوق نسواں کا محافظ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا فرمان ہے:

"ھن لباس لکم وانتم لباس لھن"

(القرآن المجید)

"عورتیں تمہارے لئے مثل لباس ہیں اور تم ان کے لئے مثل لباس ہو۔"

اسلام کا کہنا ہے:

"عورت اور مرد ایک دوسرے کے رفیق حیات اور عزت وحقوق کے محافظ ہیں۔ گناہ، نیکی، سزا اور جزا میں وہ دونوں برابر ہیں۔ اسلام میں عورت کو معاشی آزادی ہے۔ اس کا کمایا ہوا مال اس کے والدین یا شوہر کا نہیں، بلکہ اس کا کمایا ہوا مال اس کا اپنا ہے اور وہ اپنی آزاد مرضی سے جہاں چاہے اپنا مال صرف کر سکتی ہے۔ اسے اپنے مال میں تصرف کا حق ہے۔"

اسلام میں عورت کو شادی کا اختیار ہے، مہر عورت کا قانونی حق ہے اور وراثت میں عورت

بھی حصہ دار ہے۔

یہودیت اور حقوق نسواں:

اس کے برعکس یہودیت میں عورتوں کو مردوں کا ہمیشہ غلام اور محکوم بنایا گیا ہے۔ چنانچہ بائبل میں ہے:

"خدا تیرے دردِ حمل کو بڑھائے گا، تو شوہر کی طرف رغبت کرے گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔"

(کتاب پیدائش، باب نمبر ۳)

پھر یہودیت میں عورت ورثہ کی حقدار نہیں ہوتی بلکہ اس کی اپنی کمائی بھی شادی سے پہلے اس کے والدین اور شادی کے بعد اس کے شوہر کی ہوتی ہے۔ باپ کی بیویاں بیٹے کی وراثت میں آجاتی ہیں۔

نظام عدل ومساوات

اسلام کا نظام عدل ومساوات:

اسلام عدل ومساوات کا دین ہے۔ اسلام نہ صرف باہم مسلمانوں میں بلکہ غیر مسلموں سے بھی مساوی اور عادلانہ سلوک کی تلقین کرتا ہے۔ عدل ومساوات میں وہ مذہب وملت، حسب ونسب اور رنگ اور نسل کی تفریق نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"عدل کرو یہی تقویٰ کے قریب ہے۔" (القرآن المجید)

مزید ارشاد ہے:

"اللہ کے لیے گواہی دو۔ لگتی لپٹی بات نہ کرو۔ عدل کی گواہی دو! چہ جائے کہ وہ تمہارے، تمہارے ماں باپ، بہن بھائی، رشتے دار اور دوستوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ غریب ہیں تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا۔ اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من نصر قومه علىٰ خير الحق فهو كالبعير الذى ردیٰ فهو

ینزع بذنبہ"

(صحاح ستہ)

"جس نے اپنی قوم کی ناحق معاملے میں مدد کی تو اس کی مثال اونٹ کی طرح ہے جو کنویں میں گر رہا تھا تو یہ بھی اس کی دُم پکڑ کر لٹک گیا۔"

یہودیت میں عدل ومساوات کا تصور:

یہودی مذہب اپنے اور بیگانوں میں قدم قدم پر بے انصافی اور عدمِ مساوات کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تالمود کا بیان ہے:

"اگر اسرائیل کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر تاوان ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی چیز گری پڑی ملے تو وہ دیکھے کہ اس پر اس کے اردگرد کی آبادی کن لوگوں کی ہے۔ اگر اسرائیلی کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہئے اور اگر غیر اسرائیلیوں کی ہو تو بلا اعلان اپنے پاس رکھ لے۔"

اسماعیل ربی کا کہنا ہے:

"اگر قاضی کے پاس امی یعنی غیر اسرائیلی اور اسرائیلی کا مقدمہ آئے تو قاضی کو ہر صورت میں اپنے مذہبی بھائی اسرائیلی کو جتانا چاہئے۔"

نیز ربی شموائیل کہتا ہے:

"غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔"

معلوم ہوا کہ ایک یہودی کے لئے مذہبی طور پر جائز ہے کہ وہ غیر یہودیوں سے جو سلوک چاہے کرے۔ اس کی گواہی قرآن مجید بھی دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اسرائیلیوں کی ناانصافیوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"ذلك بانهم قالوا ليس علينا فى الاميين سبيل"

"(یہ ناانصافیاں یہودی اس لیے کرتے ہیں) کیونکہ وہ کہتے ہیں امیوں (غیر یہودیوں) کے بارے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں۔"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۷۵)

☆☆☆

الجزء الثانی:

عیسائیت اور اسلام کا تقابل

عیسائیت کا مختصر تعارف

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں برحق اور برگزیدہ رسول ہیں۔ دونوں کی تعلیمات برحق ہیں، صداقت پر مبنی ہیں اور عقلی اور فطرت کے عین مطابق ہیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پولوس نے عیسائیت کا حلیہ بگاڑ دیا اور نئے عقائد اور باطل نظریات عیسائیت میں شامل کر دیئے، جس کی وجہ سے عیسائی مذہب مشرکانہ دین بن گیا اور موجودہ مسیحی دین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل پیش کردہ دین سے بالکل مختلف ہے۔ لہٰذا ہمارا موازنہ عیسائیت کے جدید مذہب سے ہوگا۔

توحید و شرک

موجودہ عیسائیت اور عقیدۂ توحید:

موجودہ عیسائیت کی بنیاد مندرجہ ذیل عقائد ہیں:

تین خدا ہیں۔ خداوند خدا، خداوند یسوع اور روح القدس۔ خدا ان تین اقنوم سے مرکب ہے۔ یہ تینوں اقنوم مل کر ایک بھی ہیں یعنی تین میں ایک اور ایک میں تین۔ اس طرح یہ عقیدہ خدا کی ذات، صفات اور افعال میں شرک ہے۔ علاوہ ازیں الوہیتِ مسیح اور ابنیتِ مسیح کا عقیدہ پایا جاتا ہے جو مشرکانہ اقوام مثلاً: ہندوؤں کے عقیدہ حلول و تجسیم سے مشابہ ہے۔

انجیل یوحنا کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔"

(انجیل یوحنا، آیت نمبر ۱ اور 2)

اسلام اور عقیدۂ توحید:

اس کے برعکس اسلام خالص توحید کا علمبردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں بے مثل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لیس کمثلہ شی"

"اس جیسا کوئی نہیں۔"

اسلام اللہ کے سوا کسی کو معبود تصور نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"والھکم الہ واحد لاالہ الاھو الرحمن الرحیم"

(القرآن المجید)

"تمہارا معبود حقیقی صرف ایک اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔"

اس کے علاوہ قرآن کریم کی سورۂ اخلاص اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا اتنا خالص بیان پیش کرتی ہے کہ جس کے بعد ہر قسم کے شک کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ سورہ اخلاص تصور توحید کی بہترین ترجمان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ ۵ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○"

(القرآن المجید، سورۃ الاخلاص، سورۃ نمبر 112)

"اے نبی! آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ کوئی دوسرا کسی بھی طرح اس کے برابر ہے۔"

نیز فرمایا گیا:

"يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 21)

"اے لوگو! اس رب کی اطاعت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا۔"

آگے چل کر اسلام خدا کی اہم صفت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 20)

"بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اسلام اور ردِ شرک:

عیسائیت میں حضرت مسیح، روح القدس اور مریم وغیرہ کو خدا کہا گیا ہے یہ کھلم کھلا شرک ہے۔ اس کے برخلاف اسلام میں ہر قسم کے شرک سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ○"

(سورت لقمان، آیت نمبر ۱۳)

"تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرا۔ بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔"

سورۃ المائدہ میں عقیدۂ تثلیث کی تردید کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر 17)

"تحقیق وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تو مسیح ابن مریم ہے۔"

پھر فرمایا:

"لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ وَقَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر 72 اور 73)

"تحقیق وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تو مسیح ابن مریم ہے، حالانکہ حضرت مسیح ابن مریم نے تو کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو! جو میرا اور تمہارا رب

ہے۔ بیشک جو اس کے ساتھ شرک کرے گا تو تحقیق اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ ٥ تحقیق وہ لوگ کافر ہوئے جو کہتے ہیں خدا تین میں تیسرا ہے، حالانکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

حضرت مسیح علیہ السلام کی بشریت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ٥"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر 75)

"مسیح ابن مریم تو فقط رسول تھے۔ تحقیق ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے۔ اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو کس طرح ہم ان کے لیے آیات بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ وہ کہاں اوندھے منہ جاتے ہیں۔ ٥"

ابنیت کا قرآن مجید نے اس طرح انکار کیا:

"سبحانه ان يكون له ولد"

"وہ اللہ بیٹے سے پاک ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ابنیت مسیح کا اس طرح رد فرمایا:

"لم يكن له صاحبة"

"پھر اس کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے۔؟"

عقیدۂ کفار قرآن مجید اور اناجیل کی روشنی میں

عقیدۂ کفار اناجیل کی روشنی میں:

عقیدۂ کفارہ کی اصل یہ ہے کہ یسوع مسیح نے صلیب پر جان دے کر تمام بنی آدم کے گناہوں کو چھپا لیا ہے اور ان کے نجات کا موجب بن گئے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے۔ حضرت آدم اور حوا نے جو گناہ کیا وہ وراثتاً ہر شخص کی فطرت میں چلا آ رہا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص گناہگار ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہو سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ بندے کے گناہ توبہ اور استغفار سے معاف کر دے تو اس کا رحم اس کے عدل کے خلاف ہے۔ خدا رحیم ہے اور اس کا رحم چاہتا ہے کہ انسان سزا سے بچ جائے۔ پھر وہ عادل بھی ہے اور عدل کا یہ تقاضا ہے کہ گنہگار کو سزا ضرور دی جائے۔ اب رحم اور عدل ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور بندے کی نجات کا ہونا ضروری ہے۔ لہذا خدا نے بندوں کو نجات دلانے کے لئے ایک صورت یہ نکالی کہ اپنے بیٹے یسوع مسیح کو بھیجا۔ وہ تمام گناہوں سے پاک اور معصوم تھا۔ اس نے لوگوں کے تمام گناہوں کو اپنے اوپر لے کر جان کی قربانی دیدی اور سارے لوگوں کے لئے نجات کا ذریعہ بنا۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عقیدۂ کفارہ کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"عیسائی علم عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعے ایک گناہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس عقیدہ کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں۔ ایک یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ خدا کی رحمت کلام (بیٹا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔"

مسٹر ڈینئل ولن کہتے ہیں:

"یہ عقیدہ عیسائیت کی جان ہے۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ انجیل میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔"

اسلام اور عقیدۂ کفارہ کا رد:

کفارہ کا نظریہ غیر فطری، خلاف عقل اور خلاف انصاف ہے، اس لئے اسلام نے اسے باطل ٹھہرایا ہے۔ اسلام کا اللہ غفور و رحیم ہے۔ وہ انسانوں کے گناہ توبہ و استغفار کرنے پر معاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝"

(سورۃ النساء، آیت نمبر 48)

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو نہیں بخشتا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اور جو اس

کے علاوہ گناہ ہے وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو تحقیق اس نے بہت بڑا افترا باندھا اور گناہ کمایا۔ ٥"

اسلام کا اللہ بہت وسیع رحمت والا ہے۔ وہ توبہ کرنے پر گناہ بخش دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ"

(سورۃ الانعام، آیت نمبر 12)

"اس نے اپنے اوپر رحم کو لازم کرلیا ہے۔"

پھر فرمایا:

"وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ"

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر 156)

"اور میری رحمت سب چیزوں پر حاوی ہے۔"

اسلام کے نزدیک کسی بے گناہ کو دوسروں کے گناہوں کے بدلے سزا دینا خود صفت عدل کے خلاف ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى"

(سورۃ الفاطر، آیت نمبر 18)

اسلام اور عیسائیت میں ذریعۂ نجات

ذریعۂ نجات اور عیسائیت:

عیسائی عقیدے کے مطابق انسان فطرتاً گناہگار ہونے کی وجہ سے کفارہ پر ایمان لائے بغیر نجات حاصل نہیں کرسکتا۔ ان کے نزدیک ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے اس لئے نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہوسکتے۔ نجات حاصل کرنے کے لئے کفارہ کے عقیدہ پر یقین لازمی ہے۔

اسلام اور ذریعۂ نجات:

اسلام میں نجات کا دارومدار اعمال صالحہ پر ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اور اعمال صالحہ بجالاتا ہے وہ نجات پاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"من امن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عندربھم"

(القرآن المجید)

"جو اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لایا اور نیک عمل کیے پس ان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

"وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 25)

"اور بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ وہ باغوں کے وارث ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔"

بنی نوع انسان کا گناہگار ہونا عیسائیت اور اسلام کی رو سے

بنی نوع انسان کا گناہگار ہونا عیسائیت کی رو سے:

عیسائی عقیدے کے مطابق بنی نوع انسان گناہگار ہے۔ آدم نے جو گناہ کیا تھا اس کا اثر وراثتاً اور نسلاً ہر انسان میں چلا آرہا ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ یہ اثر نطفہ کے ذریعے نسل انسانی میں منتقل ہو رہا ہے۔ مسیح اسی لئے بن باپ کے پیدا کیے گئے تھے تاکہ اس کو گناہ کے اثر سے محفوظ رکھا جائے۔ لہٰذا جمیع بنی نوع انسان گناہ میں ملوث ہیں۔

بنی نوع انسان کا گناہگار ہونا دین اسلام کی رو سے:

اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 30)

"اور جب تیرے رب نے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝"

(سورۃ التین،آیت نمبر 4)

"ہم نے انسان کو بڑی اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ"

(سورۃ الاسراء (بنی اسرائیل)،آیت نمبر 70)

"اور ہم نے نوع انسان کو قابل تکریم بنایا۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ہر بچہ فطرت سلیمہ (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔اس کے والدین اس کو یہودیا عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

(صحاح ستہ)

یسوع مسیح کی موت اسلام اور عیسائیت کی رو سے

مسیح کی موت عیسائیت کی رو سے:

عیسائی عقیدے کے مطابق مسیح نے گناہگار انسانوں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں لے کر صلیب پر موت دے ماری،تاکہ صلیب پر ایمان لانے والے نجات پا جائیں۔مسیح تین دن قبر میں رہے،پھر مردوں سے جی اٹھے،آسمان پر چلے گئے اور اب خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔

بائبل میں ہی ہے:

"مسیح لعنتی کی موت مرا۔"

یہ عقیدہ بائبل کی رو سے بھی غلط ہے۔بائبل میں صاف لکھا ہے:

"اولاد کے بدلے باپ دادا نہ مارے جائیں۔نہ باپ دادا کے بدلے اولاد قتل کی جائے۔"

دوسری جگہ ہے:

"ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے گا۔"

(کتاب استثنا، باب نمبر ۲۴، آیت نمبر: ۱۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عقیدے کے مطابق تمام انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں۔ وہ ملعون نہیں ہوتے، بلکہ وہ مکرم اور منصور ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ موجودہ بائبل تضادات کا مجموعہ ہے اور جس کلام میں تضادات ہوں وہ اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں کی جانب اٹھا لیا۔ وہ قرب قیامت میں واپس تشریف لائیں گے۔ اسلام کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات واقع نہیں ہوئی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝" بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝"

(سورۃ النساء، آیت نمبر 157 تا 159)

"اور ان کا قول کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے اسے نہ قتل کیا اور نہ صلیب دی بلکہ ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور بیشک وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا یقیناً وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ ان کو حقیقت کا کوئی علم نہیں مگر وہ تو فقط گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ ۝ بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ ۝ اور بیشک ضرور بالضرور اہل کتاب عیسیٰ کی موت سے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور عیسیٰ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔ ۝"

قرآن مجید کے مطابق انبیاء کرام "صالحین" ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے محبوب و برگزیدہ بندے ہوتے ہیں نہ کہ لعنتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی کیونکہ خدا کے نبی ہیں اس لیے وہ بھی

برگزیدہ، مکرم اور محبوب بندے ہیں۔ چنانچہ سورۃ المریم میں ہے:

"قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۝"

(سورۃ المریم، آیت نمبر 27 تا 33)

"عیسیٰ بول اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے اور مجھے باعث برکت بنایا گیا ہے جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی نصیحت کی گئی ہے جب تک زندہ رہوں۔ اور مجھے والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے شقی اور جبار نہیں بنایا گیا ہے۔ سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن دوبارہ مجھے اٹھایا جائے گا۔"

سورۃ آل عمران میں ہے:

"وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:45 تا 49)

"عیسیٰ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔"

سورۃ النساء میں ہے:

"اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ"

(سورۃ النساء، آیت نمبر:172-171)

"بیشک مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس مریم کی طرف القاء فرمایا اور اس کی روح ہیں۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔"

سورۃ الصف میں ہے:

"وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ "

"اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے بنی اسرائیل بیشک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، جو تمہارے پاس تورات ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں۔"

(سورۃ الصف، آیت نمبر 6)

تصورِ شریعت عیسائیت اور اسلام کی روشنی میں

تصورِ شریعت اور عیسائیت:

عیسائی عقیدے کے مطابق شریعت لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد شرائع نازل کیں۔ سینٹ پولوس کے نزدیک انسان شریعت پر عمل نہیں کرسکتا۔ اس لئے شریعت لعنت ثابت ہوئی کیونکہ آدم کے ارتکاب گناہ کی وجہ سے انبیاء بھی بے گناہ نہ نکلے۔

اسلام اور تصورِ شریعت:

جبکہ اسلام میں شریعت ذریعہ ہدایت ہے۔ اسلام شریعت کو "ھدی للناس" (لوگوں کے لیے ہدایت) کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت بنی نوع انسان کے لئے ہدایت اور رحمت کے طور پر نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم حکمت کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ اس نے کوئی ایسے احکام نازل نہیں کیے جن پر انسان عمل نہ کرسکتا ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 186)

"اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔"

اسلام کے نزدیک شریعت عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے:

" فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥"

(سورۃ الروم، آیت نمبر 30)

"پس اپنا منہ دین حنیف کی طرف کر، وہ یہ وہ فطرت اللہ ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی حالت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہی دین قیم ہے۔ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ○"

اس آیت میں دین حنیف کو فطرت اللہ قرار دیا گیا ہے اور اسی پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ گویا شریعت فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

تصور رہبانیت اسلام اور عیسائیت کی روشنی میں

عیسائیت اور وضع رہبانیت:

عیسائیت زندگی کے تمام شعبوں میں رہبانیت کی تعلیم دیتی ہے اور انسان کو کلیۃً تارک الدنیا بنا دینا چاہتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد دو سو سال تک عیسائی کلیسا رہبانیت سے نا آشنا تھے۔ مگر ابتداء ہی سے مسیحیت میں اس کے جراثیم پائے جاتے تھے۔ درویشانہ زندگی کو شادی بیاہ اور دینوی کاروبار کی زندگی کے مقابلے میں اعلیٰ و افضل سمجھنا ہی رہبانیت کی بنیاد ہے۔ یہ دونوں چیزیں مسیحیت میں ابتدا سے موجود تھیں۔ خصوصیات کے ساتھ تجرد کو تقدس کا ہم معنی سمجھنے کی وجہ سے کلیسا میں مذہبی خدمات انجام دینے والوں کے لئے یہ بات ناپسندیدہ خیال کی جاتی تھی کہ وہ شادی کریں۔ اس چیز نے تیسری صدی تک پہنچتے پہنچتے ایک فتنے کی شکل اختیار کر لی اور رہبانیت ایک وباء کی طرح مسیحیت میں پھیلنی شروع ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے رہبانیت گھڑ لی اور پھر اس کی کما حقہ رعایت نہ رکھ سکے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا"

(سورۃ الحدید: آیت نمبر ۲۷)

"اور رہبانیت انہوں نے خود تلاش کر لی ہے، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا، مگر انہوں نے اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے رہبانیت نکالی۔ پر اس کی وہ نگہداشت نہ کر سکے۔"

اسلام اور تصورِ رہبانیت:

اسلام میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلام میں اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا"

(سورۃ الحدید: آیت نمبر ۲۷)

"اور رہبانیت انہوں نے خود تلاش کر لی ہے، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کی، مگر انہوں نے اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے رہبانیت نکالی۔ پر اس کی وہ نگہداشت نہ کر سکے۔"

اس آیت میں رہبانیت کو بدعت قرار دیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا رهبانية في الاسلام"

(صحاح ستہ)

"اسلام میں رہبانیت قطعاً جائز نہیں۔"

پاپائیت اور مذہبی اجارہ داری اسلام اور عیسائیت کی روشنی میں

اسلام اور مذہبی اجارہ داری:

اسلام میں عیسائیت کی طرح کسی کی مذہبی اجارہ داری نہیں ہے۔ جو بھی متقی اور پرہیزگار ہو وہ مسلمانوں کا امام ہے۔ اگر قانون اور فقہ جانتا ہے اور دین کا علم رکھتا ہے تو وہ اعلیٰ منصب پر پہنچ سکتا ہے۔

عیسائیت اور مذہبی اجارہ داری:

عیسائیت میں مذہبی اجارہ داری ہے۔ پوپ، پادری اور اسقف اعظم وغیرہ کے علاوہ دینی رسوم ادا نہیں ہو سکتیں۔ جبکہ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔

محفوظ سیرت...... عیسائیت کے نبی کی یا اسلام کے

غیر محفوظ سیرت...... عیسیٰ مسیح:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں مکمل اور صحیح تفصیلات عیسائیت کی کتب سے نہیں ملتی۔ ان کی سیرت محفوظ نہیں ہے۔

سیرت محمدی...... محفوظ ترین سیرت:

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے متعلق تمام تفصیلات قرآن اور حدیث کے ذریعے محفوظ ہیں۔ اسوۂ حسنہ مکمل طور پر ہمارے سامنے ہے۔ کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ہزاروں احادیث اور اقوال صحابہ میں سیرت نبی کا تذکرہ ہے جو کہ محفوظ ہیں۔

محفوظ ترین کتاب...... عیسائیت کی یا اسلام کی؟

غیر محفوظ اناجیل:

عیسائیت کی کتب مقدسہ (اناجیل) غیر محفوظ، محرف اور تبدیل شدہ ہیں۔ کتب اپنی اصل زبان اور اصلی حالت میں دستیاب نہیں ہیں۔ تفصیل ہم نے عیسائیت کے باب میں بیان کردی۔

اسلام کی مذہبی کتاب قرآن...... محفوظ ترین کتاب:

اسلام کی کتاب قرآن پاک محفوظ ہے، غیر محرف ہے، قیامت تک کے لئے اصل زبان اور اس کی تعلیمات محفوظ رہیں گی۔ اس کی حفاظت دو طریقوں سے یعنی کتابت اور حفظ کے ذریعے کی گئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون"

"ہم نے ہی یہ ذکر (قرآن مجید) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

دوسری جگہ آتا ہے:

"انا علینا جمعه و قرانه"

"اس کتاب کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔"

یہ دونوں آیات ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ غیر مسلم بھی اس کی حقانیت کی اور محفوظ ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ سر ولیم میور دیباچہ حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھتا ہے:

''اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادتیں موجود ہیں کہ قرآن اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل وصورت میں محفوظ و مامون ہے، جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔''

دین ودنیا...... اسلام اور عیسائیت کی روشنی میں

عیسائیت...... دین اور دنیا کی تفریق:

موجودہ عیسائیت دین اور دنیا کی تفریق پر مبنی ہے۔ موجودہ مسیحیت (پولوسی مذہب) ناقص، محدود، خلاف فطرت، خلاف عقل اور نا قابل عمل ہے۔

عیسائیت تاریخی طور پر افراط وتفریط کا شکار رہی اور آخر کار اباحت اور لامذہبیت پھیلانے کی ذمہ دار ہے۔

تفریط کی مثال کہ جب عیسائیوں نے اس مذہب کے احکام کی پابندی کی تو توحید سے نرم پڑ گئے۔ تین سو برس تک ظلم وستم برداشت کر کے اپنے آپ کو تباہ و برباد کرتے رہے۔

افراط کی مثال کہ جب انقلاب زمانہ نے انہیں قوت وحکمرانی بخشی اور سلطنت کی ذمہ داریاں ان پر آ پڑیں تو انہیں مسیحیت کے محدود دائرے سے باہر نکلنا پڑا اور یہاں لامذہبیت کی راہنمائی میں بنی نوع انسان پر ہر قسم کا ظلم وستم شروع کر دیا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب کے نام پر جبر وظلم اور جاہلانہ تعصب کا طوفان جب حد سے گزر گیا تو انہیں خود سے نفرت ہوگئی اور وہ دنیا بھر میں لامذہبی پھیلانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے نتیجے میں دین ودنیا میں تفریق اور رہبانیت پیدا ہوگئی۔ موجودہ اناجیل بھی افراط وتفریط پر مبنی ہیں۔ چنانچہ انجیل لوقا میں ہے:

''جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو۔''

(انجیل لوقا: ۲۰:۲۲)

انجیل متی میں ہے:

"تم خدا اور دولت دونوں کی ایک ساتھ خدمت نہیں کر سکتے۔"

(انجیل متی)

اس طرح عیسائیت انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو رہبانیت کی طرف لے گئی اور جو صلاحیتیں تعمیر و تمدن اور ارتقائے حیات کے کام میں صرف ہونی چاہئیں تھی وہ نفس کشی، تجرد اور غیر فطری تزکیۂ اخلاق میں ضائع ہو گئیں۔

دین اور دنیا اسلام کی روشنی میں:

اسلام دین اور دنیا کے اتحاد کا ضامن ہے۔ مسلمانوں کو دین اور دنیا دونوں کو برابر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کسی کو دوسرے پر کسی قسم کی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین شخص وہ ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو۔ اسلام افراط و تفریط کو مٹاتا ہے۔ چنانچہ مسلمان ہر نماز میں اللہ تعالیٰ سے دعا عرض کرتے ہیں:

" رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 201)

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذابِ جہنم سے بچا۔ ○"

مکمل ضابطۂ حیات......عیسائیت یا اسلام؟

عیسائیت نامکمل احکام کا مجموعہ:

عیسائیت کی تعلیمات نامکمل اور پوری زندگی پر محیط نہیں ہیں۔ صرف چند بنیادی مشرکانہ عقائد ہیں اور بعض اخلاقی احکام۔ معاشرتی و معاشی مسائل کو تو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حکومت و سیاست کے بارے میں کوئی ہدایات نہیں دی گئی۔ نہ کوئی شریعت ہے، نہ کوئی مستقل ضابطہ حیات۔ نہ قوانین اخلاق ہیں، نہ حقوق و فرائض اور نہ ہی معاملات کے متعلق ہدایات ہیں۔ حتیٰ کہ عبادت کا کوئی طریقہ بھی متعین نہیں ہے۔

مقبول عیسائی عالم جوڈ (Joad) لکھتا ہے:

"سیاسی اور اقتصادی معاملات کے متعلق حضرت عیسیٰ کی تعلیم افسوسناک حد تک مبہم ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسیحی علماء سرمایہ داری، استعماریت، غلامی، جنگ، قید و بند دشمنوں کو زندہ جلانا اور تکالیف دینا، غرض جو چاہیں مسیح کی تعلیم ثابت کر سکتے ہیں۔"

عیسائی دین کا اصل الاصول "محبت" ہے۔ اس کے سوا باقی جذبات باطل ہیں۔ اخلاقی تعلیمات بھی سخت اور فوق البشری ہیں جن پر عمل ناممکن ہے۔ مثلاً: اس میں محبت کے دو طرفہ اصول بتائے گئے ہیں۔ معبود کے ساتھ محبت اور پھر ہم جنسوں کے ساتھ محبت۔

اسلام مکمل ضابطہ حیات:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں نہ صرف اخلاقی تعلیم دی گئی ہے بلکہ دینی، دنیاوی، روحانی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور اخروی زندگی گزارنے کے بارے میں واضح اصول بتائے گئے ہیں۔ تمام تعلیمات سادہ اور عام فہم ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"

(سورہ المائدہ، آیت نمبر 4)

"آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔"

عالمگیر دین...... عیسائیت یا اسلام؟

عیسائیت یا ایک نسلی دین:

اناجیل کی رو سے یسوع مسیح کا پیغمبرانہ کلام عالمگیر نہ تھا بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں سے کہا:

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔"

(انجیل متی، باب نمبر ١٠، آیت نمبر: ۵ اور ٦)

حضرت مسیح علیہ السلام تکمیل یہودیت کے لئے آئے تھے۔ متی اور لوقا میں ہے:

''زمین وآسمان ٹل سکتے ہیں مگر تورات کا ایک شوشہ اور ایک نقطہ بھی نہیں ٹل سکتا۔ میں (مسیح عیسیٰ) تورات منسوخ کرنے کے لیے نہیں بلکہ مکمل کرنے کے لئے آیا ہوں۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میں دین موسیٰ کی تجدید کرنے آیا ہوں۔''

سورۂ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''ومصدقالما بین یدی من التوراۃ''

''میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے۔''

اسلام ایک عالمگیر دین:

اسلام کا پیغام عالمگیر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی۔ آپ تمام شریعتوں کی تکمیل کے لئے آئے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

''ان ھو الا ذکر للعالمین''

''یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔''

(سورۃ الیوسف، آیت نمبر ۱۰۴)

سورۃ سبا میں فرمایا:

''وما ارسلنك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا''

(سورۃ السبا، آیت نمبر ۲۶)

''اے رسول! ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

ایک مشہور ترین آیت مبارکہ ہے:

''وما ارسلنك الا رحمت للعالمين''

''اے نبی! ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا تھا مگر میں تمام سرخ اور سیاہ سب قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔''

الغرض اگرچہ اب عیسائیت عالمگیر دین بن چکا ہے اور عملاً اس نے تبلیغی مذہب کی صورت اختیار کر لی ہے، عیسائی ساری دنیا میں پائے جاتے ہیں بلکہ دنیا کے ہر ایک براعظم میں اپنے اکثریتی علاقے رکھتے ہیں، عیسائیوں کو بحالات موجودہ سیاسی اور معاشی برتری حاصل ہے اور عیسائی اقوام کی تعداد تمام دیگر مذاہب کے پیروؤں سے زیادہ ہے لیکن یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ مذہب عیسائیت خاص قوم بنی اسرائیل کی طرف آیا تھا۔ اس کی اصل تعلیمات مفقود ہو چکی ہیں۔ اسلام کے آنے کے بعد اصل اور سچا دین اسلام ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شریعتوں کی تکمیل کر دی ہے اور وہ خاتم النبیین ہیں۔ لہٰذا دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لئے دین اسلام ہی اصل دین اور ذریعہ ہدایت ہے۔

الجزء الثالث:

بائبل مقدس اور قرآن مجید کا سائنسی تقابل

بائبل کی اہم ترین سائنسی اغلاط

کائنات کی پیدائش چھ دنوں میں:

آیئے! ہم دیکھتے ہیں کہ بائبل سائنس کے بارے میں کیا کہتی ہے۔؟ آغاز ہم فلکیات سے شروع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ بائبل ہمیں علم فلکیات کے بارے میں کیا بتاتی ہے۔؟

بائبل کے آغاز میں ہی تخلیق کائنات کا ذکر موجود ہے یعنی کتاب پیدائش میں بتایا گیا ہے:

"خدا نے ابتدا میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی اور خدا نے دیکھا کہ روشنی اچھی ہے اور خدا نے روشنی کو تو دن کہا اور تاریکی کو رات اور شام ہوئی اور صبح ہوئی سو پہلا دن ہوا۔"

(کتاب پیدائش، باب نمبر 1-5-1)

بائبل ہمیں بتاتی ہے کہ خدا نے کائنات کو چھ دن میں پیدا کیا اور بائبل صبح اور شام کا بھی ذکر کرتی ہے یعنی چوبیس گھنٹے والے دن کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ سائنس دان ہمیں بتاتے ہیں کہ چوبیس گھنٹے والے چھ دنوں میں کائنات کی تشکیل ممکن ہی نہیں ہے۔

قرآن مجید بھی اس حوالے سے چھ ایام کا ذکر کرتا ہے۔ عربی لفظ ایام ہے جس کا واحد یوم ہوتا ہے۔ لفظ یوم کا مطلب چوبیس گھنٹے کا ایک دن بھی ہوتا ہے اور اس سے مراد طویل عرصہ بھی ہو سکتا ہے یعنی "ایک زمانہ۔" اور یہ بات تسلیم کرنے میں کسی سائنس دان کو کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ دنیا چھ "طویل وقفوں" یا "زمانوں" میں تخلیق ہوئی ہو۔

روشنی اور سورج کی تخلیق:

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ بائبل کتاب پیدائش کی بالکل ابتدائی آیات یعنی آیات 3 تا 5 میں یہ بتاتی ہے کہ روشنی پہلے دن تخلیق ہوئی جب کہ روشنی کے اسباب سورج اور ستارے وغیرہ چوتھے دن تخلیق ہو رہے ہیں۔ اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ روشنی کے اسباب وذرائع چوتھے دن تخلیق ہوں جب کہ روشنی پہلے ہی دن تخلیق ہو چکی ہو۔؟ یہ ایک بالکل غیر سائنسی بات ہے۔

زمین کی تخلیق اور دن رات کا تصور:

مزید برآں تیسرا نکتہ یہ ہے کہ کتاب پیدائش کی آیت نمبر 9 تا 13 میں بتایا جا رہا ہے کہ زمین تخلیق ہوئی تو اگر زمین اس مرحلے میں تخلیق ہو رہی ہے تو صبح اور شام پہلے دن کس طرح تخلیق ہو گئے تھے۔؟ دن اور رات کا انحصار ہی زمین کی گردش پر ہے اور اگر زمین نہیں بنی تھی تو دن اور رات کا تصور ہی ممکن نہیں تھا۔

زمین سورج سے پہلے:

چوتھا نکتہ یہ کہ کتاب پیدائش، پہلے باب کی آیات 9 تا 13 ہمیں بتاتی ہیں کہ زمین کی تشکیل تیسرے دن ہوئی تھی جب کہ آیت نمبر 14 تا 19 سے پتہ چلتا ہے کہ سورج اور چاند چوتھے دن بنائے گئے لیکن جدید سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ زمین دراصل سورج ہی کا ایک حصہ ہے، لہٰذا اس کا سورج سے پہلے تخلیق ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ غیر سائنسی بات ہے۔

گھاس اور درختوں کی تخلیق:

پانچواں نکتہ یہ ہے کہ کتاب پیدائش پہلے باب کی آیات نمبر 9 تا 13 ہمیں بتاتی ہیں کہ زمین پر گھاس اور بوٹیاں اور درخت تیسرے دن تخلیق ہوئے جب کہ سورج کی تشکیل چوتھے دن ہوئی جیسا کہ آیت نمبر 14 تا 19 میں درج ہے۔ سائنس کا سوال یہ ہے کہ سورج کی روشنی کے بغیر نباتات کی نشوونما اور بقا کس طرح ممکن ہے۔؟

چاند اور سورج روشن اجسام:

چھٹا نکتہ یہ کہ کتاب پیدائش باب 1، آیت 17 میں کہا گیا ہے:

''سو خدا نے دو بڑے نیر بنائے۔ ایک نیر اکبر کہ دن پر حکم کرے اور ایک نیر اصغر کہ رات پر حکم کرے اور اس نے ستاروں کو بھی بنایا۔''

اس آیت اور آیات ماقبل و مابعد سے پتہ چلتا ہے کہ چاند اور سورج دونوں روشن اجسام ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ بات مسلمہ سائنسی حقائق کے خلاف جاتی ہے۔

آخر مطابقت کس طرح ہوگی؟:

کچھ لوگ مطابقت پیدا کرنے کے لئے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ بائبل میں بیان کیے گئے چھ دن بھی درحقیقت چھ زمانے ہیں لیکن ان کی یہ بات بھی غیر منطقی ہے۔ کیونکہ آپ صاف دیکھ سکتے ہیں کہ بائبل میں صبح کا بھی ذکر ہو رہا ہے اور شام کا بھی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں چوبیس گھنٹے والا دن ہی مراد ہے لیکن بالفرض یہ غیر منطقی دلیل تسلیم کر بھی لی جائے تو اس طرح زیادہ سے زیادہ پہلے دو نکات کا جواب ملتا ہے جب کہ باقی ماندہ چار سوالات پھر بھی جواب طلب ہی رہ جاتے ہیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہاں عام دن ہی مراد ہے تو پھر نباتات چوبیس گھنٹے روشنی کے بغیر بھی گزارا کر سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں چلیے آپ کی یہ بات تسلیم کیے لیتے ہیں لیکن اس طرح نباتات والا مسئلہ تو حل ہوتا ہے دیگر مسائل پھر جواب طلب رہ جاتے ہیں۔ آپ ''چت بھی میری اور پٹ بھی میری'' والا رویہ نہیں اپنا سکتے۔

یا تو آپ (مسیحی حضرات) یہ تسلیم کرلیں کہ دن سے مراد ایک طویل زمانہ ہے تو آپ پہلا اور تیسرا نکتہ حل کرلیں گے لیکن دوسرا، چوتھا، پانچواں اور چھٹا نکتہ پھر بھی حل طلب رہ جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ دن کو 24 گھنٹے کا عام دن ہی فرض کریں، اس صورت میں صرف پانچویں نکتے کا جواب مہیا کردیں گے لیکن باقی تمام نکات حل طلب رہ جائیں گے۔

زمین اور بائبل:

اب جہاں تک زمین کا تعلق ہے تو اس بارے میں متعدد سائنسی نظریات موجود ہیں۔ یہ نظریات محض مفروضے ہیں جو درست بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی، لیکن یا تو زمین بالآخر فنا ہو جائے گی اور یا ہمیشہ موجود رہے گی۔ ان میں سے کوئی ایک نظریہ ہی درست ہو سکتا ہے۔ دونوں

باتیں بیک وقت درست نہیں ہو سکتیں۔ یہ ایک غیر سائنسی بات ہوگی۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بائبل یہی کہتی ہے یعنی دونوں باتوں کا ذکر کرتی ہے۔

عبرانیوں کے نام پولوس رسول کے خط کے پہلے باب کی گیارھویں اور بارھویں آیت میں کہا گیا ہے:

"اے خداوند!
تو نے ابتدا میں زمین کی نیو ڈالی۔
اور آسمان تیرے ہاتھ کی کاریگری ہیں۔
وہ نیست ہو جائیں گے مگر تو باقی رہے گا۔
اور وہ سب پوشاک کی مانند پرانے ہو جائیں گے۔"

اسی طرح کتاب زبور کے باب نمبر 102 میں کہا گیا!

"تو نے قدیم سے زمین کی بنیاد ڈالی، آسمان تیرے ہاتھ کی صنعت ہے، وہ نیست ہو جائیں گے پر تو باقی رہے گا۔"

لیکن دوسری طرف اس کے بالکل برعکس اور متضاد بیانات بھی بائبل میں موجود ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:

"انسان کو اس ساری محنت سے جو وہ کرتا ہے کیا حاصل ہے؟ ایک پشت جاتی ہے اور دوسری پشت آتی ہے، پر زمین ہمیشہ قائم رہتی ہے۔"

(واعظ، باب نمبر 1، آیت نمبر 4,3)

اسی طرح زبور میں کہا گیا ہے:

"اور اپنے مقدس کو پہاڑوں کی مانند تعمیر کیا اور زمین کی مانند جسے اس نے ہمیشہ کے لئے قائم کیا ہے۔"

(کتاب زبور، باب نمبر 78، آیت نمبر 69)

یہ بھی ایک سائنسی غلطی ہے کیونکہ دنیا بیک وقت فانی اور غیر فانی نہیں ہو سکتی۔

زمین و آسمان کے ستون:

اب ہم آسمان کی طرف آتے ہیں۔ بائبل میں کہا گیا ہے:

"اور آسمان کے ستون کانپتے ہیں اور اس کی جھڑکی سے حیران ہوتے ہیں۔"

(ایوب، باب نمبر 26، آیت نمبر 11)

جبکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"خلق السموت والارض بغیر عمد"

(القرآن المجید، سورۃ لقمان، آیت نمبر 10)

"اس نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ستونوں کے۔"

بائبل مقدس کہتی ہے کہ آسمان کے ستون ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ آسمان غیر ستونوں کے ہے۔ کیا آپ خود نہیں دیکھ سکتے کہ آسمان کے ستون موجود ہیں یا نہیں۔؟

بائبل نہ صرف یہ کہتی ہے کہ آسمان کے ستون ہیں بلکہ وہ تو زمین کے بارے میں بھی یہی بات کرتی ہے۔ چنانچہ سموئیل 1 میں ہے:

"زمین کے ستون خداوند کے ہیں۔ اس نے دنیا کو ان ہی پر قائم کیا ہے۔"

(سموئیل۔1۔ باب نمبر 2، آیت نمبر 8)

"زمین اور اس کے سب باشندے گداز ہو گئے ہیں میں نے اس کے ستونوں کو قائم کر دیا ہے۔"

(زبور، باب نمبر 75، آیت نمبر 3)

"وہ زمین کو اس کی جگہ سے ہلا دیتا ہے اور اس کے ستون کانپنے لگتے ہیں۔"

(ایوب، باب نمبر 9، آیت نمبر 6)

چنانچہ بائبل کی ایک سائنسی غلطی یہ بھی ہے کہ اس میں زمین و آسمان کے ستون ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بیج دار نباتات:

اب ہم آتے ہیں غذائیات کی طرف۔ کتاب پیدائش میں کہا گیا:

"اور خدا نے کہا دیکھو میں تمام روئے زمین کی کل بیج دار سبزی اور ہر درخت جس میں اس کا بیج دار پھل ہو تم کو دیتا ہوں۔ یہ تمہارے کھانے کو ہوں۔"

(پیدائش، باب نمبر 1۔ آیت نمبر 29)

آج ایک عام آدمی بھی بخوبی جانتا ہے کہ کچھ بیج دار نباتات اس قدر زہریلی ہوتی ہیں کہ انہیں کھانے والا یقینی طور پر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ جبکہ بائبل کہتی ہے کہ ایسے تمام پھل کھانے کے لئے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ کوئی بھی مسیحی ڈاکٹر اپنے مریضوں کو یہ پھل نہیں دیتا ہوگا۔

حقیقی کر سچن:

بائبل میں ایک ایسا طریقہ کار بتایا گیا ہے جس کی مدد سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کون حقیقی ایماندار ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

"اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے۔ وہ میرے نام سے بدروحوں کا نکال لیں گے۔ نئی نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اُٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے تو انہیں کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے۔"

(انجیل مرقس، باب نمبر 16، آیت نمبر 18-17)

یہ ایک سائنسی ٹسٹ ہے۔ سائنس کی اصطلاح میں ہم اسے ایک "Confirmatory: Test" کہہ سکتے ہیں۔ جس کے ذریعے ایک حقیقی مسیحی کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔

اپنی زندگی کے گزشتہ دس سالوں کے دوران مجھے (شیخ احمد دیدات کو) بلا مبالغہ ہزاروں عیسائیوں سے واسطہ پڑا ہے جس میں عیسائیت کے مبلغین بھی شامل تھے لیکن میں نے آج تک کوئی ایک بھی ایسا عیسائی نہیں دیکھا جو انجیل کے اس امتحان میں کامیاب ہو سکے۔ میں نے کوئی ایک بھی عیسائی نہیں دیکھا جو زہر کھائے لیکن اس پر زہر کام نہ کرے۔ سائنسی اصطلاح میں ہم اس امتحان کو "Falsification Test" بھی کہہ سکتے ہیں۔ کوئی غلط آدمی یہ امتحان دینے کی جرأت ہی نہیں کرے گا۔ اگر آپ ایک حقیقی عیسائی نہیں ہیں تو آپ کبھی یہ امتحان نہیں دیں گے۔

میں اکثر اپنے مسیحی حلیفوں کو کہا کرتا ہوں کہ میرا خیال ہے کہ آپ ایک حقیقی مسیحی ہیں اور میری خواہش ہے کہ کم از کم آپ یہ امتحان ضرور دیں۔ میں آپ سے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ کوئی خطرناک زہر کھا کر دکھائیں کیونکہ اس طرح تو ہمارا مباحثہ ہی خراب ہو جائے گا۔ انجیل میں ہے کہ اہل ایمان نئی نئی زبانیں بولیں گے تو میں ان سے صرف یہ درخواست کروں گا کہ ہندوستان میں ایک ہزار سے زیادہ مختلف زبانیں اور لہجے موجود ہیں۔ ان میں سے 17 زبانیں ایسی ہیں

جنہیں سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ صرف تین الفاظ ان 17 زبانوں میں بول کر دکھائیں یعنی یہ لفظ ''ایک سو روپے'' سترہ زبانوں میں بول کر دکھادیں۔

آپ کی مدد کے لئے میں سو روپے کا نوٹ بھی پیش کر دیتا ہوں۔ اس نوٹ پر یہ سترہ زبانیں موجود ہیں۔ انگریزی اور ہندی سمیت۔ انگریزی میں :One Hundred "Reupees" تو وہ پڑھ ہی لیں گے۔ ہندی میں انہیں بتا دیتا ہوں ''ایک سو روپے'' اب باقی پندرہ زبانوں میں یہ تین الفاظ بول دیں۔ میں جانتا ہوں کہ انجیل کے بیان کے مطابق آپ کو یہ زبانیں بغیر کسی کی مدد کے بولنی چاہئیں لیکن میں آپ کی مدد کر رہا ہوں کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی تو یہ ٹیسٹ پاس کرے۔ میں نے تو آج تک کوئی شخص نہیں دیکھا جو یہ امتحان پاس کر سکے۔ لہٰذا میں یہ نوٹ انہیں پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ تین الفاظ پندرہ زبانوں میں پڑھ دیں۔ ''ایک سو روپے''

علم آبیات:

اب ہم آبیات یا ''علم الآب'' (Hydrology) کا ذکر کرتے ہیں۔ بائبل میں کہا گیا ہے:

''میں اپنی کمان کو بادل میں رکھتا ہوں وہ میرے اور زمین کے درمیان عہد کا نشان ہوگی اور ایسا ہوگا کہ جب میں زمین پر بادل لاؤں گا تو میری کمان بادل میں دکھائی دے گی اور میں اپنے عہد کو جو میرے اور تمہارے اور ہر طرح کے جانداروں کے درمیان ہے، یاد کروں گا اور تمام جانداروں کی ہلاکت کے لئے پانی کا طوفان پھر نہ ہوگا اور کمان بادل میں ہوگی اور میں اس پر نگاہ کروں گا تاکہ اس ابدی عہد کو یاد کروں جو خدا کے اور زمین کے سب طرح کے جانداروں کے درمیان ہے۔ پس خدا نے نوح سے کہا کہ یہ اس عہد کا نشان ہے جو میں اپنے اور زمین کے کل جانداروں کے درمیان قائم کرتا ہوں۔''

(کتاب پیدائش، باب نمبر 9، آیت نمبر 17-14)

مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کے اترنے کے بعد یہ عہد خدا اور حضرت

نوح علیہ السلام کے مابین ہوا اور اس کی نشانی کے طور پر فلک میں قوس قزح نظر آئی، یعنی اس سے پہلے قوس قزح نہیں ہوا کرتی تھی لیکن یہ ایک غیر سائنسی بیان ہے۔ یہ بات کیوں کر تسلیم کی جا سکتی ہے کہ طوفانِ نوح علیہ السلام سے قبل بادل تو ہوتے تھے اور بارش تو برستی تھی لیکن قوس قزح نہیں بنتی تھی۔ کیا اس وقت "Law of Refraction" موجود نہیں تھا؟ یقیناً حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے پہلے بھی بے شمار مرتبہ قوس قزح بنتی رہی ہوگی۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ بائبل کا یہ بیان بھی غیر سائنسی ہے۔

علم طب اور بائبل مقدس:

1: اب ہم آتے ہیں علم طب کی جانب۔ انجیل میں گھر کو کوڑھ کی وباء سے محفوظ کرنے کے لئے ایک طریقہ بتایا گیا ہے، جو کچھ یوں ہے:

''اور وہ اس گھر کو پاک قرار دینے کے لئے دو پرندے اور دیوار کی لکڑی اور سرخ کپڑا اور زوفا لے۔ اور وہ ان پرندوں میں سے ایک کو مٹی کے کسی برتن میں بہتے ہوئے پانی پر ذبح کرے پھر وہ دیوار کی لکڑی اور زوفا اور سرخ کپڑے اور اس زندہ پرندے کو لے کر ان کو اس ذبح کیے ہوئے پرندے کے خون میں اور بہتے ہوئے پانی میں غوطہ دے اور سات بار اس گھر پر چھڑکے اور اس پرندے کے خون سے اور بہتے ہوئے پانی اور زندہ پرندے دیودار کی لکڑی اور زوفا اور سرخ کپڑے سے اس گھر کو صاف کرے اور اس زندہ پرندے کو شہر کے باہر کھلے میدان میں چھوڑ دے۔ یوں وہ گھر کے لئے کفارہ دے تو گھر پاک ٹھہرے گا۔''

(کتاب احبار، باب نمبر 14، آیت نمبر 53'49)

بائبل کہتی ہے کہ گھر کو کوڑھ کے جراثیم سے پاک کرنے کے لئے اس میں خون چھڑکا جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ خون جراثیم کو پھیلانے کا بہترین ذریعہ ہے نہ کہ جراثیم کو ختم کرنے کا۔ مجھے اُمید ہے کہ کوئی بھی مسیحی ڈاکٹر اس طریقہ سے اپنے آپریشن تھیٹر کی صفائی نہیں کرتا ہوگا۔

بچے، بچی کی پیدائش اور ایامِ نجاست:

ہم سب جانتے ہیں کہ نفاس کا خون وہ خون جو بچے کی پیدائش کے دوران یا اس کے بعد آتا

ہے، یہ خون ناپاک ہوتا ہے لیکن بائبل اس بارے میں کہتی ہے:

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا بنی اسرائیل سے کہہ کہ اگر کوئی عورت حاملہ ہو اور اس کا لڑکا ہو تو وہ سات دن ناپاک رہے گا جیسے حیض کے ایام میں رہتی ہے اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے۔ اس کے بعد تینتیس دن تک وہ طہارت کے خون میں رہے اور جب تک اس کی طہارت کے ایام پورے نہ ہوں تب تک نہ تو کسی مقدس چیز کو چھوئے اور نہ مقدس مقام میں داخل ہو۔ اور اگر اس کے لڑکی ہو تو وہ دو ہفتے ناپاک رہے گی جیسے حیض کے ایام میں رہتی ہے اس کے بعد چھیاسٹھ دن تک وہ طہارت کے خون میں رہے۔"

(کتاب احبار، باب نمبر 12 آیت نمبر 1 تا 6)

یعنی اگر وہ بیٹے کو جنم دیتی ہے تو چالیس دن ناپاک رہے گی لیکن اگر وہ بیٹی کو جنم دیتی ہے تو پورے اسی دن تک ناپاک رہے گی۔ میں مسیحی احباب سے درخواست کروں گا کہ وہ وضاحت فرمائیں کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ سائنسی وطبی طور پر عورت بیٹی پیدا ہونے کی صورت میں دگنے عرصے تک کیوں ناپاک رہتی ہے۔؟

بدکرداری کا ثبوت:

انجیل میں کسی عورت کی بدکرداری ثابت کرنے کے لئے بھی ایک امتحان بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل گنتی کے باب نمبر 5 کی آیات 11 تا 31 میں موجود ہے۔ میں اس کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔ کتاب گنتی میں ہے:

"اگر کسی کی بیوی گمراہ ہو کر اس سے بے وفائی کرے۔ پر نہ تو کوئی شاہد ہو اور نہ وہ عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہو تو وہ شخص اپنی بیوی کو کاہن کے پاس لائے گا اور کاہن مٹی کے ایک برتن میں مقدس پانی لے اور مسکن کے فرش کے گرد لے کر اس پانی میں ڈالے اور وہ کڑوا پانی اس عورت کو پلائے۔ جب وہ اس کو پانی پلا چکے گا تو ایسا ہوگا کہ اگر وہ ناپاک ہوئی تو وہ پانی جو لعنت کو لاتا ہے اس پیٹ میں جا کر کڑوا ہو جائے گا، اس کا پیٹ پھول جائے گا، اس کی ران سڑ جائے گی۔ پر اگر وہ ناپاک نہیں ہوئی بلکہ پاک ہے تو بے الزام ٹھہرے گی اور اس سے اولاد ہوگی۔"

(گنتی، باب نمبر 5، آیت نمبر 11 تا 31)

آپ جانتے ہیں آج کل عدالتوں میں اس قسم کے بے شمار کیس پوری دنیا میں فیصلے کے منتظر ہیں۔ جن میں عورت پر اس شک کا اظہار کیا گیا ہے کہ وہ بدکردار ہے۔ بلکہ مجھے اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ اس عظیم ملک امریکہ کے صدر جناب بل کلنٹن پر بھی چند سال پہلے اس قسم کے الزامات لگائے گئے تھے۔ میں سوچتا ہوں کہ امریکی عدالتیں ایسے مواقع پر انجیل میں بتایا گیا یہ امتحان کیوں نہیں لیتیں۔؟

سائنس کا مشہور شعبہ...... ریاضیات:

ریاضی بھی سائنس کا ایک شعبہ ہے اور انتہائی اہم شعبہ ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو بائبل میں ہمیں سینکڑوں تضادات نظر آتے ہیں۔ میں ان میں سے صرف چند ہی کا ذکر کروں گا۔!

جب بنی اسرائیل کو بابل سے رہائی ملی تو وہ واپس آئے۔ ان کی فہرست بائبل میں موجود ہے۔ عزرا کے دوسرے باپ کی آیات نمبر 2 تا 63 اور نحمیاہ باب نمبر 7 آیات 7 تا 65 میں مکمل فہرست دی گئی ہے لیکن ان دونوں فہرستوں میں کم از کم 18 جگہ تضادات موجود ہیں۔

مزید برآں کتاب عزرا میں کل تعداد چالیس ہزار تین سو ساٹھ بتائی گئی ہے جبکہ نحمیاہ میں بھی کل تعداد یہی بتائی گئی ہے یعنی چالیس ہزار تین سو ساٹھ لیکن جب میں نے خود اس تعداد کو جمع کیا تو جواب بالکل مختلف تھا۔ عزرا میں بیان کی گئی تعداد انتیس ہزار آٹھ سو اٹھارہ بنتی ہے۔ اسی طرح نحمیاہ میں بیان کی گئی تعداد کو جمع کیا جائے تو وہاں بھی میزان اکتیس ہزار اٹھانوے (31,089) آئے گا۔

اگر بائبل کا مصنف سیدھا سادا میزان بھی نہیں کر سکتا تھا تو کیا اس کتاب کو خدا کی جانب سے نازل کردہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔؟

گانے والوں کی تعداد:

آگے چلیے۔ !عزرا میں کہا گیا ہے:

"ان کے ساتھ دو سو گانے والے اور گانے والیاں تھیں۔"

جب کہ نحمیاہ میں کہا جا رہا ہے:

"اور ان کے ساتھ دو سو پینتالیس گانے والے اور گانے والیاں تھیں۔"

اب آپ ہی بتایئے کہ یہ تعداد دو سو تھی یا دو سو پینتالیس؟ کیونکہ بات ایک ہی سیاق وسباق میں ہو رہی ہے لیکن ریاضیاتی تضاد موجود ہے۔

یہویاکین کی تخت نشینی کتنی عمر میں:

اسی طرح سلاطین 2 کے باب نمبر 24 میں تحریر ہے:

''اور یہویاکین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا اور یروشلم میں اس نے تین مہینے سلطنت کی۔''

(سلاطین 2، باب نمبر 24، آیت نمبر 8)

لیکن تواریخ 2 کے باب نمبر 36 میں کہا جا رہا ہے:

''یہویاکین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اس نے تین مہینے دس دن حکومت کی۔''

(تواریخ 2، باب نمبر 36، آیت نمبر 9)

تضاد بالکل واضح ہے۔ میں عیسائیوں سے پوچھنا چاہوں گا کہ جب یہویاکین نے سلطنت شروع کی تو اس کی عمر آٹھ برس تھی یا اٹھارہ برس؟ اور یہ بھی کہ اس نے حکومت تین مہینے کی یا تین مہینے دس دن۔؟

ہیکل سلیمانی کی سمائی:

مزید برآں بائبل میں ہیکل سلیمانی کا ذکر کرتے ہوئے سلاطین 1 کے باب نمبر 7 کی آیت نمبر 26 میں تحریر ہے:

''اور دل اس کا چار انگل تھا اور اس کا کنارہ پیالہ کے کنارہ کی طرح گلِ سوسن کے مانند تھا اور اس میں دو ہزار بت کی سمائی تھی۔''

دوسری جگہ یعنی تواریخ 2، باب نمبر 4، آیت 5 میں ہیکل سلیمانی ہی کے ذکر میں یہ بات اس طرح مرکوز ہے:

''اور اس کی موٹائی چار انگل کی تھی اور اس کا کنارہ پیالہ کے کنارہ کی طرح اور سوسن کے پھول سے مشابہ تھا۔ اس میں تین ہزار بت کی سمائی تھی۔''

اب میں مسیحی حضرات پر چھوڑتا ہوں۔ وہ ہمیں بتائیں کہ وہاں تین ہزار بت کی سمائی تھی یا دو ہزار بت کی۔؟

یہاں ایک واضح ریاضیاتی تضاد ہمارے سامنے موجود ہے۔

یہوداہ اور بعشا:

آگے چلئے! اسلاطین 1 کے باب نمبر 15 کی آیت نمبر 33، 34 پڑھیے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ یہوداہ آسا کے چھبیسویں سال بعد بعشا مر گیا تھا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ایلہ حکومت کرنے لگا۔ لیکن تواریخ 2 کا سولہواں باب پڑھنا شروع کیجئے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ آسا کے چھتیسویں برس بعشا نے یہوداہ پر حملہ کیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعشا اپنی موت کے دس سال بعد کس طرح یہوداہ پر چڑھائی کر سکتا ہے۔؟ یہ ایک بالکل غیر سائنسی بات ہے۔

علم حیوانیات:

1: کتاب احبار، باب نمبر 11 کی چھٹی آیت دیکھیں تو اس میں لکھا ہے:

"اور خرگوش کو کیوں کہ وہ جگالی تو کرتا ہے لیکن اس کے پاؤں الگ نہیں، وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔"

یہاں واضح طور پر کہا جا رہا ہے کہ خرگوش جگالی کرتا ہے۔ حالانکہ آج ہم سب جانتے ہیں کہ خرگوش جگالی نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے معدے کی بناوٹ جگالی کرنے والے جانوروں کی سی ہوتی ہے۔ دراصل اس کے منہ کی مسلسل حرکت کی وجہ سے زمانۂ قدیم میں ایسا سمجھا جاتا تھا۔

2: اسی طرح امثال، باب نمبر 6، آیت 7 میں کہا گیا:

"چیونٹیوں کا نہ کوئی سردار ہے، نہ ناظر اور نہ حاکم۔"

آج ہم جانتے ہیں کہ چیونٹیاں نہایت منظم مخلوق ہیں۔ ان کے ہاں ایک باقاعدہ نظام پایا جاتا ہے جس کے مطابق وہ محنت کرتی اور خوراک جمع کرتی ہیں۔ ان میں باقاعدہ سردار چیونٹی بھی ہوتی ہے اور نیچے درجہ بدرجہ کارکن چیونٹیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ ایک سائنسی حقیقت ہے جسے بائبل نے نظر انداز کر دیا بلکہ اس کی مخالفت کی، لہٰذا بائبل کا یہ بیان غیر سائنسی ہے، لیکن الحمد للہ! قرآن

مجید یہاں بھی جدید سائنس کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ چنانچہ چند باتیں ملاحظہ فرمائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وحشر لسلیمن جنوده من الجن والانس الطیر فهم یوزعونo حتی اذآ اتوا علی واد النمل قالت نملة یایها النمل ادخلوا مسکنکم لا یحطمنکم سلیمن وجنوده وهم لا یشعرونo“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 20، سورۃ نمبر 28 (النمل)، آیت نمبر 17-18)

”اور سلیمان کیلئے اس کا لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے جمع کیا گیا، پس وہ روکے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ چیونٹیوں کے میدان میں آئے، ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! تم اپنی بلو میں داخل ہو جاؤ، (کہیں) سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔o“

عین ممکن ہے کہ ماضی میں بعض لوگوں نے قرآن کا مذاق اڑایا ہو کہ یہ ایک کہانیوں کی کتاب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ چیونٹیاں ایک دوسرے سے بات کرتی ہیں۔ جس طرح کہ بائبل میں ہے۔

بہرحال عصر حاضر میں جدید تحقیقات نے چیونٹیوں کی طرز زندگی سے متعلق چند انکشافات کیے ہیں جو انسان کو آج سے پہلے معلوم نہ تھے۔ تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ حشرات جن کے طرز زندگی میں انسانی طرز حیات کی بہت زیادہ مشابہت موجود ہے وہ چیونٹیاں ہیں۔ چند مشابہتیں دیکھیے:

چیونٹیاں بھی انسانوں کی طرح اپنا مردہ دفن کرتی ہیں۔

چیونٹیوں میں مزدوروں کی تفریق کا منظم نظام ہے۔ ان میں منیجر، سپروائزر، فورمین اور مزدور وغیرہ ہوتے ہیں۔

جب بھی چیونٹیاں آپس میں کہیں ملتی ہیں تو بات چیت کرتی ہیں۔

چیونٹیاں باقاعدہ مارکیٹ رکھتی ہیں جہاں وہ اشیاء کا تبادلہ کرتی ہیں۔

چیونٹیوں میں باہمی تیز ترین رابطے کا ایک جدید نظام موجود ہے۔

سردیوں میں وہ طویل مدت تک زیرِ زمین رہنے کیلئے اناج اکٹھا کرتی ہیں اور اگر اس میں سے دانہ پھوٹ جائے تو وہ جڑوں کو کاٹ دیتی ہیں۔ جیسا کہ وہ جانتی ہوں کہ اگر انہوں نے اسے اگنے کیلئے چھوڑ دیا تو یہ گل سڑ جائے گا۔

اگر جمع شدہ اناج بارش سے گیلا پڑ جائے تو وہ اس کو دھوپ میں سکھانے لے جاتی ہیں اور جب یہ سوکھ جاتا ہے تو وہ اسے اندر واپس لے جاتی ہیں جیسا کہ وہ جانتی ہوں کہ نمی جڑوں کی افزودگی کا باعث بنے گی جو کہ فوراً اناج کے سڑنے کا باعث ہوگا۔

3: کتاب پیدائش، باب نمبر 3، آیت نمبر 14 اور پھر یسعیاہ، باب نمبر 65، آیت نمبر 25 میں کہا گیا ہے کہ سانپ کی خوراک خاک ہے۔ حیاتیات کی کوئی کتاب ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ سانپ کی خوراک خاک ہے۔

4: مزید برآں بائبل میں ایسے جانوروں کا ذکر بھی موجود ہے جو سرے سے وجود ہی نہیں رکھتے۔ مثلاً: ایک دیومالائی جانور "Unicorn" یہ ایک سینگ والا گھوڑا ہے جو صرف اساطیر (کہانیوں) میں پایا جاتا ہے، حقیقی دنیا میں وجود نہیں رکھتا۔

بائبل اور ساخت زمین:

بائبل میں کہا گیا ہے:

''پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان وشوکت اسے دکھائی۔''

(متی، باب نمبر 4، آیت نمبر 8)

اب بات یہ ہے کہ آپ دنیا کے بلند ترین پہاڑ پر ہی کیوں نہ چلے جائیں۔ آپ ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی پر ہی کیوں نہ چلے جائیں اور فرض کیجئے آپ بہت دور تک دیکھ بھی سکتے ہوں، ہزاروں میل تک دیکھ سکتے ہوں پھر بھی آپ دنیا کی تمام سلطنتیں نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ آدھی دنیا زمین کے دوسری طرف ہوگی۔ کیونکہ دنیا بیضہ نما ہے۔ کسی اونچے مقام سے پوری دنیا کو دیکھنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے اگر زمین چپٹی ہو اور یہی بائبل بھی یہی کہتی ہے۔ پھر زمین کے بارے میں اسی طرح کا بیان بائبل میں ایک اور جگہ بھی موجود ہے۔ چنانچہ دانیال میں ہے:

"میں نے نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ زمین کے وسط میں ایک نہایت اونچا درخت ہے۔ وہ درخت بڑھا اور مضبوط ہوا اور اس کی چوٹی آسمان تک پہنچی اور وہ زمین کی انتہا تک دکھائی دینے لگا۔"

(دانی ایل، باب نمبر 4، آیت نمبر 10)

مندرجہ بالا صورتِ حال بھی صرف اسی صورت میں ممکن ہے اگر زمین چپٹی ہو۔ کیونکہ اگر زمین گول ہے تو پھر زمین کی دوسری طرف سے اس درخت کو کبھی نہیں دیکھا جا سکے گا۔ لیکن آج یہ بات ایک طے شدہ حقیقت کا درجہ رکھتی ہے کہ زمین گول یعنی بیضہ نما ہے۔ مزید برآں تواریخ 1، باب نمبر 16 کی آیت نمبر 30 میں کہا گیا ہے:

"جہاں قائم ہے اور اسے جنبش نہیں۔"

یہ بات بائبل میں دوسری جگہ بھی کی گئی ہے کہ زمین حرکت نہیں کرتی، حالانکہ یہ بیان بھی غیر سائنسی ہے۔

تین دن قبر میں:

بائبل میں کہا گیا کہ یونس علیہ السلام تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین دن اور تین رات زمین کے پیٹ میں رہیں گے۔ کیا یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔؟

متی کی انجیل کے بارھویں باب میں ہے:

"اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں اس سے کہا کہ اے استاد! ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس نے جواب دے کر ان سے کہا اس زمانہ کے بُرے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ نبی کے نشان کے علاوہ کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیوں کہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے پیٹ کے اندر رہے گا۔"

دیکھیے! اس پیش گوئی میں واضح طور پر حضرت یونس علیہ السلام کی مثال دی گئی ہے کہ جس طرح وہ تین راتیں اور تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین راتیں اور تین دن زمین کے پیٹ میں رہیں گے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب

ہونے کی جو داستان ہمیں بائبل سناتی ہے اس کے مطابق تو انہیں جمعہ کے دن مصلوب کیا گیا۔ رات گئے دفن کیا گیا اور اتوار کو قبر خالی تھی۔ یہ دو دن بھی نہیں بنتے بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک دن اور دو راتیں بنتی ہیں۔ تین دن اور تین راتیں نہیں۔

ڈاکٹر ولیم اپنی کتاب میں اس بات کا جواب دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دن کے ایک حصے کو پورا دن شمار کیا جا سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک مریض ہفتے کے شب بیمار ہوا اور اگر پیر کے دن میں اس سے پوچھوں کہ وہ کتنے دن بیمار ہے تو وہ یہی جواب دے گا کہ تین دن سے۔

ہم ان کی بات مان لیتے ہیں۔ ٹھیک ہے اسی طرح ہوگا، لیکن پیر کے دن کوئی مریض یہ ہرگز نہیں کہے گا کہ میں تین دن اور تین راتوں سے بیمار ہوں۔ میں چیلنج کرتا ہوں۔ میں نے الحمد للہ ! بہت مریض دیکھے ہیں اور ان میں مسیحی مریض بھی شامل تھے لیکن کسی بھی مریض نے جو گزشتہ پرسوں رات کو بیمار ہوا ہو یہ کبھی نہیں کہا کہ میں تین دنوں اور تین راتوں سے بیمار ہوں۔ جب کہ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں تین دن اور تین راتیں۔ لہٰذا یہ ایک ریاضیاتی غلطی ہے اور ایک اور پوری نہ ہونے والی پیشن گوئی ہے۔

سائنسی لحاظ سے تقابل حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ کیا جائے تو یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ وہ تین دن مچھلی کے پیٹ میں کیسے رہے؟ زندہ یا مردہ؟ جواب ہوگا زندہ۔ مچھلی تین دن انہیں زندہ لے کر سمندر میں پھرتی رہی۔ وہ زندہ تھے، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جب مچھلی نے انہیں ساحل پر اگلا تو وہ زندہ تھے۔ زندہ، زندہ، زندہ۔

لیکن جب پوچھا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین دن زمین میں کیسے رہے تو جواب کیا ہوگا؟ زندہ یا مردہ۔؟ اگر وہ مردہ تھے تو پیشن گوئی پوری نہیں ہوئی۔ اگر زندہ تھے تو پھر وہ مصلوب ہی نہیں ہوئے۔ میں اپنے ایک خطاب میں اس موضوع پر گفتگو کر چکا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب ہوئے تھے یا نہیں؟ اور درست بات وہی ہے جو قرآن بتاتا ہے یعنی:

"وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 6، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 157)

"حالانکہ فی الواقعہ انھوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ مصلوب کیا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔"

بائبل کی پیشن گوئیاں:

قرآن مجید سے ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے:

"لکل اجل کتاب یمحوا اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب"

(الرعد: آیت نمبر: 38-39)

"ہر دور کے لئے کتاب ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ ام الکتاب اسی کے پاس ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے بہت سی کتابیں نازل فرمائی ہیں لیکن نام صرف چار کا مرکوز ہے۔ تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔ تورات بھی وحی خداوندی ہے اور زبور بھی۔ انجیل بھی وحی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ وحی ہے جو اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے آخری وحی ہے۔

جس انجیل کو آج کل مسیحی حضرات اپنی کتاب مقدسہ قرار دیتے ہیں ہم مسلمانوں کے نزدیک یہ وہ انجیل نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ ہمارے خیال میں یہ ممکن ہے کہ اس انجیل میں کلام خداوندی بھی شامل ہو لیکن اس میں دیگر کئی چیزیں بھی شامل ہیں۔ اس میں حواریوں کا کلام بھی شامل ہے، تاریخ دانوں کے بیانات بھی شامل ہیں اور کچھ بے معنی کلام اور بھی۔ مزید برآں اس میں کچھ فحش بیانات اور لاتعداد سائنسی اغلاط بھی موجود ہیں۔ اگر بائبل میں کچھ باتیں سائنسی طور پر درست ہیں تو اس کا امکان موجود ہے کیونکہ بائبل میں کلام الٰہی بھی شامل ہونے کا امکان ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ ان اغلاط کو خدا کی طرف منسوب کیا جائے۔؟

ہمارا مقصد تو صرف یہ بتانا ہے کہ کلام خداوندی میں غلطی نہیں ہو سکتی۔ اس میں سائنسی غلطیوں کا امکان ہی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی فرماتے تھے کہ سچائی کو تلاش کرو۔ دیکھئے! ہمارے پاس عہد نامہ قدیم ہے، عہد نامہ جدید ہے اور خدا کی آخری وحی بھی ہمارے پاس قرآن مجید کی صورت میں موجود ہے۔

اگر انجیل کی ایک بھی پیشن گوئی غلط ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ یہ کتاب منزل

من اللہ نہیں ہے اور میں ایسی پیش گوئیوں کی پوری فہرست آپ کے سامنے پیش کرسکتا ہوں۔
مثال کے طور پر کتاب پیدائش کے چوتھے باب کی بارھویں آیت میں قائن سے کہا گیا:

"جب تو زمین کو جوتے گا تو وہ اب تجھے اپنی پیداوار نہ دے گی اور زمین پر تو خانہ خراب اور آوارہ ہوگا۔"

لیکن چند ہی سطروں کے بعد آیت نمبر 17 میں پتہ چلتا ہے:

"اور اس نے ایک شہر بسایا اور اس کا نام اپنے بیٹے کے نام پر حنوک رکھا۔"

یعنی پیشن گوئی بالکل غلط ثابت ہوئی۔ اسی طرح یرمیاہ کے باب نمبر 36 کی آیت نمبر 30 میں ہم پڑھتے ہیں:

"اس لئے شاہ یہوواہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی باقی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے اور اس کی لاش پھینکی جائے گی تا کہ دن کو گرمی میں، رات کو پالے میں پڑی رہے۔"

لیکن اگر آپ سلاطین 2 کے چوبیسویں باب کی چھٹی آیت کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا:

"اور یہویقیم اپنے باپ دادا کے ساتھ سو گیا اور اس کا بیٹا یہویاکین اس کی جگہ بادشاہ ہوا۔"

یعنی پیشن گوئی غلط ثابت ہوئی۔

اگر چہ ایک ہی پیشن گوئی کا غلط ہونا یہ ثابت کر دیتا ہے کہ موجودہ انجیل کلام خداوندی نہیں ہے لیکن میں، بہت سی مثالیں پیش کرسکتا ہوں۔

حزقی ایل، باب نمبر 26 کی آیت نمبر 8 میں بتایا گیا ہے کہ بنوکدر ضر شاہ بابل صور کے شہر کو تباہ کرے گا لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ اس شہر کو سکندر اعظم نے تباہ کیا تھا۔ گویا یہ پیشن گوئی بھی درست ثابت نہیں ہوئی۔

یسعیاہ، باب نمبر 7، آیت نمبر 14 میں کہا گیا ہے:

"دیکھو! ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی۔"

اوّل تو یہاں غلط ترجمہ کیا جا رہا ہے کیوں کہ جو اصل عبرانی لفظ یہاں استعمال ہوا ہے اس کا مطلب "کنواری" نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی "جوان عورت" ہیں لیکن مسیحی حضرات کا کہنا ہے کہ

یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کی جارہی ہے۔ لہٰذا ہم ان کی مان لیتے ہیں کہ واقعی یہاں لفظ کنواری استعمال ہوا ہے لیکن یہ آیت کہتی ہے کہ اس کا نام "عمانوایل" ہوگا اور پوری بائبل میں کسی بھی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عمانوایل کے نام سے نہیں پکارا گیا۔ لہٰذا بہر صورت یہ پیشن گوئی غلط ثابت ہوئی۔

میں بہت سی مثالیں مزید بھی پیش کرسکتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ ایک ہی مثال یہ ثابت کرنے کے لئے کفایت کرتی ہے کہ موجودہ بائبل کلام خداوندی نہیں ہے۔ میں نے تو بہت سی مثالیں پیش کردی ہیں۔

پانی کی تین طبعی صورتیں اور تثلیث:

مسیحی حضرات عقیدۂ تثلیث کی سائنسی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ جس طرح پانی کی تین طبعی صورتیں ٹھوس، مائع اور گیس ہوسکتی ہیں یعنی وہ برف، پانی اور بھاپ کی شکل میں ہوسکتا ہے۔ اسی طرح خدا بھی باپ، بیٹے اور روح القدس کی تثلیث کی صورت میں ہے۔

سائنسی لحاظ سے مجھے اس بات سے پورا اتفاق ہے کہ پانی کی تین طبعی حالتیں ہوتی ہیں۔ ٹھوس، مائع اور گیس یا برف، پانی اور بخارات لیکن ہم جانتے ہیں کہ اپنے اجزا کے لحاظ سے یہ ایک ہی چیز رہتی ہے۔ پانی کا کیمیائی فارمولا "H2O" ہے یعنی دو ایٹم ہائیڈروجن کے اور ایک آیٹم آکسیجن کا۔ یہ اجزا اسی طرح رہتے ہیں، ان کا تناسب بھی رہتا ہے، صرف طبعی حالت تبدیل ہوتی ہے۔

اب ہم عقیدۂ تثلیث کا جائزہ لیتے ہیں۔ باپ، بیٹا اور روح القدس۔ کیا یہاں بھی صرف حالت ہی تبدیل ہوتی ہے۔؟ چلیے ہم مان لیتے ہیں کہ یہاں بھی صرف حالت کا فرق پڑتا ہے۔ کیا یہاں بھی اجزاء وہی رہتے ہیں۔؟

باپ اور روح القدس کا وجود روحانی ہے جبکہ انسان گوشت پوست کی مخلوق ہے۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ خدا ان ضرورتوں سے پاک ہے۔ دونوں مختلف ہیں، دونوں ایک جیسے کس طرح ہوسکتے ہیں۔؟ اور یہ بات خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ ان کے متعلق لوقا کی انجیل میں لکھا ہے:

"اس نے ان سے کہا: "تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک

پیدا ہوتے ہیں؟ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں وہی ہوں۔ مجھے چھو کر دیکھو کیوں کہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا کہ مجھ میں دیکھتے ہو۔" یہ کہہ کر اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا: "کیا یہاں تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟" انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہاں خود فرما رہے ہیں کہ روح گوشت اور ہڈیاں نہیں رکھتی۔ سائنسی طور پر یہ بات ثابت کرنے کے لئے کہ وہ خدا نہیں ہیں، انہوں نے ان کے روبرو مچھلی کا ٹکڑا کھایا اور اس طرح باپ، بیٹے اور روح القدس کے ایک ہوتے یعنی تثلیث کے عقیدے کو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رد کر دیا۔

پوری بائبل میں تثلیث (Trinity) کا لفظ ہی موجود نہیں ہے لیکن قرآن میں اس کا ذکر موجود ہے۔

سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

"ولا تقولوا ثلثة انتھو خیر الکم انما اللہ الہ واحد"

(القرآن المجید، سورۃ النساء، آیت نمبر 171)

"اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ باز آ جاؤ یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔"

سورۂ مائدہ میں پھر ارشاد ہوتا ہے:

"لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثة وما من الہ الا الہ واحد وان لم ینتھوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منھم عذاب الیم○"

(القرآن المجید، سورۃ المائدہ، آیت نمبر 73)

"یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں تیسرا ہے۔ حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں

سے جس جس نے کفر کیا ہے اس کو دردناک سزا دی جائے گی۔ o"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خدا ہیں۔ بائبل میں بھی تثلیث کا تصور موجود نہیں ہے۔ واحد بیان جو تثلیث کے قریب ترین ہو سکتا ہے وہ یہ ہے:

"اور جو گواہی دیتا ہے وہ روح ہے کیونکہ روح سچائی ہے اور گواہی دینے والے تین ہیں' روح' پانی اور خون اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں۔"

(یوحنا کا پہلا خطاب، باب نمبر 5، آیت نمبر 7)

اور اس آیت کے بارے میں بائبل کے "Revised Standard Version" میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ آیت الحاقی ہے یعنی اسے بائبل سے نکال ہی دیا گیا ہے' گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی دعویٰ الوہیت نہیں کیا۔

پوری بائبل میں کوئی ایک بیان بھی ایسا موجود نہیں جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ میں خدا ہوں یا یہ کہا ہو کہ میری عبادت کرو۔ بلکہ اگر آپ بائبل کا مطالعہ کریں تو آپ کو اس قسم کی آیات ملیں گی:

"اگر تم مجھ سے محبت رکھتے تو اس بات سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے کیوں کہ باپ مجھ سے بڑا ہے۔"

(یوحنا، باب نمبر 14، آیت نمبر 28)

"میرا باپ سب سے بڑا ہے۔"

(یوحنا، باب نمبر 10، آیت نمبر 29)

"میں خدا کی روح کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہوں۔"

(متی، باب نمبر 12، آیت نمبر 29)

"میں بدروحوں کو خدا کی قدرت سے نکالتا ہوں۔"

(لوقا، باب نمبر 11، آیت نمبر 22)

"میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔" (یوحنا، باب نمبر 5، آیت نمبر 30)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا یعنی جو کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کرتا ہوں اور یہی اسلامی عقیدہ ہے۔ مسلمان ہوتا ہی وہ ہے جو اپنی مرضی کو

اللہ کی مرضی کے تابع کر دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمان تھے اور اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبروں میں ایک تھے۔

ہمارا ایمان ہے کہ ان کی پیدائش ایک معجزہ تھا۔ ہمارا ایمان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، اندھوں اور کوڑھیوں کو ٹھیک کر دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عظیم الشان پیغمبر تھے۔ ہم ان کا احترام کرتے ہیں لیکن وہ خدا نہیں ہیں۔

قرآن مجید کہتا ہے:

''ھو اللہ احد○''

''کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔○''

اہم ترین نکات:

عیسائیوں کی آسانی کے لئے میں اپنی گفتگو کا خلاصہ بیان کر دیتا ہوں تا کہ وہ اس کا جواب دے سکیں۔

پہلا نکتہ یہ کہ بائبل کے بیان کے مطابق کائنات چھ دنوں میں یعنی چوبیس گھنٹے والے دنوں میں تخلیق ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ غیر سائنسی بات ہے۔

دوسرا یہ کہ بائبل کے بیان کے مطابق روشنی کی تخلیق سورج اور ستاروں سے پہلے ہوئی تھی۔ یہ بات بھی غیر منطقی ہے۔

تیسرا نکتہ یہ تھا کہ دن اور رات کی تشکیل زمین کے تخلیق ہونے سے قبل ممکن نہیں لیکن بائبل ایسا ہی ظاہر کرتی ہے۔

چوتھا نکتہ میں نے یہ بیان کیا تھا کہ بائبل کے مطابق نباتات کی تخلیق سورج سے قبل ہو گئی تھی۔ یہ غیر سائنسی بیان ہے کیوں کہ پودوں کو اپنی نشوونما کے لئے سورج کی روشنی درکار ہوتی ہے۔

پانچویں بات میں نے یہ کی کہ زمین کی تخلیق سورج سے قبل بتائی گئی ہے اور یہ بات سائنس کی روشنی میں بالکل درست نہیں۔

چھٹا نکتہ یہ تھا کہ بائبل کے بیان کے مطابق چاند کی روشنی اپنی روشنی ہے۔

ساتواں نکتہ یہ تھا کہ زمین ہمیشہ قائم رہے گی یا فنا ہو جائے گی۔؟

آٹھواں نکتہ یہ کہ بائبل میں زمین کے ستون بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی کیا حقیقت ہے۔؟
نوواں نکتہ یہ کہ آسمان کے بھی ستون بتائے گئے ہیں۔
دسواں یہ کہ بائبل کے بیان کے مطابق تمام بیج دار پھل انسان کے کھانے کے لئے بنائے گئے ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان میں کئی انتہائی زہریلے بھی ہوتے ہیں۔
گیارھواں نکتہ یہ کہ بائبل میں ایک امتحان بتایا گیا ہے جس سے ایک سچے مسیحی کا ایمان معلوم کیا جاسکتا ہے۔ کیا کوئی مسیحی یہ امتحان دینے کے لیے تیار ہے۔؟
بارھواں نکتہ یہ تھا کہ بیٹی کی پیدائش کی صورت میں ماں دگنے عرصے تک کیوں ناپاک رہتی ہے۔؟
تیرھواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل میں مکان کو کوڑھ کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لئے خون چھڑکنے کا مشورہ دیا گیا ہے جو کہ قطعاً غیر سائنسی بات ہے۔
چودھواں نکتہ یہ کہ بدکرداری معلوم کرنے کے لئے جو کڑوے پانی کا امتحان بیان کیا گیا ہے اس کی وضاحت کی جائے۔
پندرھواں نکتہ یہ کہ بائبل میں ایک ہی جگہ ساٹھ سے بھی کم آیات میں اٹھارہ تضادات موجود ہیں اور میں اسے ایک ہی نکتہ یا ایک ہی سوال گن رہا ہوں، حالانکہ یہ اٹھارہ نکات ہیں۔
سولھواں نکتہ یہ کہ مندرجہ بالا معاملے میں دونوں جگہ تعداد مختلف ہے یعنی ایک تو بیان کردہ کل تعداد غلط ہے اور دوسرا دونوں ابواب میں میزان مختلف نکلتا ہے۔
نکتہ نمبر سترہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا موقع پر یعنی بابل سے بنی اسرائیل کی رہائی کے موقع پر گانے والوں اور گانے والیوں کی تعداد دو سو تھی یا دو سو پینتالیس۔؟
نکتہ نمبر اٹھارہ یہ ہے کہ جب یہویاکین نے سلطنت شروع کی تو اس کی عمر اٹھارہ سال تھی یا آٹھ سال۔؟
انیسواں نکتہ یہ ہے کہ اس نے حکومت تین ماہ کی تھی یا تین ماہ اور دس دن۔؟
بیسواں نکتہ یہ کہ ہیکل سلیمانی میں ''دو ہزار بت کی سمائی تھی'' یا ''تین ہزار بت'' کی۔؟
اکیسواں سوال یہ کہ بعشا اپنی موت کے دس سال بعد کیونکر یہوداہ پر چڑھائی کر سکتا تھا۔؟
بائیسواں نکتہ یہ تھا کہ قوس قزح کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ طوفان نوح کے بعد خدا کے وعدے کی نشانی کے طور پر ظاہر ہوئی۔ اس کی سائنسی حقیقت واضح کریں۔

تیسواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل کہتی ہے کہ زمین چپٹی ہے۔ اب سائنسی رو سے بتائیے کہ زمین بیضہ نما ہے یا چپٹی۔؟

چوبیسواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل کے مطابق سانپ کی غذا خاک ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

پچیسواں نکتہ یہ تھا کہ کیا کبھی دنیا میں کوئی سینگوں والا گھوڑا پایا جاتا تھا۔

چھبیسواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل میں ہے کہ چیونٹیوں کا کوئی سردار، ناظر اور حاکم وغیرہ نہیں۔ کیا یہ نظریہ علم حیوانیات کی رو سے درست ہے۔؟

ستائیسواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل کی رو سے خرگوش جگالی کرتا ہے۔ جدید تحقیقات کی رو سے یہ بات کہاں تک درست ہے۔؟

میں نے بائبل میں موجود سینکڑوں سائنسی اغلاط میں سے صرف چند ایک کی نشان دہی کی ہے۔ میں عیسائیوں سے درخواست کروں گا کہ وہ ان کا جواب دیں۔ وہ منطقی اور سائنسی طور پر ان نکات کا جواب کبھی نہیں دے سکیں گے۔

قرآن مجید کے سائنسی معجزات

قرآن مجید پر اعتراضات اور ان کے جوابات

علم الجنین:

1: کچھ عرصہ قبل چند عربوں نے علم الجنین سے متعلق قرآن مجید اور احادیث نبویہ کو اکٹھا کیا اور یہ سارا لوازمہ انہوں نے کینیڈا کے ڈاکٹر کیتھ مور کو پیش کر دیا جو "یونیورسٹی آف ٹورانٹو" کینیڈا میں اس شعبہ کے سربراہ ہیں اور دورِ حاضر میں ان کا شمار علم الجنین کے بڑے ماہرین میں ہوتا ہے۔ ان آیات و احادیث کے تراجم کا مطالعہ کرنے کے بعد جب ان سے تبصرے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ ان میں سے بیشتر آیات اور احادیث تو جدید ترین تحقیقات سے مکمل مطابقت رکھتی ہیں۔ البتہ چند باتیں ایسی ہیں جنہیں نہ وہ درست قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہی غلط کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ جدید سائنس نے ابھی تک ان کی مکمل وضاحت ہی نہیں کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ خود ان کے بارے میں مکمل علم نہیں رکھتے اور ان میں دو آیات وہ تھیں جو ترتیب نزولی کے اعتبار سے قرآن مجید کی اوّلین آیات ہیں:

"اقرأ باسم ربك الذی خلق○خلق الانسان من علق○"
(القرآن الجید، پارہ نمبر 30، سورۃ العلق، آیت نمبر 2-1)

"اے نبی پڑھو! اپنے رب کے نام کے ساتھ، جس نے پیدا کیا۔○ جس "علقہ" سے انسان کی تخلیق کی۔○"

"علق" سے مراد کوئی چپکنے والی چیز یا جونک نما چیز ہے۔

اہل یورپ کہتے ہیں کہ ہمیں کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے الفاظ کے وہی معنی سامنے رکھنے چاہئیں جو اس وقت مراد لئے جاتے تھے جب کتاب تحریر ہوئی تھی یا وہی معنی قبول کرنے چاہئیں جو معنی اولین مخاطبین کے نزدیک درست تھے۔

ہم ان کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں لیکن صرف بائبل کے معاملے میں۔ بائبل کے حق میں تو ان کی یہ بات بالکل درست ہے کیونکہ بائبل ایک ایسی کتاب ہے جس کے مخاطبین صرف اس دور کے لوگ تھے بلکہ صرف بنی اسرائیل تھے۔ یہ بات بائبل میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔ بارہ حواریوں کے نام بیان کرنے کے بعد تحریر ہے:

"ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا: "غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہروں میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔"

(متی، باب نمبر 10۔6,7)

یہاں انہیں غیر قوموں کی طرف جانے سے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام منع کر رہے ہیں۔ غیر قوموں سے کیا مراد ہے۔؟ غیر قوموں سے مراد تمام غیر یہودی اقوام ہیں۔ اس طرح متی کی انجیل میں دوبارہ کہا گیا ہے:

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"
(انجیل متی، باب نمبر 15۔24)

گویا بائبل اور حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کا پیغام ہدایت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا اور چونکہ یہ پیغام صرف ایک قوم تک محدود تھا لہٰذا یہاں وہ معنی مراد لینا درست ہوگا جو ان لوگوں

کے نزدیک تھا۔

لیکن قرآن مجید کا معاملہ مختلف ہے۔ قرآن مجید صرف اس دور کے عربوں کے لئے نازل نہیں ہوا تھا۔ قرآن مجید کا پیغام صرف مسلمانوں کے لئے بھی نہیں ہے۔ یہ تو پوری انسانیت کے لئے پیغام ہدایت ہے اور ہر زمانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔

چنانچہ سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے:

"هذا بلغ للناس"

(القرآن المجید، سورۃ ابراہیم، آیت نمبر 52)

"یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لئے۔"

اسی طرح سورۂ بقرہ میں کہا گیا:

"القرآن هدی للناس"

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر 180)

"قرآن انسانوں کے لئے سر چشمہ ہدایت ہے۔"

سورۂ زمر میں ارشاد ہوتا ہے:

"انا انزلنا علیك الکتاب للناس بالحق"

(القرآن المجید، سورۃ الزمر، آیت نمبر 41)

"(اے نبی!) ہم نے آپ پر یہ کتاب سارے لوگوں (کی راہنمائی) کے لیے برحق نازل کی ہے۔"

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید کا پیغام پوری بنی نوع انسانیت کے لئے ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف عربوں کے لئے ہدایت دے کر نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ آپ علیہ السلام ساری نوع انسانیت کے رسول بن کر تشریف لائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ انبیاء میں ارشاد فرماتا ہے:

"وما ارسلناك الا رحمة للعلمین۝"

(القرآن المجید، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 17)

"(اے نبی!) ہم نے تو آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔o"

لہٰذا جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے، آپ قرآنی الفاظ کے معانی کو قطعاً اس دور تک محدود نہیں کر سکتے جس دور میں یہ نازل ہوا تھا کیونکہ اس کتاب کا پیغام کسی زمانے تک محدود نہیں ہے۔

علق کا ایک مطلب جونک نما چیز یا چپکنے والی چیز ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کیتھ مور کہتے ہیں کہ مجھے علم نہیں تھا کہ جنین ابتدائی مرحلے میں جونک سے مشابہت رکھتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا موصوف اپنی تجربہ گاہ میں گئے اور جنین کے ابتدائی مرحلے کا خوردبین سے جائزہ لینے کے بعد اس کا تقابل جونک کی تصویر سے کیا اور وہ دونوں کے درمیان موجود حیرت انگیز مشابہت کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

بہرحال ڈاکٹر کیتھ مور سے 80 سوالات کئے گئے۔ ڈاکٹر کیتھ مور نے یہ بھی کہا کہ اگر یہ 80 سوالات ان سے 30 سال قبل کئے جاتے تو شاید وہ پچاس فیصد سوالات کا بھی جواب نہ دے پاتے۔ کیونکہ گزشتہ تیس سال کے عرصے میں علم الجنین نے بہت زیادہ ترقی کی ہے اور یہ بات ڈاکٹر کیتھ مور نے 1980ء کی دہائی میں کی تھی۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ اب صورت حال یہ ہے کہ ڈاکٹر کیتھ مور کا یہ بیان تحریری صورت میں بھی دستیاب ہے اور ان کی گفتگو کی ریکارڈنگ بھی موجود ہے۔ آپ ویڈیو کیسٹ میں خود بھی دیکھ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر کیتھ مور نے یہ تحقیقات اپنی اس کتاب میں پیش کی ہیں۔ جس کا عنوان ہے:

"The Developing Human"

اس کتاب کو اس سال کسی ایک مصنف کی لکھی ہوئی بہترین طبی کتاب کا ایوارڈ بھی ملا تھا۔ اس کتاب کا اسلامی ایڈیشن ڈاکٹر عبدالمجید الزندانی نے شائع کیا تھا جس پر ڈاکٹر مور کی تصدیق بھی موجود ہے۔

2 قرآن مجید کی سورۂ مومنون میں ارشاد ہوتا ہے:

"ثم جعلناه نطفة في قرار مكينo"

(القرآن المجید، سورۃ المومنون، آیت نمبر 13)

"پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا۔o"

سورۂ حج میں بلکہ قرآن مجید میں گیارہ مقامات پر یہ بات کہی گئی ہے کہ انسان کی تخلیق نطفے سے ہوئی ہے۔ نطفہ عربی زبان میں "مائع کی انتہائی قلیل مقدار" کو کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ مقدار جو پیالے کی تہہ سے لگی رہ جاتی ہے یعنی قلیل ترین مقدار۔

آج ہم جانتے ہیں کہ مادۂ منویہ میں موجود کروڑوں جرثوموں میں سے کوئی ایک بھی جنین کی تشکیل کے لئے کافی ہوتا ہے اور یہ ایک نہایت ہی چھوٹی سی مقدار ہوتی ہے، جس کے لئے قرآن "نطفہ" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

قرآنِ مجید کی سورۂ سجدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

"ثم جعل نسله من سللة من ماء مهين○"

(القرآن المجید، سورۃ السجدۃ، آیت نمبر 8)

"پھر اس کی نسل ایک ایسے نچوڑ سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔○"

"نچوڑ یا سلالۃ" سے مراد ہے کسی چیز کا جوہر، کسی شے کا بہترین حصہ یا یوں کہیے کہ کروڑوں جرثوموں میں سے وہ ایک جرثومہ جو بیضے کو بارآور کرنے کا باعث بنتا ہے۔ قرآن مجید اسی لئے تو یہاں لفظ "سلالۃ" یعنی بہترین حصہ استعمال کرتا ہے۔

3: سورۂ دھر میں مزید ارشاد ہوتا ہے:

"انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلناه سميعا بصيرا○"

(القرآن المجید، سورۃ الدھر، آیت نمبر 2)

"ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔○"

یہاں قرآن مجید "نطفۃ امشاج" کا لفظ استعمال کرتا ہے یعنی مخلوط نطفہ۔ گویا یہاں اشارہ بیضوں اور مادۂ منویہ کی طرف ہے۔ کیونکہ جنین کی تشکیل کے لئے ان دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

4: جنین کے ارتقاء کے مختلف مراحل کا ذکر قرآن مجید بڑی تفصیل اور وضاحت کے

ساتھ کرتا ہے۔ چنانچہ سورۂ مومنون میں ارشاد ہوتا ہے:

"ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ○ ثم جعلناه نطفة في قرار مكين ○ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظاما لحماثم انشئنه خلقا آخر فتبارك الله احسن الخالقين ○"

(القرآن الجید، سورۃ المومنون، آیت نمبر 14-12)

"ہم نے انسان کو مٹی کے نچوڑ سے بنایا ○ پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا ○ پھر اس بوند کو علقہ کی شکل دی، پھر علقہ کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔ ○"

مندرجہ بالا آیات میں بتایا گیا کہ انسان کی تخلیق نطفہ سے ہوئی ہے جو مائع کی انتہائی قلیل مقدار ہے۔ پھر اسے "قرار مکین" میں رکھا گیا یعنی محفوظ جگہ پھر وہ "علقہ" میں تبدیل ہوا یعنی "جونک نما شے" یا "چپکنے والی شے" یا "خون کا لوتھڑا۔" پھر علقہ کو تبدیل کیا گیا "مضغہ" میں یعنی چبائی ہوئی شے یا بوٹی۔ پھر مضغہ سے "عظاما" یعنی ہڈیاں بنائی گئیں۔ پھر "لحم" یعنی گوشت کی تشکیل ہوئی۔

ان تین آیات قرآنی میں جنین کے ارتقائی مراحل بڑی وضاحت سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے تو نطفہ قرار مکین میں پہنچتا ہے یعنی رحم مادر میں اور پھر وہ علقہ میں تبدیل ہوتا ہے۔

لفظ "علقہ" کے تین معانی ہیں!

پہلا معنی تو "چپکنے والی چیز" ہے اور یہ معنی بالکل درست ہے کیونکہ جنین رحم کی دیوار کے ساتھ چپکا رہتا ہے۔

دوسرے معنی "جونک نما شے" ہیں اور جیسا کہ پہلے بھی وضاحت کر چکا ہوں کہ جنین اپنے ابتدائی مراحل میں واقعی جونک سے مشابہ ہوتا ہے۔ شکل وصورت کے لحاظ سے بھی اور کچھ اس لحاظ سے بھی کہ جونک کی طرح اس کی پرورش بھی خون سے ہو رہی ہوتی ہے۔

تیسرے معانی ''خون کا لوتھڑا'' بھی ہوتے ہیں اور انہی معانی پر اہل یورپ نے اعتراض کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہاں قرآن مجید غلطی پر ہے، لیکن میں عرض کرنا چاہوں گا کہ قرآن مجید ہرگز غلطی پر نہیں ہے بلکہ اہل یورپ غلطی پر ہیں کیونکہ آج جب علم طب اس قدر ترقی کر چکا ہے' آج بھی ڈاکٹر کیتھ مور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جنین ابتدائی مراحل میں خون کے لوتھڑے کی مانند بھی نظر آتا ہے۔ آپ تصاویر کی مدد سے بھی اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ علقہ تین سے چار ہفتے کی عمر میں لوتھڑے سے مشابہ نظر آتا ہے یا نہیں۔؟

عیسائیوں اور یہودیوں کے تمام اعتراضات کا جواب ایک جملے میں بھی دیا جا سکتا ہے اور وہ جملہ یہ ہے کہ ''قرآن مجید میں جنین کے ارتقاء کے مختلف مراحل کو ان کی شباہت کی بنا پر نام دیئے گئے ہیں۔''

جنین بظاہر اسی طرح نظر آتا ہے جس طرح قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ پہلے مرحلے میں واقعی اس کی شباہت لوتھڑے، جونک یا چپکنے والی چیز کی طرح ہوتی ہے۔

پھر قرآن مجید کہتا ہے کہ علقہ کو مضغہ میں تبدیل کیا جاتا ہے یعنی وہ کسی چبائی ہوئی شے کی مانند ہو جاتا ہے اور یہ بات بھی درست ہے۔ ڈاکٹر کیتھ مور نے پلاسٹک کے ایک ٹکڑے کو دانتوں میں دبا کر دیکھا۔ ڈاکٹر مور لکھتے ہیں کہ علقہ کے مضغہ میں تبدیل ہونے کے بعد بھی ''چپکاؤ'' موجود رہتا ہے تقریباً ساڑھے آٹھ ماہ کی عمر تک لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن مجید کا بیان غلط ہے۔ قرآنی بیان بالکل درست ہے کیونکہ ''جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ قرآن مجید نے یہ نام جنین کی ظاہری صورت کی بنا پر دیئے ہیں۔ بیشک جنین تقریباً آخر تک ''چپکنے والی شے'' رہتا ہے لیکن اس کی ظاہری شباہت ''جونک نما چیز'' کی بجائے ''چبائی ہوئی چیز'' جیسی ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد قرآن مجید کہتا ہے کہ ''عظاما'' یعنی ہڈیاں اور پھر ''لحما'' یعنی گوشت کی تشکیل ہوتی ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ہڈیوں اور پٹھوں کی تشکیل بیک وقت ہوتی ہے۔ میں ان سے اتفاق کرتا ہوں۔ واقعی اسی طرح ہوتا ہے۔

آج علم الجنین کی جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ ہڈیوں اور پٹھوں کی ابتدائی تشکیل پچیسویں سے چالیسویں دن کے درمیان ہوتی ہے اور بظاہر ایک ڈھانچہ کی صورت نظر آنا شروع ہو جاتی ہے لیکن پٹھوں یعنی گوشت کی تشکیل مکمل نہیں ہوئی ہوتی۔ یہ ساتویں اور آٹھویں ہفتے میں

مکمل ہوتی ہے۔ جبکہ ہڈیاں بیالیسویں دن تک مکمل ہو چکی ہوتی ہے ڈھانچہ بن چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآنی ترتیب بالکل درست ہے۔ یعنی سب سے پہلے علقہ پھر عظاما اور پھر لحما۔ قرآن مجید کی بیان کردہ ترتیب ہی درست ترتیب ہے۔

ڈاکٹر کیتھ مور کہتے ہیں:

"جدید علم الجنین کے بیان کردہ مراحل یعنی پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا اور پانچواں مرحلہ اور ان کی تفاصیل انتہائی پیچیدہ اور عسیر الفہم ہیں۔ جب کہ صورت اور شباہت کی بنیاد پر بیان کردہ قرآنی مراحل سادہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والے ہیں۔ مجھے یہ بات ماننے پر کوئی اعتراض نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر تھے کیونکہ قرآن مجید ایک الہامی کتاب ہی ہو سکتی ہے۔

علم ارضیات:

1: جہاں تک ارضیات کا تعلق ہے، جدید ماہرین ارضیات ہمیں بتاتے ہیں کہ زمین کا قطر تقریباً 12706 کلومیٹر ہے۔ زمین کی سب سے باہر والی سطح ٹھنڈی ہے لیکن اندرونی پرتیں انتہائی گرم اور پگھلی ہوئی حالت میں ہیں۔ جہاں زندگی کا کوئی امکان موجود نہیں اور یہ کہ زمین کی سب سے بیرونی پرت جس پر ہم آباد ہیں نسبتاً انتہائی باریک ہے۔ اس کی موٹائی ایک میل سے لے کر 30 میل تک ہے۔ چند حصے نسبتاً زیادہ موٹے ہو سکتے ہیں لیکن عموماً یہ پرت ایک سے تیس میل کے درمیان ہی ہوتی ہے۔

اس پرت یا سطح کے "ہلنے" کے قوی امکانات موجود رہتے ہیں جس کی ایک وجہ "بل پڑنے کا عمل" ہے جس کے نتیجے میں پہاڑ بنتے ہیں اور زمین کی سطح کو استحکام ملتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ نباء میں ارشاد ہوتا ہے:

"الم نجعل الارض مھداo والجبال اوتاداo"

(القرآن المجید، سورۃ النباء، آیت نمبر 7-6)

"کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایاo اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔o"

قرآن مجید یہ نہیں کہتا کہ پہاڑوں کو میخوں کی طرح زمین میں اوپر سے گاڑا گیا ہے بلکہ یہ کہ

پہاڑوں کو میخوں کی طرح بنایا گیا ہے۔ اوتاد کا مطلب خیمے گاڑنے والی میخیں ہی ہوتا ہے۔ آج جدید علم ارضیات بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ پہاڑوں کی جڑیں زمین میں گہرائی تک ہوتی ہیں۔ یہ بات انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں سامنے آئی تھی کہ پہاڑ کا بیش تر حصہ زمین کے اندر ہوتا ہے اور صرف تھوڑا سا حصہ ہمیں نظر آتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے زمین میں گڑی ہوئی میخ کا بیش تر حصہ ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا ہے۔ یا جس طرح ''آئس برگ'' کی صرف چوٹی ہمیں نظر آتی ہے جب کہ 90 فیصد حصہ پانی کے اندر ہوتا ہے۔

سورۂ غاشیہ میں ارشاد ہوتا ہے:

''والی الجبال کیف نصبت٥''

(القرآن المجید، سورۃ الغاشیہ، آیت نمبر 19)

''اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے۔؟٥''

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''والجبال ارسھا٥''

(القرآن المجید، سورۃ النازعات، آیت نمبر 32)

''اور پہاڑ اس میں کھڑے کر دیئے۔٥''

جدید ارضیاتی نظریے اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ پہاڑی سلسلے سطح زمین کو استحکام فراہم کرتے ہیں۔ تمام ماہرینِ ارضیات نہیں لیکن اکثر ماہرین یہی کہتے ہیں۔ میں عیسائی علماء کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ علم ارضیات کی کسی ایک مستند کتاب میں وہ بات دکھا دیں جو قرآن مجید کے مخالف ہو۔ الحمدللہ! میں مستند کتاب کا ذکر کر رہا ہوں۔ ان کی ''ذاتی خط و کتابت'' کا نہیں۔ دستاویزی ثبوت مانگ رہا ہوں۔

2: دوسری طرف ایک کتاب ہے جس کا نام ہے ''زمین'' (Earth)۔ یہ کتاب بیش تر یونیورسٹیوں کے ارضیات کے نصاب میں شامل ہے۔ اس کتاب کے مصنفین میں ڈاکٹر فرینک پریس بھی شامل ہیں جو سابق امریکی صدر جمی کارٹر کے مشیر رہ چکے ہیں اور امریکہ کی اکیڈمی آف سائنسز کے بھی صدر رہے ہیں۔ وہ اس کتاب میں کہتے ہیں:

''پہاڑ مثلث نما ہوتے ہیں۔ زمین کے اندر گہرائی تک ان کی جڑیں ہوتی ہیں اور یہ

کہ پہاڑ زمین کو استحکام فراہم کرتے ہیں۔

قرآن مجید کہتا ہے:

"وجعلنا فی الارض رواسی ان تمیدبھم و جعلنا فیھا فجاجا سبلا لعلھم یھتدون0"

(القرآن المجید، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 31)

"اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیے تاکہ وہ انہیں لے کر ڈھلک نہ جائے اور اس میں کشادہ راہیں بنا دیں تاکہ لوگ اپنا راستہ معلوم کر لیں۔0"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"خلق السموت بغیر عمد ترونھا والقی فی الارض رواسی ان تمیدبکم"

(القرآن المجید، سورۃ لقمان، آیت نمبر 10)

"اس نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ستونوں کے جو تم کو نظر آئیں۔ اس نے زمین میں پہاڑ جما دیے تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔"

"والقی فی الارض رواسی ان تمیدبکم انھرا وسبلا لعلکم تھتدون0"

(القرآن المجید، سورۃ النحل، آیت نمبر 15)

"اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے، اس نے دریا جاری کئے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔0"

گویا قرآن مجید میں بھی پہاڑوں کا مقصد یہی بتایا گیا ہے کہ وہ سطح زمین کو استحکام فراہم کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی ان آیات میں یہ کہیں بھی نہیں کہا گیا کہ پہاڑ زلزلوں کو روکتے ہیں۔ ڈاکٹر ولیم کیمپبل نے اپنی کتاب میں یہ بات لکھی ہے کہ پہاڑی علاقوں میں زلزلے زیادہ آتے ہیں اور یہ کہ پہاڑ زلزلوں کا باعث بنتے ہیں۔

یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ تو کہیں نہیں کہا گیا کہ پہاڑ زلزلوں کو روکتے ہیں۔ عربی میں زلزلے کے لئے "زلزال" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ان تینوں آیات میں کہیں بھی

زلزلے کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ ان میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ہے ''تمید ا'' جس کے معنی ''ڈھلکنے'' یا ''جھولنے'' کے ہوتے ہیں اور قرآن مجید ان تینوں آیات میں یہی لفظ استعمال کرتا ہے کہ زمین تمہیں لے کر ڈھلک نہ جائے، جھول نہ پڑے۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو زمین حرکت نہ کرتی۔ یہی بات قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے اور یہی بات ڈاکٹر فرینک پریس کر رہے ہیں۔ یہی بات ڈاکٹر نجات لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر نجات کا تعلق سعودی عرب سے ہے اور انہوں نے قرآن کے ارضیاتی تصورات پر ایک کتاب لکھی ہے۔

اہل یورپ کا کہنا ہے کہ اگر پہاڑ زمین کو کانپنے سے روکتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ پہاڑی علاقوں میں زلزلے زیادہ آتے ہیں۔؟ میرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں کہاں لکھا ہے کہ پہاڑ زلزلوں کو روکتے ہیں؟ زلزلوں کو عربی میں زلزال کہتے ہیں۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں زلزلے کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے:

"Earthquak is due convulsion of the superficial crust of the earth, due to relief of compressed siesmic waves, due to a crack in the rock or due to colcanic reaction."

زلزلے یا بھونچال کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ زلزال میں موجود ہے، جہاں قیامت کی بات بیان کی گئی ہے، لیکن دوسری کسی آیت میں زلزال کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ **تمید بکم** کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی ڈولنے یا ڈھلکنے کا ذکر ہے۔

اسی طرح جہاں تک اس بیان کا تعلق ہے:

''اگر پہاڑ زلزلوں کو روکتے ہیں تو پھر پہاڑی علاقوں میں ہی زیادہ زلزلے کیوں آتے ہیں۔؟''

تو اس بات کا جواب دینے کے لیے میں اک مثال پیش کرنا چاہوں گا۔ فرض کیجئے میں کہتا ہوں کہ ڈاکٹر حضرات انسانوں کو لاحق ہونے والی بیماریوں اور امراض کا علاج کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص مجھ پر اعتراض کرتے ہوئے کہے کہ اگر ڈاکٹر بیماریوں کو ٹھیک کرتے ہیں تو پھر زیادہ مریض ہسپتالوں میں کیوں پائے جاتے ہیں جہاں زیادہ تعداد میں ڈاکٹر موجود ہوتے ہیں، یہ

نسبت گھروں کے جہاں ڈاکٹر نہیں ہوتے؟ تو کیا اس معترض کا استدلال درست ہوگا۔؟

علمِ فلکیات

1: جہاں تک قرآن مجید اور جدید سائنس کا تعلق ہے۔ ہم بات کا آغاز فلکیات سے کریں گے۔ چند دہائیاں پیش تر سائنسدانوں اور ماہرین فلکیات نے ہمیں بتایا کہ کائنات کس طرح وجود میں آئی۔ وہ اس نظریے کو "عظیم دھماکہ" یا "Big Bang" کہتے ہیں۔ اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ ایک "Primary Nebula" بہت بڑے دھماکے کے ساتھ پھٹا اور اس کے نتیجے میں کہکشائیں اور اجرامِ فلکی وجود میں آئے یعنی ستارے، سورج، چاند اور وہ زمین بھی جس پر آج ہم رہ رہے ہیں۔ یہ ساری معلومات قرآن مجید میں نہایت اختصار کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔

چنانچہ سورۃ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:

"اولم یر الذین کفروا ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنھما و جعلنا من الماء کل شیء حی افلا یومنون0"

(القرآن المجید، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 30)

"کیا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی؟ کیا وہ (ہماری اس خلاقی کو) نہیں مانتے۔؟0"

ذرا تصور کیجئے! یہ بات حال ہی میں ہمارے علم میں آئی ہے لیکن قرآن مجید میں یہ بات چودہ سو سال پہلے ہی بیان کی جا چکی تھی۔

3: جب میں سکول میں تھا تو ہمیں بتایا جاتا تھا کہ سورج ساکن ہے جبکہ زمین اور چاند اپنے مداروں میں سورج کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ چاند اور زمین تو اپنے مداروں میں متحرک ہیں مگر سورج ایک مقام پر ساکن ہے لیکن قرآن مجید کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے:

"وھو الذی خلق الیل والنھار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون0"

(القرآن المجید، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 33)

"اور اللہ وہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا، سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔o"

یعنی ہر کوئی اپنے اپنے فلک میں، اپنے اپنے مدار میں حرکت کر رہا ہے۔ الحمدللہ! آج جدید سائنس بھی اس آیت قرآنی کی تصدیق کر چکی ہے۔ قرآن مجید میں اس مقام پر جو عربی لفظ استعمال ہوا ہے وہ ہے

"یسبحون"

یہ لفظ ایک ایسے جسم کی حرکت ظاہر کرتا ہے جو اپنے مقام پر بھی متحرک ہو۔ گویا جہاں اجرام فلکی کا ذکر ہو وہاں یہ لفظ اپنے مرکز کے گرد حرکت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

پس قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ چاند اور سورج اپنے مرکز کے گرد بھی گھومتے ہیں اور اپنے اپنے مداروں میں بھی تیر رہے ہیں۔ آج جدید سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ سورج تقریباً 25 دن میں اپنے مرکز کے گرد ایک چکر پورا کر لیتا ہے۔

3: ایڈون ہبل وہ سائنس دان تھا جس نے پہلی بار یہ حقیقت دریافت کی کہ ہماری کائنات مسلسل پھیل رہی ہے، یہی بات قرآن مجید کی سورۂ ذاریات میں فرمائی گئی ہے:

"والسماء بنينها بايد وانا لموسعونo"

(القرآن المجید، سورۃ الذریت، آیت نمبر 47)

"آسمان کو ہم نے اپنے قدرت کے ہاتھ سے بنایا ہے اور ہم ہی اسے وسیع کرنے والے ہیں۔o"

یہاں کائنات کے پھیلنے کا ذکر ہے۔ عربی کے لفظ "موسعون" کا مطلب ہے وسعت دینے والا، وسیع کرنے والا۔

درد محسوس کرنے والے خلیے

قرآن مجید کی سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان الذين كفروا باياتنا سوف نصليهم نارا كلما نضجت جلودهم بدلنهم جلودا غيرها ليذوقوا العذاب ان الله كان

عزیز حکیماً ○"

(القرآن المجید، سورۃ النساء، آیت نمبر 56)

"جن لوگوں نے ہماری آیات ماننے سے انکار کر دیا انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں، بیشک اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے۔"

اس آیت کا تعلق "درد کے احساس" سے ہے۔ پہلے ڈاکٹر حضرات کا خیال تھا کہ درد کے احساس کا تعلق صرف دماغ کے ساتھ ہوتا ہے لیکن آج ہم یہ جانتے ہیں کہ درد کا احساس صرف دماغ کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ ہماری جلد میں بھی ایسے "Recepters" موجود ہوتے ہیں جو درد اور تکلیف کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ انہیں "Pain Recepters" کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انکار کرنے والوں یعنی کفار کو آگ کے حوالے کیا جائے گا اور جب ان کی کھال جل جائے گی تو ان کے جسم پر نئی کھال پیدا کر دی جائے گی تاکہ انہیں دوبارہ درد کا احساس ہو سکے۔

اس آیت سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ جلد میں ایسی کوئی خصوصیت موجود ہے جس کی وجہ سے درد کا احساس ہوتا ہے یعنی قرآن مجید اس آیت میں "Pain Recepters" کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

تھائی لینڈ کی چانگ مائی یونیورسٹی کے شعبہ اناٹومی کے سربراہ پروفیسر "تھاگاڈا شان" صرف اس ایک آیت کی وجہ سے مسلمان ہو چکے ہیں۔ ریاض سعودی عرب میں ہونے والی آٹھویں میڈیکل کانفرنس میں انہوں نے اعلان کیا:

"اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا الرسول الله"

"میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"سنريهم ايتنا فى الافاق وفى انفسهم حتى يتبين لهم انه الحق اولم يكف بربك انه على كل شئى شهيد○"

(القرآن المجید، سورۃ حم السجدۃ، آیت نمبر 53)

"عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ قرآن واقعی برحق ہے، کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔o"

ڈاکٹر تھاگاڈا کے لئے ایک ہی نشانی حق کی نشان دہی کے لئے کافی ہوگی یعنی اس بات پر ایمان لانے کے لئے کہ قرآن کلام خداوندی ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں دس نشانیاں درکار ہوں گی اور کچھ ایسے جنہیں سو نشانیاں درکار ہوں گی لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو ایک ہزار نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

"صم بکم عمی فھم لا یرجعون o"

(القرآن الحکیم، پارہ نمبر 1، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 18)

"یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس یہ نہ پلٹیں گے۔o"

بائبل بھی متی کی انجیل میں ان کے بارے میں یہی کہتی ہے:

"میں ان سے تمثیلوں میں اس لیے باتیں کرتا ہوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے اور نہیں سمجھتے۔"

(متی، باب نمبر 13، آیت نمبر 13)

علم آبیات:

1: جہاں تک "آبی چکر" کا تعلق ہے تو اس کے تین مرحلے ہیں۔ آخری مرحلہ "Driplination" کہلاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الطارق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"والسماء ذات الرجع o"

(القرآن الحکیم، پارہ نمبر 30، سورۃ الطارق، آیت نمبر 11)

"اور قسم ہے پلٹانے والے آسمان کی۔o"

تقریباً تمام مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں اس آیت میں جور جوع یا پلٹانے کی بات کی گئی ہے اس سے مراد بارش کو پلٹانے یا بخارات کی صورت میں پانی کے بادلوں میں تبدیل ہونے کی حقیقت ہے۔

جو احباب عربی جانتے ہیں، اس موقع پر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بات واضح الفاظ میں بیان کیوں نہیں کی؟ صاف صاف الفاظ میں یہ کیوں نہیں کہا کہ آسمان بخارات کو بارش کی صورت میں پلٹا دیتا ہے؟

لیکن آج ہم جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یوں کیوں نہیں فرمایا؟ اسی میں حکمت تھی کیوں کہ آج ہمیں یہ علم ہوا ہے کہ زمین کے اوپر موجود فضائی سطح (Ozonosphere) نہ صرف بخارات اور بادلوں کو بارش کی صورت میں زمین کی طرف پلٹاتی ہے بلکہ زمین سے اوپر جانے والی فائدہ مند حرارت اور قوت کو بھی واپس پلٹاتی ہے جو کہ انسانیت کے لئے فائدہ مند ہیں۔

آج ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ یہ سطح ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کی نشریاتی لہروں کو پلٹانے کا بھی سبب بنتی ہے۔

مزید برآں یہ سطح (Ozonosphere) بیرونی خلا سے آنے والی نقصان دہ شعاعوں کو روکنے اور پلٹانے کا سبب بھی بنتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورج سے آنے والی بالا بنفشی شعاعیں، جنہیں اوزون کی سطح جذب کر لیتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو زمین پر حیات ختم ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ عظیم ہے اور بالکل بجا طور پر ارشاد فرماتا ہے:

"والسماء ذات الرجع o"

(القرآن المجید، سورۃ الطارق، آیت نمبر 11)

"اور قسم ہے پلٹانے والے آسمان کی۔"

2: قرآن مجید آبی چکر کا ذکر بڑی وضاحت کے ساتھ کرتا ہے۔ جہاں تک بائبل میں آبی چکر کے ذکر کا تعلق ہے، تو بائبل میں فقط آبی چکر کے پہلے اور تیسرے مرحلے کا ذکر ہے۔ یہ ملی ٹس کا فلسفہ ہے جو کہ ساتویں صدی قبل مسیح کا فلسفی تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سمندر کی سطح سے بخارات کو ہوا اٹھا کر لے جاتی ہے جو بعد ازاں بارش کی صورت میں برستے ہیں۔ اس فلسفے میں بادلوں کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

الحمد للہ! قرآن مجید اس آبی چکر کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور وہ بھی متعدد مقامات پر۔ بادلوں کا بننا، ان کی حرکت، ان کا برسنا اور پھر پانی کی دوبارہ بخارات میں تبدیلی، ان سب مراحل کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ میں ہمیں آبی چکر کا ذکر ملتا ہے:

سورۃ النور، آیت نمبر 43 سورۃ الروم، آیت نمبر 48

سورۃ الزمر، آیت نمبر 21	سورۃ المومنون، آیت نمبر 18
سورۃ الروم، آیت نمبر 24	سورۃ الحجر، آیت نمبر 22
سورۃ الاعراف، آیت نمبر 57	سورۃ الرعد، آیت نمبر 17
سورۃ الفرقان، آیت نمبر 49-48	سورۃ الفاطر، آیت نمبر 9
سورۃ الجاثیہ، آیت نمبر 5	سورۃ ق، آیت نمبر 9
سورۃ الواقعہ، آیت نمبر 68 تا 70	سورۃ الملک، آیت نمبر 30

قرآن مجید کی مندرجہ بالا تمام آیات میں آبی چکر کا تفصیلی اور مکمل کا ذکر موجود ہے۔

سمندروں کی کثافت:

اب ہم سمندروں کے موضوع کی طرف آتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وھو الذی مرج البحرین ھذا عذاب فرات وھذا ملح اجاج وجعل بینھما برزخا وحجرا محجورا○"

(القرآن المجید، سورۃ الفرقان، آیت نمبر 53)

"اور معبود برحق وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے، ایک لذیذ و شیریں دوسرا تلخ و شور اور دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے، ایک رکاوٹ ہے جو انہیں گڈمڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے۔○"

اسی طرح قرآن مجید کی سورۂ رحمان میں ارشاد ہوتا ہے:

"مرج البحرین یلتقیان○ بینھما برزخ لا یبغیان○"

(القرآن المجید، سورۃ الرحمن، آیت نمبر 19-20)

"دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں۔○ پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔○"

قدیم مفسرینِ قرآن اس مقام کی وضاحت کرتے ہوئے بڑے پریشان ہوتے تھے کہ اس آیت کا کیا مفہوم بیان کریں۔ انہیں کڑوے اور میٹھے پانی کا تو علم تھا لیکن یہ کہ ایسی کوئی رکاوٹ ہے یا پردہ ہے جو انہیں آپس میں حل نہیں ہونے دیتا، اس بات کی وضاحت ان کے لئے مشکل تھی۔ لیکن آج علم بحریات ترقی کر چکا ہے، لہٰذا ہم جانتے ہیں کہ جب ایک قسم کا پانی دوسری قسم

کے پانی کے ساتھ ملتا ہے تو دونوں کے اجزاء ایک دوسرے میں حل ہوتے ہیں اور یوں ایک طرح کا محلول تیار ہوتا ہے۔ یہ یکساں محلول، جس میں دونوں طرح کے پانی کی خصوصیات موجود ہوتی ہیں، لیکن یہ دونوں طرح کے پانیوں کو الگ الگ بھی رکھتا ہے۔ قرآن مجید اس کے لئے ''برزخ'' کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ اس بات پر متعدد بڑے سائنسدانوں کا اتفاق رائے ہے۔ جن میں امریکہ کے ایک سائنس دان "Dr. Hay" بھی شامل ہیں جو کہ بحری علوم کے ماہر ہیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ تو ایک عام سی بات ہے اور اُس دور کے ماہی گیر بھی جانتے تھے کہ دو طرح کا پانی ہوتا ہے میٹھا اور کڑوا اور حضرت محمد اپنے سفر شام کے دوران سمندری سفر کے ذریعے یا ان ماہی گیروں کے ساتھ گفتگو کے ذریعے اس صورت حال سے آگاہ ہو سکتے تھے۔

بات قابل قبول نہیں لیکن اگر میں مان لوں تو میٹھے اور کڑوے پانی سے تو واقفیت ہو گئی لیکن ان کی کثافت اور آڑ کا کیسے علم ہو گیا۔ یہ اٹھائیسواں نکتہ ہے، ہم اس کے جواب کے بھی طلب گار ہیں۔

چاند کی روشنی:

سورۂ فرقان میں ارشاد ہوتا ہے:

''تبرك الذی جعل فی السماء بروجا و جعل فیها سراجا وقمرا منیرا ○''

(القرآن المجید، سورۃ الفرقان، آیت نمبر 61)

''بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا چاند روشن کیا۔ ○''

اس آیت میں سورج کو چراغ قرار دیا گیا ہے اور چاند کے لیے لفظ قمر استعمال ہوا ہے۔ قمر کے ساتھ ہمیشہ منیر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی منعکس یا مستعار روشنی کے ہیں۔ سورج کے لئے شمس کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور سورج کو ہمیشہ روشن چراغ ہی قرار دیا گیا ہے۔ میں حوالے پیش کر سکتا ہوں۔ مثال کے طور پر:

سورۂ نور، آیت نمبر 15 اور 16۔ سورۂ یونس، آیت نمبر 5۔

اور اسی طرح متعدد دیگر آیات۔

ذوالقرنین:

عیسائی سورۂ کہف کی آیت نمبر 76 کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نے سورج کو گدلے پانی میں ڈوبتے دیکھا۔ سورج کا گدلے پانی میں ڈوب جانا یقیناً غیر سائنسی بات ہے لیکن یہاں عربی لفظ ''وجد'' استعمال ہوا ہے، جس کا مطلب ہے نظر آنا، پانا۔ سو اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہاں فرمار ہے ہیں کہ ذوالقرنین کو ایسا نظر آیا، یا اس نے ایسا پایا۔

اگر میں کہوں کہ دوسری جماعت کے ایک بچے نے کہا کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ ''دیدات کہتا ہے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں۔؟'' یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ آپ کو بتا رہا ہوں کہ بچہ کیا کہہ رہا ہے۔ میں غلط نہیں کہہ رہا بلکہ وہ بچہ غلط کہہ رہا ہے۔

اس آیت کو سمجھنے کے متعدد طریقے ہیں۔ ایک تو یہی کہ وجد کے معنی پر غور کیا جائے جو کہ ہیں ''نظر آیا'' اور محمد اسد کے بقول دوسرا طریقہ یہ کہ لفظ مغرب کے معانی پر غور کیا جائے۔ عربی کے لفظ مغرب کے دو معانی ہیں۔ ایک تو سمت کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی مغرب کی سمت (West) اور دوسرے وقت کے لئے یعنی غروب آفتاب کا وقت۔

لہٰذا اگر زیر نظر آیت میں غروب آفتاب کے مقام کی بجائے غروب آفتاب کا وقت مراد لیا جائے مسئلہ ہی حل ہو جاتا ہے۔ متعدد طریقوں سے اس آیت کو سمجھا جا سکتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ عیسائی اس پر اعتراض کریں اور کہیں کہ ہم باتیں فرض کر رہے ہیں اور ہمیں الفاظ کو ان کے ظاہری معانی میں ہی قبول کرنا چاہئے۔ چلیئے اس نہج پر تجزیے کو آگے بڑھاتے ہیں۔ جب ہم روزمرہ گفتگو میں سورج کے نکلنے اور غروب ہونے کا ذکر کرتے ہیں تو کیا ہم واقعی سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔؟ اخبارات میں ہم سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے اوقات دیکھتے ہیں تو اخبارات واقعی سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔؟ سائنسی طور پر ہم سب جانتے ہیں کہ سورج نہ تو نکلتا ہے اور نہ ڈوبتا ہے۔ دراصل یہ زمین کی گردش ہوتی ہے جس کے سبب ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے تو کیا یہ اخبارات غلط بیانی کر رہے ہوتے ہیں۔؟

جب میں لفظ "Disaster" استعمال کرتا ہوں تو میری مراد ایک بڑا حادثہ ہوتی ہے۔ یہ لفظ انہی معانی میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے لغوی معانی ''ایک منحوس ستارے'' کے ہوتے ہیں تو کیا جب یہ لفظ استعمال کیا جائے تو ہمیں اس کے لغوی معانی ہی مراد لینے چاہئیں۔؟

ڈاکٹر حضرات بعض اوقات پاگل شخص کے لئے ایک لفظ استعمال کرتے ہیں "Lunatic" اس لفظ کے لغوی معانی ہوتے ہیں "Struck by the Moon" تو کیا ہم اس لفظ کو اس کے لغوی معانی ہی میں استعمال کرتے ہیں۔؟

لیکن بات یہ ہے کہ زبان کا ارتقاء اسی طرح ہوا ہے۔ سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کو بھی اسی طرح دیکھنا اور سمجھنا چاہئے۔ اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سورۂ کہف کی اس آیت میں سورج کے ڈوبنے سے کیا مراد ہے۔؟ یہاں کوئی بات سائنس کے خلاف نہیں ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام:

اہل یورپ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ وہ سورۂ سبا کی اس آیت کا حوالہ دیتے:

"فلما قضينا عليه الموت مادلهم على موته الا دابة الارض تاكل منساته فلما خرتبينت الجن ان لو كانوا يعلمون الغيب مالبثوفي العذاب المهين٥"

(القرآن المجید، سورۃ سبا، آیت نمبر 14)

"پھر جب سلیمان علیہ السلام پر ہم نے موت کا فیصلہ نافذ کیا تو جنوں کو اس کی موت کا پتہ دینے والی کوئی چیز اس گھن کے سوانہ تھی جو اس کے عصا کو کھا رہا تھا' اس طرح جب سلیمان گر پڑا تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔٥"

اس آیت کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک شخص چھڑی کے سہارے کھڑا ہو، وہ فوت ہوجائے اور کسی کو پتہ ہی نہ چلے۔؟

اس آیت کریمہ کی وضاحت بھی متعدد طریقوں سے ممکن ہے۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور یہ ان کا ایک معجزہ ہوسکتا ہے۔ جب بائبل یہ کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کردیا کرتے تھے اور یہ کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے تو یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعے کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ناقبل یقین ہوتی ہے۔ آپ خود بتایئے کسی مردے کا زندہ کردینا اور بغیر باپ کے پیدا ہونا زیادہ حیرت انگیز

ہے یا کسی مردہ شخص کا چھڑی کے سہارے کھڑے رہنا۔؟

سو اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے معجزات ظاہر فرما سکتا ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعے کیوں نہیں فرما سکتا۔؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے سمندر میں راستہ بن جاتا ہے اور ان کا عصا اژدھے میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ بائبل یہ بتاتی ہے، قرآن بھی یہی بتاتا ہے۔ سو اگر اللہ تعالیٰ کے لئے یہ ممکن ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام والا واقعہ کیوں ممکن نہیں ہے۔؟

متعدد دیگر تاویلات بھی ممکن ہیں کیوں کہ قرآن مجید یہ تو کہہ ہی نہیں رہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام "بہت طویل عرصے" تک چھڑی کے سہارے کھڑے رہے تھے...... سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

"افلا یتدبرون القران ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا ○"

(القرآن المجید، سورۃ النساء، آیت نمبر 82)

"کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔ ○"

آپ کسی بھی نقطہ نظر سے قرآن مجید کا مطالعہ کریں۔ اگر آپ کا طریقہ کار منطقی ہے تو آپ قرآن مجید میں کہیں بھی تضاد اور اختلاف نہیں پائیں گے اور نہ ہی قرآن مجید کی کوئی آیت مصدقہ سائنسی حقائق کے خلاف ہوگی۔

دودھ بننے کا عمل:

اہل یورپ دودھ بننے کے عمل کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان کے محققین نے سورۃ النحل کی آیت کے حوالے سے اعتراض کیا ہے۔ سب سے پہلا شخص جس نے دوران خون کا عمل دریافت کیا وہ ابن نفیس تھا۔ اس نے یہ دریافت نزول قرآن کے چھ سو سال بعد کی تھی اور ابن نفیس کے بھی چار سو سال بعد ولیم ہاروی کے ذریعے یہ بات اہل مغرب کے علم میں آئی یعنی نزول قرآن کے ہزار سال بعد۔

جو غذا ہم کھاتے ہیں وہ معدے اور آنتوں میں ہضم ہوتی ہے۔ ہضم کے بعد خوراک کے

اجزا دوران خون کے ذریعے جسم کے مختلف اعضاء تک پہنچتے ہیں۔ جگر کا فعل بھی اس عمل میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ دوران خون کے اس عمل کے ذریعے ہی غذائی اجزا دودھ پیدا کرنے والے غدودوں تک بھی پہنچتے ہیں۔

قرآن مجید، مسلم سائنسدان ''ابن نفیس'' کے دوران خون کا نظام بیان کرنے سے چھ سو (600) سال قبل اور ''ولیم ہاروے'' کے مغربی دنیا کو یہ علم پہنچانے سے ایک ہزار (1000) سال پہلے نازل ہوا تھا۔ یہ بات تیرہ صدیاں پہلے معلوم ہوئی کہ آنتوں میں کون سا عمل اس بات کا باعث بنتا ہے کہ نظام انہضام میں ہونے والے انجذاب کے عمل سے اعضاء کی نشوونما ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت جس میں دودھ کے اجزاء کے ماخذ کی وضاحت کی گئی ہے وہ اس خیال کے بالکل حسب حال ہے۔ مندرجہ بالا تصورات سے متعلق قرآنی آیت کو سمجھنے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ آنتوں کے اندر کیمیائی عملیات وقوع پذیر ہوتے ہیں اور یہ کہ وہاں سے ہضم شدہ غذا میں اخذ کیے گئے اجزاء ایک پیچیدہ نظام کے ذریعے خون کے بہاؤ میں شامل ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اپنی مخصوص کیمیائی ترکیب کی بنا پر بذریعہ جگر وہ خون میں شامل ہوتے ہیں۔ خون انہیں تمام جسمانی اعضاء تک پہنچاتا ہے۔ جن میں دودھ پیدا کرنے والے "Mammary Glands" بھی شامل ہیں۔ سادہ الفاظ میں آنتوں کے مواد میں سے کچھ اجزاء آنتوں ہی کی دیوار سے خون کی نالیوں میں داخل ہوتے ہیں اور دوران خون کے ذریعے یہ اجزاء مختلف اعضاء کو پہنچائے جاتے ہیں۔ اگر ہم درج ذیل آیات قرآنی کو سمجھنا چاہتے ہیں تو افعال الاعضا کا یہ تصور مکمل طور پر سمجھ لینا چاہیے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سآئغا للشربین٥''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 66)

''اور بیشک تمہارے لیے چوپائے عبرت گاہ ہیں ہم تمہیں پلاتے ہیں دودھ خالص اس سے جو گوبر اور خون کے درمیان ان کے پیٹوں میں ہے، پینے والوں کیلئے خوشگوار۔٥''

مزید ارشاد ربانی ہے:

''وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونھا ولکم

فیھا منافع کثیرۃ ومنھا تا کلونo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 23 (المومنون)، آیت نمبر 21)

"اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں مقام عبرت ہے، ہم تمہیں ان سے پلاتے ہیں (دودھ) جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے لئے ان میں (اور) بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے (بعض کا گوشت) تم کھاتے ہو۔o"

گائے میں دودھ پیدا ہونے کے حوالے سے قرآن مجید کی بیان کردہ تفصیلات حیرت انگیز حد تک جدید فعلیات سے مکمل ہم آہنگ ہیں جس نے اس حقیقت کو کچھ عرصہ قبل ہی دریافت کیا ہے۔

حمد و ثنا اللہ کے لئے ہے، جس نے ہمیں قرآن مجید کے ذریعے چودہ سو سال پہلے ہی ان حقائق کا علم دیا جن کے بارے میں جدید سائنس آج انکشافات کر رہی ہے۔

جانوروں اور پرندوں کے گروہ:

اہل یورپ نے حیوانوں کے گروہوں میں رہنے کے حوالے سے بھی ایک نکتہ اُٹھایا ہے۔ متعلقہ آیت کریمہ قرآن مجید کی سورۃ انعام میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وما من دابۃ فی الارض ولا طئر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم مافرطنا فی الکتب من شیء ثم الی ربھم یحشرونo"

(القرآن المجید، سورۃ الانعام، آیت نمبر 38)

"نہیں ہے کوئی زمین میں چلنے والا جانور اور نہ ہوا میں پروں سے اُڑنے والا جانور مگر وہ تمہاری طرح کی ہی انواع ہیں، ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، پھر یہ سب اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائے گے۔o"

قرآن مجید تو یہ کہہ رہا ہے اور عیسائی اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ مکڑی اپنے نر کو ہلاک کر دیتی ہے اور "شیر" یوں کرتا ہے اور ہاتھی یوں کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

وہ رویوں کے بارے میں بات کر رہے ہیں، قرآن مجید رویے کی بات ہی نہیں کر رہا۔ اگر

اہل کتاب قرآن مجید کی بات نہیں سمجھ پائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن مجید کی بات غلط ہے۔

قرآن مجید یہ کہہ رہا ہے کہ یہ انواع ہیں تمہاری طرح یعنی جانوروں اور پرندوں کے بھی انسانوں کی طرح گروہ ہوتے ہیں۔ قرآن مجید ان کے رویوں کی بات نہیں کر رہا اور آج جدید سائنس بھی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ جانور اور پرندے بھی ہماری طرح گروہوں کی صورت میں ہی رہتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وما من دابة في الارض ولا طٰئر يطير بجناحيه الا امم امثالكم"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 7، سورۃ نمبر 6 (الانعام)، آیت 38)

"اور زمین میں کوئی جانور نہیں اور نہ کوئی پرندہ ہے جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے مگر (ان کی بھی) تمہاری طرح امتیں (گروہ) ہیں۔"

موجودہ تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ چرند و پرند گروہوں کی شکل میں رہتے ہیں۔ وہ منظم طریقے سے اکٹھے کام کرتے اور رہتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

"الم يروا الى الطير مسخرت في جو السمآء مايمسكهن الا الله ان في ذلك لايت لقوم يومنون○"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 79)

"کیا وہ نہیں دیکھتے پرندوں کو کہ وہ آسمان کی فضا میں حکم کے پابند ہیں، انہیں اللہ کے سوا کون تھام سکتا ہے؟ بیشک اس میں ایمان لانے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔"

ایک اور آیت جو کہ پرندوں سے متعلق ہے، اس میں فرمایا گیا ہے:

"اولم يروا الى الطير فوقهم صفت و يقبضن مايمسكهن الا الرحمن انه بكل شي بصير○"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 67 (الملک)، آیت نمبر 19)

"کیا وہ نہیں دیکھتے اپنے اوپر پرندوں کو پر پھیلاتے اور سکیڑتے، انہیں اللہ کے سوا

کوئی نہیں تھام سکتا، بیشک وہ ہر شے کو دیکھنے والا ہے۔"

"یمسک" کے لغوی معنی "کسی کو ہاتھ سے اٹھائے رکھنا، تھامنا، روکنا یا کسی کو پکڑے رکھنا کے ہیں۔" جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ جل جلالہ اپنی قوت سے پرندوں کو ہوا میں اٹھائے رکھتا ہے۔ یہ آیات اس قانون پر زور دیتی ہیں جس کا پرندوں کی اڑان سے گہرا تعلق ہے۔

جدید سائنس نے بعض پرندوں کی اقسام کا جائزہ یکسران کی اڑان میں کاملیت کا موجب ان میں کی گئی پروگرامنگ کو ٹھہرایا ہے۔

پرندوں کے جنیاتی کوڈ کی موجودگی ہی اس بات کی وضاحت کر سکتی ہے کہ ایک بالکل نوجوان پرندہ نہایت پیچیدہ سفر کرنے کے قابل ہوتا ہے اور یہ محض نقل مکانی کے پروگرام "migratory Programme" کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ ایک خاص تاریخ کو واپس اپنے چلنے کے مقام پر لوٹنے کے اہل ہوتے ہیں۔ "Prof. Hamburger" نے اپنے کتاب "Power and Fragility" میں "Mutton Bird" کی مثال دی ہے جو بحرالکاہل کے علاقوں کا مکین ہے۔ یہ "24000km" کا سفر 8 کے ہندسے کی شکل میں طے کرتا ہوا چھ ماہ بعد ٹھیک اسی مقام پر واپس پہنچتا ہے جہاں سے اس نے اڑان بھری ہوتی ہے اور اس عرصہ میں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کی تاخیر ممکن ہے۔ اس پیچیدہ سفر کی تفصیلات لازماً اس پرندے کے اعصابی خلیوں میں موجود ہوتی ہے جو کہ اس کو اس سفر کا اہل بناتی ہیں۔ وہ یقیناً پروگرام شدہ ہیں، لہٰذا کیا ہمیں اس پروگرامر کی پہچان پر غور نہیں کرنا چاہیے۔؟

شہد کی مکھی اور اس کا جوہر:

ارشاد خداوندی ہے:

'واوحی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون ○ ثم کلی من کل الثمرت فاسلکی سبل ربك ذللا"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 68-69)

"اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنالے اور درختوں میں اور اس جگہ جہاں وہ چھتریاں بناتے ہیں۔ پھر کھا ہر قسم کے پھل، پھر اپنے رب

کے نرم وہموار راستوں پر چل۔"

"Von-Frisch" نے 1973ء میں شہد کی مکھیوں کے انداز واطوار اور خبر رسانی کے طریقوں پر تحقیق کر کے نوبل پرائز حاصل کیا۔ جب شہد کی مکھی کوئی نیا باغ یا پودا دریافت کرتی ہے تو وہ واپس جا کر اپنی ساتھی مکھیوں کو درست سمت اور پہنچنے کا نقشہ بتاتی ہے۔ اس عمل کو "Bee Dance" ''مکھی کا رقص'' کہا جاتا ہے۔

حشرات کی ان حرکات کو سمجھنے کیلئے سائنسی ذریعہ سے یعنی فوٹو گرافی اور دوسرے ذرائع سے مدد لی گئی ہے اور یہ دریافت کیا گیا ہے کہ وہ کیسے اطلاعات ایک دوسرے کو منتقل کرتی ہیں۔ قرآن مجید اوپر بیان کی گئی آیت میں بتاتا ہے کہ کیسے مکھیاں مہارت کی بنا پر باہم اطلاعات کا تبادلہ کرتی ہیں۔

اوپر بیان کی گئی آیت میں مادہ جنس کو مخاطب بنایا گیا ہے، یعنی اس بات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ وہ مکھی جو خوراک کی تلاش میں گھر چھوڑتی ہے وہ مادہ شہد کی مکھی ہے، یعنی کام کرنے والی مکھی مادہ جنس سے تعلق رکھتی ہے۔

شیکسپیئر کے ڈرامے (Henry The Fourth) میں بعض اداکار شہد کی مکھیوں کے متعلق بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مکھیاں سپاہی ہوتی ہیں اور ان کا ایک بادشاہ ہوتا ہے۔ یہ وہ سوچ ہے جو لوگ شیکسپیئر کے زمانے میں رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ نر مکھیاں کام کرنے والی ہیں اور وہ واپس گھر جا کر بادشاہ مکھی کو جوابدہ ہوتی ہیں۔ یہ بہر حال سچ نہیں ہے۔ کام کرنے والی مکھیاں مادہ ہیں اور وہ بادشاہ مکھی کے بجائے ملکہ مکھی کو جوابدہ ہوتی ہیں لیکن جدید تحقیق کو یہ بات دریافت کرتے ہوئے پچھلے تین سو (300) سال لگے۔

شہد کی مکھی مختلف قسم کے پھولوں اور پھلوں کا رس چوستی ہے اور اس رس کو اپنے جسم میں شہد بنا کر موم کے چھتے کے کانوں میں ذخیرہ کرتی ہے۔ محض دو صدیاں قبل انسان کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ شہد مکھی کے پیٹ سے حاصل ہوتا ہے، مگر یہ حقیقت چودہ سو سال پہلے قران مجید نے درج ذیل آیت میں بیان فرما دی تھی:

"یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فيه شفاء للناس"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 69)

''شہد کی مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (شہد) اس کے رنگ

مختلف ہیں، اس میں لوگوں کیلئے شفاء ہے۔"

"دنیا کو کچھ عرصہ قبل ہی اس بات سے آگاہی حاصل ہوئی ہے کہ شہد میں شفائی خصوصیات ہیں اور یہ ایک معتدل دافع عفونت (Mild Antiseptic) بھی ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں روسی فوجی اپنے زخموں پر شہد لگایا کرتے تھے جس سے زخم میں نمی رہتی اور وہ تندرست ہونے کے بعد بہت کم نشان چھوڑتے۔ شہد کی کثافت کے باعث "Fungus" اور بیکٹیریا زخم میں پنپ نہیں سکتے۔ انگلینڈ کے شفا خانوں میں سینے کے امراض اور "Alzheimer's" جیسی ناقابل علاج بیماریوں میں مبتلا چوبیس مریضوں میں بڑی ڈرامائی بہتری نظر آئی جن کا علاج ایک عیسائی راہبہ "Sister Carole" نے "Propolis" نامی مادے سے کیا تھا جو کہ ایسا مادہ ہے جسے شہد کی مکھیاں چھتے کو بیکٹریا سے بچانے کی خاطر لیپ کرنے کیلئے پیدا کرتی ہیں۔"

کسی خاص درخت سے الرجی رکھنے والے شخص کو اسی درخت کا شہد دیا جا سکتا ہے تا کہ وہ شخص اس الرجی کے خلاف قوت مدافعت پیدا کر سکے۔ شہد میں "Fructose" اور "Vitamin K" بھی کافی مقدار میں ہوتے ہیں۔ شہد، شہد کی اصلیت اور اس کی خصوصیات کا علم جو قرآن مجید میں موجود ہے وہ اس کے نزول کے صدیوں بعد انسان نے دریافت کیا ہے۔

مکڑی کا جالا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مثل الذین اتخذوا من دون الله اولياء كمثل العنكبوت اتخذت بيتا وان وهن البيوت لبيت العنكبوت لو كانوا يعلمونo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 29 (العنکبوت)، آیت نمبر 41)

"جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ اور معبود بنا لیے ان کی مثال مکڑی کی مانند ہے، اس نے ایک گھر بنایا اور گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہے، کاش وہ جانتے۔o"

قرآن مجید مکڑی کے جالے کی کمزوری اور ناپائیداری کی مثال دینے کے علاوہ ایک اور بات پر بھی زور دیتا ہے اور وہ ہے مکڑی کے گھر کے تعلق کی ناپائیداری، جہاں مادہ مکڑی اکثر اوقات اپنے ساتھ نر مکڑی کو مار ڈالتی ہے۔

یہ مثال ان لوگوں کی کمزوریوں کا حوالہ دیتے ہوئے بھی پیش کی گئی ہے جو دنیا اور آخرت میں کامرانی حاصل کرنے کیلئے اللہ کی بجائے بتوں وغیرہ سے یہ امید وابستہ کرتے ہیں۔

میں بائبل کے حوالے سے بہت سی باتیں کر سکتا ہوں لیکن جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے میں اہل یورپ کی جانب سے اُٹھائے گئے تمام نکات کا جواب دے چکا ہوں۔ الحمد للہ! کوئی ایک نکتہ بھی ایسا نہیں بچا جس سے قرآن مجید کا سائنس کے خلاف ہونا ثابت ہو۔ اہل یورپ نے ہمارے اُٹھائے ہوئے نکات میں سے ایک کا جواب بھی نہیں دیا، لہٰذا یہ سب نکات ثابت کرتے ہیں کہ موجودہ بائبل جدید سائنس سے مطابقت نہیں رکھتی۔

اسلام اور ارتقاء:

جب آپ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو ڈارون کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ایک جہاز میں جس کا نام ایچ ایم ایچ بیگل تھا، ایک سفر پر نکلا، جزائر میں گیا، وہاں اس نے مشاہدات کئے اور اس کے نتیجے میں قدرتی چناؤ کا نظریہ وضع کیا۔

لیکن اس نے اپنے ایک دوست تھامس تھامپٹن کو ایک خط لکھا جس میں اس نے کہا کہ میں ""قدرتی چناؤ کے نظریے کے لئے کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکتا، لیکن چوں کہ اس سے مجھے مدد ملتی ہے لہٰذا میں نے اسے اپنا لیا ہے۔"

ڈارون کا نظریہ محض ایک نظریہ ہے۔ کوئی ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے اور میں نے اپنی گفتگو کی ابتدا میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ قرآن نظریات اور مفروضوں کے خلاف ہو سکتا ہے، کیوں کہ یہ نظریات بعض اوقات بالکل ہی اُلٹے ہو جایا کرتے ہیں، لیکن آپ قرآن اور کسی ثابت شدہ حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں پائیں گے۔

ہمارے اسکولوں میں ڈارون کا نظریہ اس طرح پڑھایا جا رہا ہے جیسے یہ کوئی ثابت شدہ حقیقت ہو۔ حالانکہ یہ نظریہ ہرگز ثابت شدہ نہیں۔ اس کا کوئی سائنسی ثبوت موجود نہیں اور پھر یہ کہ

بہت سی کڑیاں گم شدہ ہیں۔

یہ وجہ ہے کہ ہم نے کسی دوست سے مذاق کرنا ہو یا اس کی تضحیک کرنی ہو تو کہتے ہیں کہ "اگر تم ڈارون کے وقت میں ہوتے تو اس کا نظریہ درست ثابت ہو جاتا۔" جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ بندر نما ہے۔ میں ان چاروں طرح کے فوسلز کے بارے میں جانتا ہوں جو دستیاب ہیں لیکن اس کے باوجود کئی کڑیاں گمشدہ ہیں۔

حیاتیات کے بارے میں قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے:

"وجعلنا من الماء کل شیء حی"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 17، سورۃ نمبر 21 (الانبیاء)، آیت نمبر 30)

"اور (ہم نے) پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی۔"

عصر حاضر کے اکثر انسان جانتے ہیں کہ ہر زندہ مخلوق کی بنیادی اکائی خلیہ ہے اور خلیہ بیش تر سائٹوپلازم پر مشتمل ہوتا ہے جو کہ تقریباً نوے فیصد پانی ہوتا ہے۔ ہر زندہ مخلوق پچاس فی صد سے نوے فی صد پانی پر مشتمل ہوتی ہے۔ کیا عرب کے صحراؤں میں کسی کو یہ اندازہ ہو سکتا تھا یا ایسا خیال بھی آسکتا تھا کہ ہر زندہ چیز پانی سے بنی ہے۔؟ لیکن قرآن مجید تو یہ حقیقت چودہ سو تیس (1430) سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے بیان کر چکا ہے۔

متن اور ترجمہ میں فرق:

کیا متن اور ترجمہ ایک ہی چیز ہے۔؟ اگر نہیں تو کیا موجودہ انگریزی بائبل وہی انجیل ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی۔؟

"متن" اور "ترجمہ" دو مختلف الفاظ ہیں۔ جو دو مختلف معانی رکھتے ہیں، لہٰذا سائنسی طور پر آپ ایک متن اور اس کے ترجمے کو ایک ہی چیز قرار نہیں دے سکتے۔ کیا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر وحی انگریزی زبان میں نازل ہوئی تھی۔؟ یہ ایک بہت اچھا سوال ہے کہ کیا متن اور ترجمہ ایک ہی چیز ہو سکتے ہیں۔؟ جواب ہے:

"نہیں" متن اور ترجمہ کبھی ایک چیز نہیں ہو سکتے۔ ترجمہ متن کے قریب ترین ہو سکتا ہے لیکن متن کا نعم البدل کبھی نہیں ہو سکتا۔

ترجمے کے لحاظ سے دنیا کی سب سے مشکل کتاب قرآن مجید ہے کیونکہ قرآن مجید کی زبان

اس قدر بلیغ ہے، اس قدر بلند ہے اور اس قدر عظیم ہے کہ اس کا ترجمہ مشکل ترین کام ہے۔ ایک ایک لفظ کے متعدد معانی ہیں۔ اگر ترجمے میں کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو یہ انسانی کام ہے لہٰذا وہ انسانی غلطی ہوگی اور ترجمہ کرنے والا اس کے لئے مورد الزام ہوگا نہ کہ اللہ تعالیٰ۔

بائبل انگریزی میں نازل نہیں ہوئی تھی۔ عہد نامہ قدیم عبرانی زبان میں تحریر ہوا تھا جب کہ عہد نامہ جدید یونانی زبان میں۔ اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان بولتے تھے لیکن انجیل کا مسودہ یونانی زبان میں ہے۔ اصل عبرانی مسودہ دستیاب نہیں ہے۔ بلکہ کیا آپ جانتے ہیں کہ عہد نامہ قدیم کا عبرانی متن بھی دراصل یونانی زبان سے دوبارہ عبرانی ترجمہ ہے یعنی عہد نامہ قدیم کا اصل عبرانی متن بھی دستیاب نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں دوہرا مسئلہ ہے۔ چنانچہ اس بات پر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ اس میں بہت سی اغلاط موجود ہیں۔

لیکن قرآن مجید کا معاملہ الحمد للہ! یہ ہے کہ اصل عربی متن محفوظ ہے۔ آپ سائنسی طور پر ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ اصل متن ہے۔ ہمارا یقین اسی بات پر ہے جو قرآن مجید میں کر دی گئی ہے:

"ولقد ارسلنا رسلا من قبلك"

(القرآن المجید، سورۃ الرعد، آیت نمبر:38)

"تحقیق ہم نے آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی رسول بھیجے۔"

ہمارا ایمان ہے کہ ان رسولوں پر کتابیں بھی نازل ہوئی تھیں۔ جن میں سے چار کے ناموں کا بھی ذکر کیا گیا ہے یعنی تورات مقدس، زبور مقدس، انجیل مقدس اور قرآن مجید۔

تورات سے مراد وہ وحی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جبکہ قرآن مجید وہ آخری اور سارے جہانوں کی ہدایت والی وحی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ لیکن موجودہ بائبل ہرگز وہ تورات و انجیل نہیں ہے جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئی تھی۔

قرآن مجید کے تاریخی معجزے

فرعون اور ہامان:

قرآن مجید نے کئی تاریخی معجزات پیش کیے جن کا علم نزول قرآن کے وقت نہ تھا۔ ان معجزات میں سے چند ایک ملاحظہ کیجئے:

قرآنِ کریم میں قدیم مصر کے بارے میں دی گئیں معلومات بہت سارے تاریخی حقائق کا انکشاف کرتی ہیں، یہ معلومات آج تک ہم سے پوشیدہ رہیں۔ یہ حقائق ہم پر منکشف کرتے ہیں کہ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ حتمی دانش کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔

''ہامان'' ایک ایسا کردار ہے جس کا نام قرآن کریم میں ''فرعون'' کے نام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں چھ مقامات پر ہامان کا ذکر فرعون کے نزدیک ترین لوگوں میں کیا گیا ہے۔

حیران کن بات ہے کہ ہامان کا نام تورات کے ان حصوں میں کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آتا ہے، کہیں پر بھی نہیں پایا جاتا۔ جبکہ عہد نامہ قدیم کے آخری ابواب میں ہامان کا ذکر بابل کے ایک (Babylonian) بادشاہ کے مددگار کے طور پر آتا ہے۔ جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً گیارہ سو سال بعد بنی اسرائیل پر بہت ظلم ڈھائے۔

کچھ غیر مسلم جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات اور انجیل سے نقل کر کے قرآن لکھا تھا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں میں درج کچھ موضوعات قرآن مجید میں غلط طور پر منتقل کر دیئے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذلك)

ان دعوؤں کی نامعقولیت اور بیہودگی کا بھانڈہ اس وقت پھوٹا جب قدیم مصری علاماتی تحریر (Hieroglyphic Alphabet) دو سو سال پہلے پڑھ لی گئی اور نام ''ہامان'' ان کی قدیمی دستاویزات میں دریافت ہوا۔

ان دریافتوں سے پہلے قدیم مصری تحریرات اور کتبہ جات سمجھے نہیں جا سکتے تھے۔ قدیم مصری زبان علاماتی زبان تھی جو زمانوں تک زندہ رہی، مگر دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت اور دیگر ثقافتی اثرات کے غلبے کے باعث مصر نے اپنے پرانے عقائد کے ساتھ ساتھ اپنی علاماتی تحریر بھی ترک کر دی۔ تب یہ زبان ایسے بھلا دی گئی کہ کوئی بھی ایسا شخص نہ رہا جو اسے پڑھ اور سمجھ سکتا۔ یہ صورتِ حال تقریباً دو سو سال پہلے تک قائم رہی۔

قدیم مصری علاماتی تحریر کا راز 1799ء میں اس وقت کھلا جب 196 قبل مسیح کے دور سے تعلق رکھنے والی ایک لوح (Tablet) جسے ''روزیٹا سٹون'' (Rosetta Stone) کہتے ہیں، دریافت ہوئی۔ اس کتبے کی خاص بات اس پر بیک وقت تین مختلف قسم کی تحریروں کی موجودگی تھی۔ علاماتی یا تصویری (Hieroglyphic)، قدیم مصری سادہ علاماتی تحریر اور یونانی

(Greek)۔اس لوح پر موجود یونانی تحریر کی مدد سے قدیم مصری تحریر پڑھی گئی۔اس لوح پر موجود تحریر کا ترجمہ ایک فرانسیسی "جین فنانکوئی شمپولین" (Jean.Frnacoise Champollion) نے مکمل کیا۔اس طرح ایک بھولی بھٹکی زبان اور اس میں موجود واقعات دنیا کے سامنے آئے۔یوں اس تہذیب، مذہب اور سماجی زندگی کے بارے میں معلومات کا ایک خزانہ دستیاب ہوا۔

تصویری زبان (Hieroglyphic) کو سمجھ لینے کے بعد معلومات کا ایک اہم حصہ دستیاب ہوا کہ "ہامان" کا نام واقعی قدیم مصری تحریرات میں درج تھا۔ یہ نام "ویانا" (Vienna) کے "ہوف عجائب گھر" (Hof Museum) میں موجود ایک یادگار سے تعلق رکھتا ہے۔

قدیم کتبہ جات و تحریرات پر موجود مواد پر مشتمل ایک ڈکشنری جس کا نام "پیپل ان دی نیو کنگڈم" (People in the New Kingdom) ہے، میں ہامان کا ذکر "پتھر کی کانوں کے مزدوروں کے سربراہ" کے طور پر کیا گیا ہے۔

چنانچہ اس طرح ایک حقیقت یہ سامنے آتی ہے۔قرآن کریم کے مخالفین کے غلط دعووں کے برعکس، ہامان وہ شخص تھا جو مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں گزرا، وہ فرعون کا معتمد تھا اور تعمیراتی کاموں میں مصروف عمل رہتا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں بتایا گیا۔

مزید برآں قرآن مجید میں وہ آیت جس میں اس واقعے کا ذکر کیا گیا ہے اور ہامان کو فرعون ایک مینار تعمیر کرنے کا حکم دیتا ہے، اس قدیم تاریخی (آثار یاتی) دریافت کے عین مطابق ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

"وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَاأَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝"

"اور فرعون نے کہا کہ اے اہل دربار! میں نہیں جانتا کہ میرے سوا بھی تمہارا کوئی خدا ہو، اے ہامان! میرے لئے گارے کو آگ لگوا (کر اینٹیں پکوا) دو پھر ایک (اونچا) محل بنوا دو تا کہ میں موسیٰ کے خدا کی طرف چڑھ جاؤں اور میں تو اسے جھوٹا

سمجھتا ہوں۔o"

(القرآن الکریم، سورہ القصص، آیت نمبر 38)

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہامان کے نام کا قدیم مصری تحریرات میں پایا جانا نہ صرف یہ کہ قرآن مجید کے مخالفین کے جعلی دعووں کو باطل ثابت کر دیتا ہے بلکہ ایک بار پھر یہ ثبوت مہیا کرتا ہے کہ قرآن مجید وہ کتاب ہے جو اللہ رب العالمین کی جانب سے نازل کی گئی ہے۔ ایک معجزانہ انداز میں قرآن مجید ہمیں تاریخی معلومات مہیا کرتا ہے۔ جنہیں عہد نبوی علیٰ صاحبہا السلام میں نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔

فرعون اور ملک کا لقب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کی زمین میں رہنے والے واحد پیغمبر نہ تھے بلکہ اور بھی کئی نبی مصر میں رہے۔ ان میں حضرت یوسف علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور سے کافی پہلے گزرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات پڑھتے ہوئے چند باتوں کا موازنہ کرنا ضروری ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کے مصری حکمرانوں کو خطاب کرتے ہوئے قرآن مجید "ملک" (بادشاہ) کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ O"

"اور بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ میں اسے اپنا مشیر خاص بناؤں گا پھر جب اُن سے گفتگو کی تو کہا کہ آج سے تم ہمارے ہاں صاحب منزلت اور صاحب اعتبار ہو۔o"

(القرآن الکریم، سورہ یوسف، آیت نمبر 54)

حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کے برعکس قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں حکمران کے لیے "ملک" کی بجائے "فرعون" کا لقب استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

"وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَاسْأَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ

جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا ۝"

"اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دیں تو بنی اسرائیل سے دریافت کرلو کہ جب وہ اُن کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ موسیٰ میں خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کیا گیا ہے۔ ۝"

(القرآن الکریم، سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 101)

آج جو تاریخی ریکارڈ دستیاب ہے اس سے ان حکمرانوں کے لئے استعمال ہونے والے مختلف القابات و خطابات کے اسباب کا پتا چلتا ہے۔ لفظ "فرعون" حقیقتاً قدیم مصر میں شاہی خاندان کو دیا گیا لقب تھا۔ پرانی شہنشاہت کے حکمران یہ خطاب استعمال نہیں کرتے تھے۔ حکمرانوں کے لئے لفظ فرعون کا استعمال مصری تاریخ کے عہد "سلطنت نو" سے پہلے شروع نہیں ہوا تھا۔ یہ عہد اٹھارویں شہنشاہت (1539 تا 1696 قبل مسیح) سے شروع ہوا اور بیسویں شہنشاہیت (945 تا 730 قبل مسیح) تک لفظ "فرعون"، تعظیم کے خطاب اور لقب کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ لہٰذا قرآن مجید کی معجزاتی حیثیت ایک بار پھر یہاں نمایاں ہو جاتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پرانی بادشاہت کے عہد میں تھے لہٰذا اُس دور کے مصری حکمرانوں کے لئے لفظ "فرعون" کی بجائے لفظ "ملک" کا استعمال کیا گیا۔ جبکہ اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ نئی بادشاہت کے عہد میں رہے۔ لہٰذا اُس وقت کے مصری حکمران کو "فرعون" کہہ کر مخاطب کیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس فرق کو جاننے کے لئے آدمی کو مصر کی تاریخ کا علم ہونا چاہیے، مگر قدیم مصر کی تاریخ چوتھی صدی عیسوی تک قطعی بھلائی جا چکی تھی کہ انیسویں صدی عیسوی میں اس کی دوبارہ دریافت تک یہ تحریر کوئی بھی نہ جانتا تھا۔ اس لئے قرآن مجید کے نزول کے وقت مصری تاریخ کے بارے میں کوئی گہرا علم دستیاب نہ تھا۔ یہ حقیقت قرآن مجید کے ان لاتعداد ثبوتوں میں سے ایک اور ثبوت ہے کہ قرآن مجید اللہ رب العالمین کا کلام ہے۔

بائبل اور قرآن میں تضادات

جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے تو سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"افلا یتذکرون القران ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ

اختلافا کثیرا ۝

(القرآن المجید، سورۃ النساء، آیت نمبر 82)

''کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔ ۝''

لہٰذا قرآن مجید میں تو تضاد کی کوئی بھی مثال موجود نہیں ہے اور جہاں تک سوال ہے بائبل کا، تو صورت حال یہ ہے کہ بائبل کے تضادات گنوانے کے لیے ہزار صفحے بھی کم ہیں۔

دہریے کے لیے قرآن مجید کے سائنسی دلائل

خدا پر یقین رکھنے والے لوگوں کی اکثریت کا معاملہ اندھے ایمان کا ہوتا ہے۔ ایک شخص بالعموم اس لئے عیسائی ہوتا ہے کیونکہ وہ پیدا ہی عیسائی کے گھر میں ہوا تھا۔ یا اس لئے ہندو ہوتا ہے کہ وہ ہندو کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ کچھ مسلمان بھی محض اس لئے مسلمان ہیں کہ وہ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے اور ان کے والدین مسلمان تھے۔ بیش تر لوگ ایک اندھا عقیدہ رکھتے ہیں۔

دہریے مبارکباد کے مستحق ہیں کیونکہ وہ اندھی تقلید نہیں کرتے بلکہ ہر چیز کو عقل کے زاویے پر پرکھتے ہیں۔ ایک لامذہب سوچتا ہے کہ اگر وہ ایک مذہبی گھرانے سے بھی تعلق رکھتا ہے تو پھر بھی وہ سوچتا ہے کہ ''یہ لوگ کیسے خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔؟ ایک ایسے خدا پر جو انسانی خصوصیات رکھتا ہے۔؟ وہ خصوصیات جو مجھ میں بھی موجود ہیں۔؟ میں ایسے خدا پر کیوں ایمان لاؤں؟'' لہٰذا وہ اعلان کرتا ہے کہ خدا موجود ہی نہیں۔ یوں وہ خدا کی ہستی کا انکار کر دیتا ہے۔

میں دہریے کو اس لئے مبارک باد دے رہا ہوں کہ وہ کلمہ شہادت کے پہلے حصے کو قبول کر چکا ہے۔ وہ ''لا الہ'' کو تسلیم کر چکا ہے۔ اب اسے صرف ''الا اللہ'' کو تسلیم کرنا ہے۔ جس کے حوالے سے ہم انشاء اللہ! گفتگو کریں گے۔ وہ کلمے کے پہلے حصے کے حوالے سے غور و فکر کر چکا ہے۔ وہ خدا کے کسی غلط تصور کو تسلیم نہیں کرتا، لہٰذا اب یہ ہمارا فرض ہے کہ خدا کا صحیح تصور اس کے سامنے پیش کریں اور خدائے واحد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وجود اس پر ثابت کریں۔

جب بھی کوئی دہریہ میرے سامنے یہ کہتا ہے کہ میں خدا پر ایمان نہیں رکھتا تو میں اس سے یہ سوال کرتا ہوں:

"یہ بتاؤ تمہارے نزدیک خدا کی تعریف کیا ہے۔؟"

اور اسے جواب دینا پڑتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کیوں۔؟ فرض کیجئے! میں کہتا ہوں!

"یہ ایک قلم ہے۔"

اور آپ کہتے ہیں:

"یہ ایک قلم نہیں ہے۔"

تو پھر ضروری ہے کہ آپ جانتے ہوں کہ قلم کہتے کسے ہیں۔ آپ کو قلم کی تعریف معلوم ہونی چاہئے۔

اگر عام حالات میں آپ کو قلم کی تعریف معلوم نہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ "یہ قلم نہیں ہے" تو پھر ضروری ہے کہ آپ جانتے ہوں کہ قلم کہتے کسے ہیں؟ قلم کی تعریف کیا ہے۔؟

اسی طرح ایک دہریہ شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ "خدا نہیں ہے" تو اسے یہ علم ہونا چاہئے کہ خدا کہتے کسے ہیں؟ ، لفظ "خدا" کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ اور جب میں اس دہریے سے یہ سوال کرتا ہوں تو وہ مجھے جواب دیتا ہے۔

"ان لوگوں کو دیکھیں، یہ لوگ کس کو پوج رہے ہیں؟ ایک ایسی ہستی کو جو انسانی خصائص رکھتی ہے۔ میں ایسے خدا پر یقین نہیں رکھتا۔"

کچھ لوگ خدا کا غلط تصور رکھتے ہیں۔ ایک دہریہ اس تصور کو رد کرتا ہے لیکن میں بحیثیت مسلمان بھی اس تصور کی تائید نہیں کرتا۔ میں بھی اس غلط تصور خدا کو رد کرتا ہوں۔ یہ "لا الہ" کا مرحلہ ہے۔ لیکن جس وقت میں یہاں تک اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ اس وقت میرا فرض بنتا ہے کہ میں خدا کا صحیح اور درست تصور بھی اس کے سامنے پیش کروں۔ اللہ کے حقیقی تصور اسے اسے آگاہ کروں۔

اتنا تو میں بھی مانتا ہوں کہ آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ لہٰذا آیئے ہم سائنسی علوم کی روشنی میں قرآن مجید کا جائزہ لیتے ہیں۔ دہریے یہی کہتے ہیں کہ ہم صرف اسی دعوے کو درست مانتے ہیں جو سائنس کی روشنی میں درست ثابت ہو۔ بصورت دیگر ہم خدا کو نہیں مانتے۔

میں ان تمام تعلیمیافتہ حضرات سے ایک سوال کرنا چاہوں گا جو خدا پر یقین نہیں رکھتے لیکن سائنس پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے سامنے ایک مشین آئے جس کے

بارے میں آپ نے کچھ سنا ہو، نہ پڑھا ہو اور نہ اسے کبھی دیکھا ہو تو آپ کے خیال میں وہ پہلا شخص کون ہوگا جو آپ کو اس مشین کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کر سکے۔ یہ مشین ایک دہریے کے سامنے ہو جو صرف سائنس پر یقین رکھتا ہے تو اس کے خیال میں کون ہوگا جو اس مشین کے نظام عمل کے بارے میں علم رکھتا ہو۔؟

میں نے یہ سوال سینکڑوں دہریوں سے، مذہب کے منکر لوگوں سے کیا ہے، تھوڑے سے غور وفکر کے بعد ان کا جواب عموماً یہی ہوتا ہے:

''شاید اس مشین کا بنانے والا ہی یہ معلومات دے سکتا ہے۔''

کچھ کہتے ہیں موجود، کچھ خالق کا لفظ استعمال کریں گے، کچھ تیار کنندہ کا، سینکڑوں لوگوں سے سوال کرنے کے بعد بھی مجھے ملتے جلتے جواب ہی ملے ہیں۔ بہر حال جواب کچھ بھی ہو میں تسلیم کر لیتا ہوں۔ دوسرا شخص کون ہوگا؟ یہ وہ شخص بھی ہو سکتا ہے جسے خالق نے بتایا ہو اور کوئی ایسا شخص بھی ہوتا ہے جو اپنی تحقیق سے درست نتائج تک پہنچ گیا ہو لیکن پہلا بہر صورت وہی ہوگا جو اس مشین کا خالق ہے، موجد ہے، تیار کنندہ ہے، بنانے والا ہے۔

1: اب میں اس دہریے سے، منکرِ خدا سے، جو صرف سائنس پر یقین رکھتا ہے ایک اور سوال کرتا ہوں کہ بتاؤ یہ کائنات کس طرح وجود میں آئی۔؟

وہ جواب دیتا ہے کہ دراصل پہلے صرف مادے کا ایک مجموعہ تھا جسے پرائمری نیبولا (Primary Nebula) کہتے ہیں۔ پوری کائنات یہی تھی۔ پھر ایک بہت بڑا دھماکہ (Big Bang) ہوا۔ جس کے نتیجے میں ثانوی تقسیم ہوئی اور کہکشائیں وجود میں آئیں۔ ستارے اور سیارے بنے اور یہ زمین بھی وجود میں آئی جس پر ہم رہ رہے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ جنوں پریوں کی کہانیاں تو نے کہاں سے سنی ہیں؟ وہ کہتا ہے ''نہیں یہ جنوں پریوں کی کہانیاں نہیں ہیں بلکہ یہ تو سائنسی حقائق ہیں جو کل ہی ہمارے علم میں آئے ہیں۔ سائنس کی دنیا میں ''کل'' سے مراد نصف صدی یا ایک صدی کا عرصہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ 1973ء کا واقعہ ہے کہ دو سائنسدانوں کو ''عظیم دھماکے کا نظریہ'' "Big Bang Therory" دریافت کرنے پر نوبل انعام سے نوازا گیا۔

میں کہتا ہوں بالکل ٹھیک۔ تمہاری ہر بات سے مجھے اتفاق ہے لیکن اگر میں تمھیں یہ بتاؤں کہ یہ بات قرآن مجید میں آج سے 1400 سال پہلے ہی بیان فرمادی گئی تھی۔ سورۂ انبیاء میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنھما وجعلنا من الماء کل شیء حی افلا یؤمنون O''

(القرآن الکریم، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 30)

''یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انھیں جدا کیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی، کیا وہ (ہماری خلاقی کو) نہیں مانتے۔؟ O''

قرآن مجید آج سے چودہ صدیاں پیش تر نازل ہوا تھا۔ اس بات کے کافی ثبوت موجود ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے جو 1400 سال پہلے موجود تھی تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہوا کہ اس میں عظیم دھماکے کے نظریے کی طرف اشارہ موجود ہے۔؟

اس آیت میں انتہائی اختصار کے ساتھ ''Big Bang Theory'' موجود ہے۔ تم کہتے ہو یہ نظریہ سو پچاس سال پہلے سامنے آیا ہے تو پھر قرآن مجید میں اس کا ذکر کہاں سے آ گیا۔؟ لامذہب اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ''شاید کسی نے اندازہ لگایا ہوگا۔'' میں بحث نہیں کرتا۔ ان کی بات مان لیتا ہوں اور آگے بڑھتا ہوں۔

2: میں پوچھتا ہوں کہ یہ زمین جس پر ہم رہ رہے ہیں، اس کی شکل کیسی ہے؟ جواب ملتا ہے کہ پہلے تو لوگ یہی سمجھتے تھے کہ زمین چپٹی ہے اور اسی لئے وہ طویل سفر سے گھبراتے بھی تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ زمین کے کنارے پر پہنچ کر نیچے گر پڑیں لیکن آج ہمارے پاس اس بات کے کافی سائنسی ثبوت موجود ہیں کہ زمین چپٹی نہیں ہے۔ زمین دراصل گول یعنی کرّے (بیضا نما) کی شکل میں ہے۔ میں پوچھتا ہوں یہ بات آپ کو کب معلوم ہوئی۔؟ جواب ملتا ہے، ماضی قریب میں، سو سال پہلے، دو سو سال پہلے اور اگر جواب دینے والا صاحب علم ہو تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ بات ثابت کی تھی وہ سر فرانسس ڈریک تھا۔ جس نے 1597ء میں یہ ثابت کیا کہ زمین کروی ہے۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ سورۂ لقمان کی اس آیت کا تجزیہ کرو:

''الم تر ان اللہ یولج الیل فی النھار ویولج النھار فی الیل وسخر الشمس والقمر کل یجری الی اجل مسمی وان اللہ

بما تعملون خبیر O"

(القرآن الکریم، سورۃ لقمان، آیت نمبر 29)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں؟ اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، سب ایک وقتِ مقررہ تک چلے جا رہے ہیں اور (کیا تم نہیں جانتے کہ) جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔"

پروتے ہوئے لانے سے مراد ہے ایک سست رو اور بتدریج تبدیلی۔ یعنی رات آہستہ آہستہ، بتدریج دن میں تبدیلی ہوتی چلی جاتی ہے اور دن رات میں۔ یہ عمل اس طرح ہونا ممکن ہی نہیں اگر زمین چپٹی ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ زمین کی شکل کروی ہو۔ اسی طرح کا ایک پیغام ہمیں قرآنِ مجید کی سورۃ الزمر میں بھی ملتا ہے، جہاں ارشاد ہوتا ہے:

"خلق السموات والارض بالحق یکور الیل علی النهار ویکور النهار علی الیل وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی الا هو العزیز الغفار O"

(القرآن الکریم، سورۃ الزمر، آیت نمبر 5)

"اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے۔ اسی نے سورج اور چاند کو اس طرح مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک ایک وقت مقررہ تک چلے جا رہا ہے۔ جان رکھو! وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔ O"

دن کو رات پر لپیٹنے اور رات کو دن پر لپیٹنے کا یہ عمل بھی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ زمین گول یعنی کرہ نما ہو۔ زمین کے چپٹے ہونے کی صورت میں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ آپ مجھے بتاتے ہیں کہ یہ بات 1597ء میں سامنے آئی تھی تو پھر قرآنِ عظیم میں یہ بات ایک ہزار چار سو سال پہلے کس طرح موجود تھی۔؟

ہوسکتا ہے وہ کہیں کہ یہ بھی اتفاق تھا، محض ایک اتفاق، ایک اندازہ جو درست ثابت ہوا۔ میں یہاں بھی بحث نہیں کرتا اور آگے بڑھتا ہوں۔

3: میرا اگلا سوال یہ ہوگا کہ چاند سے جو روشنی ہم تک پہنچتی ہے یہ کس چیز کی روشنی ہوتی ہے۔؟ پہلے لوگ ضرور یہی کہتے کہ ہم یہی سمجھتے ہیں کہ یہ چاند کی اپنی روشنی ہوتی ہے۔ لیکن آج

جب کہ سائنس ترقی کر چکی ہے، آج ہم جانتے ہیں کہ دراصل یہ سورج کی روشنی ہوتی ہے جو چاند سے منعکس ہو کر زمین تک آتی ہے۔ چاند خود سے روشن نہیں ہے۔ اس کے بعد میں اس سے ایک اور سوال کروں گا اور وہ یہ کہ قرآن مجید کی سورۂ فرقان میں ارشاد ہوتا ہے:

"تبارك الذين جعل في السماء بروجا وجعل فيها سراجا وقمرا منيرا O" (القرآن الکریم، سورۃ الفرقان، آیت نمبر 61)

"بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک قمرِ منیر روشن کیا۔ O"

عربی میں چاند کے لئے لفظ "قمر" استعمال ہوتا ہے اور اس کی روشنی کے لئے لفظ "منیر" استعمال ہوا ہے۔ جس سے مراد منعکس یا منعطف روشنی ہوتی ہے۔ "نور" کا لفظ ایسی ہی روشنی کے لئے استعمال ہوا ہے۔

آپ پوچھئے کہ یہ حقیقت تم نے آج دریافت کی ہے تو پھر بتاؤ کہ قرآن مجید میں یہ بات 1400 سال پہلے کس طرح موجود تھی۔؟ وہ فوری جواب نہیں دے سکے گا۔ اسے کچھ دیر سوچنا پڑے گا اور شاید بالآخر اس کا جواب یہی ہوگا کہ غالباً یہ بھی محض اتفاق ہے۔ اندازہ ہے یا "تکا لگ گیا ہے۔"

میں اس سے پھر بھی بحث نہیں کروں گا۔ گفتگو آگے چلانے کے لئے میں بحث سے گریز کروں گا۔ میں کہوں گا کہ اگر تمہارا جواب یہی ہے تو میں تم سے بحث نہیں کرتا اور بات آگے بڑھاتا ہوں۔

4: میں اسے کہتا ہوں کہ میں نے 1986ء میں دسویں جماعت کا امتحان پاس کیا تھا۔ اس وقت ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ سورج ساکن ہے یعنی اپنے مرکز کے گرد تو مسلسل حرکت کر رہا ہے۔ گھوم رہا ہے لیکن اپنے مقام کے لحاظ سے ساکن ہے۔ ہوسکتا ہے پوچھا جائے کہ کیا قرآن مجید بھی یہی کہتا ہے؟ میرا جواب ہوگا کہ نہیں۔ یہ بات تو ہمیں سکول میں بتائی گئی تھی۔ میں اس سے پوچھوں گا کہ کیا واقعی اسی طرح ہے۔؟

وہ کہے گا کہ نہیں۔ آج سائنس ترقی کر چکی ہے۔ اب ہمیں پتہ چلا ہے کہ سورج اپنے مرکز کے گرد گھومنے کے علاوہ مداری حرکت بھی کر رہا ہے۔ سورج کی مرکز کے گرد حرکت کا آپ مشاہدہ

بھی کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس ضروری آلات موجود ہوں۔ سورج کی سطح پر سیاہ دھبے موجود ہیں اور ان دھبوں کی حرکت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج اپنے مرکز کے گرد ایک چکر تقریباً پچیس دن میں پورا کر لیتا ہے۔ لیکن اس حرکت کے علاوہ سورج ایک مدار میں بھی حرکت کر رہا ہے۔

کیا قرآن کہتا ہے کہ سورج ساکن ہے؟ ہوسکتا ہے وہ دہریہ جس سے میں گفتگو کر رہا ہوں اس موقع پر ہنسنے لگے۔ لیکن پھر میں بتاتا ہوں کہ نہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

"وھو الذی خلق الیل والنھار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون O"

(القرآن الکریم، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 33)

"اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔"

قرآن مجید بتا رہا ہے کہ سب ایک فلک میں مدار میں حرکت کر رہے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بات جدید سائنس نے حال ہی میں دریافت کی ہے تو پھر قرآن مجید میں یہ بات چودہ سو سال پہلے کس طرح بیان کردی گئی تھی۔؟

وہ تو ڑی دیر تک خاموش ہی رہتا ہے اور کچھ دیر کے بعد کہتا ہے کہ عرب علم فلکیات کے ماہر تھے۔ لہٰذا ہوسکتا ہے عربوں میں سے کسی نے یہ بات تمہارے پیغمبر علیہ السلام سے کی ہو اور انھوں نے اسے اپنی کتاب میں درج کر دیا ہو۔

میں مانتا ہوں، تسلیم کرتا ہوں کہ عرب علم فلکیات میں انتہائی ترقی یافتہ تھے لیکن ساتھ ہی میں اسے یاد دلاتا ہوں کہ وہ تاریخ کو گڈ مڈ کر رہا ہے۔ کیوں کہ عربوں کا فلکیات میں ترقی کرنا بہت بعد کی بات ہے اور قرآن مجید اس سے صدیوں پہلے نازل ہو چکا تھا۔ بلکہ دراصل عربوں کے فلکیات میں ترقی کرنے کا سبب قرآن مجید ہی تھا۔ علم فلکیات عربوں سے قرآن مجید میں نہیں آیا، قرآن مجید سے عربوں نے سیکھا تھا۔ قرآن مجید بہت سے سائنسی حقائق کا ذکر کرتا ہے۔

5: جغرافیے کے حوالے سے اور پھر "آبی چکر" (Water Cycle) کے حوالے سے دیکھیے تو قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

"الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فسلکہ ینا بیع فی

الارض ثم یخرج بہ زرعا مختلفا الوانہ "

(القرآن الکریم، سورۃ الزمر، آیت نمبر 21)

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو سوتوں اور چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا، پھر اس پانی کے ذریعے وہ طرح طرح کی کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں مختلف ہیں۔"

قرآن مجید آبی چکر کا ذکر متعدد آیات میں کرتا ہے اور پوری تفصیل کے ساتھ کرتا ہے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ پانی سمندروں کی سطح سے بخارات بن کر اٹھتا ہے۔ بادلوں میں تبدیل ہوتا ہے۔ بادل بالآخر کثیف ہو جاتے ہیں۔ ان میں بجلیاں چمکتی ہیں اور ان سے بارش ہوتی ہے۔ اس مظہر کا ذکر قرآن مجید کی متعدد آیات میں آیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مومنون میں ارشاد ہوتا ہے

"وانزلنا من السماء ماء بقدر فاسکنہ فی الارض وانا علی ذھاب بہ لقدرون O"

(القرآن الکریم، سورۃ المومنون، آیت نمبر 18)

"اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اُتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا، ہم اسے جس طرح چاہیں غائب کر سکتے ہیں۔ O"

سورۂ روم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اللہ الذی یرسل الریح فتثیر سحابا فیبسطہ فی السماء کیف یشاء ویجعلہ کسفا فتری الودق یخرج من خللہ فاذا اصاب بہ من یشاء من عبادہ اذا ھم یستبشرون O"

(القرآن الکریم، سورۃ الروم، آیت نمبر 48)

"اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل کو اٹھاتی ہیں پھر وہ ان بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انھیں ٹکڑیوں میں تقسیم کرتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں، یہ بارش جب وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے برساتا ہے تو وہ یکا یک خوش و خرم ہو جاتے ہیں۔ O"

سورۂ نور میں ارشاد ہوتا ہے:

"الم تر ان اللہ یزجی سحابا ثم یؤلف بینہ ثم یجعلہ رکاما فتری الودق یخرج من خلالہ"

(القرآن الکریم، سورۃ النور، آیت نمبر 43)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے، پھر اسے سمیٹ کر ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے چلے آتے ہیں۔"

سورۂ روم میں فرمایا گیا:

"ومن ایتہ یریکم البرق خوفا وطمعا وینزل من السماء ماء فیحی بہ الارض بعد موتھا ان فی ذلک لایت لقوم یعقلون O"

(القرآن الکریم، سورۃ الروم، آیت نمبر 24)

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمھیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے، خوف کے ساتھ بھی اور طمع کے ساتھ بھی اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ O"

یعنی قرآن مجید متعدد مقامات پر آبی چکر کی تفصیلات بیان کرتا ہے۔ جب کہ یہ آبی چکر (Water Cycle) ایک سائنسدان نے جس کا نام "Bernard Palacy" تھا، 1580ء میں بیان کیا تھا۔ جو آبی چکر سائنس 1580ء میں دریافت کر رہی ہے وہ قرآن مجید میں اس سے ہزار سال پہلے ہی موجود تھا۔ کیسے۔؟

6: اب ہم "ارضیات" کی جانب آتے ہیں۔ علم ارضیات میں ایک تصور بیان کیا جاتا ہے جسے "Folding" کہتے ہیں۔ جس زمین پر ہم رہتے ہیں اس کی بیرونی پرت یا سطح خاصی باریک ہے۔ اس سطح میں بل پڑنے کے سبب پہاڑی سلسلے وجود میں آتے ہیں جو سطح زمین کو استحکام فراہم کرتے ہیں۔ اب میں اس دہریے کو بتاتا ہوں کہ قرآنِ مجید کی سورۂ نباء میں بتایا گیا

ہے:

"الم نجعل الارض مهدا○ و الجبال او تادا○"

(القرآن الکریم، سورۃ النباء، آیت نمبر 6-7)

"کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا○ اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔○"

قرآن مجید کہتا ہے کہ پہاڑوں کو میخیں بنایا گیا ہے۔ "اوتاد" عربی میں اس میخ کو کہا جاتا ہے جو خیمہ کھڑا کرنے کے لئے گاڑی جاتی ہے اور جدید سائنس بھی پہاڑوں کا اسی طرح کا کردار بیان کرتی ہے، یعنی پہاڑوں کی مثال خیموں کی میخوں کی سی ہے۔ قرآن مجید مزید کہتا ہے:

"و جعلنا فی الارض رواسی ان تمید بهم و جعلنا فیها فجاجا سبلا لعلهم یهتدون○"

(القرآن الکریم، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 31)

"اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیئے تا کہ وہ انھیں لے کر ڈھلک نہ جائے اور اس میں کشادہ راہیں بنا دیں، تا کہ لوگ اپنا راستہ معلوم کر لیں۔○"

گویا قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ زمین میں پہاڑ اس لئے بنائے گئے ہیں تا کہ زمین ڈھلکنے سے محفوظ رہے۔

7: مزید برآں میرے پوچھنے پر وہ دہریہ کہے گا کہ اس کے علم میں ہے کہ سمندر میں میٹھا اور کھارا پانی بعض جگہوں پر الگ الگ رہتے ہیں۔ ان کے درمیان ایک روک موجود ہوتی ہے۔ ایک آڑ موجود ہوتی ہے جو دونوں طرح کے پانی کو ملنے نہیں دیتی اور الگ الگ رکھتی ہے۔ کیا اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔؟ میں اُسے سورۂ فرقان کی یہ آیت سناتا ہوں:

"وهو الذی مرج البحرین هذا عذب فرات وهذا ملح اجاج وجعل بینهما برزخا و حجرا محجورا○"

(القرآن الکریم، سورۃ الفرقان، آیت نمبر 53)

"اور وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے، ایک لذیذ و شیریں، دوسرا تلخ و شور اور دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے، ایک رکاوٹ ہے جو انھیں گڈمڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے۔○"

اسی طرح کی بات سورۂ رحمان میں بھی کی گئی ہے:

"مرج البحرین یلتقیان○ بینھما برزخ لا یبغیان○"

(القرآن الکریم، سورۃ الرحمٰن، آیت نمبر 19-20)

"دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں○ ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔○"

آج جدید سائنس بھی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ بعض مقامات پر سمندر میں میٹھا اور کھاری پانی ایک دوسرے میں حل نہیں ہوتے، ان کے درمیان ایک روک موجود رہتی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ دہریہ جس سے میں گفتگو کر رہا ہوں وہ اس موقع پر کہے کہ "شاید کسی عرب نے سمندر میں غوطہ لگا کر اس روک کو دیکھ لیا ہوگا اور رسول اللہ کو بتا دیا ہوگا، یوں یہ بات قرآن مجید میں آگئی ہوگی۔"

لیکن بات یہ ہے کہ جس روک یا آڑ کا یہاں ذکر ہورہا ہے وہ نظر تو آتی ہی نہیں۔ یہ تو ایک نادیدہ رکاوٹ ہے۔ اسی لئے قرآن مجید اس کے لئے "برزخ" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ یہ مظہر انتہائی واضح طور پر "کیپ ٹاؤن" کے قریب دیکھا جاسکتا ہے، یعنی افریقہ کے انتہائی جنوب میں۔ مصر میں بھی جہاں دریائے نیل سمندر سے ملتا ہے تو یہی صورت حال ہوتی ہے۔ اسی طرح خلیج عرب میں جہاں ہزاروں کلومیٹر تک دونوں طرح کا پانی موجود ہے لیکن الگ الگ رہتا ہے۔

8: قرآن مجید کی سورۂ انبیاء میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنھما وجعلنا من الماء کل شیء حی افلا یؤمنون○"

(القرآن الکریم، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 30)

"کیا وہ لوگ جنھوں نے (نبی کی بات ماننے سے) انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان وزمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انھیں جدا کیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی؟ کیا وہ (ہماری اس خلاقی کو) نہیں مانتے۔○؟"

آپ ذرا تصور کیجئے! کہ عرب کے صحراؤں میں جہاں پانی کی شدید قلت ہوتی ہے، وہاں یہ بات کہی جارہی ہے۔ وہاں کس کو یہ خیال آسکتا تھا کہ ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔؟ اگر انھیں یہ اندازہ لگانا ہی ہوتا تو وہ ہر چیز کا اندازہ لگا سکتے تھے۔ انھیں کسی بھی چیز کا خیال آسکتا تھا۔ سوائے پانی کے۔ آج جدید سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ ہر زندہ چیز خلیوں سے بنی ہے۔ ان خلیات کا بنیادی

جز و سائٹو پلازم" Cytoplasm " ہوتا ہے جو کہ پچاس سے اسی فی صد پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر زندہ چیز پچاس سے نوے فیصد پانی پر مشتمل ہوتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آج سے چودہ صدیاں پیشتر یہ بات قرآن حکیم میں کیوں کر بیان کر دی گئی تھی؟ اب وہ دہریہ بھی چپ ہو چکا ہوگا۔ وہ کوئی جواب دینے کے قابل نہیں ہوگا۔

شماریات کا نظریہ درستی:

شماریات کا ایک نظریہ ہے جسے " Tehory of Probability " کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کے دو ممکنہ جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک صحیح اور ایک غلط۔ اگر آپ محض اندازے سے جواب دیں تو پچاس فی صد امکان ہے کہ آپ کا جواب درست ہوگا۔ مثال کے طور پر جب آپ ٹاس کرتے ہیں تو دونوں طرف پچاس پچاس فی صد امکان ہوتا ہے، لیکن اگر آپ دو دفعہ ٹاس کریں تو اس بات کا کتنا امکان ہے کہ دونوں مرتبہ ہی آپ کا جواب درست ہوگا۔ پہلی مرتبہ پچاس فی صد یعنی دو میں سے ایک اور دوسری مرتبہ پچاس فی صد کا پچاس فیصد یعنی چار میں سے ایک امکان، یا یوں کہیئے کہ پچیس فی صد امکان ہے کہ آپ دونوں مرتبہ درست جواب دیں گے۔

فرض کیجئے میں ایک پانسہ (D i c e) پھینکتا ہوں جس کے چھ رخ ہیں۔ 1، 2، 3، 4، 5 اور 6۔ اب اگر میں اندازہ لگاؤں تو اس اندازے کے درست ہونے کا امکان چھ میں سے ایک ہوگا۔ اب اگر میں دو دفعہ ٹاس کروں اور ایک دفعہ پانسہ پھینکوں تو یہ امکان کتنا ہے کہ ہر دفعہ میں جواب درست ہوگا۔؟ یہ امکان 1/2 ضرب 1/2 ضرب 1/6 یعنی 1/24 یا دوسرے لفظوں میں چوبیس میں سے ایک امکان یہ ہے کہ میرا جواب ہر بار درست ہوگا۔

آیئے یہ نظریہ (Tehory of Probability) قرآن مجید پر لاگو کر کے دیکھتے ہیں۔ محض گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھانے کے لئے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں وہ محض اندازے ہیں جو درست ثابت ہوئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان اندازوں کے درست ہونے کا امکان کتنا تھا۔؟

قرآن مجید کہتا ہے کہ زمین گول یعنی کرہ نما ہے۔ اب آپ دیکھیئے کہ زمین کی شکل کے بارے میں کیا اندازے لگائے جا سکتے ہیں؟ کسی شخص کے ذہن میں زمین کی کون سی ممکنہ شکلیں

آسکتی ہیں؟ کہا جاسکتا ہے کہ زمین چپٹی ہے یا تکون ہے، یا چوکور ہے یا شش پہلو ہے یا ہشت پہلو ہے، اسی طرح بہت سی ممکنہ شکلیں سوچی جاسکتی ہیں۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ صرف تیس ممکنہ شکلیں ہوسکتی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص محض اندازہ لگاتا ہے تو اس اندازے کے درست ثابت ہونے کا امکان 30 میں سے ایک ہوگا۔

چاند کی رشنی یا تو اس کی اپنی ہوگی یا منعکس ہوگی، لہٰذا دو ہی صورتیں ہیں اور یہاں اندازہ درست ثابت ہونے کا امکان دو میں سے ایک ہے۔ لیکن یہ امکان کہ ایک شخص کے دونوں اندازے درست ثابت ہوں گے، ساٹھ میں ایک ہے۔

اچھا! اب یہ بتایئے کہ صحرائے عرب میں رہنے والا شخص کیا اندازہ لگائے گا کہ انسان بلکہ تمام جاندار کس شے سے بنے ہوئے ہیں؟ اور اندازہ بھی صحرا کے رہنے والے شخص نے ہی لگانا ہے تو اس کا جواب کیا ہوسکتا ہے؟ ہوسکتا ہے اس کا جواب ریت ہو، یا لکڑی یا لوہا یا کوئی اور دھات یا کوئی گیس یا تیل، وہ شخص دس ہزار اندازے لگا سکتا ہے اور اس کا آخری اندازہ پانی ہوگا۔

قرآن کہتا ہے کہ ہر زندہ مخلوق پانی سے بنائی گئی ہے۔

اسی طرح سورت نور کی آیت نمبر 45 میں فرمایا گیا:

"اور اللہ نے ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا۔"

یہ بات اگر محض اندازے سے کی جائے تو اندازہ درست ہونے کا امکان دس ہزار میں ایک ہوگا۔ اب یہ امکان کہ ایک شخص مذکورہ بالا تینوں معاملات میں اندازے سے جواب دے اور ہر بار اس کا اندازہ درست ثابت ہو، چھ لاکھ میں سے ایک ہے۔ یعنی 0.00017 فی صد۔ اب میں یہ آپ حاضرین پر چھوڑتا ہوں کہ اس کے بعد آپ "Tehory of Probability" کا اطلاق قرآن مجید پر کرنا چاہیں گے یا نہیں۔؟

قرآن مجید ایسے سینکڑوں حقائق کا ذکر کرتا ہے جو اس وقت یعنی نزول قرآن کے زمانے میں لوگوں کے علم میں نہیں تھے۔ اگر ان تمام بیانات کو اندازے یا فرض کیا جائے تو ان اندازوں کے بیک وقت درست ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے اور Probability کے نظریے کی روسے تو یہ امکان صفر ہی رہ جاتا ہے۔

یہاں کچھ لوگ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ "دیدات صاحب! کیا آپ قرآن مجید کو سائنس کی مدد سے ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔؟" لہٰذا میں یہ یاد دہانی ضروری سمجھتا ہوں کہ "قرآن

مجید سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ یہ سائنز کی کتاب ہے۔ یعنی:

Quran is not a book of Science

It is a Book of SIGNS

یہ نشانیوں کی، آیات کی کتاب ہے، اس کتاب میں چھ ہزار سے زائد آیات موجود ہیں۔ جن میں سے ایک ہزار سے زائد آیات ایسی ہیں جن کا تعلق سائنسی علوم سے ہے۔ میں سائنس کو قرآن مجید کے اثبات کے لئے استعمال نہیں کر رہا کیوں کہ کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے آپ کو کسی پیمانے کی، کسی معیار کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم مسلمانوں کے لئے آخری پیمانہ اور حتمی معیار خود قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید ہی ہمارے لئے فرقان یعنی حق و باطل کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ اسی پیمانے پر ہم مسلمان صحیح اور غلط بیان کا فیصلہ کرتے ہیں۔

لیکن ایک دہریے کے لئے، ایک پڑھے لکھے شخص کے لئے جو خدا پر ایمان ہی نہیں رکھتا، اس کے لئے معیار کیا ہے؟ اس کے لئے تو آخری پیمانہ سائنس ہی ہے۔ لہٰذا میں اپنی بات اس کے سامنے اسی کے پیمانے سے درست ثابت کر رہا ہوں۔ البتہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سائنسی نظریات بسا اوقات تبدیل بھی ہو جایا کرتے ہیں، لہٰذا ہم نے صرف ثابت شدہ سائنسی حقائق ہی کو سامنے رکھا ہے۔ میں نے محض نظریات اور مفروضوں کی بنیاد پر بات نہیں کی۔ یعنی ایسے نظریات کو دلیل نہیں بنایا جن کی بنیاد مفروضوں پر ہے۔ میں نے اس دہریے کو یہ بتایا ہے کہ جو چیز تمہارے معیار اور پیمانے نے آج سے سوا پچاس سال پہلے ثابت کی ہے، قرآن مجید اسے چودہ سو سال پہلے ہی بیان کر رہا تھا۔ لہٰذا بالآخر ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قرآن مجید ہی برتر ہے۔ سائنس اور قرآن مجید میں سے برتری قرآن مجید ہی کو حاصل ہے۔

دیگر سائنسی حقائق اور قرآن مجید:

1: قرآن مجید متعدد سائنسی حقائق ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہوتا ہے:

"الذی جعل لکم الارض مھدا و سلک لکم فیھا سبلا و انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ ازواجا من نبات شتی O"

(القرآن الکریم، سورۃ طٰہٰ، آیت نمبر 53)

"وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بنایا اور اس میں تمہارے چلنے کو راستے بنائے اور اوپر سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے نباتات کے جوڑے نکالے۔o"

آپ یہ بات ماضی قریب میں دریافت کررہے ہیں کہ نباتات میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں۔

2: سورۃ انعام میں ارشاد ہوتا ہے:

"وما من دابة فی الارض ولا طٰئر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتٰب من شیء ثم الی ربهم یحشرونO"

(القرآن الکریم،سورۃ الانعام،آیت نمبر 38)

"زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں،ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جاتے ہیں۔o"

سائنس اس بات کا اثبات کچھ ہی عرصہ قبل کررہی ہے۔

3: قرآنِ مجید کی سورۂ نحل میں بتایا گیا ہے کہ شہد کی مکھی شہد بنانے کے لیے رس جمع کرتی ہے۔ یہاں اس کے لئے مونث کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔یعنی یہ کام نر مکھی نہیں کرتی بلکہ مادہ مکھی کرتی ہے۔سائنس نے یہ حقیقت بھی حال ہی میں دریافت کی ہے،ورنہ پہلے سائنس دانوں کا خیال تھا کہ یہ کام نر مکھی کرتی ہے۔یہ مکھیاں صرف نو دریافت شدہ پودوں اور پھولوں کی اطلاع دیگر مکھیوں کو دیتی ہیں۔

4: سورۂ عنکبوت میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

"وان اوهن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون O"

(القرآن الکریم،سورۃ العنکبوت،آیت نمبر 41)

"اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر،مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔"

یہاں بات محض مکڑی کے گھر یعنی جالے کی ظاہری کمزوری کے حوالے سے نہیں کی جارہی۔ یہ آیت مکڑی کی گھریلو زندگی کی خصوصیت بھی بیان کررہی ہے کہ تعلقات کے لحاظ سے بھی سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہی ہوتا ہے۔کیوں کہ بسا اوقات مکڑی اپنے نر کو ہلاک کردیتی ہے۔

5: اسی طرح سورۂ نمل کی آیت نمبر 17 اور 18 میں چیونٹیوں کی باتیں کرنے کا ذکر ہے۔ کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ تو جنوں پریوں کی کہانیوں والی بات ہے۔ کیا چیونٹیاں بھی آپس میں بات کر سکتی ہیں۔؟ لیکن آج سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ حیوانات میں سے چیونٹیوں کا طرزِ زندگی انسانی طرزِ زندگی کے قریب ترین ہے۔ یعنی انسانی طرزِ حیات سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ چیونٹیوں میں مردہ چیونٹیوں کو دفنانے کی عادت بھی موجود ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کے درمیان رابطے کا ایک مکمل نظام موجود ہوتا ہے۔ ان کے درمیان پیغامات کی ترسیل کا ایک باقاعدہ نظام پایا جاتا ہے۔

6: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یخرج من بطونها شراب مختلف ،لوانه فیه شفاء للناس"

(القرآن الکریم، سورۃ النحل، آیت نمبر 69)

"اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے، جس میں شفاء ہے لوگوں کے لئے۔"

اس آیت قرآنی میں فرمایا گیا کہ شہد میں انسانوں کے لئے شفا رکھی گئی ہے اور آج سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ شہد میں جراثیم کش خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روسی فوجی دورانِ جنگ اپنے زخموں پر شہد لگاتے رہے اور نہ صرف ان کے زخم مندمل ہو جاتے تھے بلکہ زخم کا نشان بھی بہت کم باقی رہتا تھا۔ بعض اقسام کی الرجی کے علاج کے لیے شہد آج بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔

7: اسی طرح قرآن مجید دورانِ خون اور دودھ کی افزائش کے حوالے سے بھی بات کرتا ہے۔ سورۂ نحل کی آیت نمبر 66 اور سورۂ مومنون کی آیت نمبر 21 میں اسکا ذکر موجود ہے۔ نزول قرآن کے چھ سو سال بعد ابن نفیس نے دورانِ خون کا عمل دریافت کیا۔ مغربی دنیا کے حوالے سے دیکھا جائے تو نزولِ قرآن کے ایک ہزار سال بعد "Harvey" نامی سائنس دان نے یہ نظریہ عام کیا۔

8: قرآن مجید علم الجنین کے بارے میں بھی بات کرتا ہے۔ قرآنِ مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات، سورۂ علق کی درج ذیل آیات دیکھیے:

"اقرا باسم ربك الذی خلق O خلق الانسان من علق O"

(القرآن الکریم، سورۃ العلق، آیت نمبر 2-1)

''اے نبی! پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ ○ چپکنے والی چیز سے انسان کی تخلیق کی۔ ○''

''علقۃ'' کا ترجمہ خون کا لوتھڑا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس لفظ کا مطلب ''چپکنے والی چیز'' اور ''جونک نما چیز'' بھی ہوتا ہے۔ یہ آیت اور قرآن مجید میں موجود علم الجنین کے حوالے سے موجود دیگر بیانات ''پروفیسر کیتھ مور'' کو دکھائے گئے تھے۔ پروفیسر صاحب کا تعلق ''ٹورنٹو، کینیڈا'' سے ہے اور وہ اس شعبے کے اعلیٰ ترین ماہرین میں شمار کیے جاتے ہیں۔

کچھ عرب حضرات نے اس قرآنی ہدایات پر عمل کیا کہ ''اگر تم نہیں جانتے تو ان سے پوچھ لو جو جانتے ہیں'' اور وہ ''پروفیسر کیتھ مور'' کے پاس چلے گئے۔ یہ سارا لوازمہ ان کے سامنے رکھا اور ان سے پوچھا کہ کیا یہ تمام باتیں ٹھیک ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ قرآنی بیانات میں سے بیش تر تو جدید ترین تحقیقات کی روشنی میں سو فیصد درست ہیں، لیکن بعض بیانات ایسے ہیں جن کے بارے میں وہ کوئی رائے نہیں دے سکتے کیوں کہ انھیں خود اس بارے میں مکمل علم حاصل نہیں ہے۔ ان آیات میں سے ایک آیت وہ تھی جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''ہم نے انسان کو ایک جونک نما شے سے تخلیق کیا ہے۔'' ڈاکٹر صاحب اپنی تجربہ گاہ میں گئے۔ انھوں نے جونک کی تصاویر کا تقابل جنین کے بالکل ابتدائی مراحل کے ساتھ کیا۔ طاقتور خوردبین سے تفصیلی جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ بالکل ابتدائی مراحل کے جنین اور جونک میں واقعی مشابہت پائی جاتی ہے۔

لہٰذا انھوں نے یہ بیان دیا کہ جو کچھ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے وہ صحیح اور درست ہے۔ یہی نہیں، پروفیسر مور نے آیات قرآنی سے اخذ کردہ یہ معلومات اپنی کتاب "The Developing Human" کے تیسرے ایڈیشن میں شامل کیں۔ اس کتاب کو اس سال کسی ایک مصنف کی لکھی ہوئی بہترین طبی کتاب کا ایوارڈ بھی ملا۔ ڈاکٹر مور نے یہ بھی تسلیم کیا کہ علم الجنین کے حوالے سے قرآن مجید جو معلومات فراہم کرتا ہے جدید سائنس نے وہ باتیں حال ہی میں دریافت کی ہیں۔ کیوں کہ علم الجنین تو علم طب کی جدید ترین شاخوں میں سے ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ یہ باتیں کسی انسان کے علم میں آج سے چودہ سو برس پہلے موجود ہوں۔ لہٰذا قرآن مجید لازماً ایک الہامی کتاب ہے۔

9: قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

"فلینظر الانسان مم خلق O خلق من ماء دافق O یخرج من بین الصلب والترائب O"

(القرآن الکریم، سورۃ الطارق، آیت نمبر 4-5)

"پھر ذرا انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ O وہ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ O جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ O"

اس آیت کی تصدیق کرتے ہوئے آج جدید علم الجنین ہمیں بتاتا ہے کہ ابتدائی مراحل میں جنسی اعضاء یعنی فوطے اور رحم وغیرہ اس مقام سے بنتے ہیں جہاں گردے ہوتے ہیں یعنی ریڑھ کی ہڈی اور گیارھویں بارھویں پسلی کے درمیان۔

10: سورۂ نجم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وانه خلق الزوجين الذكر والانثى O من نطفة اذا تمنى O"

(القرآن الکریم، سورۃ النجم، آیت نمبر 45-46)

"اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا O ایک بوند سے، جب وہ ٹپکائی جاتی ہے۔ O"

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"الم يك نطفة من منى يمنى O ثم كان علقة فخلق فسوى O فجعل منه الزوجين الذكر والانثى O"

(القرآن الکریم، سورۃ القیامۃ، آیت نمبر 38-39)

"کیا وہ ایک حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ O پھر وہ ایک لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے اس کا جسم بنایا اور اس کے اعضاء درست کیے O پھر اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں۔ O"

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کی جنس کا تعین نطفہ کرتا ہے، یعنی مرد بچے کی جنس کا ذمہ دار ہوتا۔ جدید سائنس نے یہ حقیقت بھی حال ہی میں دریافت کی ہیں۔

11: قرآن مجید یہ بھی بتاتا ہے کہ جنین تین اندھیروں یا تین تہوں کے اندر ہوتا ہے اور جدید تحقیقات بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔

12: جنین کے ارتقاء کے مختلف مراحل کا ذکر بھی قرآن مجید میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے:

"ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين O ثم جعلناه نطفة في قرار مكين O ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما ثم انشئنه خلقا اخر فتبارك الله احسن الخالقين O"

(القرآن الکریم، سورۃ المومنین، آیت نمبر 14-13-12)

"ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔ o پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا۔ o پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کر دیا، پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاری گروں سے اچھا کاری گر۔ o"

سورۂ حج میں بھی یہ مراحل بیان فرمائے گئے ہیں:

"یاایها الناس ان كنتم في ريب من البعث فانا خلقنكم من تراب ثم من نطفة ثم من علق ثم من مضغة مخلقة وغير مخلقة لنبين لكم ونقر في الارحام ما نشاء الى اجل مسمى ثم نخرجكم طفلا ثم لتبلغوا اشدكم ومنكم من يتوفى ومنكم من يرد الى ارذل العمر لكيلا يعلم من بعد علم شيئا"

(القرآن الکریم، سورۃ الحج، آیت نمبر 5)

"لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد زندگی ملنے کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کی بوٹی سے، جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ (یہ ہم اس لئے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں، ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ایک وقت خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں (پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے

کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تا کہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔"

13: سورۂ سجدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

"ثم سویه و نفخ فیه من روحه وجعل لکم السمع والابصار

(القرآن الکریم، سورۃ السجدۃ، آیت نمبر 8)

"پھر اس کو خوب درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان دیئے، آنکھیں دیں۔"

سورۃ الدھر میں ارشاد ہوتا ہے:

"فجعلنه سمیعام بصیرا O"

(القرآن الکریم، سورۃ الدھر، آیت نمبر 2)

"ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔ O"

مذکورہ بالا دونوں آیاتِ قرآنی میں سننے کی صلاحیت کا ذکر "دیکھنے کی صلاحیت" یعنی بصارت سے پہلے آیا ہے۔ آج کا جدید علم طب بھی ہمیں یہ بتاتا ہے کہ سماعت کی قوت پہلے آتی ہے اور بصارت کی بعد میں۔ سماعت کا نظام پانچویں مہینے میں بن چکا ہوتا ہے جبکہ بصارت ساتویں ماہ میں مکمل ہوتی ہے۔

14: لوگوں نے سوال کیا کہ مرنے کے بعد تو انسان کی ہڈیاں بھی مٹی میں مل کر مٹی ہو چکی ہوں گی تو پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انسان کو دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا۔؟

جواب میں فرمایا گیا:

"ایحسب الانسان الن نجمع عظامه O بلی قدرین علی ان نسوی بنانه O"

(القرآن الکریم، سورۃ القیامۃ، آیت نمبر 3-4)

"کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟ O کیوں نہیں؟ ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں۔ O"

مندرجہ بالا آیت میں ہڈیوں کے ساتھ انگلیوں کی پوروں کا ذکر کیوں فرمایا گیا ہے؟ قرآن مجید کا بیان ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انگلیوں کی پوریں بھی ٹھیک بنا دینے پر قادر ہے۔

یہ ذکر کیوں کیا جارہا ہے۔؟

1880ء میں انگلیوں کے نشانات "Finger Prints" کی مدد سے لوگوں کی شناخت کا طریقہ دریافت ہوا۔ یہ طریقہ آج بھی لوگوں کی شناخت کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ کیوں کہ لاکھوں کروڑوں لوگوں میں کوئی دو انسان بھی ایسے نہیں ہوتے جن کی انگلیوں کے نشانات یکساں ہوں۔ قرآن مجید آج سے چودہ سو سال پہلے ہی اس طرف اشارہ دے رہا ہے۔

15: میں صرف ایک مثال مزید پیش کرنا چاہوں گا۔ تھائی لینڈ سے تعلق رکھنے والے ایک سائنس دان تھے۔ جس کا نام تھا "Prof-Thagada Shaun" انھوں نے درد اور درد محسوس کرنے والے اعضاء کے حوالے سے کافی تحقیقات کی ہیں۔ قبل ازیں خیال یہی تھا کہ درد محسوس کرنے کا عمل ایک دماغی عمل ہے، یعنی دماغ اعصاب کی مدد سے درد محسوس کرتا ہے لیکن حال ہی میں دریافت ہوا ہے کہ درد محسوس کرنے کے عمل میں جلد بھی ذمہ دار ہوتی ہے۔ جلد میں "Pain Receptors" ہوتے ہیں جن کی مدد سے انسان درد محسوس کرتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ نساء میں فرمایا گیا:

"ان الذین کفرو بایتنا سوف نصلیهم نارا کلما نضجت جلودهم بدلنهم جلودا غیرها لیذوقوا العذاب"

(القرآن الکریم، سورۃ النساء، آیت نمبر 56)

"جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کردیا ہے انھیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال جل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کردیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔o"

قرآن مجید کی یہ آیت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ جلد کا درد محسوس کرنے کے عمل سے براہِ راست تعلق ہے۔ یعنی یہاں "Pain Receptors" کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

ڈاکٹر "تھاگاڈا" کو جب معلوم ہوا کہ یہ کتاب آج سے 1400 سال قبل ہی یہ معلومات فراہم کررہی تھی تو انھوں نے صرف اس ایک دلیل کی بنیاد پر قاہرہ میں ایک طبی کانفرنس کے دوران اسلام قبول کرنے کا اعلان کردیا۔ اور برسرعام کہہ دیا:

"لا اله الا الله محمد الرسول الله"

"اللہ کے سوائی کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔"

اب اگر ایک دہریے سے پوچھا جائے کہ یہ تمام معلومات قرآن مجید میں کہاں سے آگئی ہیں تو اس کا جواب کیا ہونا چاہئے؟ اس کے پاس ایک ہی جواب ہوگا۔ وہی جواب جو ہمارے پہلے سوال کا تھا۔ پہلا سوال یہ تھا کہ ایک نامعلوم مشین کے بارے میں معلومات کس سے مل سکتی ہیں؟ جواب تھا:

''بنانے والے سے خالق سے۔''

قرآن مجید میں یہ سارے حقائق بیان کرنے والا بھی اس کائنات کا خالق، اس کا بنانے والا اور اس کا ایجاد کرنے والا ہی ہے۔ جس کے لئے انگریزی میں ''GOD'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور عربی میں ''اللہ'' کا لفظ مستعمل ہے۔

"Francis Beacon" نے بجا طور کہا تھا:

''سائنس کا نامکمل علم آپ کو ملحد بنا دیتا ہے لیکن سائنس کا وسیع اور عمیق مطالعہ آپ کو خدا پر ایمان رکھنے والا بنا دیتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ آج کا سائنسدان جھوٹے خداؤں کو تو رد کر چکا ہے۔ یعنی ''لا الہ'' کے مقام پر تو پہنچ چکا ہے لیکن ''الا اللہ'' کی منزل تک نہیں پہنچ پایا۔

میں اپنی گفتگو کا اختتام قرآن مجید کی ان آیات پر کرنا چاہوں گا:

''سنریهم ایتنا فی الافاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق اولم یکف بربك انه علی کل شی ء شهیدO''

(القرآن الکریم، سورۃ حم السجدۃ، آیت نمبر 53)

''عنقریب ہم انکو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے، کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔ O''

''قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقاO''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر، سورۃ، آیت نمبر)

''فرما دیجئے! کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بیشک باطل مٹنے کے لیے ہی تھا۔ O''

قرآن مجید کا امتحان

کیا قرآن مجید کو کسی طرح سائنسی لحاظ سے پرکھا جاسکتا ہے کہ ہر عام وخاص مسلم وغیر مسلم یہ جان لے کہ واقعی یہ کلام اللہ ہے۔؟

ہاں واقعی قرآن مجید کا امتحان لیا جاسکتا ہے۔ سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو سائنس کی دنیا کا ایک اپنا طریقہ کار ہے۔ کسی نئے نظریے کے بارے میں ان کا رویہ یہ ہوگا کہ اگر اس کا کوئی تردیدی امتحان نہیں ہوسکتا تو وہ اس نظریے پر توجہ ہی نہیں دیں گے۔

مختصراً سمجھ لیجئے کہ وہ امتحان نظریہ تردیدیت "Flasification" کہلاتا ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ اگر آپ نئے نظریے کا "Filisification test" نہیں کر سکتے تو پھر ہمارا وقت ضائع نہ کریں۔

یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی میں جب "آئن سٹائن" نے ایک نیا نظریہ پیش کیا تو ساتھ ہی اس نے تین "Filisification test" بھی پیش کر دیئے کہ اگر میرا نظریہ درست نہیں ہے تو ان تین طریقوں سے ان نظریے کو غلط ثابت کر دیا جائے۔ یعنی یہ تین امتحان ایسے ہیں جن سے نظریے کے درست یا غلط ہونے کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ سائنسدانوں نے چھ برس تک غور وفکر کرنے کے بعد تسلیم کیا کہ ہاں "البرٹ آئن سٹائن" کا نظریہ درست ہے۔ اس طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کوئی عظیم شخصیت ہے لیکن یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ نظریہ قابل غور وقابل توجہ ہے۔

قرآن مجید کے معاملے میں ایسے متعدد "تردیدی امتحان" "Filisification test" موجود ہیں۔ اگر آئندہ آپ کی کسی سے مذہب کے بارے میں گفتگو ہو تو ایک سوال ضرور کریں کہ "کیا اُس کے پاس کوئی ایسا امتحان ہے جس کی مدد سے اس کے مذہب کو غلط ثابت کیا جاسکتا ہو۔؟"

یقین کیجئے میں نے متعدد لوگوں سے یہ سوال کیا ہے اور آج تک کسی نے یہ جواب نہیں دیا کہ ہاں میرے پاس اپنے مذہب کو غلط ثابت کرنے کے لئے کوئی امتحان موجود ہے۔

لیکن قرآن مجید کا معاملہ مختلف ہے۔ قرآن مجید ایسے متعدد پیمانے، ایسے تردیدی امتحان پیش کرتا ہے کہ ان میں سے کچھ تو صرف ماضی کے لئے تھے جب کہ کچھ ہر دور اور ہر زمانے کے

لئے ہیں۔ چنانچہ میں آپ کے سامنے چند مثالیں پیش کرنا چاہوں گا۔

1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا کا نام ابولہب تھا۔ اس کا شمار پیغمبر اسلام علیہ السلام کے شدید ترین مخالفین میں ہوتا تھا۔ اس کی عادت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتا اور جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اجنبی سے بات کرتے دیکھتا تو انکے جانے کے بعد فوراً اس سے پوچھتا کہ "محمد بن عبداللہ نے تم سے کیا بات کی ہے؟" پھر اس کے الٹ باتیں کرتا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہوتا کہ دن ہے تو یہ کہتا کہ رات ہے، یعنی ہر بات کی مخالفت کرتا۔

قرآنِ مجید میں "اللہب" نام کی ایک پوری سورۃ موجود ہے۔ اس سورۃ میں فرمایا گیا ہے کہ ابولہب اور اس کی بیوی کو ان کے اعمال کے سبب جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔ گویا بالواسطہ طور پر یہ کہہ دیا گیا ہے کہ وہ کبھی مسلمان نہیں ہوگا، کافر ہی رہے گا۔

یہ سورت ابولہب کی موت سے کوئی دس برس پہلے نازل ہوئی تھی یعنی اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد دس سال تک ابولہب زندہ رہا۔ اس عرصے میں ابولہب کے دوستوں میں سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے، جو اس کی طرح اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے مخالف تھے۔

چوں کہ ابولہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کی مخالفت کرتا تھا اور ہر بات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ لہٰذا اسے صرف اتنا ہی کرنا تھا کہ اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیتا۔ اسے اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی ضرورت نہ تھی، مسلمانوں والی عادت اپنانا لازم نہ تھا۔ وہ صرف قبولِ اسلام کا اعلان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلط ثابت کر سکتا تھا۔ وہ دعویٰ کرتا کہ میں مسلمان ہوں تو اس طرح وہ قرآن مجید کو غلط قرار دے سکتا تھا۔ یہ کام اس کے لئے انتہائی آسان تھا۔ وہ پہلے بھی کذب بیانی سے کام لیتا تھا۔ ایک اضافی جھوٹ ہی تو بولنا تھا۔

یہ ایسا ہی تھا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خود دعوت دے رہے ہوں کہ تم میرے دشمن ہو، مجھے غلط ثابت کرنا چاہتے ہو تو آؤ! اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دو اور مجھے غلط ثابت کر دو! یہ کام انتہائی آسان تھا لیکن وہ نہیں کر پایا۔ یہ بات واضح ہے کہ کوئی انسان اپنی کتاب میں ایسا دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ یہ یقیناً کلامِ خداوندی ہی ہے۔

2: اسی طرح ایک اور مثال سورۂ بقرہ میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد کا ارشادِ عالی شان ہے:

"قل ان كانت لكم الدار الاخرة عند الله خالصة من دون الناس فتمنوا الموت ان كنتم صدقين O ولن يتمنوه ابدا بما قدمت ايديهم والله عليم بالظلمين O"

(القرآن الکریم،سورۃ البقرۃ،آیت نمبر 90 تا 94)

"اے نبی! ان سے کہئے کہ اگر واقعی اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے لئے ہی مخصوص ہے،تب تو تمہیں چاہئے کہ موت کی تمنا کرو، اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو۔o اور یہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے،اپنے اعمال کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔o"

مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک گفتگو کے درمیان میں یہودیوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ آخرت کا گھر یعنی جنت صرف انہی کے لئے ہے،کسی اور کے لئے نہیں،اس کے بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ اگر واقعی جنت صرف یہودیوں کے لئے مخصوص ہے اور وہی جنت میں جائیں گے تو پھر انہیں چاہئے کہ موت کی تمنا کریں،مرنے کی خواہش کریں۔

اس موقع پر قرآن مجید کو غلط قرار دینے کے لیے صرف اتنا ہی کافی تھا کہ یہودیوں میں سے ایک شخص سامنے آتا اور کہتا کہ ہاں میں مرنے کی تمنا رکھتا ہوں۔صرف دعویٰ ہی تو کرنا تھا،صرف زبانی کہنا تھا کہ میں مرنا چاہتا ہوں،لیکن کوئی یہودی آگے نہیں بڑھا،کسی نے یہ بیان نہیں دیا کہ ہاں میں موت کی تمنا رکھتا ہوں۔

یہ بڑا واضح تردیدی امتحان "Filisification test" تھا جو قرآن مجید نے پیش کیا۔لیکن ہوسکتا ہے آپ مجھ سے کہیں کہ یہ تمام باتیں ماضی کی ہیں،یہ امتحان لینا تو ماضی میں ہی ممکن تھا۔کیا آج کے لئے بھی کوئی ایسا امتحان موجود ہے۔جس کی مدد سے قرآن مجید کو غلط ثابت کیا جاسکے۔؟

تو میں کہوں گا کہ یقیناً ایسے "Filisification test" بھی موجود ہیں جو ہر دور اور ہر زمانے کے لئے ہیں اور جو آج سے 1400 سال پہلے کے لئے بھی تھے۔آج کے لئے بھی کارآمد ہیں اور آنے والے زمانوں میں بھی رہیں گے۔

3: مثال کے طور پر بہت سے لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن مجید کلام خداوندی نہیں ہے۔قرآن مجید ایسے لوگوں کے بارے میں کہتا ہے:

''قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القران لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراO''

(القرآن الکریم، سورۃ بنی اسرائیل (الاسراء)، آیت نمبر 88)

''اے نبی! فرما دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لاسکیں گے، چاہے وہ سب کے سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔o''

اس آیت کریمہ میں ایک چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر پوری بنی نوع انسان اور سارے جنات مل کر قرآن مجید جیسی ایک کتاب بنانا چاہیں تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔ قرآن مجید کا معاملہ یہ ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن مجید روئے زمین پر عربی زبان وادب کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

یہ زبان وبیان کا اعلیٰ ترین اسلوب ہے جو اس کو وحی خداوندی ثابت کرتا ہے۔ قرآن مجید کی ہر آیت بیک وقت ایک عام آدمی پر بھی اثر کرتی ہے اور ایک پڑھے لکھے عالم فاضل آدمی کو بھی متاثر کرتی ہے۔ حالانکہ قرآن شاعری بھی نہیں۔ یہ وزن، قافیہ اور ردیف سے بھی کام نہیں لیتا۔ یہ حقیقی معنوں میں ایک معجزاتی کتاب ہے۔ یہی چیلنج قرآن مجید میں دوبارہ ان الفاظ میں کیا گیا:

''ام یقولون تقولہ بل لا یؤمنونO فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقینO''

(القرآن الکریم، سورۃ الطور، آیت نمبر 34-33)

''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے، اگر یہ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو اسی شان کا ایک کلام بنا لائیں۔o''

اس آیت کریمہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس امتحان کو لوگوں کے لئے مزید آسان بنا دیا گیا ہے۔ بلکہ سورۃ ھود میں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ام یقولون افترابہ قل فاتو بعشر سور مثلہ مفتریت وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صدقینO''

(القرآن الکریم، سورۃ ھود، آیت نمبر 13)

"کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اور جو تمہارے ساتھی ہیں جن کو مدد کے لئے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم سچے ہو۔O"

لیکن ہم جانتے ہیں کہ کوئی بھی یہ چیلنج پورا نہ کر سکا اور قرآن مجید جیسی دس سورتیں بنا کر پیش نہیں کر سکا۔ سورۂ یونس میں یہ امتحان مزید آسان بنا کر پیش کیا گیا۔ وہاں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ام یقولون افترابه قل فاتو بسورة مثله وادعوا من استطعتم من دون الله ان کنتم صدقینO"

(القرآن الکریم، سورۃ یونس، آیت نمبر 38)

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے خود اسے تصنیف کر لیا ہے؟ کہو، اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورۃ اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لئے بلا لو۔O"

لیکن یہ لوگ اتنا بھی نہیں کر پائے، کوئی ایک سورۃ بنا کر نہیں لا سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اس "Falsification Test" کو آسان ترین صورت میں بھی پیش کر دیا۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا:

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداء کم من دون الله ان کنتم صدقینO فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة اعدت للکفرینO"

(القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 23-24)

"اگر تمہیں شک ہے اس میں جو کتاب ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو اس جیسی کوئی ایک ہی سورۃ بنا لاؤ اور بلا لو اپنے ساتھیوں کو اللہ کے علاوہ اگر تم سچے ہو۔O پس اگر تم نہ کر سکے اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

قرآن مجید نے چیلنج دیا کہ اس جیسی کتاب بنا کر دکھاؤ، پھر آسان کر دیا کہ چلو دس سورتیں

ایسی بنا کر لے آؤ، پھر اس چیلنج کو آسان تر بنا کر فرمایا کہ ایک سورۃ بنا کر دکھا دو۔ یہاں آسان ترین معاملہ کر دیا گیا ہے کہ چلو اس سے ملتی جلتی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ۔ اس جیسی نہیں تو اس کی مانند ہی ایک سورۃ لے آؤ۔ دیگر جگہوں پر لفظ (مثلہ) استعمال ہوا تھا۔ یہاں فرمایا گیا "من مثلہ" یعنی ایسی کوئی ایک سورت لے آؤ جو اس قرآن کے ساتھ تھوڑی بہت مماثلت ہی رکھتی ہو، لیکن پھر بھی کفار عرب بری طرح ناکام ہوئے۔

عربی زبان و ادب، اپنی فصاحت و بلاغت اور ادبیت کے لحاظ سے نزول قرآن کے زمانے میں اپنے عروج پر تھے۔ متعدد کفار عرب نے کوشش کی اور بری طرح ناکام رہے۔ اس قسم کی بعض کوششیں تاریخ کی کتابوں میں محفوظ رہ گئیں اور آج بھی لوگ انھیں پڑھ پڑھ کر ہنستے ہیں۔

یہ چیلنج آج سے 1400 سال پہلے دیا گیا تھا اور آج بھی موجود ہے۔ ایک کروڑ چالیس لاکھ قبطی عیسائی موجود ہیں۔ یہ لوگ نسلاً عرب ہیں۔ ان کی مادری زبان عربی ہے۔ یہ چیلنج ان کے سامنے بھی موجود ہے۔

اگر وہ چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کو غلط ثابت کر دیں تو انھیں صرف اتنا کرنا ہوگا کہ قرآن مجید جیسی ایک سورۃ بنا کر دکھا دیں اور اگر آپ غور کریں تو صورت حال یہ ہے کہ قرآن کی بعض سورتیں انتہائی مختصر ہیں اور چند الفاظ پر مشتمل ہیں۔ لیکن نہ تو آج تک کوئی یہ چیلنج قبول کر سکتا ہے اور نہ کبھی آئندہ قبول کر پائے گا۔

ہو سکتا ہے کہ آپ میں سے کوئی یہ کہے کہ عربی میری مادری زبان ہے۔ میں یہ زبان جانتا ہی نہیں۔ میں یہ امتحان کیسے دے سکتا ہوں؟

قرآن غیر عربوں کے لئے بھی ایک معیار پیش کر دیتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی شخص خواہ وہ عربی نہ جانتا ہو۔ اس طرح قرآن کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

سورۃ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"افلا یتدبرون القران ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا O"

(القرآن الکریم، سورۃ النساء، آیت نمبر 82)

"کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔ O"

گویا ارشادِ قرآنی یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کو غلط ثابت کرنا چاہتے ہو تو صرف اتنا کرو کہ قرآن مجید میں تضاد یا اختلاف بیانی کی کوئی ایک ہی مثال پیش کر دو۔ قرآن مجید کی کوئی ایک غلطی، تضاد یا اختلاف دکھا دو تو تم یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے کہ قرآن کلامِ خداوندی نہیں ہے۔ انتہائی سیدھی سی بات ہے۔!

میں جانتا ہوں کہ سینکڑوں لوگ یہ کوشش کر چکے ہیں اور قرآن میں غلطیوں اور تضادات کی بزعم خویش نشان دہی کر چکے ہیں لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ سو فی صد غلط بیانی کی گئی ہے، سیاق و سباق سے ہٹ کر بات کی گئی ہے، غلط ترجمہ کیا گیا ہے یا دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ آج تک کوئی بھی شخص قرآن مجید میں ایک غلطی یا تضاد بھی ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

فرض کیجئے ایک مولانا صاحب ہیں، جو تاریخ اسلام کے بارے میں اچھا علم رکھتے ہیں لیکن جدید سائنس کے بارے میں علم نہیں رکھتے۔ میں بہت سے ایسے علماء کو جانتا ہوں جو دینی علوم میں بھی مہارت رکھتے ہیں اور سائنس میں بھی لیکن میں ایک ایسے عالم کی مثال دے رہا ہوں جو دینی علوم کا تو ماہر ہے لیکن سائنسی علوم کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر ایسے کسی عالم کے سامنے یہ دعویٰ کر دیا جائے کہ قرآن میں فلاں فلاں سائنسی اغلاط موجود ہیں اور یہ عالم جواب نہ دے پائے، وضاحت نہ کر سکے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن مجید میں واقعی یہ غلطیاں موجود ہیں اور یہ کہ قرآن (نعوذ باللہ) کلامِ خداوندی نہیں ہے۔

کیوں کہ قرآن تو کہتا ہے:

"فاسئل به خبيرا"

(القرآن الکریم، سورۃ الفرقان، آیت نمبر 59)

"جاننے والے سے پوچھو۔"

اگر آپ قرآن مجید کے کسی سائنسی بیان کو سمجھنا چاہتے ہیں تو آپ کو کسی ایسے شخص سے پوچھنا پڑے گا جو سائنس کے بارے میں جانتا ہو۔ اسی صورت میں آپ کو پتہ چل سکے گا کہ قرآن مجید کیا کہہ رہا ہے۔

آج تک کوئی شخص قرآن مجید میں کوئی غلطی ثابت نہیں کر سکا اور نہ ہی آئندہ کوئی ثابت کر پائے گا۔ مندرجہ بالا گفتگو کے بعد کوئی ایسا شخص جو خدا پر ایمان رکھتا ہو یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن مجید

کلامِ خداوندی نہیں ہے۔ منزل من اللہ نہیں ہے۔ وہ لوگ جو خدا پر یقین نہیں رکھتے ان کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں وہ مذکورہ بالا دلائل دیکھنے کے بعد یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن مجید خداوندی کلام نہیں ہے۔

قرآنِ مجید کا امتیاز

یہودیت:

اس وقت ہمارے سامنے بائبل انجیل اور وید کے کچھ نسخے ہیں جن کو آسمانی کتب کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے زبور، تورات اور انجیل کو آسمانی کتب مانا ہے اور بائبل عہد عتیق میں سنتالیس کتابیں ہیں جن کی بابت ان کے ماننے والوں کا اعتقاد ہے کہ یہ کتب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو ملی تھی۔ عہد جدید کی ستائیس کتب میں جو عہد عیسیٰ علیہ السلام میں الہام ہوئی ہیں، یہ وہ کتب ہیں جن کا اکثر حصہ پہلے بھی عیسائی علماء میں مشکوک رہا ہے، لیکن چوتھی صدی عیسوی میں مقام نائس کا تیج اور فلارنس میں بیٹھ کر عیسائی علماء نے مشورہ کیا اور مشکوک کتب کو مقبول بنا دیا۔

(صحف سماوی، صفحہ نمبر 14)

یہ سب اس وجہ سے نامعتبر ہیں کہ ان کے لانے والوں اور ان کے ناقلوں کا ہم کو کہیں پتہ نہیں ملتا کہ آیا وہ سچے تھے یا جھوٹے، گمراہ تھے یا نیک راہ، قوی حافظہ والے تھے یا سہو و نسیان کے پتلے، پھر جو پہنچایا وہ بعینہٖ پہنچایا یا ملا جا کر پہنچایا، جس واقعہ سے اس قدر ابہام ہو جب وہ واقعہ سچا نہیں مانا جا سکتا ہے تو کون اپنے عقائد، اپنے اعمال بلکہ خود اپنے آپ کو ان بے سند کتابوں کے حوالہ کر سکتا ہے۔؟

عیسائیت:

عیسائیت کا دارومدار انجیل مقدس پر ہے پھر انجیل کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ آپ یقین جانیں کہ اب اناجیل بھی غیر مستند ہیں۔ متی کی اصلی انجیل دنیا سے ناپید ہے، اس کا بس ترجمہ ہے اور وہ بھی بلا عبارت اور بس۔ لوقا اور مرقس سے جو اناجیل منسوب ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی نہ تھے، چنانچہ تیسری صدی میں ہی

صداقت اناجیل کے بارے میں اختلاف شروع ہوگیا تھا اور عیسائی علماء کی ایک بڑی جماعت کو ماننا پڑا تھا کہ یہ انتساب غلطی سے ہے۔ پھر موجودہ اناجیل کی تعلیم شرک اور کفر سے لبریز ہے جو آسمانی تعلیمات کے برعکس ہیں۔ نیز بہت سی باتیں فحش ہیں اور بہت سی ناقابل عمل۔ اس لیے یہ اصلی انجیل نہیں ہوسکتی۔ ابھی ابھی امریکہ میں ایک کمیٹی بیٹھی جس نے فیصلہ کیا کہ ہر سال انجیلوں کے جو تازہ ایڈیشن نکلتے چلے آرہے ہیں ان سے صداقت انجیل اور بھی مشتبہ ہوتی جارہی ہے، لہٰذا اب مزید کسی ردوقدح کی ضرورت نہیں ہے اور اب نئے ایڈیشن نہ نکالے جائیں۔

ایک انجیل جو برناباس حواری کی طرف منسوب ہے باپائے روم کتب خانہ سے نکلی ہے وہ چونکہ عیسائی علماء کے متعدد آپریشنوں سے کسی قدر بچی رہی اس لیے اس کے مضامین زیادہ تر قرآن مجید سے ملتے جلتے ہیں لیکن بہرحال اصلی وہ بھی نہیں ہے۔ انجیلوں کے موجودہ عقائد کو بیان کیا جائے تو انسانیت کو شرم آتی ہے۔

سناتن دھرم:

سناتن دھرم یعنی ہندوازم۔ ان کی کتب "وید" کے حصے بھی آسمانی کتب نہیں ہیں کیونکہ ان کو خود آسمانی کتب ہونے کا دعویٰ نہیں ہے، نیز ان کی تاریخ کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔ بعض ہندو علماء کہتے ہیں کہ یہ بیاس جی کی مرتب کردہ ہیں جو زرتشت کے زمانہ میں تھے اور بلخ جا کر ان کے شاگرد ہوگئے تھے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ یہ کسی برہمن کی بنائی ہوئی ہیں۔ پروفیسر پنڈت کرشن کمار بھٹاچاریہ (کلکتہ کالج انڈیا میں سنسکرت کے پروفیسر تھے) نے لکھا ہے:

> "رگ وید کے حصے اس ملک کے شاعروں اور رشیوں نے تصنیف کیے ہیں اور وہ مختلف زبانوں میں لکھے گئے ہیں۔ پھر اونچ نیچ، ذات پات، خداؤں کی کثرت، بہتات، یہ وہ باتیں ہیں جو عقل وانسانیت دونوں کے دامن پر بدنما داغ ہیں اور کبھی بھی یہ خدائے واحد رب العالمین کی تعلیم نہیں ہوسکتیں۔ نیز اس میں بعض ایسی بے حیائی کی باتیں بلکہ تعلیمات ملتی ہیں جن کو قلم ظاہر نہیں کرسکتا۔ ان وجوہات سے ماننا پڑے گا کہ یہ بھی ہرگز آسمانی کتاب نہیں ہے۔ مہابھارت میں ویدوں کے احکام ایک دوسرے سے متضاد ہیں، اسی طرح سمرتی کے احکام بھی ہیں، کوئی رشی ایسا نہیں جس کی تعلیمات دوسرے رشی کے مخالف نہ ہوں۔"

(ہندوازم، صفحہ 62)

مختلف زمانوں میں مختلف شاعروں نے اپنے ماحول، معاشرہ، بود و باش، رسوم و روایات اور قصص و حکایات کے متعلق جو کچھ نظم کیا وہ آریاؤں کی خانہ بدوشی کی زندگی اور بعد میں کاشتکاری کے زمانہ میں زبان زد خلائق تھا۔ بعد میں ویاس جی نے ان میں اپنے مسلک و خیالات کا اضافہ کیا اور تصنیف کی ممکن ہے کہ ویدوں میں کہیں کہیں الہامی تعلیمات ہوں، کیونکہ ان میں شرکیہ تعلیمات کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں الہامی تعلیمات کی جھلک بھی دکھائی دے جاتی ہے چنانچہ اس بحوالہ ہندوازم صفحہ 90 پر لکھا ہے:

"ایک وید میں متعدد بار تحریف ہوئی ہے، رشیوں کی نسلوں نے اس میں نگاہ کی خرابی اور دل کی لغزش کی وجہ سے بہت سی اختلافی چیزیں داخل کر دی ہیں۔ منتروں، برہموں اور کلپ سوتوں کے نسق میں بہت سی تبدیلیاں ہوگئیں اور رگ، یجر اور سام وید بار بار مدون ہوئے۔ پہلے یجر وید ایک ہی تھا، پھر اس کے دو حصے ہو گئے، اسی طرح دواپرا زمانہ میں تینوں ویدوں میں خلفشار واقع ہو گیا۔"

فرانسیسی عالم ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے:

"ان ہزار ہا جلدوں میں جو ہندوؤں نے اپنے تین ہزار سال کے تمدن میں تصنیف کی ہیں، ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ درج نہیں ہے۔ اس زمانہ کے کسی واقعہ کو معین کرنے کے لیے ہمیں بالکل بیرونی سہاروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ان تاریخی کتابوں میں یہ عجیب و غریب خاصیت یعنی ہر چیز کو غلط اور غیر فطری صورت میں دیکھنے کی نہایت بین طور پر پائی جاتی ہے اور انسان کو اس خیال پر مجبور کرتی ہے کہ ان کا دماغ ہی ٹیڑھا ہے۔ قدیم ہندوؤں کی کوئی تاریخ ہی نہیں ہے اور نہ عمارات اور یادگاروں سے اس کی تلافی ہوتی ہے۔ ہندوستان کا تاریخی زمانہ فی الواقع مسلمانوں کی فوج کشی کے بعد شروع ہوا اور ہندوستان کے پہلے مؤرخ مسلمان ہیں۔"

ہندوؤں کی متبرک کتابیں وید ہیں، جن کی تعداد چار ہے۔ رگوید، سام وید، یجر وید اور اتھر وید۔ وید کو سمرتی بھی کہتے ہیں جس کا مطلب ہے سنی سنائی باتیں۔ اس میں دو ہزار برس پر محیط لٹریچر ہے، سب سے پرانا رگوید ہے۔ اس میں سے بقیہ وید بنائے گئے ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب رگوید ضائع ہو چکی تھی۔ یہ وید برہموں کے سینہ بسینہ روایات کی شکل میں منتقل

ہوتا رہتا تھا۔

(تمدن ہند، صفحہ 144 تا 147)

اگرچہ ہندوازم کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر جب ہم اس مذہب کی تعلیمات اور ہندوؤں کی روزانہ کی عبادات پر نظر ڈالتے ہیں تو توحید کی جگہ ہمیں کفر و شرک، اصنام پرستی اور مظاہر پرستی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ بقول ہندوؤں کے ان کے دیوتاؤں کی کل تعداد تینتیس کروڑ ہے۔ ہندوؤں نے زمین کے ہر جاندار و بے جان کا ایک ایک دیوتا بنایا ہوا ہے۔ اگر کائنات کے ہر سیارے اور ستارے کا بھی دیوتا مقرر کریں تو تینتیس کروڑ کیا بلکہ لاتعداد دیوتا بنانے پڑیں گے۔

ویدوں کی جملہ تعلیمات یہ ہیں:

1: ویدوں کی تعلیمات انسانوں پر ظلم و زیادتی کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ انسانیت کی تذلیل اور کمزوروں اور نیچی ذات والوں کے استحصال کا درس دیتی ہیں۔

2: ویدیں نفرت کا پرچار کرتی ہیں، لوٹ مار اور غارت گری کو اونچی ذات والوں کے لیے جائز قرار دیتی ہیں اور اونچ نیچ پیدا کر کے غیر مساوی سلوک کا حکم دیتی ہیں۔

3: وید عبادات کے ضمن میں بت پرستی، کفر اور شرک کی تعلیم دیتی ہیں، جو کہ خطرناک ترین گناہ ہے۔

4: ویدوں کی تعلیمات انسانی ذہن کی اختراع ہیں جن کا جزوی طور پر بھی ننانوے فیصد حصہ الہامی تعلیمات سے ذرا برابر بھی تعلق نہیں رکھتا۔

5: ویدوں میں برہمن کو غیر منصفانہ حد تک حقوق دیئے گئے ہیں۔ جو کام دوسروں کے لیے گناہ ہیں برہمن کے لیے جائز کیے گئے ہیں۔ ویدوں میں غیر برہمن کے حقوق کو بری طرح سے پامال کیا گیا ہے اور ان کی حق تلفیاں کی گئی ہیں۔

6: وید خود ساختہ دیوتاؤں، اجرامِ فلکی، آگ، پانی، ہوا اور مٹی کی پرستش کی اجازت دیتی ہیں۔

7: ویدوں میں انسانوں کو خدائی درجہ دیا گیا ہے۔

8: ویدوں میں اندارا، وشنو اور برہما دیوتاؤں (خود ساختہ خداؤں) کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کی حرام کاریاں اور شہوت پرستیاں بھی مذکور ہیں، جو ان کو عام نیک انسان سے بھی پست

درجہ پر ظاہر کرتی ہیں۔ایسی صورت میں بری طرح سے ان کی بے حرمتی کی گئی ہے۔

9: ویدوں میں عضو تناسل (شرمگاہ) کی عبادت کی تلقین کی گئی ہے،جس کی مثال قدیم بت پرست قوموں میں بھی نہیں ملتی۔

10: وہ خدا ہی کیا جو تخلیق ہو جائے؟ اللہ تعالیٰ تو تمام عیوب سے پاک ہے مگر ویدوں میں نہ صرف تخلیق کائنات کے حوالے سے غیر منطقی تعلیمات دی گئی ہیں بلکہ دیوتاؤں کی تخلیق کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

11: اسی پر بس نہیں کہ دیوتاؤں کو مخلوق کی طرح تصور کر کے ان کی بیویاں بھی بتائی گئی ہیں جن کا نام سری دیوی،کالی کلکتہ والی اور لکشمی دیوی ہے۔

12: ویدوں میں عورتوں کی بری طرح سے تذلیل کی گئی ہے۔ان کو جائز حقوق نہیں دیئے گئے۔

13: ویدوں میں برہموں کے حلولی دیوتاؤں کا بھی ذکر ہے جیسے برہمن، کرشن جی، کرشن لیلا،ہنومان جی وغیرہ۔

14: آخرت کا تصور بھی غیر حقیقی نا قابل یقین ہے۔

15: ویدوں کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ ان کے ماننے والوں میں شادی کا رواج مفقود تھا۔ یہ لوگ مادر پدر آزاد تھے یہ۔لوگ جنسی تسکین کے لیے فواحشات کا سہارا لیتے تھے۔یہ لوگ جنسی تسکین کے لیے اپنی ماں،بہن،بیٹی سے بھی منہ کالا کر لیتے تھے۔ویدوں کی تعلیمات نے ان میں آج تک وہ اثرات باقی رکھے ہیں۔مشہور ہے کہ راجہ داہر نے اپنی سگی بہن سے شادی کر لی تھی۔ مذہب کے نام پر آج بھی یہ لوگ جنسی بے راہ روی کا شکار ہیں۔

16: ویدوں کو ماننے والے لوگ مندروں میں ہم بستری کرنے کو بڑی عبادت سمجھتے ہیں۔چنانچہ پانچ ہزار برس قبل بابل ونینوا کی تہذیب میں بھی مندروں کا یہی عالم تھا اور سرشام نوجوان مندروں کا رخ کر لیتے تھے اس دور میں دیوداسیوں (جوان عورتوں) کو یہ ذہن نشین کروا دیا جاتا تھا کہ مردوں کے ساتھ شب بسری اور ہم بستری بہت بڑی عبادت اور ثواب کا کام ہے یہ روایت مندروں میں آج بھی دیکھی جا سکتی ہے۔اس دور میں فحاشی کی تمام صورتیں موجود تھیں۔

پس ثابت ہوا کہ آج سوائے قرآن کے کوئی بھی مذہبی کتاب ایسی نہیں جو منزل من اللہ ہو اور اپنی اصلی حالت پر سلامت ہو۔قرآن مجید کا ایک ایک حرف،ایک ایک نقطہ اور شوشہ محفوظ ہے

کہ جس کی تعلیمات نے ایک مردہ عالم کو زندگی کی جنت الفردوس بخشی تھی اور جو آج بھی زندہ ہے، کروڑوں سینوں میں محفوظ ہے اور جس کی تعلیمات کی طرف چاروناچار یورپ، امریکہ اور دنیا کی تمام قومیں آہستہ آہستہ کھنچی چلی آرہی ہیں۔

پس مضبوط اور ناقابل انکار شہادتوں سے ثابت ہے کہ آج سے ساڑھے چودہ سو سال سے پہلے سارا عالم واقعی جہالت، شک، تحریف، لامذہبی، بے دینی اور بے رہنمائی کی خطرناک دلدلوں میں پھنسا ہوا تھا۔ دنیا ایک ایسے ہدایت نامے کی منتظر تھی جو لاریب فیہ ہو اور ایک ایسے رہنما کے لیے بے چین تھی جو لیکون للعالمین نذیرا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا پر رحم فرمایا اور ان میں اپنے نبی رحمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر ان کو اپنا کلام قرآن مجید عطا فرمایا، جس سے ساری دنیا کی جہالت دور ہوگئی۔

اعجازِ قرآن اور غیر مسلم فضلاء

یہ چند اقوال ان لوگوں کے لیے ہیں جن کے نزدیک کوئی بات اس وقت تک معتبر نہیں ہوتی جب تک یورپ اور امریکہ کے فضلا اسے معتبر و مستند قرار نہ دے دیں۔

یہ سارے اقوال "ذکری مصر" جلد اول، صفحہ 327 تا 333 سے اخذ کئے گئے ہیں۔

چیمبرس انسائیکلو پیڈیا:

چیمبرس انسائیکلو پیڈیا کہتے ہیں:

"قرآن نے ظلم، جھوٹ، غرور، انتقام، غیبت، طمع فضول خرچی، حرامکاری، خیانت اور بدگمانی کی بہت سخت برائی بیان کی ہے اور یہ اس کی بڑی خوبی ہے۔"

ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی:

ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی کہتے ہیں:

"قرآن دلوں میں ایسا زندہ اور پرزور ایمانی جوش پیدا کر دیتا ہے کہ پھر کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔"

سر ولیم میور:

سر ولیم میور کہتے ہیں:

"قرآن نے فطرت اور کائنات کی دلیلوں سے خدا کو سب سے اعلیٰ ہستی ثابت کیا ہے اور انسانوں کو خدا کی اطاعت اور شکر گزاری پر جھکا دیا۔"

پروفیسر اڈورڈ جی براؤن ایم اے:

پروفیسر اڈورڈ جی براؤن ایم اے کہتے ہیں:

"میں جوں جوں قرآن پر غور کرتا ہوں اور اس کے مفہوم و معانی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں تو میرے دل میں اس کی قدر و منزلت زیادہ ہو جاتی ہے، لیکن ژند اوستا (جو کہ پروفیسر صاحب کی مذہبی کتاب ہے) کا مطالعہ بجز ایسی حالتوں کے کہ علم الازمان یا تحقیق لسانی یا اسی قسم دیگر غراض کے لیے پڑھا جائے تو طبیعت میں تکان پیدا کرتا اور بار خاطر ہو جاتا ہے۔"

مسٹر عمانوئیل ڈی انش:

مسٹر عمانوئیل ڈی انش کہتے ہیں:

"قرآن کی روشنی اس وقت یورپ میں نمودار ہوئی جب تاریکی محیط ہو رہی تھی اور اسی سے یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندگی مل گئی۔"

ڈاکٹر جانسن:

ڈاکٹر جانسن کہتے ہیں:

"قرآن مجید کے مطالب ایسے مناسب اور عام فہم ہیں کہ دنیا ان کو آسانی سے قبول کر سکتی ہے پر افسوس ہمارا تصور ہے کہ ہم کو دیکھ دیکھ کر دنیا اس سے نفرت کرتی ہے۔"

پروفیسر ریلڈ اے نکلسن:

پروفیسر ریلڈ اے نکلسن کہتے ہیں:

"قرآن کے اثر سے عربی زبان تمام اسلامی دنیا کی متبرک زبان بن گئی اور قرآن نے دختر کشی (بیٹیوں کو زندہ در گور کرنے) کا خاتمہ کر دیا۔"

مسٹر ایچ ایس لیڈر:

مسٹر ایچ ایس لیڈر کہتے ہیں:

''تعلیم قرآن سے فلسفہ و حکمت کا ظہور ہوا اور ایسی ترقی کی کہ اپنے عہد کی بڑی سے بڑی یورپین سلطنت کی تعلیم حکمت سے بڑھ گیا۔''

مسٹر ای ڈی ماریل:

مسٹر ای ڈی ماریل کہتے ہیں:

''اسلام کی قوت و طاقت قرآن میں ہے۔ قرآن اساسی قانون ہے اور حقوق کی دستاویز ہے۔''

جان جاک ریسک، جرمنی فلاسفر:

جان جاک ریسک، جرمنی فلاسفر کہتے ہیں:

''جب پیغمبر ﷺ کی زبان سے منکر قرآن سنتے تو بیتاب ہو کر سجدے میں گر پڑتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔''

تھیوڈور نولد یکی:

تھیوڈور نولد یکی کہتے ہیں:

''قرآن لوگوں کی ترغیب و تربیت کے ذریعہ معبودان باطل سے پھیر کر ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن میں موجودہ دور اور آئندہ کے علوم و فنون کا ذکر موجود ہے۔

مسٹر سٹینلی لین پول:

مسٹر سٹینلی لین پول کہتے ہیں:

''قرآن میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک بڑے مذہب میں ہونا چاہئے اور جو ایک بزرگ انسان (محمد) میں موجود تھا۔

مسٹر جے ٹی بٹانی:

مسٹر جے ٹی بٹانی کہتے ہیں:

''قرآن نے بے حد و بیشمار انسانوں کے اعتقاد اور چال چلن پر نمایاں اثر ڈالا اور سائنس کی دنیا نے قرآن کی ضرورت کو اور واضح کر دیا۔''

ایچ جی ویلز:

ایچ جی ویلز کہتے ہیں:

''قرآن نے مسلمانوں کو ایسی مواخات کے بندھن میں باندھ رکھا ہے جو نسل اور زبانوں کے فرق کی پابند نہیں ہے۔''

پادری والرشن ڈی ڈی:

پادری والرشن ڈی ڈی کہتے ہیں:

''قرآن کا مذہب امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔''

مسٹر بوسورتھ اسمتھ:

مسٹر بوسورتھ اسمتھ کہتے ہیں:

''محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ قرآن ان کا مستقل اور دائمی معجزہ ہے اور میں مانتا ہوں کہ واقعی یہ ایک معجزہ ہے۔

گاڈفری ہنگیس:

گاڈفری ہنگیس کہتے ہیں:

''قرآن غریب آدمی کا دوست و غمخوار ہے اور چھوٹے بڑے سب آدمیوں کی ناانصافی کی ہر جگہ مذمت کرتا ہے۔

مسٹر رچرڈسن:

مسٹر رچرڈسن کہتے ہیں:

''غلامی کی مکروہ رسم کے اٹھانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہندو شاستر (ہندوؤں کا

لٹریچر) قرآن سے بدل دیا جائے۔(ہندوؤں کی مذہبی کتابوں مثلاً ویدوں کی جگہ قرآن مجید کی تعلیم دی جائے تو غلامی ختم کی جاسکتی ہے)"

ڈین سٹینلی:

ڈین سٹینلی کہتے ہیں:

"قرآن کا قانون بے شبہ بائبل کے قانون سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے۔"

میجر لیونارڈ:

میجر لیونارڈ کہتے ہیں:

"قرآن کی تعلیم بہترین ہے اور انسانی دماغوں پر نقش ہو جاتی ہے۔"

اخبار نیر ایسٹ:

اخبار نیر ایسٹ میں لکھا ہے

"اگر ہم قرآن کی عظمت وفضیلت اور حسن وخوبی سے انکار کریں تو ہم عقل ودانش سے بیگانہ ہوں جائیں گے۔"

سر اڈورڈ ڈینی سن راس سی آئی اے:

سر اڈورڈ ڈینی سن راس سی آئی اے کہتے ہیں:

"قرآن شریف اس بات کا مستحق ہے کہ یورپ کے گوشہ گوشہ میں پڑھا جائے۔"

ڈاکٹر چارٹن:

ڈاکٹر چارٹن کہتے ہیں:

"قرآن کا طرز تحریر دل آویز ہے، رواں ہے، مختصر اور جامع ہے۔ قرآن خدا کا ذکر شاندار طریقہ سے کرتا ہے۔"

مسٹر ارنلڈ وہائٹ:

مسٹر ارنلڈ وہائٹ کہتے ہیں:

"قرآن نے مسلمانوں کو جنگ آرائی بھی سکھائی اور ہمدردی وخیرات وفیاضی بھی

۔قرآن نے وہ اصول فطرت پیش کیے کہ سائنس کی بڑھتی ہوئی ترقیاں اس کوشکست نہیں دے سکتیں۔"

ڈاکٹر موریس فرانسیسی:

ڈاکٹر موریس فرانسیسی کہتے ہیں:

"قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت وبلاغت ہے۔مقاصد کی خوبی اورمطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے قرآن کوتمام آسمانی کتابوں پر فوقیت ہے۔"

مسٹر لڈلف کرمل:

مسٹر لڈلف کرمل کہتے ہیں:

"قرآن میں عقائدواخلاق کا مکمل ضابطہ وقانون موجود ہے، وسیع جمہوریت، رشد وہدایت ،انصاف وعدالت،فوجی تنظیم ،تربیت ، مالیات اورغرباء کی حمایت وترقی کے اعلیٰ آئین موجود ہیں اوران سب باتوں کی بنیادذات باری تعالیٰ کے اعتقاد پر رکھی گئی ہے۔"

جارج سیل:

جارج سیل کہتے ہیں:

"قرآن کریم بے شبہ عربی زبان کی سب سے بہتراورسب سے مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کاقلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتااور یہ مردوں کوزندہ کرنے سے بڑا معجزہ ہے۔"

ریورنڈ جی ایم راڈویل:

ریورنڈ جی ایم راڈویل کہتے ہیں:

"قرآن کی تعلیم نے بت پرستی مٹائی ،جنات اور مادیات کاشرک مٹایا،اللہ کی اور عبادت قائم کی بچوں کے قتل کی رسم نیست ونابود کردی۔"

آر یورنڈ میکسویل کنگ:

آر یورنڈ میکسویل کنگ کہتے ہیں:

"قرآن الہامات کا مجموعہ ہے۔ اس میں اسلام کے اصول وقوانین اور اخلاق کی تعلیم اور روزمرہ کے کاروبار کی نسبت ہدایات موجود ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام کو عیسائیت پر فوقیت ہے کہ اس کے مذہبی تعلیم وقانون علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔"

موسیو داجین کلافل فرانسیسی:

موسیو داجین کلافل فرانسیسی کہتے ہیں:

"قرآن مذہبی قواعد اور احکام ہی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس میں اجتماعی احکام بھی ہیں جو انسان کی زندگی کے لیے ہر حالت میں مفید ہیں۔"

ڈیون پورٹ:

ڈیون پورٹ کہتے ہیں:

"قرآن مسلمانوں کا مشترکہ قانون ہے۔ معاشرتی، ملکی، تجارتی، فوجی، عدالتی اور تعزیری سب ہی معاملات اس میں ہیں، باوجود اس کے کہ یہ ایک مذہبی کتاب ہے اس نے ہر چیز کو باقاعدہ موضوع بنایا۔"

پروفیسر کارلائل:

پروفیسر کارلائل کہتے ہیں:

"میرے نزدیک قرآن میں خلوص اور سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر کوئی خوبی پیدا ہو سکتی ہے تو اسی سے پیدا ہو سکتی ہے۔"

کونٹ ہنری دی کاسٹری:

کونٹ ہنری دی کاسٹری کہتے ہیں:

"قرآن کو دیکھ کر عقل حیرت میں ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل امی تھا۔"

ڈاکٹر گبن:

ڈاکٹر گبن کہتے ہیں:

”قرآن وحدانیت کا بڑا گواہ ہے۔ ایک موحد فلسفی اگر کوئی مذہب قبول کر سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔ غرض سارے جہان میں قرآن کی نظیر نہیں مل سکتی۔“

الکس لوازوں فرانسیسی فلاسفر:

الکس لوازوں فرانسیسی فلاسفر کہتے ہیں:

”قرآن روشن اور پر حکمت کتاب ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ایسے شخص پر نازل ہوا جو سچا نبی تھا اور خدا نے اس کو بھیجا تھا۔ جدید علمی انکشافات میں یا ان مسائل میں جن کو ہم نے علم کے زور سے حل کیا ہے یا ہنوز زیر تحقیق و نظر ہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو تحقیقات قرآنی کے مخالف ہو۔ ہم نصرانیوں (عیسائیوں) نے نصرانیت کو علم و سائنس کے ہم آہنگ و ہمنشین بنانے میں اب تک جتنی کوششیں کی ہیں اسلام و قرآن میں یہ سب کچھ پہلے ہی سے موجود ہے اور پوری طرح سے موجود ہے۔“

موسیو سیڈ فرانسیسی:

موسیو سیڈ فرانسیسی کہتے ہیں:

”اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں انہوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا جس کے اثر سے عربوں کی معیوب عادتوں کی کایا پلٹ گئی۔“

موسیو کاسٹن کار:

موسیو کاسٹن کار کہتے ہیں:

”روئے زمین سے اگر قرآن کی حکومت جاتی رہے تو دنیا کا امن وامان کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔“

ایم ڈی بولف جرمن:

ایم ڈی بولف جرمن کہتے ہیں:

"قرآن نے صفائی، طہارت اور پاکبازی کی ایسی تعلیم دی کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو بیماروں کے کیڑے سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔"

مسٹر روڈول:

مسٹر روڈول کہتے ہیں:

"جتنا بھی ہم اس کتاب (قرآن) کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی نامرغوبی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، لیکن فوراً ہی ہمیں مسخر کر لیتی ہے، متحیر بنا دیتی ہے اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کے چھوڑتی ہے۔ اس کا طرز بیان باعتبار اس کے مضامین و اغراض کے عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین سخن غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں۔ الغرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پُرزور اثر دکھاتی رہے گی۔"

گوئٹے:

گوئٹے کہتے ہیں:

"جس قدر ہم اس کتاب (قرآن مجید) کے قریب پہنچتے ہیں یعنی اس پر زیادہ غور کرتے ہیں وہ اسی قدر اس کی تعلیمات ہمیں کھینچتی جاتی ہے یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے۔ وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے، پھر متعجب کرتی، فرحت آمیز تحیر دیتی اور آخر کار اپنا احترام کرا کے چھوڑتی ہے۔ اس طرح یہ کتاب تمام نظروں میں ہمیشہ زبردست اثر ڈالتی ہے۔"

پاپولر انسائیکلوپیڈیا:

پاپولر انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے:

"قرآن کی زبان بلحاظ لفظ عرب نہایت فصیح ہے۔ اسکی انشائی خوبیوں نے اسے اب تک بے مثل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے احکام اس قدر مطابق عقل

وحکمت وفطرت ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

اڈمنڈ برک:

اڈمنڈ برک کہتے ہیں:

"اسلامی قانون (قرآن مجید) ایک تاجدار سے لیکر ادنیٰ ترین افراد رعایا تک کو حاوی ہے۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جو ایک معقول ترین علم فقہ پر مشتمل ہے۔ جس کی نظیر اس سے پیشتر دنیا پیش نہیں کر سکتی۔"

بابا نانک:

بابا نانک کہتے ہیں:

"تورات، زبور، انجیل اور وید وغیرہ سب کو پڑھ کر دیکھ لیا، قرآن ہی قابل قبول اور اطمینان قلب کی کتاب نظر آئی۔ اگر سچ پوچھو تو سچی اور ایمان کی کتاب جس کی تلاوت سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے وہ قرآن شریف ہی ہے۔"

بابا بھوپندر ناتھ باسو:

بابا بھوپندر ناتھ باسو کہتے ہیں:

"تیرہ سو برس کے بعد (یہ بات بابا بھوپندر نے آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے لکھی تھی) بھی قرآن کی تعلیم کا یہ اثر موجود ہے کہ ایک خاکروب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔"

بابو بپن چندر پال:

بابو بپن چندر پال کہتے ہیں:

"قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا امتیاز موجود نہیں ہے۔ نہ کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے۔"

مسز سروجنی نائیڈو:

مسز سروجنی نائیڈو کہتے ہیں:

’’قرآن کریم غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے۔ دنیا اس کی پیروی سے خوش حال ہو سکتی ہے۔‘‘

مہاتما گاندھی:

مہاتما گاندھی کہتے ہیں:

’’مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کر لینے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں۔‘‘

☆☆☆

الجزء الرابع:

پیغمبر اسلام ﷺ اور دیگر بانیانِ مذاہب کا تقابل

انبیاء کرام علیہم السلام اور نبی کریم ﷺ:

جن انبیاء کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے ان کو اگرچہ ہم یقینی طور پر نبی مانتے اور جانتے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کی تعلیم اور سیرت بھی ہم تک کسی قابل اعتماد اور مستند ذریعہ سے نہیں پہنچی کہ ہم اس کی پیروی کر سکیں۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت الیاس، حضرت خضر، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت یوشع، حضرت ذوالکفل، حضرت ادریس، حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بلاشبہ نبی تھے اور ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں، مگر ان پر نازل ہونے والی کوئی کتاب آج محفوظ شکل میں موجود نہیں ہے کہ اس سے ہم ہدایت حاصل کر سکیں اور ان میں سے کسی کی زندگی کے حالات بھی ایسے محفوظ اور معتبر طریقے سے ہم تک نہیں پہنچے ہیں کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کو اپنا رہنما بنا سکیں۔ اگر ان سارے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات اور سیرت پر کوئی شخص کچھ لکھنا چاہے تو چند صفحات سے زیادہ نہیں لکھ سکتا اور وہ بھی صرف قرآن واحادیث کی مدد سے کیونکہ قرآن واحادیث کے سوا ان کے بارے میں کوئی مستند مواد موجود نہیں ہے جیسا کہ تاریخی شواہد سے ثابت ہے۔ اس کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ہر ہر گوشہ محفوظ ہے اور احادیث، سیر و تاریخ میں درج ہے۔

حضرت موسیٰ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کرام:

حضرت موسیٰ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء اور ان کی تعلیمات کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ بائبل کے عہد عتیق (Old Testament) میں ہیں، لیکن تاریخی اعتبار سے ذرا بائبل کا جائزہ لے کر دیکھیے۔ اصل تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی چھٹی صدی قبل

مسیح میں بیت المقدس کی تباہی کے وقت ضائع ہو چکی تھی اور اسی کے ساتھ دوسرے انبیاء کے صحیفے بھی ضائع ہو گئے تھے جو اس زمانے سے پہلے ہو گزرے تھے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں جب بنی اسرائیل اسیری سے رہا ہو کر فلسطین پہنچے تو حضرت عزیر (Ezra) نے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور بنی اسرائیل کی تاریخ مرتب کی اور اسی میں تورات کی وہ آیات بھی حسب موقع درج کر دیں جو انہیں اور ان کے مددگاروں کو دستیاب ہو سکیں۔ اس کے بعد چوتھی صدی عیسوی قبل مسیح سے لے کر دوسری صدی قبل مسیح تک مختلف لوگوں نے (جو نہ معلوم کون تھے) ان انبیاء کے صحیفے (نہ معلوم کن ذرائع سے) تصنیف کر لئے جو ان سے کئی صدی قبل گزر چکے تھے۔ مثلاً: ۳۰۰ قبل مسیح میں حضرت یونس علیہ السلام کے نام سے ایک کتاب کسی شخص نے لکھ کر بائبل میں درج کر دی، حالانکہ وہ آٹھویں صدی قبل مسیح کے نبی تھے۔ زبور (Psalms) حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے پانچ سو برس بعد لکھی گئی اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے علاوہ تقریباً ایک سو دوسرے شاعروں کی نظمیں بھی شامل کر دی گئیں جو معلوم نہیں کن ذرائع سے زبور مرتب کرنے والوں کو پہنچی تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ۹۳۳ قبل مسیح میں ہوئی اور امثال سلیمان (Rioverhs) ۲۵۰ قبل مسیح میں لکھی گئی اور اس میں دوسرے بہت سے حکماء کے اقوال بھی شامل کر دیے گئے۔

غرض بائبل کی کسی کتاب کی سند بھی ان انبیاء تک نہیں پہنچی جن کی طرف وہ منسوب ہے۔ اس میں مزید یہ کہ عبرانی بائبل کی یہ کتابیں بھی ۷۰ء میں بیت المقدس کی دور تباہی کے وقت ضائع ہو گئیں اور ان کا صرف یونانی ترجمہ باقی رہ گیا جو ۲۵۸ قبل مسیح سے پہلی صدی قبل مسیح تک کیا گیا تھا۔ عبرانی بائبل کو دوسری صدی عیسوی میں یہودی علماء نے ان مسودات کی مدد سے مرتب کیا جو بچ رہ گئے تھے۔ ان کا قدیم ترین نسخہ اب موجود نہیں۔ بحیرہ مردار (Dead Sea) کے قریب غار قمران میں جو عبرانی خریطے (Scrolls) ملے ہیں وہ بھی زیادہ سے زیادہ دوسری اور پہلی صدی قبل مسیح کے لکھے ہوئے ہیں اور ان میں بائبل کے صرف چند منتشر اجزاء ہی پائے جاتے ہیں۔ بائبل کی پہلی پانچ کتابوں کا (جو سامریوں (Samritans) کے ہاں رائج ہیں) قدیم ترین نسخہ گیارہویں صدی عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ یونانی ترجمہ جو تیسری صدی عیسوی میں ہوا۔ حضرت موسیٰ اور بعد کے انبیاء بنی اسرائیل کے حالات اور تعلیمات کے بارے میں اس مواد کو آخر کس معیار کے لحاظ سے مستند کہا جا سکتا ہے۔؟

اس کے علاوہ یہودیوں میں کچھ سینہ بہ سینہ روایات بھی پائی جاتی تھیں جنہیں زبانی قانون (Oral Law) کہا جاتا تھا۔ یہ تیرہ چودہ سو برس تک غیر مکتوب رہیں۔ دوسری صدی عیسوی کے آخر اور تیسری صدی کے آغاز میں ربی یہودا ابن شمعون نے ان کو مشناء (Mishnan) کے نام سے تحریری شکل دی۔ فلسطینی علمائے یہود نے ان کی شرحیں حلقہ (Melakh) کے نام سے اور بابلی علماء نے گمارا کے نام سے تیسری اور پانچویں صدی میں لکھیں۔ انہیں تین کتابوں کا مجموعہ تالمود کہلاتا ہے۔ ان کی کسی روایت کی کوئی سند نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ کن لوگوں تک پہنچیں۔

اس کے برعکس آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بلحاظ سند موجود ہے۔ تاریخ عالم کے جاننے والے جانتے ہیں کہ جیسے طرز و طریقے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور احادیث کو محفوظ کیا اور کبھی عظیم سے عظیم ہستی کے اقوال و احوال کو اس طرح سند سے جمع نہیں کیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ہر پہلو اور گفتگو کی ہر جز موجود ہی نہیں بلکہ محفوظ بھی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور تعلیمات بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ اصل انجیل جو خدا کی طرف سے وحی کے ذریعہ ان پر نازل ہوئی تھی اسے انہوں نے زبانی ہی لوگوں کو سنایا اور ان کے شاگردوں نے بھی زبانی ہی اسے دوسروں تک اس طرح پہنچایا کہ آنجناب کے حالات اور انجیل کی آیات سب کو خلط ملط کر دیا۔ ان میں سے کوئی چیز بھی حضرت مسیح کے زمانے میں یا ان کے بعد لکھی ہی نہیں گئی۔ لکھنے کا کام ان عیسائیوں نے کیا جن کی زبان یونانی تھی، حالانکہ حضرت عیسیٰ کی علیہ السلام کی زبان سریانی (Syric) یا آرامی (Aramaic) تھی اور ان کے شاگرد بھی یہی زبان بولتے تھے۔

یونانی زبان بولنے والے بہت سے مصنفین نے ان روایات کو آرامی زبان میں سنا اور یونانی میں لکھا۔ ان مصنفین کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے کوئی بھی ۷۰ء سے پہلے کی نہیں ہے اور ان میں سے کسی نے بھی کسی واقعہ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی قول کی سند بیان نہیں کی، جس سے معلوم ہو کہ انہوں نے کون سی بات کس سے سنی تھی۔

پھر ان کی لکھی ہوئی کتابیں بھی محفوظ نہیں رہیں۔ بائبل کے نئے عہد نامے (New Testament) کے ہزاروں یونانی نسخے جمع کیے گئے، مگر ان میں سے کوئی بھی چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہے بلکہ زیادہ تر گیارھویں سے چودھویں صدی تک کے ہیں۔ مصر میں یا پیرس میں لکھے ہوئے جو منتشر اجزاء ملے ہیں ان میں سے بھی کوئی تیسری صدی سے قدیم تر نہیں ہے۔

یونانی سے لاطینی زبان میں انجیل کا ترجمہ کس نے کب اور کہاں کیا؟ اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ چوتھی صدی میں پوپ کے حکم سے اس پر نظر ثانی کا کام کیا گیا اور پھر سولہویں صدی میں اسے چھوڑ کر یونانی سے لاطینی میں ایک نیا ترجمہ کر دیا گیا۔ یونانی سے سریانی زبان میں چاروں انجیلوں کا ترجمہ غالباً ۲۰۰ء میں ہوا تھا، مگر اس کا بھی قدیم ترین نسخہ جو اَب پایا جاتا ہے چوتھی صدی کا لکھا ہوا ہے اور پانچویں صدی کا جو قلمی نسخہ ملا ہے وہ اس سے کافی مختلف ہے۔
سریانی سے جو عربی ترجمے کیے گئے ان میں سے بھی کوئی ترجمہ آٹھویں صدی سے پہلے کا نہیں ہے۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ستر کے قریب انجیلیں لکھی گئی تھیں، مگر ان میں سے صرف چار کو پیشوایانِ دین مسیح نے قبول کیا اور باقی سب کو رد کر دیا۔ کچھ نہیں معلوم کہ قبول کیا تو کیوں؟ اور رد کیا تو کیوں؟ کیا اس مواد کی بناء پر حضرت عیسیٰ کی سیرت اور ان کی تعلیمات کو کسی درجے میں بھی مستند مانا جا سکتا ہے؟

زرتشت کی سیرت:

دوسرے پیشوایان مذاہب کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔ مثلاً: زرتشت (Zoroasib) کو لیجئے جس کا صحیح زمانہ پیدائش بھی اب تک ٹھیک معلوم نہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ سکندر کی فتح ایران سے ڈھائی سو سال پہلے اس کے وجود کا پتہ چلتا ہے، یعنی مسیح سے ساڑھے پانچ سو سال قبل۔ اس کی کتاب اوشتا اپنی اصل زبان میں اب ناپید ہے اور وہ زبان بھی مردہ ہو چکی ہے جس میں وہ لکھی یا زبانی بیان کی گئی تھی۔ نویں صدی عیسوی میں اس کے بعض اجزاء کا ترجمہ 9 جلدوں میں تشریح کے ساتھ کیا گیا تھا مگر ان میں سے پہلی دو جلدیں ضائع ہو گئیں اور اب اس کا جو قدیم ترین نسخہ پایا جاتا ہے وہ تیرھویں صدی کے وسط کا لکھا ہوا ہے۔

یہ تو ہے زرتشت کی پیش کردہ کتاب کا حال۔ رہا خود اس کی سیرت کا معاملہ تو اس کے متعلق ہماری معلومات اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں کہ ۴۰ سال کی عمر میں اس نے تبلیغ شروع کی۔ دو سال بعد شاہ گشتاسپ نے اس کی پیروی اختیار کر لی اور اس کا ہم مذہب بن گیا۔ ۷۷ سال وہ زندہ رہا اور اس کی موت پر جتنا زمانہ گزرتا گیا اس کی زندگی عجیب وغریب افسانوں کا مجموعہ بنتی چلی گئی، جن میں سے کسی کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔

مہاتما بدھ مت:

دنیا کی مشہور ترین مذہبی شخصیتوں میں سے ایک بدھ مت تھا۔ مگر اس نے سرے سے کوئی کتاب ہی پیش نہیں کی، نہ اس کے پیرووں نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ وہ کوئی کتاب لایا تھا۔ اس کی وفات کے سو سال بعد اس کے اقوال اور حالات کو جمع کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا اور صدیوں تک چلتا رہا، مگر اس طرح کی جتنی بدھ مذہب کی اصل کتابیں سمجھی جاتی ہیں ان میں سے کسی کے اندر بھی کوئی سند درج نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ کس ذریعہ سے ان احوال واقوال اور تعلیمات کے مرتب کرنے والوں کو بدھ مت کے حالات اور اس کے اقوال پہنچے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب کی حفاظت:

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہم دوسرے انبیاء اور مذہبی پیشواؤں کی طرف رجوع کریں تو بھی ان کے بارے میں کوئی مستند ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے ہم ان کی تعلیمات اور ان کی زندگیوں سے اطمینان اور یقین کے ساتھ رہنمائی حاصل کر سکیں۔ اس طرح ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ ہم کسی ایسے نبی کی طرف رجوع کریں گے جس نے کوئی قابل اعتماد اور تحریف وآمیزش سے پاک کتاب چھوڑی ہو اور جس کے مفصل حالات واقوال واعمال معتبر ذرائع سے ہم تک پہنچے ہوں، تاکہ ہم ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ ایسی شخصیت پوری دنیا کی تاریخ میں صرف ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو اس صریح دعوے کے ساتھ پیش کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ اس کتاب کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یقینی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی آمیزش نہیں ہوئی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کوئی بھی قول اس میں شامل نہیں ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو اس سے بالکل الگ رکھا گیا ہے۔ بائبل کی

طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات، عربوں کی تاریخ اور زمانہ نزول قرآن میں پیش آنے والے واقعات کو اس میں کلام الٰہی کے ساتھ خلط ملط نہیں کر دیا گیا۔ یہ خالص کلام اللہ (Word of God) ہے۔ اس کے اندر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا ایک لفظ بھی شامل نہیں ہوا ہے۔ اس کے الفاظ میں سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جوں کا توں یہ ہمارے زمانے تک منتقل ہوا ہے۔

یہ کتاب جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونی شروع ہوئی تھی اسی وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھوانا شروع کر دیا تھا۔ جب کوئی وحی آتی اسی وقت آپ اپنے کسی کاتب کو بلاتے اور اسے لکھوا دیتے تھے۔ لکھنے کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا جاتا تھا اور جب آپ اطمینان کر لیتے تھے کہ کاتب نے اسے صحیح لکھا ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ایک محفوظ جگہ رکھ دیتے تھے۔ ہر نازل شدہ وحی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتب کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے کس آیت سے پہلے اور کس کے بعد درج کیا جائے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو ترتیب بھی دیتے رہے تھے یہاں تک کہ وہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

پھر نماز کے متعلق آغاز اسلام ہی سے یہ ہدایت تھی کہ اس میں قرآن مجید پڑھا جائے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس کے نزول کے ساتھ ساتھ اس کو یاد کرتے جاتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے اسے پورا یاد کر لیا اور ان میں بہت زیادہ تعداد ایسے اصحاب کی تھی جنہوں نے کم وبیش اس کے مختلف حصے اپنے حافظے میں محفوظ کر لئے تھے۔ الغرض:

1: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کاتبین وحی سے قرآن مجید از اول تا آخر لکھوایا۔

2: بہت سے صحابہ نے پورا کا پورا قرآن لفظ بہ لفظ یاد کر لیا۔

3: صحابہ کرام میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے قرآن مجید کا کوئی نہ کوئی حصہ، تھوڑا یا زیادہ یاد نہ کر لیا ہو، کیونکہ اسے نماز میں پڑھنا ضروری تھا اور صحابہ کی تعداد کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آخری حج میں ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ شریک تھے۔

4: پڑھے لکھے صحابہ کی ایک اچھی تعداد نے اپنے طور پر قرآن مجید کو لکھ بھی لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کر اس کی صحت کا اطمینان بھی کر لیا تھا۔

پس یہ ایک نا قابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ آج جو قرآن مجید ہمارے پاس موجود ہے یہ لفظ بہ لفظ وہی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام اللہ کی حیثیت سے پیش فرمایا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام حافظوں اور تمام تحریری نوشتوں کو جمع کر کے اس کا ایک مکمل نسخہ کتابی صورت میں لکھوالیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسی کی نقلیں سرکاری طور پر دنیائے اسلام کے مرکزی مقامات کو بھیجی گئیں۔ ان میں سے دو نقلیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ ایک استنبول میں اور دوسری تاشقند میں۔ جس کا جی چاہے قرآن مجید کا کوئی مطبوعہ نسخہ لے جا کر ان سے ملالے ،کوئی فرق وہ نہ پائے گا اور فرق وہ کیسے سکتا ہے کہ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر پشت (Ganeration) میں لاکھوں اور کروڑوں حافظ موجود رہے۔ ایک لفظ بھی اگر کوئی شخص بدلے تو یہ حفاظ اس کی غلطی پکڑلیں گے۔

پچھلی صدی کے آخر میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی کے ایک انسٹی ٹیوٹ نے دنیائے اسلام کے مختلف حصوں سے ہر زمانے میں لکھے ہوئے قرآن مجید کے قلمی اور مطبوعہ 42 ہزار نسخے جمع کئے تھے۔ ان نسخوں میں کتابت کی غلطیوں کے سوا کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے نسخے تھے اور دنیا کے ہر حصے سے فراہم کئے گئے تھے۔ افسوس کہ دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی پر بمباری کی گئی تو وہ انسٹی ٹیوٹ تباہ ہو گیا لیکن اس کی تحقیقات کے نتائج دنیا سے ناپید نہ ہوئے۔

قرآن مجید کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوا تھا وہ ایک زندہ زبان ہے۔ عراق سے مراکو تک تقریباً 12 کروڑ انسان آج بھی اسے مادری زبان کی حیثیت سے بولتے ہیں اور غیر عرب دنیا میں بھی لاکھوں آدمی اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ عربی زبان کی گرامر، اس کی لغت، اس کے الفاظ کے تلفظ اور اس کے محاورے 14 سو برس سے جوں کے توں قائم ہیں۔ آج ہر عربی دان اسے پڑھ کر اسی طرح سمجھ سکتا ہے جس طرح 14 سو برس پہلے کے عرب سمجھتے تھے۔

یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم خصوصیت جو ان کے سوا کسی نبی اور کسی پیشوائے مذہب کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوع انسانی کی ہدایت کیلئے جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی وہ اپنی اصل زبان میں اپنے اصل الفاظ کے ساتھ بلا تغیر و تبدل موجود ہے۔

محفوظ ترین سیرت:

اب دوسری خصوصیت کو دیکھئے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور پیشوایان مذاہب میں یکتا ہیں، وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی محفوظ ہے جس سے ہم زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ بچپن سے لے کر آخری سانس تک جتنے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کا حکم دیتے سنا یا کسی چیز سے منع کرتے سنا ان کی ایک عظیم تعداد نے سب کچھ یاد رکھا اور بعد کی نسل تک اسے پہنچایا۔ بعض محققین کے نزدیک ایسے لوگوں کی تعداد ایک لاکھ چالیس تک پہنچتی ہے جنہوں نے آنکھوں دیکھے اور کانوں سنے ہوئے واقعات بعد کی نسل تک منتقل کیے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احکام خود لکھوا کر بھی بعض لوگوں کو دیئے یا بھیجے تھے جو بعد کے لوگوں کو ملے۔ صحابہ میں سے کم از کم چھ اصحاب ایسے تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنادی تھیں تاکہ ان میں کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ یہ تحریریں بھی بعد میں آنے والوں کو ملیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کم از کم پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، واقعات اور اقوال تحریری صورت میں جمع کئے اور یہ ذخیرۂ علم بھی ان لوگوں تک پہنچا جنہوں نے بعد میں احادیث و جمع اور مرتب کرنے کی خدمت انجام دی۔

پھر جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیرت کی معلومات زبانی روایت کیں ان کی تعداد بعض محققین کے نزدیک ایک لاکھ تک پہنچتی ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ کیونکہ آخری حج جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا جسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے اس میں ایک لاکھ چالیس ہزار آدمی موجود تھے۔ اتنے آدمیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کا طریقہ سیکھا۔ وہ تقریریں سنیں جو اس حج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھیں۔ کیسے ممکن ہے کہ اتنے لوگ جب ایسے اہم موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہونے کے بعد اپنے علاقوں میں واپس پہنچے ہوں گے تو وہاں ان کے عزیزوں، دوستوں اور ہم وطنوں نے ان سے اس سفر کے حالات نہ پوچھے ہوں اور حج کے احکام دریافت نہ کیے ہوں۔ اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم شخصیت کے اس دنیا سے گزر

جاننے کے بعد لوگ کس اشتیاق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اقوال اور احکام وہدایات ان لوگوں سے پوچھتے ہوں گے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو روایات بعد کی نسلوں تک پہنچی تھی ان کے بارے میں ابتدا ہی سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی بات کہتا اس کو یہ بتانا پڑتا تھا کہ اس نے وہ بات کس سے سنی ہے اور اوپر سلسلہ بہ سلسلہ کون کس سے وہ بات سنتا اور آگے بیان کرتا رہا ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک روایت کی پوری کڑیاں دیکھی جاتی تھیں تاکہ یہ اطمینان کرلیا جائے کہ وہ صحیح طور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوئی ہے۔ اگر روایت کی پوری کڑیاں نہ ملتی تو اس کی صحت مشتبہ ہو جاتی تھی۔ اگر کڑیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتیں لیکن بیچ میں کوئی راوی ناقابل اعتماد ہوتا تو ایسی روایت بھی قبول نہ کی جاتی تھی۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ دنیا کے کسی دوسرے انسان کے حالات اس طرح سے مرتب نہیں ہوئے ہیں۔ یہ خصوصیت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی بات بھی سند کے بغیر نہیں کہی گئی۔

سند میں بھی صرف یہی نہیں دیکھا گیا کہ ایک حدیث کا سلسلہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے یا نہیں بلکہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس سلسلے کے تمام راوی بھروسے کے قابل ہیں یا نہیں۔ اس غرض کے لئے راویوں کے حالات کی بھی پوری جانچ پڑتال کی گئی اور اس پر مفصل کتابیں لکھ دی گئیں، جن سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کون قابل اعتماد تھا اور کون نہ تھا۔ کس کی سیرت و کردار کا کیا حال تھا۔ کس کا حافظہ ٹھیک تھا اور کس کا ٹھیک نہ تھا۔ کون اس شخص سے ملا تھا جس سے اس نے روایت نقل کی ہے اور کون اس سے ملاقات کے بغیر ہی اس کا نام لے کر روایت بیان کر رہا ہے۔ اس طرح اتنے بڑے پیمانے پر راویوں کے متعلق معلومات جمع کی گئی ہیں کہ آج بھی ہم ایک ایک حدیث کے متعلق یہ جانچ سکتے ہیں کہ وہ قابل اعتماد ذرائع سے آئی ہے یا ناقابل اعتماد ذرائع سے۔ انسانی تاریخ میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں پایا جاتا جس کے حالات زندگی اس قدر مستند طریقے سے منقول ہوئے ہوں۔

علاوہ ازیں آنحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادیان مذاہب میں مندرجہ ذیل امتیازی خصوصیات کی وجہ سے منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے۔

بانیانِ مذاہب میں رسول اللہ ﷺ کی امتیازی خصوصیات

عالمگیریت:

گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام خاص قوموں کے لئے مختلف ادوار میں تشریف لائے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپ کرۂ ارض کے کسی خاص خطے یا کسی ایک قوم کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے، بلکہ ساری دنیا کے لئے اور تمام انسانوں کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ آپ نے اس کا اعلان خود بھی بحکم الٰہی کیا:

"یایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا"

"اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں۔"

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر: ۱۵۸)

یہ ایک ایسی بات ہے جو آپ کے لئے خاص ہے۔ آپ سے قبل جو انبیاء کرام علیہم السلام آئے ان میں سے کسی کی حیثیت یہ نہ تھی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

"مجھ سے پہلے ہر نبی مخصوص قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

آپ کے اس ارشاد کی سچائی پر اب پورا عالم اسلام شاہد ہے۔ دنیا کا کونسا خطہ، ملک یا براعظم ہے جہاں غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں۔؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاص بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی ہدایت کے لئے آئے تھے۔ اسی طرح شعیب، نوح اور ہود علیہم السلام صرف اپنی اپنی قوم کو ڈرانے کے لئے آئے تھے، لہٰذا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور آخری بین الاقوامی رسول ہیں جو ہر انسان، کالے اور گورے کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ لہٰذا رسالت محمدی عالمگیر اور بین الاقوامی ہے۔ کسی خاص قوم، نسل، ملک اور طبقے میں محدود نہیں ہے۔

دوامی تعلیمات:

رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا امتیاز اس کی تعلیمات کا دوام ہے۔ یہ وصف پہلے امتیاز کا لازمی نتیجہ تھا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ فیصلہ ہوا کہ اب نبی ایسا بھیجا جائے جو سب

کے لئے ہو اور ہمیشہ کے لئے ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس نبی پر نازل ہونے والے دین کا مزاج بین الانسانی اور دائمی ہو اور اس کی تعلیمات ہر زمانے، ملک اور ہر قسم کے انسانی مسائل پر حاوی ہوں۔ چنانچہ قرآن مجید کا اعلان ہے:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"

"آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر:۳)

دین اسلام کے مکمل ہو جانے کی طرف اشارہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ارتقاء کی تمام منازل طے کر چکا ہے اور اب اس میں مزید ترقی کی گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحی و رسالت کا سلسلہ اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو گیا اور اب قیامت تک کوئی رسول نہیں آئے گا۔ اسلام نے زندگی کے بنیادی اصول متعین کر دیئے ہیں اور ان اصولوں کی روشنی میں ہر زمانے کا حالات کے تحت قوانین مدون کئے جا سکتے ہیں۔ حکیمانہ نظام کی بناء پر اسلام میں ہر دور کا ساتھ دینے کی گنجائش رکھ دی ہے۔

محفوظ ترین کتاب:

علاوہ ازیں انبیاء میں سے کوئی ایک بھی نہیں جس کی پیش کردہ تعلیم یا کتاب آج اپنی درست شکل میں موجود ہو۔ یہ امتیاز تنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید اپنی اصلی شکل میں موجود ہے اور ہر قسم کی تحریف و ترمیم سے پاک ہے، بلکہ قرآن مجید کے علاوہ آپ کی احادیث مبارکہ اور سنت پاک بھی آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی۔

جامعیت:

رسالت محمدی کا ایک اور وصف "جامعیت" ہے۔ دوسرے مذاہب پوری انسانی زندگی کا احاطہ نہیں کرتے۔ ان کے مقابلے میں رسالت محمدی زندگی کا نہایت جامع اور منظم ضابطہ پیش کرتی ہے۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشی ہو یا سیاسی، معاشرتی

ہو یا روحانی اسلام کی ہدایات سے محروم نہیں۔

اس طرح ریاست محمدی دین و دنیا کی وحدت، علم و عمل کی یک رنگی اور زندگی میں توازن واعتدال سکھاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک جامعیت کی حامل ہے۔ مختلف طبقات انسانی کو اپنی رشد و ہدایت کیلئے جن نمونوں کی ضرورت ہے یا ہر فرد کو اپنے مختلف تعلقات اور فرائض کو ادا کرنے کیلئے جن ماڈلوں کی ضرورت ہے وہ سب آپ کی حیات مبارکہ میں ہیں۔

قرآن کریم کی نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہر ایک مسلمان کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة"

"تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔"

(سورۃ الاحزاب: آیت نمبر:۲۱)

غرضیکہ حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات انسانی کے ہر شعبے اور ہر گوشے میں مکمل ہدایات اور مثالی اعمال کے ذریعے ہمیں سیدھا، سچا، روشن اور بہترین راستہ بتایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وانك لعلى خلق عظيم

"بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔"

اب ہر انسان خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو اور کسی حال میں بھی ہو تو اس کی زندگی کے لئے جامع نمونہ اور سیرت کی اصلاح کا سامان رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔

ختم نبوت:

رسالت محمدی کا ایک وصف ختم نبوت ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام مختلف زمانوں میں مختلف اقوام کی طرف تشریف لائے۔ ان کی نبوت وقتی اور مخصوص قوم کے لئے تھی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پوری نوع انسانی کے لئے ہے اور دائمی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء یعنی سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ اب تا قیامت کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ ہی کسی نئے نبی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"ماکان محمد ابا احدمن رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین و کان اللہ بکل شیء علیما○"

"لوگو! محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔○"

(سورۃ الاحزاب: آیت نمبر ۴۰)

"خاتم النبین" کے معنی سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے کے ہیں۔ عربی زبان میں "ختم" کے معنی: "مہر لگانے اور بند کرنے" کے ہیں۔ "ختم الکتاب" کے معنی ہیں: "خط بند کر کے اس پر مہر لگادی" تا کہ خط محفوظ ہو جائے۔ اس کے معنی ڈاک خانے کی مہر کے نہیں جسے لگا کر خطوط جاری کئے جاتے ہیں بلکہ اس سے مراد وہ مہر ہے جو لفافے پر اس لئے لگائی جاتی ہے کہ نہ اس کے اندر سے کوئی چیز باہر نکلے نہ باہر کی کوئی چیز اندر آئے۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ختم نبوت کے مذکورہ مفہوم کی تائید کرتی ہیں۔ چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میری اور مجھ سے قبل کے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک نہایت خوبصورت عمارت بنائی مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہنے دی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے ہیں، عمارت کی بہت تعریف کرتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ اس خالی جگہ پر اینٹ کیوں نہ لگائی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں کیونکہ میں "خاتم النبین" ہوں۔"

(صحیح بخاری و مسلم)

2: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وصال کر جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا بلکہ خلفاء ہوں گے۔"

(الصحیح البخاری)

3: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میرے

اور انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔"

(الصحیح المسلم و ترمذی)

4: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میری امت میں تیس کذاب (جھوٹے نبی) ہوں گے، جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا، حالانکہ میں "خاتم النبیین" ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

(سنن ابی داؤد)

5: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رسالت اور نبوت ختم ہو چکی ہے۔ میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔"

(سنن ترمذی)

7: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے۔"

(صحیح مسلم)

8: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔"

(صحیح بخاری)

9: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں فاتح اور خاتم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

(کنز العمال)

10: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حضرت آدم ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے کہ میرے کے لئے نبوت واجب ہو چکی تھی۔"

نبوت کا افتتاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاتح ہیں اور نبوت کا اختتام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا۔"

(سنن ترمذی)

مذکورہ احادیث سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر مختلف طریقوں سے مختلف انداز میں بار بار تاکیدی الفاظ میں صراحت فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، سلسلہ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو کوئی بھی رسول یا نبی ہونے کا دعویٰ کرے وہ کذاب، دجال اور جھوٹا ہے۔

ختم نبوت بنیادی مسئلہ ہے، جس پر ایمان اور کفر کا انحصار ہے۔ جس طرح ایک سچے اور برحق نبی کو نہ ماننا کفر ہے، اسی طرح ایک جھوٹے نبی کو مان لینا بھی کفر ہے اور ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ پس قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق اب نہ کوئی رسول آئے گا، نہ کسی قسم کا نبی، نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی، ظلی اور نہ بروزی۔

قرآن وحدیث کی ان تصریحات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تاریخی روایات شاہد ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد متعدد لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ان سب مدعیان نبوت کے خلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق جہاد کیا اور انہیں کیفر کردار تک پہنچایا۔

اس ضمن میں مسیلمہ کذاب کی مثال خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکاری نہ تھا بلکہ دعویٰ کرتا تھا کہ اسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نبوت بنایا گیا ہے۔ اس کے باوجود اسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کافر اور خارج از ملت قرار دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروؤں کے خلاف جنگ لڑی۔ لہٰذا پوری امت میں یہ مسئلہ متفق رہا ہے کہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد ہر نبوت کا داعی جھوٹا اور کذاب ہے اور اسلام سے خارج ہے۔

انجیل متی کے باب نمبر ۷ میں ہے:

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو! جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔ ان کے پھلوؤں سے تم انہیں پہچان لوگے۔"

نبی کی ضرورت کب ہوتی ہے:

نبوت کوئی ایسا وصف نہیں جو ہر اس شخص میں پیدا ہو جاتا ہے جس نے عبادت اور عمل صالح میں ترقی کر لی ہو، بلکہ یہ خدائی عطیہ ہے جو ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ کسی شخص کو عطا کرتا ہے۔ وہ ضرورت جب متقاضی ہوتی ہے تو ایک نبی اس کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق صرف چار حالتیں ایسی ہیں جب انبیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔

1: اول یہ کہ کسی خاص قوم میں نبی بھیجنے کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ قبل ازیں اس میں کوئی نبی نہ آیا ہو اور نہ ہی کسی دوسری قوم میں آئے ہوئے نبی کا پیغام اس تک پہنچا ہو۔ یہ ضرورت اب باقی نہیں رہی کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے اور سب قوموں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

"وماارسلنك الا كافة للناس بشيرو نذيرا"

"اور اے نبی! ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔"

(سورۃ السبا: آیت نمبر ۲۸)

سورۂ اعراف، آیت نمبر ۱۵۸ میں فرمایا:

"قل يايها الناس انى رسول الله اليكم جميعا"

"اے نبی! کہہ دیجئے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔"

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دنیا کی جدید تمدنی تاریخ بتا رہی ہے کہ آپ کی بعثت کے وقت ہی ایسے حالات موجود رہے ہیں کہ آپ کا پیغام سب اقوام کو پہنچ سکتا تھا اور جدید دور میں تو یہ بالکل آسان معاملہ ہو گیا ہے۔

2: دوم یہ کہ سابقہ انبیاء کی تعلیم بھلا دی گئی ہو یا اس میں تحریف ہو گئی اور اس کے نقش قدم کا اتباع ممکن نہ ہو، لیکن رسالت محمدی کے ضمن میں یہ ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ قرآن نزول کے ساتھ ہی ہر طرح سے محفوظ کر لیا گیا اور اس کے ساتھ حدیث و سیرت کا پورا ذخیرہ اپنی صحیح صورت میں محفوظ ہے۔ اس میں تنسیخ و تحریف یا کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی جو ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے دی۔ اس کے تمام آثار آج بھی ہمیں اس طرح مل جاتے ہیں گویا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہیں۔ لہٰذا دوسری ضرورت بھی باقی نہ رہی۔

3: سوم یہ کہ سابقہ انبیاء کے ذریعہ سے کامل ہدایت و تعلیم لوگوں کو نہ ملی ہو اور تکمیل دین کے لئے نئے نبی کی ضرورت ہو، لیکن قرآن مجید اس ضرورت کی بھی نفی کرتا ہے۔ اس کا اعلان ہے:

"آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا۔"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر:۳)

4: آخری ضرورت یہ کہ ایک نبی کے ساتھ اس کی امداد کے لئے ایک اور نبی کی حاجت ہو، لیکن اگر اس کے لئے کوئی نبی درکار ہوتا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی آپ کے ساتھ مقرر کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ جب وہ مقرر نہیں کیا گیا تو یہ وجہ بھی ختم ہو گئی۔

مذکورہ بالا چار وجوہات کے علاوہ پانچویں کوئی وجہ نہیں جس کے لئے نبی کی ضرورت ہوتی

ہے۔ لہٰذا عقلی لحاظ سے بھی اب کسی قسم کے نئے نبی کی حاجت نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تا قیامت پوری انسانیت کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔

الغرض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کرام اور دیگر ہادیان مذاہب میں منفرد مقام اور امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔

☆☆☆

مفتی محمد وسیم اکرمؔ القادری / مصباح اکرم

کی ہمارے ادارے کی دیگر تصانیف

- ☆ جنت کے حسین مناظر
- ☆ عشق مجازی کا عبرت ناک انجام
- ☆ فتنہ دجال اور آخری عظیم جنگ
- ☆ حالت حاضرہ اور مسیحی دجال
- ☆ طارق بن زیاد تاریخ کے آئینے میں"

THIS IS TRUTH
مشتاق بک کارنر